

امثال الفتاویٰ اجلیہ

فتاویٰ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتوب

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان
علیہ السلام حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

جديد مطبوع حاشیہ

شکستہ تراجم کا القاری

تخادم الافکار والحديث الجامعہ قادیان

مدرسہ شاہی امرا دہلی

۳

بقیۃ الصلوۃ، الزکوۃ

ناشر:

زکریا بک ڈیوانڈیا الہند

امثالہ الفتاویٰ اجلیہ

فتاویٰ

حضرت حکیم الامت مولانا ابشر علی تھانوی رحمہ اللہ

مستوفی:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ مفتی اعظم پاکستان
خلیفہ اعلیٰ حکیم الامت مولانا ابشر علی تھانوی رحمہ اللہ

جلدین مطبوعہ حاشیہ: جلدوں میں شیعہ از احکام فقہ حنفی

جميع حقوق الطبع محفوظة

محشی: — شبیر احمد القاسمی 9412552294

مالک: — منکبہ زکریا — 01336-223223

ZAKARIA BOOK DEPOT DEOBAND

فون: 01336-223223 مکان: 01336-223223 فکس: 01336-223223



ذکر یاکد پوڈیو بسڈ سہارن پور یوٹی



ZAKARIA BOOK DEPOT
DEOBAND SAHARANPUR (U.P.)

P: (01333) 223223 (C: 225223)

Fax: (01333) 225223

Mob: 03867352223, 00310861123



اجمالى فهرست ايك نظر مين

رقم المسألة	عنوانات	
٢٣١ - ١	مقدمة التحقيق ، الطهارة ، بجميع أبوابها ، الصلاة ، من باب المواعيت إلى الباب الرابع ، القراءة .	المجلد الأول
٥٢٢-٢٣٢	بقية الصلاة من باب التجويد إلى الباب السابع عشر ، الجمعة والعيدين .	المجلد الثاني
٨٣٥-٥٢٥	بقية الصلاة ، الزكوة .	المجلد الثالث
١١٢٢-٨٣٦	بقية الزكوة بجميع أبوابها ، صدقة الفطر ، الصوم بجميع أبوابها ، الحج بجميع أبوابها ، النكاح من الباب الأول ، النكاح الصحيح والفساد ، الجهاز والمهر .	المجلد الرابع
١٢٨٥-١٢٨٠	بقية النكاح ، المحرمات ، الأولياء والكفاءة ، الطلاق ، فسخ نكاح ، خلع ، ظهار ، إيلاء ، عدة ، رجعة ، نسب ، حضانة ، نفقات ، حدود ، تعزير ، أيمان ، نذور ، الوقف .	المجلد الخامس
١٨١٣-١٢٨١	بقية الوقف ، أحكام مسجد ، كتاب البيوع ، إقالة ، سلم ، صرف ، بيع فاسد ، يهلون كى بيع ، بيع الوفاء ، كتاب الربو .	المجلد السادس

- المجلد السابع ٢٠٩٥-١٨١٢ بقية الربوا، وكالة، كفالة، حوالة، ودیعة، ضمان، عارية، إجارة، دعوى، صلح، مضاربة، قضاء، شهادة، شفعة، غصب، رهن.
- المجلد الثامن ٢٠٩٤-٢٢٠٣ بقية الرهن، هبة، شركة، قسمة، مزارعة، شرب، ذبائح، أضحية، صيد، عقیقة، الحظر والإباحة.
- المجلد التاسع ٢٢٠٢-٢٤٢٨ بقية الحظر والإباحة، وصايا، فرائض.
- المجلد العاشر ٢٤٢٩-٣٠٠٦ بقية الفرائض، مسائل شتى، ما يتعلق بتفسير القرآن.
- المجلد الحادى عشر ٣٠٠٤-٣٣٣٢ بقية ما يتعلق بتفسير القرآن، ما يتعلق بالحديث، سلوك، رؤيا، بدعات، عقائد وكلام.
- المجلد الثانى عشر ٣٣٣٥-٣٥١٢ بقية كتاب العقائد والكلام.





فہرست مضامین

بقیۃ کتاب الصلاة

□	۱۷/ باب الجمعة والعیدین	□
---	-------------------------	---

صفحہ نمبر	مسئلہ نمبر:
۲۰	۵۴۵ امام یا سلطان کی شرط کیسی اور کیوں؟
۲۱	۵۴۶ وقت نکل جانے کے بعد نماز کا اعادہ نہیں
۲۳	۵۴۷ جمعہ وعیدین کا خطبہ بیٹھ کر دینے کا حکم
۲۴	۵۴۸ مسلم بادشاہ کی اجازت سے دیہات میں نماز جمعہ کا حکم
۲۵	۵۴۹ اگر اثنائے خطبہ جمعہ وعیدین یاد آوے کہ صلوٰۃ فجر نہیں پڑھی تو کیا کرے؟
۲۷	۵۵۰ خطبہ کوئی دے اور نماز کوئی دوسرا پڑھائے تو کیا حکم؟
۲۸	۵۵۱ شہر سے متصل آبادی میں جمعہ کا حکم
۳۰	۵۵۲ دھوپ کی شدت کی وجہ سے کمزور شخص سے جمعہ معاف ہے یا نہیں؟
۳۲	۵۵۳ نماز جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنے کا حکم
۳۳	۵۵۴ ایضاً
۳۸	۵۵۵ ایضاً
۳۹	۵۵۶ ائمہ مجتہدین سے احتیاط الظہر کا ثبوت یا عدم ثبوت
۴۰	۵۵۷ ایضاً
۴۱	۵۵۸ جمعہ کے دن معذوروں کا ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا
۴۲	۵۵۹ ایضاً
۴۴	۵۶۰ ایضاً

- ۵۶۱ اگر عیدین بروز جمعہ واقع ہوں تو جمعہ کی نماز واجب رہتی ہے یا نہیں؟ ۴۵
- ۵۶۲ دیہات میں اداۓ جمعہ کے مصالح کا جواب ۴۶
- ۵۶۳ ظہر اور جمعہ کی سنن قبلہ کی بعد میں ادا نیگی ۴۷
- ۵۶۴ نوکر کو نماز جمعہ کی اجازت نہ ملے تو کیا کرے؟ ۴۸
- ۵۶۵ غیر عربی میں خطبہ جمعہ کا حکم ۵۰
- ۵۶۶ ایک شہر کے متعدد مقامات میں نماز عیدین کا حکم ۵۲
- ۵۶۷ متعدد مسجد میں صلوٰۃ عیدین کا حکم ۵۳
- ۵۶۸ عذر کی وجہ سے دوسرے دن تک عید الاضحیٰ مؤخر کرنا ۵۴
- ۵۶۹ امام وقت کے نماز عید کے بعد دوسری جگہ نماز عید پڑھنے کا حکم ۵۶
- ۵۷۰ اثناۓ خطبہ، خطبہ کا ترجمہ کرنا ۵۸
- ۵۷۱ ایضاً ۵۸
- ۵۷۲ ایضاً ۶۱
- ۵۷۳ خطبہ جمعہ میں غیر عربی میں اشعار پڑھنا ۶۳
- (جواب دوم از حضرت مولانا مدظلہم بر جواب مولوی ارشاد حسین صاحب) ۶۵
- ۵۷۴ ایضاً ۶۶
- ۵۷۵ تعدد جمعہ کا حکم ۶۹
- ۵۷۶ ایضاً ۷۱
- ۵۷۷ بوقت خطبہ عصائہا تھ میں لینا ۷۳
- ۵۷۸ جمعہ کی نماز کے تکرار کا حکم ۷۵
- ۵۷۹ ایضاً ۷۶
- ۵۸۰ غیر عربی میں خطبہ پڑھنے کا حکم ۷۸
- ۵۸۱ ایضاً ۸۱
- ۵۸۲ ایضاً ۸۳
- ۵۸۳ اس کے بعد سائل بالا سے حسب ذیل مکاتبت ہوئی ۸۸

۵۸۴	ایضاً.....	۹۱
۵۸۵	ایضاً.....	۹۳
۵۸۶	ایضاً.....	۹۵
۵۸۷	ایضاً.....	۹۶
۵۸۸	التقریظ علی رسالۃ الأعجوبة فی عربیۃ خطبة العروبة.....	۹۸
۵۸۹	جمعہ میں قعدہ پانے والا جمعہ پورا کرے یا ظہر.....	۱۰۱
۵۹۰	جمعہ وعیدین اس گاؤں میں جس کے بہت قریب دوسرا گاؤں ہے اور دونوں مل کر قصبہ کے برابر ہیں.....	۱۰۳
۵۹۱	مصر کی تعریف میں کثرت سکّان کی تحدید.....	۱۰۷
۵۹۲	تکبیرات عیدین میں رفع یدین کی دلیل.....	۱۰۸
۵۹۳	قریہ صغیرہ میں جمعہ نہ ہونا.....	۱۰۹
۵۹۴	بنگال کے گاؤں ودیہاتوں میں جمعہ کا حکم.....	۱۱۰
۵۹۵	قریہ کبیرہ کی تعریف.....	۱۱۲
۵۹۶	ایضاً.....	۱۱۳
۵۹۷	قبل صلوٰۃ عید اشراق پڑھنے کا حکم.....	۱۱۵
۵۹۸	جمعہ کے واسطے مصر کی شرط.....	۱۱۶
۵۹۹	ایضاً.....	۱۱۷
۶۰۰	جمعہ و صلوٰۃ عیدین میں امام و خطیب کا علیحدہ علیحدہ ہونا.....	۱۲۰
۶۰۱	اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا.....	۱۲۱
۶۰۲	جمعہ کی سعی میں نخل ہونے والا ہر کام حرام ہے.....	۱۲۲
۶۰۳	خطبہ سننا واجب ہے.....	۱۲۳
۶۰۴	صلوٰۃ عیدین کا گرجا کے میدان میں یا رنڈی کی بنائی ہوئی عید گاہ میں پڑھنا.....	۱۲۵
۶۰۵	جمعہ کو فرض نہ جاننے والے اور احتیاط الظہر پڑھنے والے کی جمعہ میں امامت کا حکم.....	۱۲۷

- ۶۰۶ قبل از جمعہ سنتیں مؤکدہ ہیں یا نہیں اور بعد جمعہ چار سنتیں مؤکدہ ہیں یا دو؟ ۱۲۸
- ۶۰۷ جمعہ کے روز مر وجہ دعاء کا حکم ۱۳۰
- ۶۰۸ خطبہ میں جہرا بسم اللہ پڑھنے کا حکم ۱۳۲
- ۶۰۹ اسکول کی طرف سے عدم اجازت کی وجہ سے طلبہ سے جمعہ کا سا قطنہ ہونا ۱۳۴
- ۶۱۰ دوران خطبہ عصا لینے کا حکم ۱۳۵
- ۶۱۱ ایضاً ۱۳۷
- ۶۱۲ ایضاً ۱۳۸
- ۶۱۳ شہر سے تین میل دور کارخانہ میں نماز جمعہ کا حکم ۱۴۰
- ۶۱۴ شہر کے ساحل پر کھڑے ہوئے جہاز کی چھت پر نماز جمعہ کا حکم ۱۴۱
- ۶۱۵ جماعت کی رعایت پر جمعہ کی رعایت کو مقدم کرنا ۱۴۳
- ۶۱۶ اگر سہو عیدین میں تکبیرات زائدہ چھوڑ کر رکوع میں چلا جاوے اور پھر لقمہ دینے سے رکوع کے بعد ان کو ادا کرے اور پھر سجدہ سہو کرے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ ۱۴۴
- ۶۱۷ خطبہ الوداع کی تحقیق ۱۴۶
- ۶۱۸ دیہات میں ترک جمعہ کی وجہ سے فتنہ کا خطرہ ہو تو احتیاط کا راستہ اختیار کرنا ۱۵۰
- ۶۱۹ خفی لوگوں کا شافعی مسلک کے مطابق دیہات میں جمعہ قائم کرنا ۱۵۲
- ۶۲۰ حاکم کے حکم سے دیہات میں جمعہ کا جواز ۱۵۳
- ۶۲۱ خفی حاکم کے حکم سے دیہات میں جمعہ کا قیام ۱۵۷
- ۶۲۲ دوسرے امام مجتہد کے قول پر دیہات میں قیام جمعہ ۱۵۸
- ۶۲۳ مصر کی تعریف میں اختلافات سے متعلق سوال و جواب ۱۵۹
- ۶۲۴ ایک سوال مع جواب آیا تھا اور یہاں اس پر تصحیح کی گئی تھی بوجہ مفید ہونے کے سب نقل کیا جاتا ہے ۱۶۰
- الجواب من مخلص الرحمن موضع حافظ پورڈا آخانہ منہروی ضلع ڈھاکہ ۱۶۰
- تصحیح الجواب من صاحب الفتاویٰ ۱۶۵
- ۶۲۵ مصر کی تعریف میں اختلافات سے متعلق سوالات کے جواب ۱۶۶

- ۶۲۶ نمبر کے سامنے امام کے محاذ میں اذان کا مسئلہ ۱۷۰
- ۶۲۷ خلاصۃ الکلام فی اذان الجمعة بین یدی الإمام ۱۷۱
- ۶۲۸ جمعہ کی اذان ثانی کا مسجد میں ہونا ۱۷۸
- ۶۲۹ ایضاً ۱۸۲
- ۶۳۰ حدیث میں قصر خطبہ اور طول صلاۃ کا مطلب ۱۸۴
- ۶۳۱ جمعہ کی اذان ثانی کے مسجد کے اندر ہونے پر شبہ اور اس کا جواب ۱۸۵
- ۶۳۲ نماز عیدین کے بعد مصافحہ کے رواج کا حکم ۱۸۸
- نماز عیدین کے بعد مصافحہ سے متعلق جامع فتویٰ ۱۸۸
- عید کے دن معافقہ کی شرعی حیثیت ۱۹۶
- ۶۳۳ خطبہ جمعہ سے قبل وعظ کا جائز ہونا ۱۹۸
- ۶۳۴ جمعہ میں عورت کا خطبہ دینا کیسا ہے؟ ۱۹۹
- ۶۳۵ لوگوں کے بیچ میں کھڑے ہو کر خطبہ جمعہ پڑھنا ۲۰۰
- ۶۳۶ معذور شخص کے لئے جمعہ میں حاضری لازم نہیں ۲۰۲
- ۶۳۷ تکبیر تشریق ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا کیسا ہے؟ ۲۰۴
- ۶۳۸ عیدین کے خطبہ کے دوران وعظ کہنا ۲۰۵

□	۱۸ / فصل فی الاستسقاء	□
---	-----------------------	---

- ۶۳۹ نماز استسقاء میں تحویل رداء کب کی جائے؟ ۲۰۷

□	۱۹ / باب مسائل منشورہ متعلقہ بکتاب الصلوۃ	□
---	---	---

- ۶۴۰ عمدہ نماز چھوڑنے والے کا حکم ۲۰۹
- ۶۴۱ تارک جماعت کا حکم ۲۱۳
- ۶۴۲ نابالغ کے طلوع فجر کے بعد منی کا اثر دیکھنے سے اعادہ صلاۃ کا حکم ۲۱۵
- ۶۴۳ جامع مسجد دہلی میں جواز نماز پر شبہ اور اس کا جواب ۲۱۷
- ۶۴۴ فجر وعصر میں امام کا دائیں بائیں مڑنا ۲۱۷

۶۴۵	نماز فجر وعصر کے بعد دودعا کیں	۲۱۹
۶۴۶	قنوت نازلہ میں رفع یدین اور جہر و اخفاء و ارسال کے احکام	۲۲۱
۶۴۷	طاعون کے زمانہ میں قنوت نازلہ	۲۲۳
۶۴۸	قنوت نازلہ میں ہاتھ اٹھانے میں تحقیق طلب	۲۲۵
۶۴۹	قنوت نازلہ صلوٰۃ فجر کے ساتھ خاص ہے	۲۲۷
۶۵۰	مشغول بالذکر کو سلام کی ممانعت	۲۲۹
۶۵۱	حالت ذکر میں جواب	۲۳۱
۶۵۲	سجدہ دعاء	۲۳۲
۶۵۳	قیدیوں کی تیار کردہ جانماز کا حکم	۲۳۴
۶۵۴	تصویر دار مصلیٰ پر نماز کا حکم	۲۳۶
۶۵۵	نمازی کے سامنے بیٹھے ہوئے کا اٹھ کر چلا جانا مرد نہیں	۲۳۷
۶۵۶	مصلیٰ کے سامنے سے نماز کی ضرورت سے گزرنا	۲۳۸
۶۵۷	التحیات میں لفظ سیدنا کا اضافہ	۲۳۹
۶۵۸	کپڑا یا چھتری کو سترہ بنانا	۲۴۰
۶۵۹	محمل کی جائے نماز پر نماز جائز ہے	۲۴۱
۶۶۰	چپل پہن کر نماز پڑھنا	۲۴۲
۶۶۱	بعد فرض کے اور ادو وظائف	۲۴۴

رسالة استحبّاب الدّ عَوَات عَقِيب الصَّلَوات

۶۶۲	نمازوں کے بعد دعاء مانگنے کے استحباب کا بیان	۲۴۷
○	دعا و نیاز بعد انواع نماز	۲۴۷
۶۶۳	مرد کے سن بلوغ کا بیان	۲۷۱
۶۶۴	ترک صلوٰۃ پر جرمانہ	۲۷۲
۶۶۵	صبح کے فرض اور سنن کے درمیان لیٹنے کا حکم	۲۷۴

- ۶۶۶ بعد الصلوٰۃ کے وظیفہ کو قبل الصلوٰۃ پڑھنا ۲۷۵
- ۶۶۷ بے نمازی کی تکفیر میں اختلاف ۲۷۵
- ۶۶۸ نماز کے بعد مصافحہ کا حکم ۲۷۸
- ۶۶۹ آلہ مکبر الصوت کے استعمال کا حکم ۲۸۰

التحقیق الفرید. فی حکم آلۃ تقریب الصوت البعید

- ۶۷۰ نماز اور خطبہ میں آلہ مکبرات کے استعمال کا حکم ۲۸۲
- جواب بالا پر ذیل کا خط آیا جو مع جواب منقول ہے ۲۹۰
- اس کے بعد سوال بالا کا ایک جواب مدرسہ دارالعلوم دیوبند سے بغرض دریافت رائے ۲۹۸
- آیا وہ مع رائے ذیل میں منقول ہے ۳۰۱
- مکبر الصوت سے متعلق اہل سائنس کی تحقیقات ۳۰۱

المقالات المفیدہ فی حکم أصوات آلات البعیدہ

صَمِیْمَہ اُمْدَادُ الْفَتَاوٰی جلد اوّل

- بابت مسئلہ مکبر الصوت ۳۱۰

□	۲۰ / باب الجنائز	□
---	------------------	---

- ۶۷۱ میت کے لئے ڈھیلہ اور سرمہ کا استعمال مشروع نہ ہوگا ۳۱۵
- ۶۷۲ مرد کا عورت کو کفن پہنانے کا عدم جواز ۳۱۶
- ۶۷۳ قبر میں مردہ کو دائیں پہلو پر لٹانے کی مسنونیت ۳۱۷
- ۶۷۴ ایضاً ۳۱۹
- ۶۷۵ رافضی شیعہ کی نماز جنازہ کا حکم ۳۲۰
- ۶۷۶ بلا غسل و کفن دفن کردہ میت کا حکم ۳۲۱
- ۶۷۷ عورت کو رنگین کپڑے میں کفن دینے کا حکم ۳۲۳

- ۶۷۸ نماز جنازہ میں دیگر جنازہ کے انتظار میں تاخیر کرنا کیسا؟ ۳۲۴
- ۶۷۹ احرام کے کپڑے اور آب زمزم میں مبلول کپڑے میں کفن دینا ۳۲۶
- ۶۸۰ شوہر کا اپنی بیوی کو غسل دینا ۳۲۸
- ۶۸۱ عورتوں کا محرم مرد کو غسل دینا ۳۴۱
- ۶۸۲ بوقت غسل میت کو کس طرف منہ کر کے لٹایا جائے؟ ۳۴۲
- ۶۸۳ غسل کے وقت میت کا سر کس طرف ہونا چاہئے؟ ۳۴۴
- ۶۸۴ جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ ۳۴۵
- ۶۸۵ جنازہ اٹھا کر لیجاتے وقت سر ہانے کو مقدم رکھنا ۳۴۷
- ۶۸۶ میت کے سر ہانے اور پائے سورہ آلہم کے شروع اور آخر کی آیت پڑھنا ۳۴۸
- ۶۸۷ متعدد جنازہ کی نماز ایک ساتھ پڑھنے کا طریقہ ۳۴۹
- ۶۸۸ امام کے سامنے جنازہ کو زمین پر رکھیں یا چار پائی پر؟ ۳۵۲
- ۶۸۹ قبر میں لکڑی اور اینٹ یا پتھر رکھنے کی ممانعت کیسے؟ ۳۵۶
- ۶۹۰ میت کے اوپر بری کا تختہ رکھنا ۳۵۸
- ۶۹۱ مسلم و کافر کے جنازے آپس میں مشتبہ ہو جائیں تو نماز جنازہ کیسے ادا کریں؟ ۳۵۹
- ۶۹۲ امامت جنازہ کیلئے سلطان و امام حلی و حلی سے حق ہیں یا ولی زیادہ حقدار ہے؟ ۳۶۱
- ۶۹۳ تلقین قبور کی تحقیق ۳۶۲
- ۶۹۴ مردہ کے ہاتھ حضور ﷺ کی خدمت میں سلام کہنا ۳۶۳
- ۶۹۵ وضو کا پانی قبر پر گرانا ۳۶۴
- ۶۹۶ قبر کو مسجد کے اندر داخل کرنا ۳۶۵
- ۶۹۷ قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ۳۶۶
- ۶۹۸ قبرستان میں جوتہ سمیت چلنا ۳۶۷
- ۶۹۹ غسل کے وقت میت کے نجس کپڑے کو پاک کرنا ۳۶۸
- ۷۰۰ ظاہری نجاست اگر نہ ہو تب بھی کپڑے پر اول جوتری لگے گی کپڑا ناپاک ہو جائیگا ۳۶۸

۳۶۹	قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنے کی تحقیق	۷۰۱
۳۷۱	ایضاً	۷۰۲
۳۷۱	ایضاً	۷۰۳
۳۷۳	ایضاً	۷۰۴
۳۷۵	قبرستان میں نماز جنازہ کے مکروہ ہونے کی تحقیق	۷۰۵
۳۷۷	چادر نکالنے کیلئے قبر کھودنا	۷۰۶
۳۷۸	بچہ کافر پر نماز جنازہ کی تحقیق	۷۰۷
۳۷۹	مشرک کے بچہ پروردہ مسلم پر نماز جنازہ پڑھنا	۷۰۸
۳۸۱	جنازہ میں سلام سے قبل چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑنا	۷۰۹
۳۸۲	نماز جنازہ میں سلام کے فوت ہونے کا حکم	۷۱۰
۳۸۳	شوہر کا مردہ بیوی کا چہرہ دیکھنا	۷۱۱
۳۸۵	پھانسی والے کی نماز جنازہ کا حکم	۷۱۲
۳۸۶	عورتوں کی قبروں میں بوریا رکھنا	۷۱۳
۳۸۷	ایسی جگہ نماز جنازہ کا حکم جہاں کے لوگ نماز سے واقف نہ ہوں	۷۱۴
۳۸۸	وقتِ نماز اور جنازہ کی نماز میں کس کو مقدم کریں؟	۷۱۵
۳۸۹	سنت کو جنازہ پر مقدم کرنا	۷۱۶
۳۹۱	جنازہ پر نماز عید کو مقدم کرنا	۷۱۷
۳۹۲	جو شخص غرق ہو کر ریزہ ریزہ ہو گیا اس کے غسل و نماز جنازہ کا حکم	۷۱۸
۳۹۳	پاؤں سے روند کر قبر کو برابر کرنا	۷۱۹
۳۹۴	موت کے بعد بچہ کی آون نال کا ٹٹا	۷۲۰
۳۹۷	میت کے جسم کے بعض حصہ پر نماز جنازہ کا حکم	۷۲۱
۳۹۸	شوہر کا بیوی کو قبر میں اتارنا	۷۲۲
۴۰۰	کفن کے بند کو قبر میں چھوڑ دینا	۷۲۳
۴۰۱	نماز جنازہ میں ولایت کی ترتیب کا حکم	

- ۲۴۴ کفن کے صرفہ کے وجوب میں ترتیب ۴۰۳
- ۲۴۵ لاش کے پوسٹ مارٹم کا حکم ۴۰۴
- ۲۴۶ ناپاک چارپائی پر نماز جنازہ کے عدم جواز کا حکم ۴۰۷
- ۲۴۷ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کا حکم ۴۰۸
- ۲۴۸ علماء اور سردار میت کے سر پر عمامہ کی کراہت ۴۱۰
- ۲۴۹ روضۂ اقدس ﷺ پر بناء قبہ کے جواز کی دلیل ۴۱۱
- اس جواب پر ایک دوسرے مقام سے اور سوال آیا جو مع جواب ذیل میں مذکور ہے .. ۴۱۴
- ۲۵۰ ایصال ثواب سے ثواب پہنچانے والے کے اجر میں کمی آئی ۴۱۶
- اس جواب پر ایک دوسرے مقام سے اور سوال آیا جو مع جواب ذیل میں مذکور ہے .. ۴۱۹
- ۲۵۱ اولیاء کے مزاروں پر عمارت تعمیر کرنا کیسا ہے؟ ۴۲۰
- ۲۵۲ نماز جنازہ پڑھنے کے وقت میت کے مقروض ہونے کی تحقیق کرنا کا حکم ۴۲۴
- ۲۵۳ شہید حقیقی کیسے ہوتے ہیں؟ ۴۲۵
- ۲۵۴ قبر پر تعمیر کی کراہت ۴۲۷
- ۲۵۵ قبروں پر قلعی کرنا ۴۲۸
- ۲۵۶ اپنے فرض اور واجب عمل کا ثواب میت کو پہنچانا ۴۲۹
- ۲۵۷ تلاوت قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ ۴۳۰
- ۲۵۸ عورتوں کے لئے زیارت قبور کا حکم ۴۳۵
- ۲۵۹ سوال (۷۰۸) ۴۳۷
- خلاصہ مضمون اخبار تہذیب نسواں جس کا حوالہ سوال میں ہے ۴۳۸
- ۲۶۰ ایضاً ۴۳۹
- ۲۶۱ کفار کی تعزیت ۴۴۱
- ۲۶۲ غیر مسلم کے نومولود بچے کے مسلمان کی پرورش میں فوت ہونے پر نماز جنازہ ۴۴۲
- ۲۶۳ ایضاً ۴۴۴
- ۲۶۴ صدقات و خیرات کا خصوصاً رمضان میں اہتمام کرنے کا حکم ۴۴۷

- ۴۴۸ قبر پر دوبارہ مٹی ڈالنے کا حکم ۷۴۵
- ۴۴۹ میت کے ہاتھ کس جگہ رکھے جائیں ۷۴۶
- ۴۵۰ قبرستان میں جو درخت لگائے جائیں وہ بھی وقف ہوں گے ۷۴۷
- ۴۵۱ نقل درخواست مذکورہ سوال بالا ○ ۷۴۸
- ۴۵۲ سواری پر جنازہ لے کر جانا ۷۴۹
- ۴۵۳ اجساد انبیاء کا عدم تغیر ۷۵۰
- ۴۵۸ ضمیمہ از مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی دام فیضہم ○ ۷۵۱
- ۴۶۰ ضمیمہ ثانیہ از مولوی عبدالماجد صاحب دریا آبادی ○ ۷۵۲
- ۴۶۰ قبرستان سے نکلتے وقت ادباً اس کی طرف پشت نہ کرنا ۷۵۳
- ۴۶۱ حفاظت کی نیت سے قبر کے اوپر سائبان بنانا ۷۵۴
- ۴۶۲ مسجد میں نماز جنازہ کی کراہت سے متعلق آٹھ سوال جواب ۷۵۵
- ۴۶۸ روحوں کا شب جمعہ میں گھر آنے کی بات کہاں تک صحیح ہے؟ ۷۵۶
- ۴۶۹ رات میں دفن کرنے کا حکم ۷۵۷
- ۴۷۵ ایصال ثواب کا طریقہ ○ ۷۵۸
- ۴۷۵ نقل مکتوب ○ ۷۵۹
- ۴۷۷ تحقیق متعلق مکتوب ○ ۷۶۰
- ۴۷۸ ایصال ثواب کا طریقہ ۷۶۱
- ۴۷۹ ایصال ثواب کے لئے کوئی خاص دن متعین کرنا ۷۶۲
- ۴۸۰ خواب کی وجہ سے کسی میت کو اس کی قبر سے منتقل کرنا جائز نہیں ۷۶۳
- ۴۸۲ مسلم یا غیر مسلم ولد الزناء پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ ۷۶۴
- ۴۸۷ رسالة الصلوة علی المیت الصبی المتولد بین مسلم و کافرة بغی ۷۶۵
- ۴۸۹ غیر مسلم ہندو کا میت کے وارث کو ایصال ثواب کے لئے روپیہ دینا ۷۶۶
- ۴۹۱ قبر کھودنے کے آلات کو قبر کے پائتانہ میں ڈالنے کا حکم ۷۶۷

- ۶۳ ۷ وباء میں مرنے والے کے شہید ہونے سے متعلق تحقیق ۴۹۲
- ۶۴ ۷ کسی مصلحت کی وجہ سے شیعہ کے جنازہ میں شریک ہونا ۴۹۳
- ۶۵ ۷ میت کا کھانا کھانے سے دل مرجاتا ہے اس قول کی تحقیق ۴۹۴
- ۶۶ ۷ متعدد اموات کو ثواب بخشنے سے سب کو پورا ثواب ملے گا یا تقسیم ہو کر حصہ رسد ملے گا ۴۹۵
- ۶۷ ۷ کفن پر لکھنے کی روایت کی تحقیق ۴۹۶

۳/ کتاب الزکوۃ والصدقات

۱/ باب زکوۃ المال

- ۶۸ ۷ نوٹ پر زکوۃ ہے یا نہیں؟ ۴۹۸
- ۶۹ ۷ ایضاً ۴۹۹
- ۷۰ ۷ ایضاً ۵۰۱
- ۷۱ ۷ ایضاً ۵۰۳
- ۷۲ ۷ ایضاً ۵۰۴
- ۷۳ ۷ ایضاً ۵۰۵
- ۷۴ ۷ ایضاً ۵۰۵
- ۷۵ ۷ نوٹ کے ذریعہ زکوۃ صرف اس وقت ادا ہوگی جب کہ مسکین اس نوٹ کو نقد کر لے ۵۰۶
- ۷۶ ۷ مسکین کو زکوۃ میں نوٹ دیا گیا پھر مسکین کو اس نوٹ کی قیمت کچھ کم ملی اس کا حکم ۵۰۷
- ۷۷ ۷ گوٹہ وغیرہ کی خرید و فروخت بیع صرف ہے یا نہیں؟ اور اس میں زکوۃ کا حکم ۵۰۸
- ۷۸ ۷ سونا چاندی میں کھوٹ کا حکم ۵۰۹
- ۷۹ ۷ زکوۃ کی ادائیگی میں کھوٹ والا سکہ دینا ۵۱۱
- ۸۰ ۷ زکوۃ کا نصاب تولہ کے حساب سے ۵۱۳
- ۸۱ ۷ دین مہر مانع زکوۃ ہے یا نہیں؟ ۵۱۴

۵۱۵ ایضاً	۷۸۲
۵۱۷ ایضاً	۷۸۳
۵۱۷ ایضاً	۷۸۴
۵۱۹ ایضاً	۷۸۵
۵۲۰ تنخواہ اور رشوت ملے ہوئے مال میں زکوٰۃ کا حکم	۷۸۶
۵۲۰ امداد الفتاویٰ جلد اول ص ۱۵۶	○
۵۲۲ گوٹہ اور کلابتون کی زکوٰۃ اندازہ سے ادا کرنا	۷۸۷
۵۲۳ زرین اور ریشمی کپڑے کی زکوٰۃ	۷۸۸
۵۲۴ نصاب پر حوالان حول کا مطلب	۷۸۹
۵۲۶ بعض رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا	۷۹۰
۵۲۷ مقام مال کے فقراء کا زیادہ حقدار ہونا	۷۹۱
۵۲۹ غیر جنس سے زکوٰۃ ادا کرنا	۷۹۲
۵۳۰ خلاف جنس سے زکوٰۃ ادا کرنا	۷۹۳
۵۳۲ تحقیق حیلہ تملیک	۷۹۴
۵۳۳ مال حرام میں زکوٰۃ کا حکم	۷۹۵
۵۳۶ کاشتکار کے ذمہ جو رقم بطور قرض ہے اس کی زکوٰۃ کا حکم	۷۹۶
۵۳۸ جو شخص مالک نصاب نہ ہو اس کا زکوٰۃ لینے کا حکم	۷۹۷
 مدرسہ کی مد زکوٰۃ کی رقم کو دیگر مدات میں خرچ کرنے کی اور ایک مد کو دوسرے مد میں خرچ کرنے کا حکم	۷۹۸
۵۳۹ کرایہ کے مکانات پر زکوٰۃ کا حکم	۷۹۹
۵۴۳ مسافر مال دار طالب علم کے لئے زکوٰۃ لینا	۸۰۰
۵۴۵ شیرازی اصل اور نفع دونوں پر زکوٰۃ کا حکم	۸۰۱
۵۴۸ ایضاً	۸۰۲

- ۸۰۳ کمپنی میں جو روپیہ لگائے اصل نفع پر زکوٰۃ کا حکم ۵۵۰
- ۸۰۴ ایضاً ۵۵۵
- ۸۰۵ مال مفقود کی زکوٰۃ کا حکم ۵۵۶
- ۸۰۶ زیور، برتن اور غیر منقولہ جائیداد کی زکوٰۃ کا حکم ۵۵۸
- ۸۰۷ ادائے زکوٰۃ بذریعہ منی آڈر ۵۶۱
- ۸۰۸ تحقیق ادائے زکوٰۃ بذریعہ منی آڈر وجواب شبہ بریں مسئلہ ۵۶۳
- ۸۰۹ توکیل زکوٰۃ میں غلطی ۵۶۵
- ۸۱۰ وکیل زکوٰۃ کا زکوٰۃ کے روپیہ کو نوٹوں سے بدلنا ۵۶۷
- ۸۱۱ سادات کے لیے زکوٰۃ حرام ہے ۵۶۸
- ۸۱۲ جو سیّد مشہور ہو اس کو زکوٰۃ دینے کا حکم ۵۷۰
- ۸۱۳ نابالغ پر زکوٰۃ نہیں ۵۷۲
- ۸۱۴ نابالغ کے مال میں زکوٰۃ نہیں مگر عسر لازم ہے ۵۷۳
- ۸۱۵ عاریت کے مکان میں رہنے والے مالک نصاب پر زکوٰۃ واجب ہے ۵۷۴
- ۸۱۶ ایضاً ۵۷۵
- ۸۱۷ جائیداد غیر منقولہ میں مقدار غناء کی تحقیق ۵۷۶
- ۸۱۸ ختم ماہ و وجوب زکوٰۃ پر حساب دشوار ہو تو زکوٰۃ اداء کرنے کا طریق ۵۷۹
- ۸۱۹ زکوٰۃ کا حساب قمری سال سے ہونا چاہیے شمسی سے نہیں ۵۸۰
- ۸۲۰ ایضاً ۵۸۱
- ۸۲۱ معادن میں خمس واجب اور اسلامی بیت المال نہ ہونے کی صورت میں تصدق بر فقراء لازم ہے ۵۸۳
- ۸۲۲ جس دین کے وصول ہونے کی امید نہ ہو اس پر وجوب زکوٰۃ کی تحقیق ۵۸۶
- ۸۲۳ قیمت جائیداد نصاب سے زائد ہو اور آمدنی بقدر گزر ہو تو اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ ۵۸۷
- ۸۲۴ ایضاً ۵۸۸
- ۸۲۵ سنین گزشتہ کی زکوٰۃ میں قدر واجب ہر سال منہا کرنے کا حکم وجوب حج مانع زکوٰۃ نہیں ۵۹۰

۸۲۶ بھیڑ اور بکری برابر ہونے کی صورت میں ہر ایک قسم سے زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے؟ مگر جو زیادہ ہو

اس سے ادا کرنا چاہیے ۵۹۱

۸۲۷ زکوٰۃ سوائم میں تکمیل نصاب کے معنی اور بہشتی گوہر کی عبارت کی تحقیق جو اس کے خلاف

معلوم ہوتی ہے ۵۹۵

۸۲۸ طلباء علم دین پر زکوٰۃ خرچ کرنے کی افضلیت اگرچہ وہ دُور ہوں ۵۹۶

۸۲۹ اشرفیوں کی زکوٰۃ وزن کر کے دی جاوے یا اُن کو روپیہ سمجھ کر روپیہ کی زکوٰۃ دی جاوے ... ۵۹۷

۸۳۰ تبدیل حول زکوٰۃ میں ایک اشکال ۵۹۹

۸۳۱ ادائے زکوٰۃ میں کوئی شرط فاسد لگادی تو زکوٰۃ میں خلل نہیں وہ شرط لغو ہے ۶۰۰

۸۳۲ کرایہ یا تجارت کی کشتی پر زکوٰۃ کا حکم ۶۰۲

۸۳۳ سونے چاندی کو حساب زکوٰۃ میں باہم ملانے کی صورت ۶۰۴

۸۳۴ چندہ وصول کرنے والوں کو رقم زکوٰۃ دیدینے سے زکوٰۃ اداء نہیں ہوگی ۶۰۶



بقیہ کتاب الصلاة

۷۱ / باب الجمعة والعیدین

امام یا سلطان کی شرط کیسی اور کیوں؟

سوال (۵۴۵): قدیم ۱/۲۳۰ - نماز جمعہ کے انعقاد کے شرائط سے جو سلطان اور امام کا ہونا نزدیک احناف کے معتبر ہے اب زمانہ موجودہ میں یہ شرط نہیں پائی جاتی تو اس صورت میں جمعہ ہو سکتا ہے؟ اگر ہے تو وہ کیا اسباب ہیں کن احناف علماء نے اس شرط کو شرط نہ سمجھا؟ بحوالہ کتب و اقوال تحریر فرمائیے۔ اگر چہ فی زمانہ مناسب جگہ جمعہ ہو رہا ہے؟

الجواب: في الهداية: ولا يجوز إقامتها إلا للسلطان أو لمن أمره السلطان؛ لأنها تقام بجمع عظيم وقد تقع المنازعة في التقديم والتقدم. الخ (۱)

(۱) هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/۱۶۸ -

و (من شرائط أدائها) السلطان أو نائبه..... لأنها تقام بجمع عظيم، فيقع الاختلاف في التقدم والتقديم ويرتفع ذلك بحضور من ذكر. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳۵۵)

والسلطان أو نائبه معطوف على المصير، وإنما كان شرطاً لصحة لأنها تقام بجمع عظيم، وقد تقع المنازعة في التقديم والتقدم، وقد تقع في غير فلا بد منه تتميماً لأمره. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۵۲، كوئٹہ ۲/۴۳۱)

والسلطان أو نائبه أي شرط أدائها السلطان أو نائبه وهو معطوف على المصلي..... وقال الحسن البصري: أربع إلى السلطان فذكر منها الجمعة، ومثله لا يعرف إلا سماعاً فيحمل عليه ولأنها تؤدى بجمع عظيم فتقع المنازعة في التقديم والتقدم وفي أدائها في أول الوقت أو آخره فيليها السلطان قطعاً للمنازعة وتسكيناً للفتنة. (تبين الحقائق، كتاب الصلاة،

باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۵۲۸، امدادية ملتان ۱/۲۱۹)

وفي الدر المختار: ونصب العامة الخطيب غير معتبر مع وجود من ذكر امام مع عدمهم فيجوز للضرورة. (۱)

روایت اولیٰ سے معلوم ہوا کہ شرط وجود سلطان مقصود لذاتہ نہیں ہے بلکہ حکمت سد فتنہ کے ہے پس اگر تراخی مسلمین سے یہ حکمت حاصل ہو جاوے تو معنی یہ شرط مفقود نہ ہوگی چنانچہ روایت ثانیہ میں اس کی تصریح موجود ہے البتہ جہاں اور کوئی شرط صحت جمعہ کی مفقود ہو وہاں جائز نہ ہوگا۔ واللہ اعلم،
۲۰ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۱ ص ۶۲)

وقت نکل جانے کے بعد نماز کا اعادہ نہیں

سوال (۵۴۶): قدیم ۱/۶۳۱۔ بعد روز عید کے معلوم ہوا کہ نماز باطل ہو گئی تو دہراویں یا نہیں؟
الجواب: نہ دہراویں۔ (*)

(*) یہاں پر صحیح الاغلاط ص: ۹۷ کا لم نمبر ۲۸ سے عبارت میں ترمیم کی گئی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند
۱۴/۳، کراچی ۱۴۳/۲۔

ولو اجتمعت العامة على أن يقدموا رجلاً مع قيام واحد من هؤلاء الذين ذكرنا من غير أمره لم يجز إلا إذا لم يكن ثمة قاضي ولا خليفة الميت فحينئذٍ جاز للضرورة، ألا ترى أن علياً رضي الله عنه صلى بالناس يوم الجمعة، وعثمان رضي الله عنه محصور لأن الناس اجتمعوا على علي رضي الله عنه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون شرائط الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۶، رقم: ۳۲۸۱)

وإذا لم يكن أحد ممن ذكر للناس أن يجتمعوا على واحد يصلي بهم للضرورة. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۵)

فإن لم يكن ثمة واحد منهم واجتمع الناس على رجل فصلى بهم جاز، كذا في السراجية: ولو تعذر الاستئذان من الإمام فاجتمع الناس على رجل يصلي بهم الجمعة جاز، كذا في التهذيب. (هندية، كتاب الصلاة، صلاة الجمعة، قدیم ۱/۱۴۶، جدید زکریا ۱/۲۰۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

في الدر المختار: وتؤخر بعذر كمطر إلى الزوال من الغد فوقتها من الثاني كالأول تكون قضاء لا أداء. اه (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ عید کی قضا صرف اگلے دن کے زوال تک ہے اس کے بعد نہیں۔ (*)

وقال في الرد: تحت قوله مع الإمام متعلق بمحذوف حال من ضمير فاتت لا بفاتت لأن المعنى ان الإمام أداها وفاتت المقتدى لأنها لو فاتت الإمام والمقتدى تقضى كما ياتي أفاده. في معراج الدراية: وقال تحت قوله بعذر كمطر دخل فيه ما إذا لم يخرج الإمام وما إذا غم الهلال فشهدوا به بعد الزوال أو قبله بحيث لا يمكن جمع الناس أو صلاحها في يوم غيم وظهر انها وقعت بعد الزوال كما في الدرر: وشرحه للشيخ إسماعيل وفيه عن الحجة إمام صلى العيد على غير وضوء ثم علم بذلك قبل أن يتفرق الناس يتوضأ ويعيدون وان تفرق الناس لم يعد بهم وجازت صلاتهم صيانة للمسلمين واعمالهم. اه (۲) والله تعالى اعلم وعلمه اتم

ذيقعه ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۲ ج ۱)

(*) یہ حکم عید الفطر کا ہے اور عید الاضحیٰ کا حکم سوال نمبر ۵۶۸ کے جواب میں ملاحظہ فرمائیے۔ ۱۲ سعید

احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۵۹/۳،

کراچی ۱۷۶/۲۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند

۵۸/۳-۵۹، کراچی ۱۷۶/۲۔

وتؤخر صلاة عيد الفطر بعذر كأن غم الهلال، وشهدوا بعد الزوال أو صلوا في غميم فظهر أنها كانت بعد الزوال، فتؤخر إلى الغد فقط لأن الأصل فيها أن لا تقضى كالجمعة إلا أنا تركنا بما روينا من أنه عليه السلام أخرها إلى الغد بعذر ولم يروا أنه أخرها إلى ما بعده فبقي على الأصل وقيد العذر للجواز لانفي الكراهية، فإذا لم يكن عذر لا تصح في الغد (مراقى الفلاح) وفي الطحطاوي قوله: كأن غم الهلال الخ وكالمطر ونحوه كما في السراج: وكما لو صلى بالناس على غير طهارة ←

جمعہ وعیدین کا خطبہ بیٹھ کر دینے کا حکم

سوال (۵۴۷): قدیم ۱/۲۳۱ - خطبہ جمعہ وعیدین بیٹھ کر جائز ہے یا نہیں۔ اگر خطیب ضعف کے سبب مجبور ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب: فی الدر المختار: ویسن خطبتان إلی قوله وطهارة وستر عورة قائماً. (۱)

← ولم يعلم إلا بعد الزوال كما في الخانية. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العیدین، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۳۶۵)

وتؤخر بعذرٍ إلى الغد فقط (کنز) وفي النهر: وتؤخر أي صلاة العيد بعذرٍ كمطر ونحوه ومنه إذا غم الهلال، قيد به لأنه لو أخرها بلا عذرٍ لم يصلها إلى الغد، یعنی إلى الزوال منه، وأطلقه إحالة على ما مر "فقط" لأن الأصل فيها عدم القضاء كالجمعة غير أنا تركناه بماروينا من أنه عليه الصلاة والسلام أخرها إلى اليوم الثاني، فبقي مارواه على الأصل. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۳۷۰)

وان منع عذر عنها أي عن صلاة العيد في اليوم الأول صلواها في اليوم الثاني من ارتفاع الشمس إلى زوالها..... ولا نصلي بعده ولو بعذر لأن الأصل فيها أن لا تقضي لكن ورد الحديث بتأخيرها إلى الغد للعذر فيقي ما عداه على الأصل. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، دارالكتاب العلمية بیروت ۱/۲۵۸)

الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ۱/۱۳۱۔
البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۸۴،
کوئٹہ ۲/۱۶۲۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۲۰-۲۳، کراچی ۲/۱۴۸-۱۵۰۔

وسنن الخطبة ثمانية عشر شيئاً، الطهارة: وكذا الجلوس على المنبر قبل الشروع في الخطبة والأذان بين يديه كالإقامة بعد الخطبة، ثم قيامه بعد الأذان في الخطبتين ولو قعد فيهما أو في أحدهما أجزأ وكره من غير عذرٍ وإن خطب مضطجاً أجزأ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۵۱۴-۵۱۵) ←

اس سے معلوم ہوا کہ قیام خطبہ کا سنت موکدہ ہے اور اگر واجب بھی ہوتا تب بھی عذر میں ساقط ہو جاتا کہ قیام الصلوٰۃ اور عیدین کا خطبہ مثل خطبہ جمعہ کے احکام میں ہے پس عذر میں خطبہ جمعہ و عیدین بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔ (امداد ص ۶۵ ج ۱)

مسلم بادشاہ کی اجازت سے دیہات میں نماز جمعہ کا حکم

سوال (*) (۵۴۸): قدیم ۱/۶۳۲ - درملک افغانستان اس قاعدہ است کہ بفرمائش امیر صاحب

(*) ترجمہ سوال: افغانستان میں صورت یہ ہے کہ بعض علماء کی تحریک اور امیر کے حکم سے دیہاتوں میں جمعہ قائم کرتے ہیں اور چار پانچ دیہاتوں کے لئے بادشاہ کی طرف سے ایک خطیب مقرر ہوتا ہے، بادشاہ کی اجازت کی صورت میں ”مصر“ کی شرط کو ضروری نہیں سمجھتے اور اس علاقہ میں اگر کوئی جمعہ میں حاضر نہ ہو تو خطیب صاحب نکیر کرتے ہیں اور کبھی حاکم تک شکایت کی نوبت بھی آ جاتی ہے، اندریں صورت جمعہ کی دور کعتیں ظہر کے قائم مقام ہو جائیں گی یا نہ؟ اور اگر کوئی عذر و حیلہ کر کے ایسے جمعہ میں شریک نہ ہو تو گنہگار ہوگا یا نہ؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← وتسَن خطبتان بجلسة بينهما وبطهارة قائماً بها ورد النقل المستفيض عنه عليه الصلاة والسلام ولو خطب خطبة واحدة أو لم يجلس بينهما أو بغير طهارة أو غير قائم جازت لحصول المقصود وهو الذكر والوعظ إلا أنه يكره لمخالفة التوارث. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۵۲۷-۵۲۸، امدادية ملتان ۱/۲۲۰)

وسننها أن يخطب قائماً قيد بقائماً لأنه لو خطب قاعداً يكره لمخالفته المتوارث. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۹)

ويخطب قائماً على طهارة لأن القيام فيهما متوارث، روى أن ابن مسعود لما سئل عن هذا، قال: ألتست تتلو قوله تعالى: "وتركوك قائماً"، كان النبي صلى الله عليه وسلم يخطب قائماً حين انفض عنه الناس بدخول العير المدينة، والذي روي عن عثمان، أنه كان يخطب قاعداً إنما فعل ذلك لمرض أو كبر في آخر عمره. (عناية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۶، كوئٹہ ۲/۲۹)

الجوهر النيرة، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ۱/۱۰۷ -

خلد اللہ تعالیٰ ملکہ بخریک بعض عالم در قرئی جمعہ قائم می کنند و برائے چارپنج قریہ یک خطیب از طرف بادشاہ مقرر باشد فقط اذن بادشاہ را از اشتراط مصرعنی می پندارند دریں علاقہ اگر کدام یکے بجمعہ حاضر نشود خطیب صاحب انکار می کنند گاہے نوبت بشکایت نزد حاکم ملک می رسد در صورت مذکورہ دور رکعت جمعہ از ظہر خلف میشود یا نہ در تاخیر ازال بعد و حیلہ آثم خواهد شد یا نہ؟

الجواب (*): قال الشامي: قال أبو القاسم: هذا بلا خلاف إذا أذن الوالي أو القاضي (إلى قوله) ولو صلوا في القرى لزمهم أداء الظهر وهذا إذا لم يتصل به حكم فإن في فتاوى الدينارى: وإذا بنى مسجدا في الرستاق بأمر الإمام فهو أمر بالجمعة اتفاقاً. (۱) پس در صورت مسئلہ جمعہ صحیح است، لکن وقت تبدیل حکومت اذن امیر سابق غیر سالہ غیر کافی ست اذن امیر جدید شرط ست۔

قال الشامي: لا يبقى إلى اليوم إلا دن بعد موت السلطان الأذن بذلك إلا إذا أذن به أيضاً سلطان زماننا نصره الله. ص ۸۴۰ (۲) واللہ اعلم
۲۰ محرم ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۵ ج ۱)

اگر اثنائے خطبہ جمعہ و عیدین یاد آوے کہ صلوٰۃ فجر نہیں پڑھی تو کیا کرے؟

سوال (۵۴۹): قدیم ۱/۶۳۳۔ اگر خطبہ عیدین یا جمعہ میں امام کو خیال آیا کہ نماز فجر نہیں پڑھی تو کیا کرے؟

(*) ترجمہ جواب: قال الشامي: صورت مسئلہ میں جمعہ صحیح ہے؛ لیکن جب حکومت بدلے (یعنی بادشاہ بدلے) تب نئے امیر کی اجازت شرط ہوگی، امیر سابق کی اجازت کافی نہ ہوگی۔ واللہ اعلم
نوٹ: اس جواب پر ایک شبہ اور اس کا جواب سوال نمبر ۶۶۰ پر آ رہا ہے، نیز اس سلسلہ میں سوال نمبر ۶۲۱ بھی ملاحظہ فرمایا جاوے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) شامی مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند
۶/۳-۷، کراچی ۱۳۸/۲

(۲) شامی مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند
۱۲/۳، کراچی ۱۴۲/۲۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: فی الدر المختار: باب الجمعة ولو خطب جنباً ثم اغتسل وصلى جاز (۱) وفيه وإذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام الى تمامها خلا قضاء فائتة لم يسقط الترتيب بينها وبين الوقتية فانها لا تكره سراج وغيره لضرورة صحة الجمعة. (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ تو درست ہو جائے گا لیکن نماز جمعہ نہ پڑھاوے اگر صاحب ترتیب ہو (*) بلکہ دوسرے سے پڑھاوے اور خطبہ عیدین میں یاد آوے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ ترتیب خود فرض و عیدین کی نماز میں بھی واجب نہیں اور خطبہ میں تو کہیں بھی واجب نہیں ہوتی۔

(*) صاحب ترتیب کی تعریف باب ادرک الفریضہ وقضاء الفوائت کے پہلے سوال کے جواب میں ملاحظہ فرمائیے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۴/۳، کراچی ۱۵۰/۲۔

ومنها (سنن الخطبة) الطهارة حال الخطبة فلو خطب محدثاً أو جنباً جاز. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۵۱۴) وتسن خطبتان بجلسة بينهما وبطهارة قائماً بها ورد النقل المستفيض عنه عليه الصلاة والسلام ولو خطب خطبة واحدة أو لم يجلس بينهما أو بغير طهارة أو غير قائم جازت لحصول المقصود وهو الذكر والوعظ إلا أنه يكره لمخالفة التوارث. (تبيين الحقائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۵۲۹، امدادیة ملتان ۱/۲۲۰)

وستنها أن يخطب قائماً على طهارة، فإن خطب على غير طهارة جاز؛ ولكنه يكره. (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۹)

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۴-۳۵، کراچی ۱۵۸/۲

وإذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام سواء كانت قضاء فائتة أو صلاة جنازة أو سجدة تلاوة أو منذورة أو نفل إلا إذا تذكر فائتة ولو وترأ وهو صاحب ترتيب فلا يكره الشروع فيها حينئذ به يجب لضرورة صحت الجمعة. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۵۱۸) ←

في الدر المختار: باب قضاء الفوائت الترتيب بين الفروض الخمسة والوتر أداء وقضاء لازم، وفي رد المحتار: ودخل فيه الجمعة فإن الترتيب بينها وبين سائر الصلوات لازم فلو تذكر أنه لم يصل الفجر يصلها ولو كان الإمام يخطب إسماعيل عن شرح الطحاوي. ۵۱ (۱) والله تعالى أعلم

ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد؟ ج ۱)

خطبہ کوئی دے اور نماز کوئی دوسرا پڑھائے تو کیا حکم؟

سوال (۵۵۰): قدیم ۱/۶۳۳- جمعہ وعیدین میں امام اور ہو، اور خطیب دوسرا شخص ہو تو کچھ مضائقہ تو نہیں اگر عذر ہو مثلاً امام جماعت باعتبار تقویٰ طہارت قرآن وغیرہ کے افضل ہو اور خطبہ میں بوجہ عدم عربیت غلطیاں کرتا ہو تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: في الدر المختار: في الشرط الخامس للجمعة لكن سيجيئ أنه لا يشترط اتحاد الإمام والخطيب (۲) ثم وفي وعده بقوله فيما بعد لا ينبغي

← إذا خرج الإمام فلا صلاة جائزة نفلاً وقد منا أنه لو خرج وهو يصلي السنة القبلية يكملها على الأصح، أما الفرض فإن كانت فائتة والترتيب لم يسقط فتجوز لأنه مضطر إليها لصحة الجمعة وإلا فلا. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳۶۴)

وإذا خرج الإمام فلا صلاة أصلاً خلافاً لثمة لم يسقط الترتيب بينها وبين الوقتية لضرورة صحة الجمعة. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۵۳)

(۱) الدر المختار مع الشامسي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۲۳، کراچی ۲/۶۵- شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) الدر المختار مع الشامسي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند

أن يصلى غير الخطيب (إلى قوله) جاز هو المختار. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بلا عذر بھی جائز ہے مگر خلاف اولیٰ اور عذر سے خلاف اولیٰ بھی نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محرم الحرام ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۵ ج ۱)

شہر سے متصل آبادی میں جمعہ کا حکم

سوال (۵۵۱): قدیم/۱-۶۳۴ - مدت سے اس بات میں شک ہے کہ جمعہ ہمارے محلہ میں جو کہ شہر الہ آباد سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور بالکل دیہات ہے اور ہم لوگوں کو تمام اشیاء ضروری استعمال کی شہر ہی سے لانا پڑتا ہے جائز ہے یا نہیں اور پھر لوگ جو چار رکعت بعد نماز جمعہ کے پڑھ لیتے ہیں

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۳۹/۳، کراچی ۱۶۲/۲۔

وفي القنية: واتحاد الخطيب والإمام ليس بشرط على المختار، وفي الذخيرة: لو خطب صبي عاقل، وصلى بالغ جاز. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ دار الكتاب دیوبند ص: ۵۰۸)

لا ينبغي أن يصلى غير الخطيب لأنه الجمعة مع الخطبة كشيء واحد فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان وصلى بالغ جاز. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۲۵۴/۱)

وفي الملتقى: صبي خطب بإذن السلطان وصلى الجمعة رجل بالغ يجوز. (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۲۰۵/۱)

وقد علم من تفاريحهم أنه لا يشترط في الإمام أن يكون هو الخطيب وقد صرح في الخلاصة بأنه لو خطب صبي بإذن السلطان وصلى الجمعة رجل بالغ يجوز. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۰۵/۲،

کوئٹہ ۱۴۷/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یہ کیسا ہے چنانچہ میں بھی ایک بزرگ کے کہنے سے اپنے محلہ میں بعد اوائے جمعہ چار رکعت فرض بھی پڑھ لیتا ہوں امید ہے کہ جواب شافی سے مطلع فرمائیں؟

الجواب: في الدر المختار او فناءه وهو ما حوله اتصل به او لا كما حرره ابن كمال لأجل مصلحه كدفن الموتى ور كض الخيل وفي ردالمحتار وان اعتبرت (التكية) قرية مستقلة فهي مصر على تعريف المصنف. (۱)

ان روایات سے مفہوم ہوا کہ اگر یہ مقام جس کی نسبت سوال ہے مستقل آبادی شمار کی جاتی ہے تب تو بوجہ قریہ ہونے کے اس میں جمعہ جائز نہیں اور اگر مستقل آبادی نہیں سمجھی جاتی بلکہ شہر کے متعلق قرار دی جاتی ہے اور شہر کے مصالح عامہ اس سے متعلق ہیں جیسے گھوڑ دوڑ اور چاند ماری اور لشکر کا پڑاؤ اور گورستان و مثل ذلک تو اس میں جمعہ جائز ہے اور ظہر احتیاطی کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۱۷)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۷/۳-۸، کراچی ۲/ -

وشرائط أدائها المصراً أو مصلاه أي فناءه وهو المكان المعد لمصالح المصير متصل به أو منفصل عنه، بغلوة كذا قرره محمد في النوادر: وفي المصمورات يجب على أهل القرى القريبة الذين يسمعون النداء بأعلى الصوت وهو الصحيح والتقييد بالمصلى اتفاقي إذ الحكم غير مقصور عليها بل تجوز في جميع أوقيتها، وإن لم يكن بها مصلى. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۳۵۳)

الشرط الأول اشتراطه الحنفية: وهو أن يكون المكان الذي تقام فيه مصراً، ويلحق بالمصر صاحيته أو فناءه، و ضواحي المصر هي القرى المنتشرة من حوله والمتصلة به والمعدودة من مصالحه بشرط أن يكون بينها وبينه من القرب ما يمكن أهلها من حضور الجمعة، ثم الرجوع إلى منازلهم في نفس اليوم بدون تكلف. (المؤسعة الفقهية الكويتية ۲۷/۱۹۶)

و كما يجوز أداء الجمعة في المصر يجوز أداءها في فناء المصر وهو الموضع المعد ←

دھوپ کی شدت کی وجہ سے کمزور شخص سے جمعہ معاف ہے یا نہیں؟

سوال (۵۵۲): قدیم ۱/۶۳۳- اگر کسی کو ایسا مرض ہو کہ اگر صبح کو وہ جامع مسجد جمعہ کے دن جانا چاہے تو جا سکتا ہے اور اگر دوپہر کے وقت یا ۱۰ بجے جانا چاہے تو نہیں جا سکتا اس وجہ سے کہ آج کل دھوپ سے اس کو سخت مضرت ہوتی ہے تو ایسے شخص کو جمعہ پڑھنے کیلئے صبح کو جانا واجب ہے یا نہیں یا جمعہ اس سے معاف ہے؟

الجواب: في رد المحتار: تحت قول الدر المختار: في أعذار ترك الجماعة وبرد شديد مانصه لم يذكر الحر الشديد أيضاً ولم أر من ذكره من علمائنا ولعل وجهه إن الحر الشديد إنما يحصل غالباً في صلوة الظهر وقد كفيينا مؤنته بسنية الأبراد نعم قد يقال لو ترك الإمام هذه السنة وصلى في أول الوقت كان الحر الشديد عذراً تأمل (۱) وفي أعذار ترك الجماعة من الدر المختار ووحل وثلج ونحوهما وفي رد المحتار أي كبر د شديد كما قدمناه في باب الإمامة. (۲)

← لمصالح المصر متصلاً بالمصر. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة الجمعة، قديم زكريا ۱/۱۴۵، جديد زكريا ۱/۲۰۵)

وشرط أدائها المصر أو مصلاه أي مصلی المصر لأنه من توابعه فكان في حكمه والحكم غير مقصور على المصلی بل يجوز في جميع أفنية المصر لأنها بمنزلة المصر في حوائج أهله. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبته زكريا ديوبند ۲/۲۴۷، كوئٹہ ۲/۱۴۰)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۴ -

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبته زكريا ديوبند

۲/۲۹۲-۲۹۳، کراچی ۱/۵۵۶

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبته زكريا ديوبند

۳/۲۹، کراچی ۲/۱۵۴ - ←

اس سے معلوم ہوا کہ اگر دھوپ (*) سخت مضر ہوا اور چھتری کی حفاظت کافی نہ ہو تو ترک جمعہ کیلئے عذر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم

۵/ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۱۷۱ ج ۱)

(*) جمعہ کو جماعت پر قیاس کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا؛ کیونکہ جمعہ فرض ہے اور جماعت مستحب یا سنت مؤکدہ یا واجب فلا یقاس علیہا اور اگر صحیح ہو تو پھر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ہندوستان میں ایسی گرمی ہوتی بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ اندیشہ ہے کہ نازک مزاج لوگ اس فتوے کو حیلہ بنا کر جمعہ و جماعت کا اہتمام چھوڑ دیں۔ (الفتح الاغلاط ص: ۱۰) احقر کے خیال میں اس مسئلہ کو ترک جماعت کے اعذار پر قیاس کرنے کی حاجت ہی نہیں ہے؛ کیونکہ یہاں مسئلہ یہ ہے کہ مرض کی وجہ سے گرمی کا تحمل نہیں ہوتا تو کیا ایسے مریض پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ جمعہ واجب نہیں ہے۔

ففي شرح السمنية الكبير: الرابع: الصحة أي عدم المرض، فلا تجب على المريض إذا كان لا يقدر على الذهاب إلى الجامع، أو يقدر إلا أنه يخاف أن يزيد مرضه أو يبطل براءه بسببه، لما مر في الحديث. ص: ۵۰۹، فصل في صلاة الجمعة، بيان شرائط الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۵۴۸.

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب صورت مسئلہ میں دھوپ سے اس کو سخت مضر تہوتی ہے تو اس پر جمعہ واجب نہیں ہے اور صبح سے جانا بھی واجب نہیں ہے لہٰذا التبکیر مستحباً۔ واللہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← والرابع: "الصحة" خرج به المريض لما روينا أي الذي لا يقدر على الذهاب إلى الجامع أو يقدر ولكن يخاف زيادة مرضه أو بطل براءه بسبب جلي، وألحق بالمريض الممرض إن بقي المريض ضائعاً بخروجه على الأصح. (حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۵۰۵)

الشرط الثالث: الصحة، ويقصد بها خلو البدن عما يتعسر معه عرفاً الخروج لشهود الجمعة في المسجد كمرض وألم شديد فلا تجب صلاة الجمعة على من اتصف بشيء من ذلك. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/ ۱۹۹)

وفي نوادر هشام عن محمد لا جمعة على الأعمى والشيخ الكبير الذي ضعف وعجز عن السعي لا يلزمه الجمعة وفي الفتاوى العنابية: ولا على مفلوج، وفي الخلاصة والخانية: ←

نماز جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنے کا حکم

سوال (۵۵۳): قدیم ۱/۶۳۵ - بعد اداۓ صلوٰہ جمعہ جو لوگ چار رکعت بوجہ اشتباہ اداۓ جمعہ و فقدان بعض شرائط جمعہ پڑھتے ہیں ان کا ادا کرنا احتیاط ہے یا ادا نہ کرنا احتیاط ہے یا خواص کو درست ہے اور عوام کو نہیں یا خواص و عوام دونوں کو درست ہے نفس مسئلہ کیا ہے اور آجکل کے اعتبار سے کیا حکم ہے؟

الجواب: ردالمحتار میں بعد ایک بحث طویل کے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔

نعم! أن أدى إلى مفسدة لا تفعل جهاراً أو الكلام عند عدمها ولذا قال المقدسي نحن لا نأمر بذلك أمثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة إليهم. اه (۱)

← وإن وجد حاملاً ومقطوع الرجل وكل من لا يقدر على المشي وإن لم يكن به وجع. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون، شرائط الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۷۸، رقم: ۳۳۴۹)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون، صلاة الجمعة، المجلس العلمي ۲/۴۶۶، رقم: ۲۲۰۱ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۷، کراچی ۲/۱۴۶۔

وليس الاحتياط في فعلها لأن الاحتياط هو العمل بأقوى الدليلين وأقواهما إطلاق تعدد الجمعة، وبفعل الأربع مفسدة اعتقاد الجملة عدم فرض الجمعة أو تعدد المفروض في وقتها ولا يفتى بالأربع إلا للخواص ويكون فعلهم إياها في منازلهم. (حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۰۶)

أمر أئمتهم بأداء الأربع بعد الجمعة حتماً احتياطاً (إلى قوله) مبنى كله على القول الضعيف المخالف للمذهب، فليس الاحتياط في فعلها لأنه العمل بأقوى الدليلين وقد علمت أن مقتضى الدليل هو الإطلاق ولأن الاحتياط هو العمل بأقوى الدليلين ولم يوجد دليل عدم جواز التعدد بل قضية الضرورة عدم اشتراطه، وقد قال الله تعالى: "لا يكلف الله نفساً إلا وسعها" وقال تعالى: "ما جعل عليكم في الدين من حرج" بلفظه مع ما لزم من فعلها ←

اور چونکہ اس میں کہا گیا ہے کہ لا نأمر العوام اس لئے میں بھی کہتا ہوں:

لم اترجم هذه العبارة لأني لا أدل عليها العوام لأن الدلالة نوع من حملهم عليه. والله اعلم

۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۷۸ ج ۱)

سوال (۵۵۴): قدیم ۱/ ۲۳۸ - آیت پہلی وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ

وَهُوَ فِي الْأَخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ. (۱)

دوسری آیت: قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ. (۲)

تیسری آیت: الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي. (۳)

چوتھی آیت: أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ. (۴)

← في زماننا من المفسدة العظيمة وهو اعتقاد الجهلة أن الجمعة ليست بفرض لما يشاهدون من صلاة الظهر فيظنون أنها الفرض، وأن الجمعة ليست بفرض فيتكاسلون عن أداء الجمعة، فكان الاحتياط في تركها، وعلى تقدير فعلها ممن لا يخاف عليه مفسدة منها فالأولى أن تكون في بيته خفية خوفاً من مفسدة فعلها. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۵۰-۲۵۲، كوئٹہ ۲/ ۱۴۲-۱۴۳)

وتمام تحقيق المقام في رسالة المقدسي: وقد ذكر شذرة منها في إمداد الفتاح، وإنما أطلعنا في ذلك لدفع ما يوهمه كلام المؤلف من عدم طلب فعلها، نعم! إن أدي إلى مفسدة لا يفعل لكن الكلام عند عدمها ولذا قال المقدسي: نحن لا نأمر بذلك أمثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة إليهم. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۱، كوئٹہ ۲/ ۱۴۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) سورة آل عمران آیت: ۸۵.

(۲) سورة المائدة آیت: ۷۷.

(۳) سورة المائدة آیت: ۳.

(۴) سورة الشورى آیت: ۲۱.

يبنى حديث: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد. (١)

دوسرى حديث: من عمل عملاً ليس عليه امرنا فهو رد. (٢)

تيسرى حديث: وإياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة. (٣)

چوتھى حديث: من ابتدع بدعة ضلالة لا يرضها الله ورسوله كان عليه من الإثم مثل

اثام من عمل بها لا ينقص ذلك من اوزارهم شيئاً. (٤)

(١) عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد. (مسلم شريف، كتاب الأضحية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، النسخة الهندية، ٧٧/٢، بيت الأفكار رقم: ١٧١٨) أبو داؤد شريف، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، النسخة الهندية ٦٣٥/٢، دار السلام رقم: ٤٦٠٦

مسند أحمد بن حنبل ٢٤١/٦، رقم: ٢٦٥٦١

صحيح ابن حبان دار الفكر ٨٤/١، رقم: ٢٦

(٢) عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد. (مسلم شريف، كتاب الأضحية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، النسخة الهندية، ٧٧/٢، بيت الأفكار رقم: ١٧١٩)

(٣) عن عبد الله بن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إنما هما إثنان الكلام والهدى فأحسن الكلام كلام الله وأحسن الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم، ألا وإياكم ومحدثات الأمور فإن شر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة الحديث. (ابن ماجه شريف، باب اجتناب البدع والجدل، النسخة الهندية ص: ٦، دار السلام رقم: ٤٦)

أبوداؤد شريف، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، النسخة الهندية ٦٣٥/٢، دار السلام رقم: ٤٦٠٧

(٤) عن عبد الله عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لبلال بن الحارث أعلم قال: ما أعلم يا رسول الله! قال إنه من أحبب سنة من سنتي قدميت بعدي كان له ←

موافق مطلب ان آیت کریمہ اور احادیث صحیحہ کے نماز احتیاط الظہر پڑھنا منع ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صحاح میں مروی ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ اور عبد اللہ بن زمعہؓ نے زمعہ کی لونڈی کے بچہ میں نزاع کیا جناب رسالت مآب ﷺ نے حسب قاعدہ شریعہ الولد للفراش اس بچہ کو زمعہ کا بیٹا قرار دیا اور بسبب مشابہت عتبہ بن ابی وقاص کے آپ نے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت ام المؤمنین سودہ بنت زمعہ کو اس سے حجاب کرنے کا حکم فرمایا (۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تعارض ادلہ کے وقت گوان ادلہ میں ایک دلیل ضعیف ہی ہو جمع بین الادلہ وعمل بمقتضیات کل منہا احتیاط مشروع و مسنون ہے پس اسی کی نظیر ہے جمع بین الجمعہ والظہر جس کو ظہر احتیاطی کہتے ہیں اور گو عدم صحت جمعہ کی کوئی دلیل ضعیف ہی ہو مگر حدیث مذکور نص ہے کہ مقتضا احتیاط کا دلیل ضعیف کا بھی اعتبار کرنا ہے جیسا کہ مشابہت دلیل ضعیف ہے

« من الأجر مثل من عمل بها من غير أن ينقص من أجورهم شيئاً ومن ابتدع بدعة ضلالة لا يرضاه الله ورسوله كان عليه مثل آثام من عمل بها لا ينقص ذلك من أوزار الناس شيئاً. (ترمذي شريف، أبواب العلم، باب اجتناب البدعة، النسخة الهندية ۹۶/۲، دار السلام رقم: ۲۶۷۷)

(۱) عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم أنها قالت: كان عتبة بن أبي وقاص عهد إلى أخيه سعد بن أبي وقاص: أن ابن وليدة زمعة مني، فاقبضه إليك فلما كان عام الفتح أخذه سعد فقال: ابن أخي قد كان عهد إلي فيه، فقام إليه عبد الله بن زمعة فقال: أخي وابن وليدة أبي، ولد على فراشه، فتساوقا إلي رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال سعد: يا رسول الله! ابن أخي كان عهد إلي فيه، وقال عبد الله بن زمعة: أخي وابن وليدة أبي، ولد على فراشه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم هو لك يا عبد الله بن زمعة، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الولد للفراش وللعاهر الحجر، ثم قال: لسودة بنت زمعة احتجبي منه لما رأى من شبهه بعتبة فما رآها حتى لقي الله تعالى. (بخارى شريف، كتاب الأحكام، باب من قضى له بحق أخيه فلا يأخذه فإن قضاء الحاكم

لا يحل حراماً ولا يحرم حلالاً، النسخة الهندية، ۱۰۶۴/۲، رقم: ۶۸۹۵، ف: ۷۱۸۱)

مسلم شريف، كتاب الرضاع، باب الولد للفراش وتوقي الشبهات، النسخة الهندية

اور پھر بھی اس کا اعتبار کیا گیا پس ظہر احتیاطی کی اصل سنت سے نکل آئی تو اس کا پڑھنا آیات واحادیث مذکورہ سوال کے خلاف نہ ہوگا اور اس سے اصرح وہ حدیثیں اس کا مآخذ ہو سکتی ہیں جن میں وقوع شک کی صورت میں بناء علی الاقل کا اور صلوة مؤداة مع الکرہتہ کے اعادہ کا حکم ہے (۱) بناء علی الاقل میں احتمال تکرار رکعت کا ہے اس سے مشکوک کے تدارک بمثلہ کی مشروعیت ثابت ہوئی کیونکہ غیر مشروع کا تو احتمال بھی مانع جواز ہے اور اعادہ میں تو یہ تدارک یقینی پس جہاں جمعہ مشکوک ہو اس کا تدارک بالظہر بالیقین اس کی نظیر ہے۔

لأن الجماعة الفائتة تجبر بالظهر اجماعاً وهلنا كالفائتة حيث احتمل فقد شرط او وجود مانع فافهم.

(۱) عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا شك أحدكم في صلاته فلم يدر كم صلى؟ ثلاثاً أم أربعاً؟ فليطرح الشك وليبن على ما استيقن، ثم يسجد سجدتين قبل أن يسلم فإن كان صلى خمسين شفعن له صلاته وإن كان صلى إتماماً لأربع كانتا ترغيماً للشيطان. (مسلم شريف، كتاب المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، النسخة الهندية ۲۱۱/۱، بيت الأفكار رقم: ۵۷۱)

عن عبد الرحمن بن عوف قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سها أحدكم في صلاته فلم يدر واحدة صلى أو ثنتين فليبن على واحدة فإن لم يدر ثنتين صلى أو ثلاثاً فليبن على ثنتين فإن لم يدر ثلاثاً صلى أو أربعاً فليبن على ثلاث وليسجد سجدتين قبل أن يسلم. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب فيمن يشك في الزيادة والنقصان، النسخة الهندية ۹۰/۱، دار السلام رقم: ۳۹۸)

أبوداؤ شريف، كتاب الصلاة، باب إذا شك في الثنتين والثلاث من قال يلقي الشك، النسخة الهندية ۱۴۷/۱، دار السلام رقم: ۱۰۲۷

كل صلاة أديت مع كراهية التحريم تجب إعادتها. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۴۷/۲ - ۱۴۸، كراچی ۱/۴۵۷)

اور یہ تقریر ظہر احتیاطی کی فی نفسہ مشروعیت کی ہے اور اگر کسی عارض خارجی سے منع کیا جاوے تو وہ اسکے منافی نہیں چنانچہ اس وقت اکثر علمائے محققین عوام کے غلو اعتقادی و عملی کو دیکھ کر منع فرماتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بنی اس کی مشروعیت کا محض احتیاط تھی جس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود احتیاط ہے جب غلو ہو گیا تو اب پڑھنے سے اصل مقصود فوت ہو گیا کہ اس احتیاط سے زیادہ بے احتیاطی ہو گئی اسلئے اب احتیاط نہ پڑھنے میں سمجھی جاوے گی۔ (۱) واللہ اعلم

۶/ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ (تمہ اولی ص ۲۶)

(۱) و ليس الاحتياط في فعلها لأن الاحتياط هو العمل بأقوى الدليلين وأقواهما إطلاق تعدد الجمعة، وبفعل الأربع مفسدة اعتقاد الجملة عدم فرض الجمعة أو تعدد المفروض في وقتها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبته دار الكتاب ديوبند ص: ۵۰۶)

مبسنیٰ کله علی القول الضعیف المخالف للمذهب، فليس الاحتياط في فعلها لأنه العمل بأقوى الدليلين وقد علمت أن مقتضى الدليل هو الإطلاق مع ما لزم من فعلها في زماننا من المفسدة العظيمة وهو اعتقاد الجهلة أن الجمعة ليست بفرض لما يشاهدون من صلاة الظهر فيظنون أنها الفرض، وأن الجمعة ليست بفرض فيتكاسلون عن أداء الجمعة، فكان الاحتياط في تركها. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبته زكريا ديوبند ۲/ ۲۵۰-۲۵۲، كوئٹہ ۲/ ۱۴۲-۱۴۳)

وتمام تحقیق المقام فی رسالۃ المقدسی: وقد ذکر شذرة منها في إمداد الفتاح وإنما أطلنا في ذلك لدفع ما يوهمه كلام المؤلف من عدم طلب فعلها، نعم! إن أدى إلى مفسدة لا يفعل لكن الكلام عند عدمها ولذا قال المقدسي: نحن لا نأمر بذلك أمثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة إليهم. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبته زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۱،

سوال (۵۵۵): قدیم ۱/۶۳۷ - کسی آیت کریمہ واحدیث صحیحہ و اجماع قویہ و قیاس جلیہ سے نماز احتیاط ظہر پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: سوال اول کے جواب میں اس کا ماخذ سنت (یعنی قصہ زمعہ کا ۱۲) ہے مذکور ہو چکا ہے (۱) پس باعتبار ثبوت کے سنت سے ثابت ہے اور باعتبار ظہور کے قیاس سے ظاہر ہے۔ (تاریخ و حوالہ بالا ص ۲۷)

← الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۷/۳، کراچی ۱۴۶/۲ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: اختصم سعد ابن أبي وقاص، وعبد ابن زمعة في غلام، فقال سعد: هذا يارسول الله! ابن أخي عتبة ابن أبي وقاص عهد إلي أنه ابنه، أنظر إلي شبهه، وقال عبد الله ابن زمعة: هذا أخي يارسول الله صلى الله عليه وسلم! ولد علي فراش أبي من وليدته، فنظر رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى شبهه، فرأى شبهاً بيناً بعتبة، فقال: هولك يا عبد! الولد للفراش وللغاهر الحجر، واحتجبي منه يا سودة بنت زمعة، قالت: فلم ير سودة قط. (مسلم شريف، كتاب الرضاع، باب الولد للفراش وتوقي الشبهات، النسخة الهندية ۴۷۰/۱، بيت الأفكار رقم: ۱۴۵۷)

عن عائشة رضي الله عنها، اختصم سعد بن أبي وقاص وعبد الله ابن زمعة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم في ابن أمة زمعة، فقال سعد: أوصاني أخي عتبة إذا قدمت مكة أن أنظر إلى ابن أمة زمعة، فأقبضه فإنه ابنه، وقال عبد الله ابن زمعة: أخي، ابن أمة أبي، ولد علي فراش أبي، فرأى رسول الله صلى الله عليه وسلم شبهاً بيناً بعتبة فقال: الولد للفراش وللغاهر الحجر، واحتجبي منه يا سودة. (أبو داود شريف، كتاب الطلاق، باب الولد للفراش، النسخة الهندية ۳۱۰/۱، دار السلام رقم: ۲۲۷۳)

بخاری شریف، کتاب الأحکام، باب من قضي له بحق أخيه فلا يأخذه فإن قضاء الحاكم لا يحل حراماً ولا يحرم حلالاً، النسخة الهندية، ۱۰۶۴/۲، رقم: ۶۸۹۵، ف: ۷۱۸۱۔ نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب إلحاق الولد بالفراش إذا لم ينهه صاحب الفراش، النسخة الهندية ۹۴/۱، دار السلام رقم: ۳۵۱۴۔

ابن ماجه شريف، كتاب النكاح، باب الولد للفراش وللغاهر الحجر، النسخة الهندية ص: ۱۴۴، دار السلام رقم: ۲۰۰۴۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ائمہ مجتہدین سے احتیاط الظہر کا ثبوت یا عدم ثبوت

سوال (۵۵۶): قدیم ۱/۶۳۸ - امام ابو حنیفہؒ و مالکؒ و شافعیؒ و احمدؒ و محمدؒ و ابو یوسفؒ و زفرؒ و حسنؒ سے

خود احتیاط الظہر پڑھنا یاد یہات والوں کو حکم دینا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: اور ائمہ کے مذہب پر تو نظر نہیں مگر امام صاحب کے قول معمول بہ جمع بین الوضوء بالماء المشکوک والتیمم کا اس کی نظیر ہونا معنی اس ظہر کا ان کی طرف منتسب ہونا ہے (۱) کیونکہ جو قول امام صاحب کے قواعد سے ماخوذ ہو وہ بھی حسب تصریح فقہاء ملحق باصل المذہب ہے اور صریحاً اس کا منقول نہ ہونا؛ اس لئے مضمر نہیں کہ اس وقت اس کا داعی پیش نہ آیا ہو۔ لعدم الشک فی الشروط

کتبہ اشرف علی، ۶/ محرم ۱۳۲۸ھ

(۱) سؤر الحمار والبغل مشکوک أي متوقف في كونه مطهراً توضأ به وتيمم أي جمع بينهما على معنى عدم خلو الصلوة الواحدة عنهما، إن فقد ماءً مطلقاً وأياً قدم صح. (النهر الفائق، كتاب الطهارة، قبيل باب التيمم، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۹۵-۹۶)

والقسم الرابع سؤر مشکوک أي متوقف في حكم طهوريته فلم يحكم بكونه مطهراً جزماً ولم ينف عنه الطهورية وهو سؤر البغل والحمار، فإن لم يجد المحدث غيره أي غير سؤر البغل والحمار توضأ به وتيمم والأفضل تقديم الوضوء، لقول زفر: بلزوم تقديمه. (حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في بيان أحكام السؤر، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۲-۳۳)

وسؤر حمار وبغل مشکوک في طهوريته لا في طهارته، فيتوضأ به أو يغتسل وتيمم أي يجمع بينهما احتياطاً في صلاة واحدة لا في حالة واحدة، إن فقد ماءً مطلقاً وصح تقديم أيهما شاء في الأصح. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۸۵-۳۸۸، کراچی ۲۲۵-۲۲۷)

سوال (۵۵۷): قدیم ۱/۲۳۸ - احتیاطی ظہر پڑھنا قرآن وحدیث کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جہاں صحت جمعہ میں شبہ ہو ایسا کرنا جمع بین الادلہ ہے جو شرعاً ثابت ہے حدیث الولد للفراش واحتجبی منه یا سودہ قاس کی دلیل ہے۔ (۱)

(تمتہ خامسہ ص ۲۳۳)

← الجوهر النيرة، كتاب الطهارة، قبيل باب التيمم، مكتبة دار الكتاب ديوبند ۱/۲۳-۲۴۔
شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) عن عائشة رضي الله تعالى عنها أنها قالت: اختصم سعد بن أبي وقاص، وعبد ابن زمعة في غلام، فقال سعد: هذا يارسل الله! ابن أخي عتبة ابن أبي وقاص عهد إلي أنه ابنه، أنظر إلي شبهه، وقال عبد الله ابن زمعة: هذا أخي يارسل الله صلى الله! ولِد علي فراش أبي من وليدته، فنظر رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى شبهه، فرأى شيئاً بيناً بعتبة، فقال: هو لك يا عبد! الولد للفراش وللعاهر الحجر، واحتجبى منه يا سودة بنت زمعة، قالت: فلم ير سودة قط. (مسلم شريف، كتاب الرضاع، باب الولد للفراش وتوقي الشبهات، النسخة الهندية ۱/۴۷۰، بيت الأفكار رقم: ۱۴۵۷)

عن عائشة رضي الله عنها، اختصم سعد بن أبي وقاص وعبد الله ابن زمعة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم في ابن أمة زمعة، فقال سعد: أو صاني أخي عتبة إذا قدمت مكة أن أنظر إلى ابن أمة زمعة فأقبضه فإنه ابنه، وقال عبد الله ابن زمعة: أخي، ابن أمة أبي، ولد علي فراش أبي، فرأى رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئاً بيناً بعتبة فقال: الولد للفراش وللعاهر الحجر، واحتجبى منه يا سودة. (أبوداؤد شريف، كتاب الطلاق، باب الولد للفراش، النسخة الهندية ۱/۳۱۰، دار السلام رقم: ۲۲۷۳)

بخاری شریف، کتاب الأحکام، باب من قضی له بحق أخیه فلا يأخذه فإن قضاء الحاكم لا یحل حراماً ولا یحرم حلالاً، النسخة الهندية، ۲/۱۰۶۴، رقم: ۶۸۹۵، ف: ۷۱۸۱۔

نسائی شریف، کتاب الطلاق، باب إلحاق الولد بالفراش إذا لم ینفه صاحب الفراش، النسخة الهندية ۱/۹۴، دار السلام رقم: ۳۵۱۴۔

ابن ماجه شریف، کتاب النکاح، باب الولد للفراش وللعاهر الحجر، النسخة الهندية ص: ۱۴۴، دار السلام رقم: ۲۰۰۴۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن معذوروں کا ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا

سوال (۵۵۸): قدیم ۱/۲۳۸ - مسافرین خواہ مقیمین جنہوں نے کہ نماز جمعہ نہیں پائی ظہر کی جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں اور جامع مسجد میں بھی کر سکتے ہیں یا کسی دوسری مسجد میں۔ بینوا تو جروا؟

الجواب: في الدر المختار: وكره تحريماً للمعذور ومسجون ومسافر أداء ظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة وأفاد ان المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة ويستحب للمريض تأخيرها إلى فراغ الإمام وكره إن لم يؤخر هو الصحيح. وفي رد المحتار: قوله إلا الجامع أي الذي تقام فيه الجمعة فإن فتحه في وقت الظهر ضروري والظاهر أنه يغلق أيضاً بعد إقامة الجمعة لئلا يجتمع فيه أحد بعددها إلى قوله لكن لا داعي إلى فتحه بعدها فيبقى مغلقاً إلى وقت العصر. ج ۱ ص ۸۵۶. (۱)

اس سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ ظہر جماعت سے نہیں پڑھ سکتے نہ جامع مسجد میں نہ کسی دوسری مسجد میں۔

۱۷ شوال ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۹۱)

(۱) الدر المختار مع الشامسي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند

۳۲/۳ - ۳۳، کراچی ۱۵۷/۲

وكره للمعذور كمريض، وراقي، ومسافر، والمسجون أداء الظهر بجماعة في المصر يومها أي يوم الجمعة يروى ذلك عن علي[ؓ] ويستحب له تأخير الظهر عن الجمعة، فإنه يكره له صلاتها منفرداً قبل الجمعة في الصحيح (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي قوله: (أداء الظهر بجماعة) سواء كان قبل الجمعة أو بعدها، وإنما قيد بالمعذور ليعلم حكم غيره بالأولى، ووجه الكراهة أنها تفضي إلى تقليل جماعة الجمعة؛ لأنه ربما تطرق غير المعذور للإقتداء غير المعذور، ولأن فيه صورة المعارضة بإقامة غيرها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ۵۲۲)

وكره للمعذور والمسجون أداء الظهر قبل الجمعة وبعدها بجماعة في المصر، ←

سوال (*) (۵۵۹): قدیم ۱/۶۳۹ - اگر چند مسافر بروز جمعہ مجتمع شوند نماز ظہر را بجماعت خواندن روا است یا نہ؟ اگر بارے کسے خواندہ بود اور اچہ حکم است و ہر جا کہ شرط جمعہ یافتہ نشود و دران جامع مسجد جامع ہم نیست حکمش چیست؟

الجواب ():** في الدر المختار: وكره تحريماً لمعذور ومسجون ومسافر أداء ظہر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها. وفي رد المحتار قوله: لمعذور وكذا غيره

(*) ترجمہ سوال: جمعہ کے روز اگر چند مسافر جمع ہو جائیں تو ان کے لئے ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو کبھی کسی نے پڑھ لی تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور جہاں شرائط جمعہ نہیں پائے جاتے اور وہاں جامع مسجد بھی نہیں ہے تو وہاں کے لئے کیا حکم ہے؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

() ترجمہ جواب:** في الدر المختار..... ان روایات سے تینوں سوالات کے جوابات نکل آئے، یعنی یہ جماعت جائز نہیں ہے، اور اگر جماعت کریں گے تو فرض ادا ہو جائے گا، اور جہاں جمعہ واجب نہیں ہے وہاں ظہر باجماعت ادا کی جائے گی ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← قید بہ لأن أهل السواد لا تکره الجماعة في حقهم وذلك لأنه في المصر ربما تطرق غير المعذور إلى الإقتداء بهم وفيه أيضاً صورة معارضة للجمعة بإقامة غيرها..... وفي الخلاصة: ويستحب للمريض أن يؤخر الصلاة إلى أن يفرغ الإمام من الجمعة، فإن لم يؤخره يكره هو الصحيح. (النهر السائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳۶۳)

ویکڑہ أن یصلی المعذورون الظہر بجماعة يوم الجمعة في المصر، وكذا أهل السجن لما فيه من الإخلال بالجمعة إذ هي جامعة للجامعات والمعذور قد يقتدي به غيره بخلاف أهل السواد، لأنه لا جمعة عليهم. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/۱۷۰)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۲۶۹-۲۷۰، کوئٹہ ۲/۱۵۴ -

تبیین الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۵۳۴،

امدادية ١/٢٢٢ - شبير احمد قاسم عفا الله عنه

بالا ولى قوله: في مصر بخلاف القرى لأنه لا جمعة عليهم، فكان هذا اليوم في حقهم كغيره من الأيام شرح المنية وفي المعراج عن المجتبى من لا تجب عليهم الجمعة لبعدها موضع صلوا الظهر بجماعة ج ١ ص ٨٥٦. (١)

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند

٣٢/٣ - ٣٣، كراچی ١٥٧/٢

ويكره للمعذورين والمسجونين أداء الظهر بجماعة في المصر يوم الجمعة سواء كان قبل الفراغ من الجمعة أو بعده لأن الجمعة جامعة للجامعات فينبغي أن لا تكون جماعة غيرها في المكان الذي هي فيه ولئلا يتطرق إلى الإقتداء بهم غيرهم بخلاف أهل القرى لأنهم لا جمعة عليهم، فكان هذا اليوم في حقهم كغيره من الأيام. (حلي كبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ٥٦٣ - ٥٦٤)

وكره للمعذور كمريض، ورقيق، ومسافر، والمسجون أداء الظهر بجماعة في المصر يومها أي يوم الجمعة يروى ذلك عن علي ويستحب له تأخير الظهر عن الجمعة، فإنه يكره له صلاحها منفرداً قبل الجمعة في الصحيح (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي قوله: (أداء الظهر بجماعة) سواء كان قبل الجمعة أو بعدها، وإنما قيد بالمعذور ليعلم حكم غيره بالأولى، ووجه الكراهة أنها تفضي إلى تقليل جماعة الجمعة؛ لأنه ربما تطرق غير المعذور للإقتداء غير المعذور، ولأن فيه صورة المعارضة بإقامة غيرها، قوله في المصر قيد به لإخراج أهل السواد فإنه لا يكره لهم الجماعة لعدم الجمعة على أهلها فلا يلزم ما ذكر. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ٥٢٢)

ومن لا تجب عليهم الجمعة من أهل القرى والبوادي لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة باذان وإقامة، والمسافرون إذا حضروا يوم الجمعة في مصر يصلون فرادى، وكذلك أهل المصر إذا فاتتهم الجمعة، وأهل السجن والمرضى، ويكره لهم الجماعة. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، قديم زكريا ١/١٧٧، جديد زكريا ١/١١٠) هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة قديم زكريا ١/١٤٥، جديد زكريا ١/٢٠٥ -

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ١/٣٦٣ -

شبير احمد قاسم عفا الله عنه

ازیں روایات جواب ہر سہ سوال برآمد یعنی ایں جماعت روانیست و اگر جماعت گزارند فرض ادا شد و جائیکہ جمعہ واجب نیست در اں ظہر بجماعت گزارده شود۔

۱۹/زیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۰۱)

سوال (۵۶۰): قدیم/۶۳۹- چونکہ بر مسافر جمعہ واجب نیست ہر جا کہ مقیمان و مسلمانان کثیر اند اور نماز ظہر منفرد خواندن ہیچ گناہ عند اللہ شود یا نہ؟

الجواب (*) : نہ، لأن الإثم بتركها يستلزم وجوبها وقد فرض أنه لا وجوب (۱) البتہ اگر در عین وقت جماعت در مسجد جمعہ حاضر باشد دریں صورت خاص تردد دارم۔
قیاساً علی توقف صاحب البحر فیما لو اقيمت وهو (أي الأعمى) حاضر في المسجد واجاب بعض العلماء بأنه إن كان متطهراً فالظاهر الوجوب لأن العلة الحرج وهو منتفی الخ، ص ۸۵۳ (۲) (تاریخ وحوالہ بالاص ۱۰۲)

(*) ترجمہ جواب: نہیں..... البتہ اگر مسافر مسجد میں جمعہ کی جماعت کے وقت موجود ہو تو اس صورت میں مجھے تردد ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) وشرط وجوبها الإقامة فلا تجب علی مسافر الخ. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ۱/۳۶۱)

وشرط وجوبها ستة: الإقامة بمصر فلا تجب علی المسافر، وإن عزم أن يمكث فيه يوم الجمعة. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۲۵۰)

ولا تجب الجمعة علی مسافر ولا امرأة ولا مريض، ولا عبد، ولا أعمى؛ لأن المسافر يحرج في الحضور. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۶۹)

الجوهر النيرة، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة دارالكتاب ديوبند ۱/۱۰۸

شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة بلال ديوبند ۱/۹۸

(۲) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند

۲۹/۳، کراچی ۱۵۴/۲

ولم أر حکم الأعمى إذا كان مقيماً بالجامع الذي تصلي فيه الجمعة وأقيمت وهو حاضر هل تجب عليه لعدم الحرج أولاً. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة،

مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۶۴، كوئٹہ ۱۵۱/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اگر عیدین بروز جمعہ واقع ہوں تو جمعہ کی نماز واجب رہتی ہے یا نہیں؟

سوال (۵۶۱): قدیم/۱/۶۴۰ - اگر جمعہ کے روز عید الفطر یا عید الاضحیٰ ہو تو جمعہ کی نماز واجب رہتی ہے یا نہیں؟

الجواب: دونوں واجب ہیں۔

فی رد المحتار: أما مذهبننا فلزوم كل واحد منهما. الخ (ج ۱ ص ۷۷) (۱)
۱۸ شوال ۱۳۲۵ھ (امداد اول ص ۹۴)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۴/۵۵، کراچی ۱۶۶/۲

وتجب صلاة العید علی کل من تجب علیہ صلاة الجمعة، وفي الجامع الصغير: عیدان اجتماعاً فی یوم واحد فالأول: سنة، والثاني: فريضة ولا يترك واحد منهما. (هداية، كتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ اشرفیہ ۱/۱۷۲)

والمراد من اجتماع العیدین كون يوم الفطر أو الأضحیٰ يوم الجمعة وغلب لفظ العید لخفته كما في العمريين أو لذكورته كما في القمريين ولا يترك واحد منهما، أما الجمعة فالأنها فريضة، وأما العید فإن تركها بدعة وضلال. (عناية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۶۹، کوئٹہ ۲/۳۹)

تجب صلاة العید علی من تجب علیہ الجمعة بشرائطها سوى الخطبة (کنز) وفي البحر: تصريح بوجوبها وهو إحدى الروایتین عن أبي حنيفة وهو الأصح كما في الهداية، والمختار كما في الخلاصة، وهو قول الأكثرين كما في المجتبى..... ومن جهة الدليل مواظبته عليه الصلاة والسلام عليها من غير ترك وفي رواية أخرى أنها سنة لقول محمد في الجامع الصغير في العیدین يجتمعان في يوم واحد، قال: يشهد هما جميعاً ولا يترك واحداً منهما والأولى منهما سنة، والأخرى فريضة الخ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ زکریا ۲/۲۷۶، کوئٹہ ۲/۱۵۷-۱۵۸)

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة العید، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۵۶۵۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دیہات میں اداائے جمعہ کے مصالح کا جواب

سوال (۵۶۲): قدیم ۱/۶۲۰- جن گاؤں اور قریوں میں سو سو پچاس پچاس نمازی ہوں ان کا جمعہ قائم کرنا مستحسن ہے یا نہیں نہ فرض اور واجب تجربہ سے ثابت ہے کہ ان کو جمعہ کی عظمت اور وقت ہے اس کے ادا کرنے سے اور پنجگانہ نماز کا بھی شوق رہتا ہے ورنہ کسل اور سستی ہو جاتی ہے حتیٰ کہ نمازیں چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر ان کو کوئی منع کرے تو مصیب ہے یا مخطیٰ اور ایسے وقت پر حنفیہ کو مذہب شافعی جواز جمعہ فی القرئی اور گاؤں پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدر المختار: نواقض الوضوء لكن يندب للخروج من الخلاف لاسيما للإمام لكن بشرط عدم لزوم ارتكاب مكروه مذهبه. وفي رد المحتار في بعض المسائل لوافتي به ای بمذهب مالک في موضع الضرورة. الخ (۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنا یا تو اس وقت جائز ہے جب اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آوے اور یا موضع ضرورت میں جائز ہے اور ظاہر ہے کہ جمعہ میں نہ تو کوئی ضرورت ہے اور جو مصلحتیں لکھی ہیں یہ حد ضرورت کو نہیں پہنچیں کیونکہ ضرورت کی حقیقت یہ ہے کہ بدون اس کے کوئی ضرر لاحق ہونے لگے اور ضرر سے مراد حرج اور تنگی اور مشقت ہے سو یہ امور متحقق نہیں اور جمعہ پڑھنے سے اپنے مذہب کے چند مکروہات کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے۔ اول نفل کی جماعت، دوم نوافل نہار میں جہر، سوم غیر لازم کا التزام، چہارم ترک جماعت فرض ظہر، پنجم اگر کوئی ظہر نہ پڑھے تو ترک فریضہ کہ حرام اور فسخ ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ مصر شرائط جواز جمعہ سے ہے (۲)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الطہارۃ، نواقض الوضوء، مکتبہ زکریا دیوبند

۱/۲۷۸، کراچی ۱/۱۴۷

(۲) ویشرط لصحتها سبعة أشياء الأول: المصر الخ (الدر المختار مع الشامی،

کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۵، کراچی ۲/)

وشرط أدائها المصر: (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ

زکریا دیوبند ۱/۳۵۲) ←

شرائط وجوب سے نہیں پس یہ احتمال بھی دفع ہو گیا کہ اگر واجب نہیں تو جائز ہو جاوے گا؛ لہذا صورت مسئولہ میں جمعہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک ممنوع اور ناجائز ہے۔ واللہ اعلم

۱۶/ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۹ ج ۱)

ظہر اور جمعہ کی سنن قبلہ کی بعد میں ادائیگی

سوال (۵۶۳): قدیم ۱/۶۴۱ - ظہر کی چار سنتیں جو فرض سے پہلے پڑھی جاتی ہیں، جماعت کے فوت ہونے کی وجہ سے اگر ان کے پڑھنے کی نوبت نہ آوے تو بعد اداۓ فرض ان چار سنتوں کی نیت قضا کی جاوے گی یا ادا کی؟

الجواب: ان سنتوں میں ادا کی نیت ہوگی کیونکہ وقت ظہر باقی ہے صرف ترتیب بدلی ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم

۱۸/شوال ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۴ ج ۱)

«ولا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو في مصلی المصر ولا تجوز في القرى». (هدایة، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/۶۸)

ویشترط لصحتها ستة أشياء الأول المصر أو فناءه. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۶۰ ۵۰)
الجوهره النيرة، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ دار الکتاب دیوبند ۱/۱۰۵ -
شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) ثم الأداء فعل الواجب في وقته. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۱۹، کراچی ۲/۶۲)

فالأداء ابتداء فعل الواجب في وقته. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۱۳۸، کوئٹہ ۲/۷۸)

الأداء فعل الواجب في وقته. (الفقه الإسلامي وأدلته، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مکتبہ ہدیٰ انٹر نیشنل دیوبند ۲/۱۲۴) ←

نوکر کو نماز جمعہ کی اجازت نہ ملے تو کیا کرے؟

سوال (۵۶۴): قدیم ۱/۶۴۱- زید نے بوجہ تہی دستی و غریب الوطنی کے عمر کی نوکری کی لیکن عمر بوجہ حرج ہونے کام کے زید کو مہلت نماز جمعہ پڑھنے کی نہیں دیتا ہے اور زید مجبور ہے آیا اس حالت میں نماز ظہر مجبوراً پڑھنے سے فرض جمعہ کا اس سے ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: مستاجر یعنی آقا کو جائز نہیں کہ اجیر یعنی نوکر کو نماز جمعہ سے کہ فرض ہے منع کرے اور نہ اجیر کو اس کا چھوڑنا جائز ہے اور اگر باوجود اسکے جمعہ میں حاضر نہ ہوا اور ظہر پڑھ لیا تو جمعہ ساقط ہو جائے گا؛ لیکن ترک جمعہ سے گنہگار ہوگا؛ البتہ اگر اجیر کو جمعہ میں آنے جانے سے چوتھائی دن خرچ ہو گیا تو چوتھائی اجرت اس دن کی کم کر دی جائے گی اور اگر اس سے کم صرف ہو تو پوری اجرت واجب ہے۔

والأصح وجوبها على مكاتب ومبعض وأجير ويسقط من الأجر بحسابه لو بعيداً وإلا لا درمختار: قوله: وأجير مفاده أنه ليس للمستاجر منعه وهو أحد قولين وظاهر المتون يشهد له كما في البحر: قوله: بحسابه لو بعيداً فإن كان قدر ربع النهار حط عنه ربع الأجرة وليس للأجير أن يطالبه من الربع المحطوط بمقدار اشتغاله بالصلوة تاتارخانية ردالمحتار. (۱) واللہ اعلم

۱۹/ صفر المظفر ۱۳۰۴ھ (امداد ص ۹۶ ج ۱)

← وقضي السنة التي قبل الظهر في وقته هذا قول الجمهور، وهو الصحيح لما عن عائشة رضي الله عنها أنه عليه الصلاة والسلام فاتته الأربع قبل الظهر فقضاها ومن المعلوم أن تسميته قضاءً مجاز ولذا لا ينوي القضاء فيها على الأصح كما في الكافي قبل شفعه. الخ (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۱۱-۳۱۲)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۱۱-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۲۸،

کراچی ۱۵۳/۲-۱۵۴- ←

← وأشار باقصرته على هذه الشروط إلى أنها لا تسقط عن الأجير. وفي الخلاصة:
وللمستاجر منع الاجير عن حضور الجمعة وهذا قول الإمام أبي حفص، وقال الإمام أبو علي
الدقاق: ليس له أن يمنعه، لكن تسقط عنها الأجرة بقدر اشتغاله بذلك إن كان بعيداً، وإن كان
قريباً لا يحط عنه شيء، وإن كان بعيداً واشتغل قدر ربع النهار حط عنه ربع الأجرة، فإن قال
الأجير حط عني الربع بمقدار اشتغالي بالصلاة لم يكن له ذلك، وظاهر المتن يشهد للدقاق.
(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٦٥، كونه ١٥١/٢)

وعلى المكاتب الجمعة، وكذا معتق البعض إذا كان يسعى والعبد الذي حضر مع مولاه
باب المسجد لحفظ الدابة..... وللمستاجر أن يمنع الأجير عن حضور الجمعة، وهذا قول
الإمام أبي حفص الكبير، وقال أبو علي الدقاق: ليس له أن يمنعه ولكن يسقط عنه الأجر بقدر
اشتغاله بذلك إن كان بعيداً وإن كان قريباً لا يحط عنه شيء، وإن كان بعيداً واشتغل قدر ربع النهار
حط عنه ربع الأجر، فإن قال الأجير حط عني الربع بمقدار اشتغالي بالصلاة لم يكن له ذلك.
(خلاصة الفتاوى، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ١/٢١٠-٢١١)
وأما الأجير: فقال أبو علي الدقاق: ليس للمستاجر منعه منها؛ ولكن يسقط عنه من
الأجرة بقدر اشتغاله بذلك إن كان بعيداً، وإن كان قريباً لا يسقط عنه شيء، قال في البحر:
وظاهر المتن تشهد للدقاق. (حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الصلاة، باب
صلاة الجمعة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ٥٠٤)

حكى عن الشيخ الإمام أبي حفص الكبير أن للمستاجر أن يمنع الأجير من حضور
الجماعة والجمعة، وكان الشيخ الفقيه أبو علي الدقاق يقول ليس له أن يمنع الاجير في المصر
من حضور الجمعة لكن سقط عنه الأجرة بقدر اشتغاله بذلك وإن كان بعيداً، وإن كان قريباً
لا يحط شيء من الأجر، وإن كان بعيداً واشتغل قدر ربع النهار حط ربع الأجرة وليس للأجير
أن يطالبه من الربع المحطوط بمقدار اشتغاله بالصلاة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة،
الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٧٩-٥٨٠، رقم: ٣٣٥٣)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٩-٦٠،

غیر عربی میں خطبہ جمعہ کا حکم

سوال (*) (۵۶۵): تدریم ۱/۶۲۲- بسم اللہ الرحمن الرحیم، السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ ما ترشدون أيہا الکرام الراسخون فی العلوم الدینیة فی قرأة الخطبة باللسان العجمی علی قوم لا یعلم العربی منهم إلا البعض فهل جائزة أم لا.

الجواب: مکروہہ (۱) والدوام علی المکروہ یزیدہ کراہة والاكتفاء علی العجمی أشد فی الکراہة من اختلاطه بالعربی.

(*) سوال نمبر ۱: ایسے حاضرین کے سامنے جن میں کچھ ہی عربی جانتے ہوں عجمی زبان میں خطبہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مکروہ ہے اور مکروہ پر دوام کراہت بڑھا دیتا ہے اور صرف عجمی زبان پر اکتفاء کرنے کی کراہت عجمی اور عربی ملا کر پڑھنے کی کراہت سے شدید ہے۔

سوال نمبر ۲: پھر اگر جائز نہیں ہے تو مکروہ ہے یا کیسا ہے؟ اور ان صورتوں میں عربی میں خطبہ پڑھ کر عجمی زبان میں ترجمہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: کسی ہنگامی ضرورت کی وجہ سے کبھی کبھار ترجمہ کو خطبہ کا جزء بنائے بغیر گنجائش ہے۔

نوٹ: اس سوال کا بقیہ حصہ سوال نمبر ۵۸۱ پر آ رہا ہے اور اس سلسلہ میں سوال ۱۵۷ اور ۵۷۲ بھی ملاحظہ فرمائے جاوے۔ سعید احمد پالن پوری

(۱) فإنہ لا شک فی أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكرهاً وتحريمًا. (عمدة الرياعة علی هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية دیوبند ۱/۲۲۰)

الخطبة يوم الجمعة و في العيدين بغير اللسان العربي أو ترجمتها بالعجمي أحد ثوا ذلك بعد قرون الخير فلا إثارة من علم. (مجموعة الفتاوى علی هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، مكتبة اشرفية دیوبند ۱/۱۴۵)

الخطبة بالفارسية التي أحد ثواها واعتقدوا حسننها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجودًا في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً ←

سوال (٢): فإن لم تجز فهل هي كراهة ام غيرها وماذا حكم الترجمة بالعجمي

مع قراءة العربى في هذه الصورة؟

الجواب: إن كان احيانا لضرورة وقتيه بدون جعلها جزءاً من الخطبة فلا بأس - (١)

(تمه خامسه ص ٣٥٨)

← فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن بعدهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة. (آكام النفائس ملحقه بمجموعة رسائل اللكهنوي ٤/ ٤٧، بحواله فتاوى محموديه ميرته ١٢/ ٣٥٠)

(١) ويكره للخطيب أن يتكلم في حال الخطبة إلا أن يكون أمراً بمعروف كذا في القدير. (هنديّة، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، قديم زكريا ١٤٧/١، جديد زكريا ٢٠٨/١)

ولا ينبغي للخطيب أن يتكلم في خطبته بما هو من كلام الناس، لأن الخطبة كلام منظومة شرعت قبل الصلاة، فأشبهت الأذان، ولا ينبغي للمؤذن أن يتكلم في أذانه بما يشبه كلام الناس، ولا بأس بأن يتكلم بما يشبه الأمر بالمعروف، فقد صح أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخطب، فدخل سليك الغطفاني وجلس، فقال النبي صلى الله عليه وسلم، أركعت ركعتين؟ قال سليك: لا، فقال النبي عليه الصلاة والسلام: قم واركع ركعتين ثم اجلس، وعن عمر^{رضي}، أنه كان يخطب يوم الجمعة فدخل عثمان^{رضي}، فقال عمر^{رضي}، أية ساعة المجيئ هذه؟ فقال عثمان^{رضي}، ما زدت حين سمعت النداء على أن تروضأت، فقال عمر^{رضي}، الوضوء أيضاً ورسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمر بالاغتسال يوم الجمعة، ولأن ما يشبه الأمر بالمعروف خطبة من حيث المعنى، وإن لم يكن خطبة من حيث النظم؛ لأن الخطبة في الحقيقة وعظ وأمر بالمعروف. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون، صلاة الجمعة، المجلس العلمي ٢/ ٤٥٩، رقم: ٢١٨٨) شيرا احمد قاسى عفا الله عنه

ایک شہر کے متعدد مقامات میں نماز عیدین کا حکم

سوال (۵۶۶): قدیم ۱/۶۴۳- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ میں نماز عید الضحیٰ دو مقام پر ہوتی ہے عید گاہ میں اور جامع مسجد میں اور ہر دو جگہ جماعت کثیر رہتی ہے چند لوگ نماز پڑھنے کیلئے عید الضحیٰ کی طرف چلے عید گاہ کے قریب پہونچے تو معلوم ہوا کہ نماز عید الضحیٰ ہوگئی وہاں سے واپس پلٹے اور طرف جامع مسجد کے چلے اور جب یہاں آئے تو جامع مسجد میں بھی نماز نہ ملی اور نماز کا وقت ابھی بہت باقی ہے پس یہ لوگ اور دوسرے لوگ جن کو نماز نہیں ملی سب ملکر کسی مسجد میں اسی قصبہ کے نماز عید الضحیٰ ساتھ جماعت و امام کے پڑھیں تو یہ نماز ان کی قضاء میں شمار کی جاوے گی یا ادا میں اور ان لوگوں نے نماز قبل زوال پڑھی ہے؟

الجواب: صورت مذکورہ میں نماز عید صحیح ہوگئی۔

وتودی بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقا در مختار. (۱)
اور ادا ہوگی کیونکہ ادا کہتے ہیں واجب کو اس کے وقت میں کرنے کو۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند

۵۹/۳، کراچی ۱۷۶/۲

ویجوز تعددها فی مصر واحد فی موضعین وأكثر اتفاقاً إنما الخلاف فی الجمعة. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۸۳/۲، کوئٹہ ۱۶۲/۲)

ولو قدر بعد الفوات مع الإمام علی إدراکها مع غیره فعله للاتفاق علی جواز تعددها .

(النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۷۰/۱)

ولو قدر بعد الفوات مع الإمام علی إدراکها مع غیره فعل للاتفاق علی جواز

تعدددها. (حاشیة السطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین،

مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۵۳۵)

ثم الأداء فعل الواجب في وقته در مختار. (۱)

اور وقت عیدین کا ارتفاع شمس سے قبل زوال تک ہے۔ و وقتها من الارتفاع إلى الزوال
باسقاط الغاية. در مختار (۲)

پس جب زوال سے پہلے پڑھے تو اپنے وقت میں واقع ہوئی اس لئے ادا ہوگی۔ واللہ اعلم،
۲۶/ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ (امداد ج ۱ ص ۹۷)

متعدد مسجد میں صلوٰۃ عیدین کا حکم

سوال (۵۶۷): قدیم ۱/۶۲۳ - حضور کے رسالہ بہشتی گوہر میں تحریر ہے کہ نماز عیدین بالاتفاق

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مکتبہ زکریا دیوبند

۵۱۹/۲، کراچی ۶۲/۲

فالأداء ابتداء فعل الواجب في وقته. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت،

مکتبہ زکریا دیوبند ۱۳۸/۲، کوئٹہ ۷۸/۲)

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند

۵۲/۳ - ۵۳، کراچی ۲/)

و وقتها: من ارتفاع الشمس إلى زوالها. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة

العیدین، مکتبہ زکریا ۳۶۸/۱)

و ابتداء وقت صحة صلاة العيد من ارتفاع الشمس قدر رمح أو رمحين حتى تبيض

للهي عن الصلاة وقت الطلوع إلى أن تبيض إلى قبيل زوالها. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی

الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۵۳۲)

و وقتها من ارتفاع الشمس قدر رمح أو رمحين إلى زوالها أي إلى ما قبل زوال

الشمس والغاية غير داخله في المغيا بقريئة مامر إن الصلاة الواجبة لم تجز عند قيامها.

(مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب العیدین، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲۵۶)

هدایة، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/ ۱۷۳ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

متعدد مساجد میں جائز ہے اور فقہاء نماز عیدین کیلئے خروج الی الجبانہ سنت مؤکدہ لکھتے ہیں اور خلاف سنت مؤکدہ مکروہ تحریمی ہے: لہذا حضور کی تحریر جواز میں شبہ پڑا کہ جائز مع الکراہت ہے یا بے کراہت اور کراہت بھی تحریمی ہے یا تنزیہی۔ اس شبہ کا دفعیہ فرمادیں؟

الجواب: بہشتی گوہر میں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ درمختار کا ہے اس میں بموضع کثیرہ کا لفظ ہے یہ مترجم کی لغزش ہے مقصود یہ ہے کہ جیسا جمعہ کے جواز تعدد میں اختلاف ہے اس میں وہ اختلاف نہیں (۱) اس لغزش کی یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ مسجد کو معنی لغوی پر محمول کر لیا جاوے یا مساجد کو معنی شرعی پر محمول رکھ کر معذورین کے حق میں اس کو کہا جاوے جو عید گاہ نہ جاسکیں۔ فقط، واللہ اعلم
۳۰ رزی الحجۃ ۱۳۲۶ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۴)

عذر کی وجہ سے دوسرے دن تک نماز عید الاضحیٰ مؤخر کرنا

سوال (۵۶۸): قدیم ۱/۶۴۴ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز عید الاضحیٰ قصبہ بسوہ میں روز سہ شنبہ ۱۰ رزی الحجہ کو ہوئی اور شہر فچور میں کہ اس قصبہ سے تین کوس ہے وہاں نماز عید الاضحیٰ بروز چہار شنبہ ۱۱ رزی الحجہ کو ہوئی چند شخص نمازی اس قصبہ کے کسی مقدمہ میں ماخوذ ہو کر عدالت فچور میں گئے اور بروز سہ شنبہ بسبب مقدمہ کے فچور میں رہے اور بروز چہار شنبہ ۱۱ رزی الحجہ وقت صبح وہ لوگ قصبہ بسوہ میں آئے پس ان سب بارہ تیرہ آدمیوں نے ایک شخص کو امام کیا اور نماز عید الاضحیٰ ۹ بجے دن ۱۱ رزی الحجہ چہار شنبہ کو پڑھی موافق شہر فچور کے تو یہ نماز ان کی درست ہوئی یا نہیں یہ نماز عید الاضحیٰ کی نماز میں شمار ہوگی یا نفل میں۔ بینوا تو جروا؟

- (۱) وتؤدی بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً، والخلاف إنما هو في الجمعة. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۵۹/۳، کراچی ۱۷۶/۲)
- يجوز تعددها في مصر واحد في موضعين وأكثر اتفاقاً، إنما الخلاف في الجمعة. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۸۳/۲، کوئٹہ ۱۶۲/۲)
- ولو قدر بعد الفوائت مع الإمام على إدراكها مع غيره فعله للاتفاق على جواز تعددها. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۷۰/۱)
- ولو قدر بعد الفوائت مع الإمام على إدراكها مع غيره فعل للاتفاق على جواز تعددها. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۵۳۵)

الجواب: تاخیر نماز عید الضحیٰ کی بارہویں تک اگر بعد زہر ہو تو بے کراہت اگر بے عذر ہو تو بکرہتہ جائز ہے۔

لكن هنا يجوز تأخيرها إلى آخر ثلاثة أيام النحر بلا عذر مع الكراهة وبه بدونها. درمختار (۱)
پس صورت مسئلہ میں نماز بلا کراہتہ صحیح ہوئی اور نفل شمار نہ کی جاوے گی۔ واللہ اعلم
۲۶/ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ، (امداد ص ۹۷ ج ۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند
۵۹/۳، کراچی ۱۷۶/۲۔

وتؤخر صلاة الأضحى بعد من الأعدار السابقة إلى ثلاثة أيام لأنها مؤقته بوقت الأضحى فتجوز ما بقي وقتها، قيد بالعدر لأن تأخيرها عن اليوم الأول بغير عذر مكروه. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۷۱/۱)

وتؤخر صلاة عيد الأضحى بعد، لنفي الكراهة وبلا عذر مع الكراهة لمخالفة المأثور إلى ثلاثة أيام لأنها مؤقته بوقت الأضحى فيما بين الارتفاع إلى الزوال ولا تصح بعدها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۵۳۸)

ويجوز تأخيرها أي صلاة الأضحى إلى الثاني والثالث بعد وبغير عذر ولا يصلي بعد ذلك لأنها مؤقته بوقت الأضحى وهو ثلاثة أيام؛ لكنه يسيئ بالتأخير من غير عذر لما فيه تأخير الواجب بلا ضرورة عند القائل بالوجوب فالعذر في الأضحى لنفي الكراهة. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، دار الكتب العلمية بيروت ۲۵۸/۱)

وتؤخر بعد إلى ثلاثة أيام لأنها مؤقته بوقت الأضحى فتجوز ما دام وقتها باقيا ولا تجوز بعد خروجه لأنها لاتقضى قيد بالعدر لأن تأخيرها لغير عذر عن اليوم الأول مكروه بخلاف تأخير عيد الفطر لغير عذر، فإنه لايجوز ولا يصلي بعده فالتقييدها لنفي الكراهة وفي عيد الفطر للصحة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ

زکریا دیوبند ۲/ ۲۸۵، کوئٹہ ۱۶۳/۲)

تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۵۴۴/۱،

امدادیہ ملتان ۱/ ۲۲۶۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

امام وقت کے نماز عید کے بعد دوسری جگہ نماز عید پڑھنے کا حکم

سوال (۵۶۹): قدیم/۶۴۴ - حضور کا کارڈ مرسلہ کمترین کے سوالات کے جوابات کا پہنچا کمترین کو سوال نمبر ۱: کے جواب میں شبہ ہے (*) امید ہے کہ حضور تسلی فرمائیں گے وہ شبہ یہ ہے کہ عبارت قدوری:

و من فاتته صلوٰۃ العید مع الإمام لم يقضها (ص ۳۸ باب صلوٰۃ العیدین)
سے اس کے عدم جواز کا شبہ ہوتا ہے۔ اب اس میں حسب ذیل سوالات ہیں:

(۱) اس جملہ کے کیا معنی ہیں؟

(۲) اس جملہ سے عدم جواز ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

(۳) کمترین نے اس کے معنی یہ سمجھے ہیں کہ اگر کسی شخص کو عید کی نماز جماعت کے ساتھ نہ ملے تو مثل نماز جمعہ کے پھر اس کو نہیں پڑھ سکتا۔ اگر چہ وقت باقی ہو۔ کیونکہ لم يقضها سے مراد وقت گزرنے پر قضا کرنا ہوتا تو مع الإمام کی قید لا حاصل تھی اگر یہ کہا جائے کہ اگر ایک یا دو یا چار شخصوں کو جماعت عید نہ ملے تو ان کے لئے لم يقضها کا حکم ہے نہ کہ جماعت کثیر کیلئے تو کنز الدقائق کی عبارت: ولم تقض إن فاتت مع الإمام (باب العیدین) اس کی تائید کرتی ہے کہ فعل مجہول ذکر کیا گیا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: در مختار میں بہت صاف عبارت ہے جس سے دوسری عبارات کی شرح ہو جاوے گی۔

ولا یصلیہا وحده إن فاتت مع الإمام ولو بالافساد اتفاقاً فی الأصح ولو أمکنہ الذہاب الی إمام آخر فعل لأنها تؤدی بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً فإن عجز صلی أربعاً كالضحی. وفي رد المحتار قوله: مع الإمام متعلق بمحذوف حال من ضمیر فاتت لا بفاتت لأن المعنی أن الإمام أداها وفاتت المقتدی. (۱)

(*) وہ سوال و جواب یہ ہے:

سوال: عید کی نماز ہونے کے بعد اگر بہت سے آدمی جمع ہو کر کسی دوسری مسجد یا جامع مسجد میں دوسری جماعت عید کریں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ لایقظی یا لم تقض کے یہی معنی ہیں کہ منفرداً نہ پڑھے اگرچہ شروع کر کے فاسد کر دی ہو باقی اگر ایک امام کے ساتھ نہ ملی ہو تو دوسرے امام کے ساتھ پڑھ لینا بہتر ہے اور اس تقریر میں سب نمبروں کا جواب ہو گیا۔

۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۰۲)

«ومن فاتته الصلاة فلم يدر كها مع الإمام لا يقضيها (مراقبي الفلاح) وفي الطحطاوي: قوله: (ومن فاتته الصلاة مع الإمام) أو بخروج وقتها سواء كان لعذر أم لا، إلا أنه يأتهم في الثاني دون الأول، وكما إذا لم يشرع أصلاً، أو شرع ثم أفسده اتفاقاً على الأصح، وفيها يلغز أي رجل أفسد صلاة واجبة عليه ولا قضاء عليه در ولو قدر بعد الفوات مع الإمام على إدراكها مع غيره فعل للاتفاق على جواز تعددها. (حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۳۵)

ولم تقض إن فاتت مع الإمام لأن الصلاة بهذه الصفة لم تعرف قربة إلا بشرائط لاتتم بالمنفرد فمراده نفي صلاتها وحده وإلا فإذا فاتت مع إمام وأمكته أن يذهب إلى إمام آخر، فإنه يذهب إليه لأنه يجوز تعددها في مصرٍ واحدٍ في موضعين وأكثر اتفاقاً إنما الخلاف في الجمعة، وأطلقه فشمّل ما إذا كان في الوقت أو خرج الوقت وما إذا لم يدخل مع الإمام أصلاً أو دخل معه وأفسدها فلا قضاء عليه أصلاً. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۸۳، كوئٹہ ۲/ ۱۶۲)

ولم تقض صلاة العيد منفرداً إذا فاتت الصلاة مع الإمام، وقوله مع الإمام: قيد للفاعل لا للفاعل لأن الصلاة بهذه الصفة لم تعرف قربة إلا بشرائط لاتتم بالمنفرد، وقال في البحر: أطلقه فشمّل ما إذا كان في الوقت أو خرج الوقت، وما إذا لم يدخل مع الإمام أصلاً أو دخل معه وأفسدها، وأقول: الأولى أن يراد بالقضاء الأداء مجازاً، ويعلم منه ما إذا خرج الوقت بالأولى، ولو قدر بعد الفوات مع الإمام على إدراكها مع غيره فعله للاتفاق على جواز تعددها. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۷۰)

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، دار الكتب

اثنائے خطبہ، خطبہ کا ترجمہ کرنا

سوال (۵۷۰): قدیم ۱/۶۴۵ - جمعہ کے خطبوں کے درمیان میں یا آخر بطور وعظ خطبہ کا ترجمہ کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے۔ (*)

هكذا يستفاد من العالمگیریة. (۱) واللہ اعلم

۶/رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ (امداد جلد اول ص ۹۶)

سوال (۵۷۱): قدیم ۱/۶۴۵ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبہ جمعہ میں قرآن شریف اور احادیث کی عبارت پڑھ کے اس کا ترجمہ زبان ہندی میں سمجھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک سے اب تک امت میں یہی تعامل و توارث رہا کہ

(*) تفصیل بعد والے سوال و جواب میں دیکھیں اور اس سلسلہ سوال نمبر ۵۶۵ اور ۵۸۴ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) ویکره للخطیب أن يتكلم في حال الخطبة إلا أن يكون أمراً بمعروف كذا في فتح القدیر. (ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، قدیم زکریا دیوبند ۱/۱۴۷، جدید زکریا ۱/۲۰۸)

فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۸، کوئٹہ ۲/۳۰-۳۱۔

یہ فتویٰ حضرت والا تھانویؒ نے ۶/رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ میں تحریر فرمایا ہے، اس کے بعد ایک فتویٰ ۲۴/جمادی الثانیہ ۱۳۴۹ھ میں تحریر فرمایا ہے جو سوال نمبر ۵۷۲ کے جواب میں آ رہا ہے، جس میں حضرت والا تھانویؒ نے سائل کے اس جواب کے بابت سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے، کہ یہ سوال ابتدائی زمانہ کا ہے اور مجمل ہے، پھر تفصیل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جمعہ کے خطبوں کے درمیان میں یا آخر میں بطور وعظ خطبہ کا ترجمہ کرنا چند شرائط کیساتھ جائز ہے اور اس کی عادت کر لینا بلا ضرورت خلاف سنت ہے۔ تفصیلی جواب اور اس کے دلائل سوال نمبر ۵۷۲ کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔ شہیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

خطبہ میں اور کوئی چیز لاحق نہیں کرتے اس لئے فقط خطبہ عربی پر اکتفا کرنا چاہئے ترجمہ وغیرہ کرنا بہتر نہیں (۱) ہاں اگر کوئی نصیحت مناسب وقت کسی واقعہ درپیش شدہ میں کر دے جائز ہے۔

(۱) فیانہ لاشک فی أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكروهاً تحريماً. (عمدة الرباعية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ۲۰۰/۱)

الخطبة يوم الجمعة و في العيدين بغير اللسان العربي أو ترجمتها بالعجمي أحد ثوا ذلك بعد قرون الخیر فلا إثارة من علم. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱۴۵/۱)

وكل ما حرم في الصلاة حرم فيها أي في الخطبة. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زکریا دیوبند ۳۵/۳، کراچی ۵۹/۲)

الکراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية. (مجموعة رسائل اللکهنوی ۴/۴، بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۲۶۲/۸)

الخطبة بالفارسية التي أحد ثوا واعتقدوا حسنهما ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة الغربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن بعدهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة. (آكام النفائس ملحقاً بمجموعة رسائل اللکهنوی ۴/۴۷، بحوالہ فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۲/۳۵۰)

لما لاحظنا خطب النبي صلى الله عليه وسلم وخلفائه رضي الله عنهم وهلم جراً فنجد فيها وجود أشياء منها الحمد والشهادتين، والصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم ←

يكره للخطيب أن يتكلم في حال الخطبة إلا أن يكون أمراً بمعروف. كذا في فتح
 القدير عالمگیری ج ١ ص ١٢٥ (١) ويروى رجوعه في اصل المسئلة الى قولهما وعليه
 الاعتماد والخطبة والتشهد على هذا الاختلاف ١٢ (٢) هداية أقول فلما ثبت الرجوع
 عنه في القراءة بالفارسية ثبت في الخطبة بها. فقط واللهم (امداد ص ١٠٣ ج ١)

← والأمر بالتقوى وتلاوة آية والدعاء للمسلمين وللمسلمات وكون الخطبة عربية (إلى
 أن قال) وأما كونها عربية فلا استمرار عمل المسلمين في المشارق والمغرب مع أن في
 كثير من الأقاليم كان المخاطبون أعجميين. (مصفى شرح الموطأ، كتاب الصلاة، باب التشديد
 على من ترك الجمعة بغير عذر مطبوعه دهلي ١٥٣/١)

(١) هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، قديم زكريا
 ١٤٧/١، جديد زكريا ٢٠٨/١ -

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبته زكريا ديوبند ٥٨/٢،
 كوئته ٣٠/٢ - ٣١ -

ولا ينبغي للخطيب أن يتكلم في خطبته بما هو من كلام الناس، لأن الخطبة كلام
 منظومة شرعت قبل الصلاة، فأشبهت الأذان، ولا ينبغي للمؤذن أن يتكلم في أذانه بما يشبه
 كلام الناس، ولا بأس بأن يتكلم بما يشبه الأمر بالمعروف، فقد صح أن رسول الله صلى الله
 عليه وسلم كان يخطب، فدخل سليك الغطفاني وجلس، فقال النبي صلى الله عليه وسلم،
 أركعت ركعتين؟ قال سليك: لا، فقال النبي عليه الصلاة والسلام: قم واركع ركعتين ثم
 اجلس، وعن عمر^{رض}، أنه كان يخطب يوم الجمعة فدخل عثمان^{رض}، فقال عمر^{رض}، أية ساعة المجيئ
 هذه؟ فقال عثمان^{رض}، ما زدت حين سمعت النداء على أن توضأت، فقال عمر^{رض}، الوضوء أيضاً
 ورسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمر بالاعتسالة يوم الجمعة. ولأن ما يشبه الأمر
 بالمعروف خطبة من حيث المعنى، وإن لم يكن خطبة من حيث النظم؛ لأن الخطبة في
 الحقيقة وعظ وأمر بالمعروف. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون،
 صلاة الجمعة، شرائط الجمعة، المجلس العلمي ٤٥٩/٢، رقم: ٢١٨٨)

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، محظورات الخطبة، مكتبته زكريا ديوبند ٥٩٥/١ -

(٢) هداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبته اشرفية ديوبند ١٠٢/١ - شبير احمد قاسمي عفا الله عنه

سوال (۵۷۲): قدیم/۶۳۶- ماقولکم رحمکم اللہ ربکم اندریں مسئلہ، کہ خطبوں کے درمیان یا آخر بطور وعظ خطبہ کا ترجمہ کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب سوال: جائز ہے۔

هكذا يستفاد من العالمگیریة. واللہ اعلم

(فتاویٰ اشرفیہ حصہ اول مطبوعہ قیومی پریس ۱۳۴۵ھ ص ۳۴)

اس سوال و جواب مقومہ بالا میں بندہ کو شبہ ہے کہ یہ جواب حضرت والا مقام کی تحریرات سے ہے یا نہیں؟

الجواب: اس وقت فتاویٰ اشرفیہ میرے پاس نہیں اس لئے وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن غالب یہ ہے کہ میرا ہی جواب ہے۔ (*) مگر ابتدائی زمانہ کا ہوگا۔ اس لئے مجمل ہے میری بعد کی تحریرات میں اس کی تفصیل مذکور اور بذریعہ طباعت مشہور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسا کرنا (۱) گاہ گاہ (۲) کسی ضرورت سے (۳) قلیل مقدار سے مضائقہ نہیں۔ (۱)

(*) دیکھئے سوال نمبر ۵۷۵، ۵۶۵ و ۱۲- سعید احمد پالن پوری

(۱) ویکرہ للخطیب أن يتكلم في حال الخطبة إلا أن يكون أمراً بمعروف كذا في القديرو. (الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، قدیم زکریا ۱۴۷/۱، جدید زکریا ۲۰۸/۱)

ویکرہ للخطیب أن يتكلم في حال الخطبة، ولو فعل لا تفسد الخطبة لأنها ليست بصلاة فلا يفسدها كلام الناس لكنه يكره لأنها شرعت منظومة كالأذان والكلام يقطع النظم إلا إذا كان الكلام أمراً بالمعروف فلا يكره. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، محظورات الخطبة، مکتبہ زکریا دیوبند ۵۹۵/۱)

ولا ينبغي للخطیب أن يتكلم في خطبته بما هو من كلام الناس، لأن الخطبة كلام منظومة شرعت قبل الصلاة، فأشبهت الأذان، ولا ينبغي للمؤذن أن يتكلم في أذانه بما يشبه كلام الناس، ولا بأس بأن يتكلم بما يشبه الأمر بالمعروف، فقد صح أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخطب، فدخل سليك الغطفاني وجلس، فقال النبي صلى الله عليه وسلم، أر كعت ركعتين؟ قال سليك: لا، فقال النبي عليه الصلاة والسلام: قم وار كع ركعتين ثم اجلس، وعن عمرؓ، أنه كان يخطب يوم الجمعة فدخل عثمانؓ، فقال عمرؓ، أية ساعة المجيبي هذه؟ ←

باقی اس کی عادت کر لینا یا بلا ضرورت ایسا کرنا یا زیادہ حصہ کا ترجمہ یا طویل وعظ کہنا اثنائے خطبہ میں خلاف سنت ہے۔ (۱)

۲۳ / جمادی الثانی ۱۳۴۹ھ (النورس ۶۱ ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ)

← فقال عثمان، ما زدت حين سمعت النداء على أن توضأت، فقال عمر: الوضوء أيضًا ورسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمر بالآغتسال يوم الجمعة، ولأن ما يشبه الأمر بالمعروف خطبة من حيث المعنى، وإن لم يكن خطبة من حيث النظم؛ لأن الخطبة في الحقيقة وعظ وأمر بالمعروف. الخ (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون، صلاة الجمعة، شرائط الجمعة، المجلس العلمي ۲/ ۵۹، رقم: ۲۱۸۸) فتش القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۸، كوئته ۳۰/ ۲ - ۳۱ -

(۱) فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكروهاً تحريماً. (عمدة الرياسة على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۲۰۰)

الخطبة يوم الجمعة و في العيدين بغير اللسان العربي أو ترجمتها بالعجمي أحد ثوا ذلك بعد قرون الخیر فلا إثارة من علم. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۱۴۵)

وكل ما حرم في الصلاة حرم فيها أي في الخطبة. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۵، كراچی ۲/ ۵۹)

ولا ينبغي للإمام أن يتكلم في خطبته بشيء من حديث الناس لأنه ذكر منظوم. (مبسوط سرخسي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۲۷)

الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية. (مجموعة رسائل اللكهنوي ۴/ ۴۴، بحواله فتاوى محموديه ذابھیل ۸/ ۲۶۲)

الخطبة بالفارسية التي أحد ثوا واعتقدوا حسنها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم ←

خطبہ جمعہ میں غیر عربی میں اشعار پڑھنا

سوال (۵۷۳): قدیم ۱/۶۴۶ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل مفصلہ ذیل میں کہ خطبہ جمعہ مشتمل بر اشعار اردو و فارسی وغیرہ کے پڑھنا کیسا ہے جائز ہے یا نہیں اور اگر ہے تو بلا کراہت جائز ہے یا با کراہت اور در صورت جواز کے کہ بلا کراہت ہو اولیٰ کیا ہے اور کس طرح خطبہ کی عادت کرنی چاہئے یعنی اردو وغیرہ کے اشعار والا خطبہ پڑھا کرے یا فقط عربی کے الفاظ اور عبارات پر اقتصار لازم ہے کہ علی وجہ المسنون ادا ہو وے اور طریقہ سلف صالحین اور عمل علمائے عالمین کیا ہے؟

الجواب: (از مولوی ارشاد حسین صاحب) واللہ سبحانہ الموفق للصواب.

اشعار فارسی وغیرہ خطبہ میں پڑھنا جائز ہے اس واسطے کہ جب خطبہ بقدر تشہد مسنون کے زبان عربی میں پڑھا اور کچھ اشعار فارسی یا اردو وغیرہ میں تو خطبہ بقدر تشہد مسنون زبان عربی میں ادا ہو گیا۔ اور اشعار فارسی وغیرہ واسطے تفہیم عوام کے اور پند و نصیحت کے کچھ منافی خطبہ کے نہیں۔ پس جواز اشعار فارسی وغیرہ میں کچھ تامل نہیں اور اگر بالفرض خطبہ کسی زبان میں سوائے عربی کے پڑھا جب بھی عند الامام ابی حنیفہ جائز ہو اور اسی پر فتویٰ ہے۔

قال في الدر المختار: وكفت تحميدة أو تهليلية أو تسيحة للخطبة المفروضة مع

← العجم اللغة الغربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن بعدهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة، وفقد ان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة. (آكام السفائس ملحقه بمجموعة رسائل الكهنوي ۴/ ۴۷، بحواله

الکراهية، وقال: لا بد من ذكر طويل وأقله قدر التشهد الواجب انتهى. (۱) وقال أيضاً وصح شروعه بتسييح وتهليل وسائر كلم التعظيم كما صح لو شرع بغير عربية أي لسان كان وشرطاً عجزه وعلى هذا الخلاف الخطبة وجميع اذكار الصلوة انتهى. وقال في رد المحتار وشرطاً عجزه أي التكبير بالعربية والمعتمد قوله: بل سيأتي ما يفيد الاتفاق على أن العجز غير شرط انتهى. (۲)

اور ان اشعار فارسی وغیرہ پڑھنے میں کراہت نہیں (*) لیکن سلف صالحین اور علمائے معتمدین سے منقول خطبہ بتامہ زبان عربی میں ہے اور یہی اولیٰ ہے بسبب موافقت سنت کے اور اسی کی عادت کرنا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ اتم، العبد محمد ارشاد حسین۔ (۳)

(*) اگر کراہت تحریمی کی نفی مقصود ہے تو صحیح ہے اور اگر کراہت تنزیہی کی نفی مقصود ہے تو صحیح نہیں اور جب اس پر اصرار ہوگا تو کراہت میں شدت ہو جائے گی اور اوپر جو استدلال میں کہا گیا ہے کہ بقدر مسنون زبان عربی میں ادا ہو گیا الخ یہ اس لئے صحیح نہیں کہ خطبہ اگر قصیر ہو تو وہ تمام خطبہ ہے، اور اگر طویل ہو تو وہ بھی تمام خطبہ ہے جیسا کہ قراءۃ مفروضہ میں تصریح ہے کہ اگر قدرے فرض سے زائد قراءۃ ہو تو وہ مجموعہ فرض ہوگی اور امام صاحب کا رجوع جیسا صلوة میں ہے اسی کے حکم میں خطبہ کا ہونا بھی کتب فقہ میں مصرح ہے اور عبارت در مختار میں جو بحر کو غیر شرط کہا ہے تو نفس صحت یعنی اداۃ فرض کے لئے نہ کہ جواز بلا کراہت کے لئے۔ ۱۲ اشرف علی عفی عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلوة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۰/۳، کراچی ۱۴۸/۲۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۸۲/۲-۱۸۳، کراچی ۱/۴۸۳-۴۸۴۔

(۳) فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكرهاً وتحريمياً. (عمدة الرياسة على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب أحكام صلاة الجمعة، مکتبہ بلال ۱/۲۰۰)

الکراهية إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية، ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية. (مجموعة رسائل اللکهنوی، رسالة آکام النفائس في أداء الأذکار بلسان الفارس ۴/۴، بحوالہ

(جواب دوم از حضرت مولانا مدظلہم بر جواب مولوی ارشاد حسین صاحب)

اقول: مستمعینا باللہ سبحانہ و تعالیٰ دونوں (*) جواب صحیح ہیں (**) واقعی خطبہ میں اشعار وغیرہ پڑھنا غیر مستحسن ہے اور مکروہ کے دو معنی ہیں ایک بوجہ دلیل مستقل کے دوسرے بوجہ مخالفت سنت کے پس اگر اشعار مذکورہ تعنی کے ساتھ پڑھے جاویں تو مکروہ بالمعنی الاول ہے ورنہ بالمعنی الثانی۔

(*) سائل نے دو سوال کئے تھے، ایک خطبہ میں غیر عربی اشعار پڑھنے کے بارے میں اور دوسرا مولود خوانی میں قیام کے سلسلہ میں، مولوی ارشاد حسین صاحب نے دونوں کا جواب لکھا ہے، حضرت قدس سرہ دونوں کی تصحیح کر رہے ہیں، ترتیب میں ایک یہاں ہے اور دوسرا جلد پنجم (طبع کراچی) کے ص: ۲۵۹، سوال نمبر ۲۳۷ پر ہے۔

نوٹ: یہاں جواب کے آخر میں مطبوعہ کراچی میں جواز اند عبارت تھی وہ جلد پنجم میں مذکور جواب کے ابتدا کی تھی، مرتب کے تسامح سے وہ یہاں لکھی گئی تھی ہم نے اسے یہاں سے حذف کر دیا ہے اور وہاں لکھی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) جواب اول کی تصحیح اس کے اس جزء مقصود کے اعتبار سے ہے ”لیکن سلف صالحین۔ رابی قولہ۔ عادت کرنا چاہئے“ ۱۲ منہ

← ومنہ يعلم حکم قراءة الأشعار الفارسية في الخطبة، والأولى ترك ذلك لمخالفة فعل صاحب الشرع. (حاشیۃ الہدایۃ، للکنوی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ اشرفیۃ دیوبند ۱/۱۷۱، رقم الحاشیۃ: ۸)

الخطبة يوم الجمعة وفي العیدین بغیر اللسان العربی أو ترجمتها بالعجمی أحد ثوا ذلك بعد قرون الخیر بلا إثارة من علم. (مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلاة، مکتبہ اشرفیۃ دیوبند ۱/۱۴۵)

الخطبة بالفارسیۃ و غیرہا من اللغات الغیر العربیۃ، بدعة، وکل بدعة ضلالة، والضلالة أدنی درجاتها الکراهة..... ووجه کونه بدعة أنه لم یکن فی القرون الثلاثة. (مجموعۃ رسائل اللکھنوی، رسالۃ آکام النفائس فی أداء الأذکار بلسان الفارس ۴/۴، بحوالہ کفایت المفتی جدید مطول ۵/۲۰۳)

مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ

یؤیدہ ما فی آکام النفائس و سئلت أيضاً عما اعتادہ أكثر خطباء زماننا من قراءة الخطبة بالعربية و تضمین بعض الأشعار الفارسی أو الهندیة هل يجوز ذلك؟ فاجبت بأن قراءة الأشعار فیہا إن کان بالغناء الممنوع عنه فی الشریعة فلا ریب فی کراہتہا وإن کان بالعربیة لما فی نصاب الاحتساب هل يجوز للمذکر أن یقرء علی المنبر دو بیٹی کما اعتادہ مذکر زماننا فالجواب أنه ورد فی الحدیث من اشترط الساعة أن توضع الأخیار و ترفع الأشرار و أن تقرأ المثناة علی رؤس الناس و المثناة هی التي تسمى بالفارسیة دو بیٹی من صحاح الجوهری و الفقه فی منعه أنه غناء و أنه حرام فی غیر المنبر فمأظنک فی موضع یعد للوعظ و النصیحة قال العبد أصلحه الله و قد ظفرت علی هذا الحدیث بعد ما كنت اجلس للعمامة فی المنابر بتوفیق الله أكثر من ثلاثین سنة فحمدت الله علی أنى و إن كنت لم أعلم بحرمة هذا الفعل و لکنى لم أذكر مثناة یعنی دو بیٹی قط فی منبر ما جلست فیہ انتہی کلامہ (۱) و إن لم یکن بالغناء فالکراهة لکونه مخالفاً للسنة داخل فی أصناف البدعة و کذا قراءة بعض الخطبة بالعربیة و بعضها بالفارسیة لا تخلوا عن الکراهة للتقریرات السابقة فلیحفظ هذا کله فإن الناس عنه غافلون یرتکبون أمراً شیعاً و یحسبون أنهم یحسنون. کتبہ اشرف علی عفی عنه من اجاب فقد أجاد و أصاب فیما افاد حرره محمد عبد الغفار عفی عنه رب العباد بجاه الرسول و اله الامجاد.

الجواب صحیح شیر علی عفی عنه، قد أصاب من أجاب محمد صدیق دیوبندی (امداد ص ۲۳)

سوال (۵۷۴): قدیم / ۱ / ۶۳۹ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ جمعہ کے خطبہ کی اذان کے وقت سے پہلے چار پانچ منٹ منبر سے علیحدہ خطبہ کا ترجمہ سنانا حسب فرمائش مصلیان اور پھر فوراً اذان خطبہ کے وقت منبر پر جانا اور حسب معمول اذان خطبہ ہونا اور عربی میں خطبہ کا پڑھنا۔ اس میں کوئی کراہت یا مفسد نماز ہے یا نہیں؟ زیادہ ادب ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ

الجواب: یہ خطبہ کا ترجمہ سنا تاذکیر ہے اور آیت: وَذَكَرْ فَإِنَّ الذِّكْرَی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (۱)

اپنے عمووم سے ہر وقت کے تذکیر کی اجازت دیتی ہے بجز ان مواقع کے جو مستقل دلیل سے ممنوع ہیں اور جو قیود سوال میں مذکور ہیں ان میں دو قیدیں اور قابل اضافہ ہیں ایک یہ کہ عوام الناس اس کو ہمیشہ کیلئے لازم نہ سمجھیں دلیل اس کی مشہور ہے۔ (۲)

دوسرے یہ کہ مذکر اس وقت منبر سے دور ہوتا کہ ہیئت خطبہ کا ایہام نہ ہو۔ دلیل اس کی مجوزین تکرار جماعت کی یہ تہقید ہے کہ عدول عن الحرم اب ہو (۳) پس ان سب قیود کے ہوتے ہوئے کوئی امر جواز سے مانع نہیں لہذا جواز کا حکم کیا جائے گا اور کراہت کی کوئی وجہ نہیں نہ اس فعل میں اور نہ اس فعل سے نماز میں اور فساد صلوٰۃ میں تو وسوسہ کا بھی درجہ نہیں البتہ اگر خود خطبہ ہی غیر عربی میں ہو سو وہ چونکہ بقول رائج خطبہ ہی نہیں اور خطبہ شرط ہے نماز جمعہ کی اس لئے اس صورت میں فساد صلوٰۃ کے حکم کی گنجائش ہے اور اس جواز کی تائید شیخین کی احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

(۱) سورة الذاریت آیت: ۵۵

(۲) من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر. (مرقاۃ المفاتیح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، مكتبه امدادیة ملتان ۲/۳۵۳)

الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع. (سعاية، مكتبه اشرفیة دیوبند ۲/۲۶۵)

وما يفعل عقيب الصلاة فمكروه لأن الجهال يعتقدونها سنة أو واجبة و كل مباح يؤدي إليه فمكروه. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، قبیل باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا دیوبند ۲/۵۹۸، كراچی ۲/۱۲۰)

(۳) وعن أبي يوسف أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولى لا تكره وإلا تكره وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا في البزازیة: انتهى. وفي الشاتار خانية عن الولوالجية وبه نأخذ. (شامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا دیوبند ۲/۲۸۹، كراچی ۱/۵۵۳) ←

روى مسلم عن جابر في قصة يوم الفطر ثم خطب النبي ﷺ الناس فلما فرغ نزل فأتى النساء فذكرهن الحديث. (۱) وروى البخارى عن ابن عباس بعد وعظ النساء ثم انطلق هو وبلال إلى بيته الحديث. (۲)

یہ احادیث اس میں نص ہیں کہ اس تذکیر کے وقت میں (جو کہ خطبہ نہ تھی جس کا قرینہ یہ ہے کہ یہ تذکیر بعد فراغ خطبہ تھی اور نیز منبر پر نہ تھی اور اس کے بعد عود الی المنبر نہیں ہوا) اور خطبہ کے وقت میں کوئی فصل نہ تھا جس سے معلوم ہوا کہ اس تذکیر کے اور خطبہ کے وقت میں فصل نہ ہونا مانع جواز نہیں اور تقدیم و تاخیر کو اس میں کوئی دخل نہیں پس اس کا جواز سنت سے بھی ثابت ہو گیا۔ واللہ اعلم،

۲۴/ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ (النور ربیع الاول ۱۳۵۶ھ)

← وعن أبي يوسف إذا لم تكن على الهيئة الأولى لا يكره وإلا يكره وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا في فتاوى البنازي. (حلي كبيرى، كتاب الصلاة، مسائل متفرقة، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۶۱۵)

بزازية على الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والإقتداء، نوع فيما يكره وما لا يكره قديم ۵/ ۵۶، جديد زكريا ۱/ ۳۹۔

(۱) عن جابر بن عبد الله قال: إن النبي صلى الله عليه وسلم قام يوم الفطر فصلى، فبدأ بالصلاة قبل الخطبة، ثم خطب الناس، فلما فرغ نبي الله صلى الله عليه وسلم نزل وأتى النساء، فذكرهن، وهو يتكأ على يد بلال، وبلال باسط ثوبه يلقي النساء صدقة. (مسلم شريف، كتاب صلاة العيد، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۹، بيت الأفكار رقم: ۸۸۵)

أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب الخطبة يوم العيد، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۲، دار السلام رقم: ۱۱۴۱۔

بخاري شريف، كتاب العيدين، باب موعظة الإمام النساء يوم العيدين، النسخة الهندية ۱/ ۱۳۳، رقم: ۹۶۸، ف: ۹۷۸۔

(۲) عن عبد الرحمن بن عابس قال: سمعت ابن عباس قيل له: أشهدت العيد مع النبي صلى الله عليه وسلم؟ قال: نعم! ولولا مكاني من الصغر ما شهدته، حتى أتى العلم الذي عند دار كثير بن الصلت فصلى ثم خطب، ثم أتى النساء، ومعه بلال فوعظهن، ←

تعدد جمعہ کا حکم

سوال (۵۷۵): قدیم ۱/۶۵۰ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کمپ میرٹھ لال کورتی بازار میں دو مسجدوں یعنی سیدہ والی اور شیخ الہی بخش والی میں ہمیشہ سے جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور اب قریب ایک ماہ کے چند اشخاص نے بوجہ نفسانیت چند اشخاص کوٹھی کے ضد میں مسجد کوٹلہ والی میں جمعہ پڑھنا شروع کر دیا ہے اور موجود لوگ اپنا کاروبار چھوڑ کر ہمہ دن درستی مسجد کوٹلہ والی میں مصروف ہیں اس مسجد میں جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور اگر یہ جمعہ بوجہ نفسانیت بھی ہو تو اس میں جمعہ پڑھ کر لال کورتی میں تین جگہ جمعہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب: اول تو اسی میں اختلاف ہے کہ ایک بستی میں کئی جگہ جمعہ جائز ہے یا نہیں اگرچہ واسطے دفع حرج کے اکثر علماء اسی طرف ہیں کہ جائز ہے پھر مجوزین کی تعداد اس میں مختلف ہے کہ آیا دو جگہ سے زیادہ بھی جائز ہے یا نہیں اگرچہ بوجہ اطلاق دلیل رائج یہی ہے کہ جائز ہے۔

وتؤدی فی مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقا علی المذهب وعلیہ الفتوی شرح المجمع للینی وإمامة فتح القدير دفعا للخرج وعلی المروجح فالجمعة لمن سبق تحريمه وتفسد بالسمعية والاشتباه. در مختار، وبما ذكرنا اندفع ما في البدائع من أن ظاهر الرواية: جوازها في موضعين لا في أكثر وعلیہ الاعتماد شامی مصری جلد اول ص ۵۴۱ (۱)

← و ذکر هن وأمرهن بالصدقة، فرأيتهن يهوين بأيديهن، يقذفنه في ثوب بلال، ثم انطلق هو وبلال إلى بيته. (بخاري شريف، كتاب العيدين، باب العلم الذي بالمصلي، النسخة الهندية ۱/۱۳۳، رقم: ۹۶۷، ف: ۹۷۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۱۶-۱۵/۳، کراچی ۲/۱۴۴-۱۴۵

وتؤدی فی مصر فی مواضع (کنز) وفي البحر: (أي يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة وهو قول أبي حنيفة، ومحمد وهو الأصح؛ لأن في الاجتماع في موضع واحد في مدينة كبيرة حرماً بيناً وهو مدفوع كذا ذكر الشارح وذكر الإمام السرخسي أن الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحد في مسجدين وأكثر، وبه نأخذ لإطلاق ←

یہ سب اختلاف اس صورت میں ہے کہ اگر ازراہ نفسانیت نہ ہو ورنہ کسی کے نزدیک جائز نہیں اگرچہ سقوط واجب ہو جائے گا پس صورت مسئلہ میں اگر ازراہ نفسانیت بھی نہ ہوتا جب بھی بہتر نہ تھا کیونکہ خواہ مخواہ اختلاف علماء میں پڑنا کون ضرور ہے۔ دوسری وجہ جواز تعدد دفع حرج ہے کہ ایک مسجد میں دور و دراز سے سب کا آنا دشوار ہوگا اور لال کورتی جیسی چھوٹی جگہ میں یہ بھی حرج نہیں۔ **فَإِذَا فَاتَتِ الْعِلَّةُ فَاتَ الْمَعْلُولُ** چہ جائیکہ یہ تفریق ازراہ نفسانیت ہو تو بہت بیجا اور مشابہت ہے اہل مسجد ضرار کے ساتھ کہ جن کی شان میں ہے۔ **وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ** الخ (۱) اعاذنا اللہ منہ وجميع المسلمين

← **لَا جُمُعَةَ إِلَّا فِي مِصْرَ، شَرَطَ الْمِصْرَ فَقَطْ، وَفِي فَتْحِ الْقَدِيرِ: الْأَصَحُّ الْجَوَازُ مَطْلَقًا خُصُوصًا** إذا كان مصرًا كبيرًا كمصرنا، فإن في إلزام اتحاد الموضوع حرجًا بيننا لاستدعائه تطويل المسافة على الأكثر، وذكر في باب الإمامة أن الفتوى على جواز التعدد مطلقًا، وبما ذكرناه اندفع ما في البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها في موضعين ولا يجوز في أكثر من ذلك وعليه الاعتماد الخ، فإن المذهب الجواز مطلقًا. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۵۰، كوئٹہ ۲/۴۲۱)

وعن محمد يجوز تعددها مطلقًا، ورواه عن أبي حنيفة ولهذا قال السرخسي: الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحد في مسجدين فأكثر وبه نأخذ لإطلاق "لا جمعة إلا في مصر" شرط المصّر، فإذا تحقق تحقق في حق كل منها. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۱-۵۲، كوئٹہ ۲/۲۵۰)

وتؤدى الجمعة في مصر في مواضع منه رواه محمد عن الإمام، وهو الصحيح، وفي باب الإمامة من فتح القدير، وعليه الفتوى، دفعًا للخرج اللازم من إلزام الاجتماع في موضع واحد خصوصًا إذا كان مصرًا كبيرًا كمصرنا، وخص الثاني: الجواز بموضعين وجعله في البدائع ظاهر الرواية، قال: وعليه الاعتماد وما عن محمد من إطلاق الجواز في ثلاث مواضع فمحمول على موضع الحاجة والضرورة. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ۱/۳۵۴)

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۵۸۶-۵۸۷

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۷

(۱) سورة التوبة آیت: ۱۰۷۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہاں جس جگہ پہلے سے جمعہ ہوتا ہے اگر وہاں کوئی خرابی شرعی ہو اور اس کا تذکرہ بجز کنارہ کشی کے ممکن نہ ہو تو بیشک اس علیحدگی میں کچھ مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم

۱۳ شعبان ۱۳۰۲ھ (امداد ص ۱۰۴ ج ۱)

سوال (۵۷۶): قدیم ۱/۶۵۱ - دیہاتوں میں جہاں چند جگہ جمعہ ہوتا ہے تو ان میں جہاں پہلے ہو ان کا جمعہ صحیح ہونا اور باقی کا غیر صحیح ہونا کسی اولہ شریعت سے ثابت ہے یا نہیں؟ فقط،

الجواب: روى الشيخان عن ابن عباس، أن النبي ﷺ صلى يوم الفطر ركعتين لم يصل قبلها ولا بعدهما. (۱)

اس حدیث اور نیز دوسری بہت سی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سلف سے لیکر خلف تک جس طرح فعل نبوی سے کسی حکم پر استدلال کرتے رہے ہیں اسی طرح ترک سے بھی استدلال کیا کئے ہیں اسی بناء پر عید کے قبل اور بعد کی نوافل کو فقہاء نے مکروہ کہا ہے اور اپنے محل میں ثابت ہے کہ آپ کے زمانہ میں قاطبہ کسی امر کا معمول ہونا یا عامۃ کسی امر کا متروک ہونا اور آپ کا اس پر سکوت فرمانا یہ حدیث تقریری اور مثل حدیث قولی یا فعلی کے اثبات حکم میں ہے اس کے بعد غور کرنا چاہئے کہ عہد نبوی یا خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ایک مصر میں چند مساجد میں جمعہ ہونا کہیں منقول نہیں دیکھا گیا اور اگر کہیں ہو تو کہا جاوے گا کہ مانع تعدد کو وہ روایت نہیں پہنچی۔ پس اس بناء پر نظر الی الامرین المذکورین مانع اس طرح استدلال کر سکتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں تعدد کا بالعموم متروک ہونا دلیل اس کے عدم مشروعیت کی ہے اور مقصود اس استدلال کے نقل کرنے سے اس منع کی تقویت نہیں ہے کیونکہ خود علمائے مذہب نے اس قول کے مرجوح ہونے کی تصریح کر دی ہے۔

(۱) عن ابن عباس، أن النبي ﷺ صلى الله عليه وسلم صلى يوم الفطر ركعتين لم يصل قبلها ولا بعدها، ثم أتى النساء معه بلال، فأمرهن بالصدقة، فجعلن يلقين تلقى المرأة خرسها وسخابها (بخاري شريف، كتاب الصلاة، كتاب العيدين، باب الخطبة بعد العيد، النسخة الهندية ۱/۱۳۱، رقم: ۹۵۴، ف: ۹۶۴)

مسلم شريف، كتاب صلاة العيدين، باب ترك الصلاة قبل العيد وبعدها في المصلی، النسخة الهندية ۱/۲۹۱، بيت الأفكار رقم: ۸۸۴۔

ترمذی شریف، كتاب الصلاة، باب ما جاء لا صلاة قبل العيدين ولا بعدها، النسخة الهندية ۱/۱۲۰، دار السلام رقم: ۵۳۷۔

کما فی الدر المختار: وتؤدی فی مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً علی المذهب

وعلیہ الفتویٰ. شرح المجمع للعینی وإمامة فتح القدير دفعا للخرج. (۱)

اور یہ مجوزین اس استدلال کا یہ جواب دے سکتے ہیں کہ ترک وہ حجت ہے جو قصداً ہو اور یہ امر مجتہد کو
ذوقاً قرآن سے معلوم ہو جاتا ہے اور تعدد جمعہ کا ترک اتفاقاً تھا ادھر اجتماع کا شوق تھا اور حضور ﷺ کے

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۱۶-۱۵/۳، کراچی ۱۴۴/۲-۱۴۵

وعن محمد يجوز تعددها مطلقاً، ورواه عن أبي حنيفة، ولهذا قال السرخسي:

الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحد في مسجدین فأكثر وبه نأخذ
إطلاق "لا جمعة إلا في مصر" شرط المصر، فإذا تحقق حقق في حق كل منها. (فتح القدير،

کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۵۱/۲-۵۲، کوئٹہ ۲۵/۲)

وتؤدی الجمعة في مصر في مواضع منه رواه محمد عن الإمام، وهو الصحيح، وفي

باب الإمامة من فتح القدير، وعليه الفتوى، دفعا للخرج اللازم من إلزام الاجتماع في موضع

واحد خصوصاً إذا كان مصرًا كبيرًا كمصرنا، وخص الثاني: الجواز بموضعين وجعله في

البدائع ظاهر الرواية، قال: وعليه الاعتماد وما عن محمد من إطلاق الجواز في ثلاث

مواضع فمحمول على موضع الحاجة والضرورة. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة

الجمعة، مکتبہ زکریا ۱/۳۵۴)

البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۵۰،

کوئٹہ ۲/۱۴۲

بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، شرائط الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۵۸۶/۱-۵۸۷

مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ دارالکتب العلمیة

بیروت ۱/۲۴۷-

شامی مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۱۶/۳، کراچی ۲/۱۴۵-شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ساتھ نماز پڑھنے کا ذوق تھا ہفتہ میں ایک بار ذرا اہتمام کر لینے میں کچھ حرج نہیں تھا اس لئے تعدد کی نوبت نہ آئی اس سے عدم مشروعیت ثابت نہیں ہوتی خصوص جبکہ اس میں حرج بھی ہو جو خود مستقل مقتضی ہے توسع کو چنانچہ دفعاً للخرج کہنا اس طرف مشیر ہے اور چونکہ اس جواب کے بعد دلیل منع کا ضعف خود ثابت ہو گیا اس ضعیف ہونے کو مثل دلیل مفقود ہونے کے کہہ دیا گیا ہے۔

كما في رد المحتار: ولم يوجد دليل عدم جواز التعدد بل قضية الضرورة عدم اشتراطه. اور اسی حرج کے مبنی ہونے پر نظر کر کے موضعین یا مواضع کثیرہ کے اقوال میں بھی تطبیق ہو گئی کہ مختلف مقامات پر مختلف ضرورتیں معلوم ہوئیں اور گویہ دلیل منع کی ضعیف تھی مگر موقع احتیاط میں ضعیف پر نظر ہونا جواب (*) سوال اول میں بیان ہو چکا ہے۔ فقط

۶/محرم الحرام ۱۳۲۸ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۸)

بوقت خطبہ عصائہا تھ میں لینا

سوال (۵۷۷): قدیم ۱/۶۵۳ - خطیب کو وقت خطبہ عصاء یا لکڑی ہاتھ میں لینا سنت ہے یا مستحب؟

(۲) نیز داہنے ہاتھ میں لیوے یا بائیں میں، اگر داہنے ہاتھ میں عصاء لیوے اور بائیں میں خطبہ تو خلاف ادب تو نہیں؟

(۳) آں رسول مقبول ﷺ کا اِتِّكَاءُ عَلَى الْعَصَاءِ کبر سنی یا ضعف پر محمول ہے یا سنت مستمرہ؟

الجواب: عادت نہ کرے ضرورت میں مضائقہ نہیں۔

وهو وجه الجمع بين حديث أبي داود فقام ﷺ متوكئاً على عصي أو قوس. (۱)

(*) مراد اس سے وہ سوال ہے جو اس سوال سے کچھ پہلے ۵۵۴ پر درج ہے ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) عن شعيب بن زريق الطائفي قال: جلست إلى رجل له صحبة من رسول الله صلى الله عليه وسلم يقال له الحاكم بن حزن الكلبي (إلى قوله) فأقمتها بها أياماً شهدنا فيها الجمعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام متوكئاً على عصاً أو قوس فحمد الله وأثنى عليه الحديث. (أبو داود شريف، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس، النسخة الهندية

وبین قول الفقهاء يكره أن يتكى على قوس أو عصا. (۱)

(۲) ظاہراً کچھ حرج نہیں۔

(۳) استمرار کا کوئی صیغہ نظر سے نہیں گزرا۔

۲۳/رجب المرجب ۱۳۵۹ھ

← عن أبي جناب عن يزيد بن البراء عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم خطبهم يوم عيد وفي يده قوس أو عصا. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، العشاء يتوكأ عليها إذا خطب مؤسسة علوم القرآن ۱۷۷/۴، رقم: ۵۶۰۸)

عن ابن جريج قال: قلت لعطاء: أكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم إذا خطب على عصا؟ قال: نعم! وكان يعتمد عليها اعتماداً. (السنن الكبرى للسيهقي، باب الإمام يعتمد على عصا أو قوس أو ما أشبههما، دار الفكر بيروت ۴/۴۴۷، رقم: ۵۸۴۸)

عبد الرزاق عن معمر قال: سمعت بعض أهل المدينة يذكر أن النبي صلى الله عليه وسلم، كان إذا خطب اعتمد على عصاه اعتماداً. (مصنف عبد الرزاق، باب اعتماد رسول الله صلى الله عليه وسلم على العصا، دار الكتب العلمية ۳/۸۱، رقم: ۵۲۶۰)

سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الخطبة يوم الجمعة، النسخة الهندية ص: ۷۷، دار السلام رقم: ۱۱۰۷۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۶/۳۹، رقم: ۵۴۴۸، ۱۱/۳۱۰، رقم: ۱۲۰۹۸۔

مسند أحمد بن حنبل ۴/۲۸۲، رقم: ۱۸۶۸۲۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۴۱/۳، کراچی ۲/۱۶۳۔

ظاہر ما فی الخلاصة کراهة ذلك فإنه قال: ويكره أن يخطف متكئاً على قوس أو عصا الخ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۶۰، کوئٹہ ۲/۱۴۸)

خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/۲۰۵۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جمعہ کی نماز کے تکرار کا حکم

سوال (۵۷۸): قدیم ۱/۶۵۳ - تکرار جماعت نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں اور اگر ہے تو بلا کراہت

جائز ہے یا بکراہت اور در صورت جواز کے کہ بلا کراہت ہو اولیٰ نماز جمعہ پڑھنا ہے یا نماز ظہر؟

الجواب: في الدر المختار: وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة - وفيه قبل هذه العبارة وأفاد أن المسجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع. وفي رد المحتار: إلا الجامع أي الذي تقام فيه الجمعة فإن فتحه في وقت الظهر ضروري والظاهر أنه يغلق أيضاً بعد إقامة الجمعة. الخ (۱)

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ تکرار جماعت نماز جمعہ مشروع نہیں ہے ورنہ فوت جمعہ سے علیٰ التبعین ادائے ظہر کا امر اگرچہ کسی مجمع ہی کا جمعہ فوت ہو گیا ہو نہ ہوتا اور خود جامع مسجد اور دوسری مسجد کا اغلاق بعد نماز جمعہ مامور بہ نہ ہوتا کیونکہ احتمال تکرار جمعہ کا رہتا۔

أما الصحة أو عدم الصحة فلم يتعرضوا لها وإن كان مقتضى القواعد هي الصحة مع الكراهة وأما التعدد فجوازه للضرورة ولا ضرورة في التكرار. (۲)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۳۳،

کراچی ۲/۱۵۷۔

قال في الظهيرية: جماعة فاتتهم الجمعة في المصر فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۶۹، کوئٹہ ۲/۱۵۴)

وكره تحريماً للمعذور والمسجون والمسافر ومن فاتتهم الجمعة بمصر يومها قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة. (سكب الأنهر على مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۵۲)

(۲) وتؤدي في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً على المذهب وعليه الفتوى. شرح المجمع للعيني، وإمامة فتح القدير دفعا للحرَج. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۱۵۰-۱۶، کراچی ۲/۱۴۴-۱۴۵) ←

پس ایسے لوگوں کو نماز ظہر ہی بلا جماعت پڑھنا چاہئے۔ واللہ اعلم

۲۵ شوال ۱۳۲۶ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۳)

سوال (۵۷۹): قدیم ۱/۶۵۳۔ چرمی فرماید علمائے دین اندریں مسئلہ کہ صلوٰۃ جمعا زچند کس اگر اتفاقاً فوت شدہ باشد پس اوشاں صلوٰۃ جمعا را خوانند یا نماز ظہر منفرد ادا سازند بتقدیر اول نماز بصحن مسجد کہ برائے نماز موضوع نیست بلکہ در اں کشفہا میدارند جائز است یا نہ و دہلیز اوشاں ہم موجود است۔

«وتؤدی الجمعة في مصر في مواضع منه رواه محمد عن الإمام، وهو الصحيح، وفي باب الإمامة من فتح القدير، وعليه الفتوى، دفعاً للحرج اللازم من إلزام الاجتماع في موضع واحد خصوصاً إذا كان مصرًا كبيرًا كمصرنا، وخص الثاني: الجواز بموضعين وجعله في البدائع ظاهر الرواية، قال: وعليه الاعتماد وما عن محمد من إطلاق الجواز في ثلاث مواضع فمحمول على موضع الحاجة والضرورة. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۵۴)

وتؤدي في مصر في مواضع (كنز) وفي البحر: أي يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة وهو قول أبي حنيفة، ومحمد وهو الأصح؛ لأن في الاجتماع في موضع واحد في مدينة كبيرة حرجًا بينًا وهو مدفوع كذا ذكر الشارح وذكر الإمام السرخسي أن الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحد في مسجدين وأكثر، وبه نأخذ لإطلاق لاجمعة إلا في مصر، شرط المصر فقط، وفي فتح القدير: الأصح الجواز مطلقاً خصوصاً إذا كان مصرًا كبيرًا كمصرنا، فإن في إلزام اتحاد الموضع حرجًا بينًا لاستدعائه تطويل المسافة على الأكثر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۵۰، كوئثہ ۲/۱۴۲)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة دار الكتب العلمية

بيروت ۱/۲۴۷۔

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۵۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

و پوشیدہ نماز کہ در ہمہ مسجد چائگام بل بنگالہ جمعہ میثود؟ (*)

الجواب: في الدر المختار: وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة الخ وفي رد المحتار قوله إلا الجامع أي الذي تقام فيه الجمعة (ج ۱ ص ۸۵۶) (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جن مساجد میں جمعہ ہوتا ہے اگر ان سے کسی مسجد میں جمعہ مل سکے تو وہاں پڑھ لے لہذا تعداد الجمعۃ (۲) اور اگر ان میں سے کسی میں نہ ملے تو منفرداً ظہر پڑھے نئی جگہ جمعہ نہ پڑھے۔

۸ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۵۹)

(*) خلاصہ سوال: اگر اتفاقاً چند آدمیوں کی نماز جمعہ فوت ہو جائے تو وہ لوگ جمعہ کی نماز پڑھیں یا ظہر، تنہا تنہا پڑھیں؟ پہلی صورت میں مسجد کے صحن میں جو نماز کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ وہاں جوتے رکھتے ہیں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ان لوگوں کے گھر بھی موجود ہیں (تو کیا کسی گھر میں جمعہ کی نماز پڑھیں؟ واضح رہے کہ چائگام کی تمام ہی مساجد میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۳۳، کراچی ۲/۱۵۷۔

قال في الظهيرية: جماعة فاتتهم الجمعة في المصر فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۶۹، کوئٹہ ۲/۱۵۴)

و کرہ تحریمًا للمعذور والمسجون والمسافر ومن فاتتهم الجمعة بمصر أداء الظهر بجماعة في المصر يومها قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة. (سکب الأنهر علی مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۲۵۲)

(۲) وتؤدی في مصر واحدٍ بمواضع كثيرة مطلقاً علی المذهب وعلیه الفتوى. شرح المجمع للعینی، وإمامة فتح القدير دفعا للخرج. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۱۵-۱۶، کراچی ۲/۱۴۴-۱۴۵)

وتؤدی الجمعة في مصر في مواضع منه رواه محمد عن الإمام، وهو الصحيح، ←

غیر عربی میں خطبہ پڑھنے کا حکم

سوال (۵۸۰): قدیم ۱/۲۵۴ - حضرت والا السلام علیکم ورحمۃ اللہ، یہاں خطبہ غیر زبان عربی کے بارہ میں شبہ پیدا ہوا ہے بہشتی گوہر میں ہے کہ دونوں خطبوں کا عربی زبان میں ہونا اور کسی زبان میں خطبہ پڑھنا یا اس کے ساتھ کسی اور زبان کے اشعار وغیرہ ملا دینا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں بعض عوام کا دستور ہے خلاف سنت مؤکدہ اور مکروہ تحریمی ہے آھ، اس وقت تک جن کتابوں میں دیکھا گیا یہ الفاظ بتصریح نہ ملے لہذا رجوع الی المؤلف کے سوا چارہ نہ دیکھ کر یہ عریضہ ارسال خدمت ہے امید کہ اصل منقول عنہ کی عبارت سے دستگیری فرمائی جائے تاکہ رفع نزاع ہو؟

← وفي باب الإمامة من فتح القدير، وعليه الفتوى، دفعًا للخرج اللازم من إلزام الاجتماع في موضع واحد خصوصًا إذا كان مصرًا كبيرًا كمصروننا. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳۵۴)

وتؤدي في مصر في مواضع (كنز) وفي البحر: أي يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة وهو قول أبي حنيفة، ومحمد وهو الأصح؛ لأن في الاجتماع في موضع واحد في مدينة كبيرة حرجًا بينًا وهو مدفوع كذا ذكر الشارح وذكر الإمام السرخسي أن الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحد في مسجدين وأكثر، وبه نأخذ لإطلاق لا جمعة إلا في مصر، شرط المصير فقط، وفي فتح القدير: الأصح الجواز مطلقًا خصوصًا إذا كان مصرًا كبيرًا كمصروننا، فإن في إلزام اتحاد الموضع حرجًا بينًا لاستدعائه تطويل المسافة على الأكثر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۵۰، كوثه ۲/۱۴۲)

حلي كبيری، کتاب الصلاة، صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۵۵۱ - مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۷ - فتح القدير، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۱-۵۲، كوثه ۲/۲۵۰ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: رسول اللہ ﷺ کی مواظبت خطبہ بالعربیہ پر ظاہر ہے اور اس کی عربیہ کی مقصودیت حضرات صحابہؓ کے ممالک عجم میں باوجود بعض صحابہؓ کے عارف بالفارسیہ ہونے اور باوجود حاجت سامعین کے غیر عربی میں نہ پڑھنے سے ثابت ہے۔ (۱) جب یہ عربیہ مقصود بالمواظبت ہوئی تو اس قید کی رعایت سنت مؤکدہ ہوگئی اور سنت مؤکدہ کے ترک کو فقہاء نے موجب اثم (وإن كان دون إثم ترك الواجب) اور بعض جزئیات میں موجب فسق قرار دیا ہے۔ جو کراہتہ تحریمیہ پر دلالت کے لئے کافی ہیں۔ اور اس کی بعض جزئیات کو خود اسی عنوان مکروہ تحریمی کا محکوم علیہ بنایا ہے وہ عبارات یہ ہیں:

(۱) الکراہۃ إنما هی لمخالفة السنة؛ لأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وأصحابہ قد خطبوا دائماً بالعربیة ولم ینقل عن أحدمنهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غیر الجمعة بغیر العربیة. (مجموعۃ رسائل اللکنوی رسالۃ آکام النفائس فی أداء الأذکار بلسان الفارس ۴/ ۴۴، بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ذابہیل ۲۲۱/۸)

فإنه لا شک فی أن الخطبة بغیر العربیة خلاف السنة المتوارثة من النبی صلی اللہ علیہ وسلم والصحابة رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین، فیکون مکروہاً تحریماً. (عمدة الریاعة علی هامش شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مکبہ اشرفیۃ دیوبند ۲۰۰/۱)

الخطبة بالفارسیة و غیرها من اللغات الغیر العربیة بدعة، وکل بدعة ضلالة، والضلالة أدنى درجاتها الکراہة..... ووجه کونه بدعة أنه لم یکن فی القرون الثلاثة. (مجموعۃ رسائل اللکنوی، رسالۃ آکام النفائس فی أداء الأذکار بلسان الفارس ۴/ ۴۴، بحوالہ کفایت المفتی جدید مطول ۲۰۳/۵)

الخطبة یوم الجمعة و فی العیدین بغیر اللسان العربی أو ترجمتها بالعجمی أحد ثوا ذلك بعد قرون الخیر بلا إثارة من علم. (مجموعۃ الفتاویٰ علی هامش خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلاة، مکبہ اشرفیۃ دیوبند ۱۴۵/۱)

قال العلامة اللکنوی فی آکام النفائس: الخطبة بالفارسیة التي أحد ثوا واعتقدوا حسنہا لیس الباعث إلیها إلا عدم فهم العجم اللغة العربیة، وهذا الباعث قد کان موجوداً ←

في الدر المختار: هي (أي السنة المؤكدة) كالواجبة في لحوق الإثم. وفي رد المحتار: يعني وإن كان مقولاً بالتشكيك نهر ج ۱ ص ۳۹۸ (۱) وفي رد المحتار: والصحيح أنه يَأْثَمُ (بترك سنن الصلوات الخمس) ذكره في فتح القدير: وتصريحهم بالإثم لمن ترك الجماعة مع أنها سنة مؤكدة على الصحيح ج ۱ ص ۱۰۸ (۲) وفيه أيضاً وصرحوا بفسق تاركها (أي الجماعة مع كونها سنة مؤكدة على الصحيح كما مر) وتعزيره وأنه يَأْثَمُ إلى قوله مع أن صلاته منفرداً مكروهة تحريماً أو قريبة في التحريم ج ۱ ص ۴۷۵ (۳)

← في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن بعدهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخاطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة، وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة. (مجموعة رسائل اللكنوي، آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس، مكتبه إدارة القرآن كراچی ۴/۷۷، بحواله فتاوى محمودیه میرٹھ ۲/۱۰۳۵)

مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/۱۵۱

(۱) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الأذان، مكتبه زكريا ديوبند

۲/۴۸، كراچی ۱/۳۸۴

(۲) شامي مع الدر المختار، كتاب الطهارة، مطلب في السنة وتعريفها، مكتبه

زكريا ديوبند ۱/۲۲۰، كراچی ۱/۱۰۴

(۳) شامي مع الدر المختار، كتاب الصلاة، صفة الصلاة، مطلب كل صلاة

أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۴۸،

كراچی ۱/۴۵۷۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اگر اس جواب سے اطمینان نہ ہو تو علم الفقہ کے (کہ بہشتی گو ہر اسی کا اختصار ہے جس میں سرسری نظر سے نشان بنانے سے کام لیا گیا ہے بوجہ اعتماد کے تعمق نظر کی نوبت نہیں آئی) مصنف سے جو اس مضمون کے اصل کا تب ہیں تحقیق کر لیا جاوے امید ہے کہ اس سے زیادہ کافی و شافی جواب ملے۔

۲ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ (تمہ خامسہ ص ۱۰)

سوال (۵۸۱): قدیم ۱/۶۵۵ - فإن لم تجز أيضا فما المراد في هذه الصورة بالقول بأنها نصيحة ووعظ في كلا أسبوع بينوا بالدليل الشافي الكافي على مذهب الحنفية؟ (*)

الجواب ():** هذا بيان لحقيقة الخطبة ولا يلزم منها اختيار لسان المخاطب وليت شعري ماذا يفعل الخطيب لو حضر الخطبة جمع مختلف الألسنة على أنه منقوض بقوله تعالى في شأن القرآن: وانه لتذكرة للمتقين. (۱)

(*) ترجمہ سوال: پس اگر جائز نہیں ہے، تو پھر خطبہ کو جو ہفتہ واری وعظ و پند کہا گیا ہے اس کا کیا

مطلب ہے؟

() ترجمہ جواب:** یہ خطبہ کی حقیقت کا بیان ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے مخاطبین کی زبان کا اختیار کرنا لازم نہیں ہے، بھلا بتلائے تو سہی کہ جب حاضرین جمع مختلف زبانیں بولنے والے ہوں تو اس وقت بیچارہ خطیب کیا سبیل اختیار کرے گا؟

علاوہ بریں یہ دلیل اس لئے بھی غلط ہے کہ قرآن پاک کے متعلق ارشاد ربانی ہے: **وَأَنَّهُ لَتَذَكْرَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ** (اور بلاشبہ یہ قرآن متقیوں کے لئے نصیحت ہے) اور ارشاد ہے: **إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرًا** (اس میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے) وغیرہ وغیرہ بے شمار آیات ہیں تو کیا پھر جب قرآن وعظ و نصیحت ہے؛ اس لئے نماز میں عجمی زبانوں میں قراءت کرنے کی اجازت دیدی جائے گی۔

مسئلہ کی (حقیقی) وجہ یہ ہے کہ خطبہ قراءت کی طرح تعبدی امر ہے؛ لہذا اس میں نقل کی اتباع لازم ہے ورنہ صحابہ سے۔ جب انہوں نے فارس فتح کیا اور وہاں جمع قائم کیا، اس وقت وہاں۔ فارسی میں خطبہ دینا ثابت ہوتا؛ لیکن کسی صحابی سے یہ منقول نہیں ہے، پس اس وقت معاملہ ہر ماہر کے لئے ظاہر ہے۔ واللہ اعلم

نوٹ: اس سوال و جواب کا ابتدائی حصہ ۶۵/۵ پر گزرا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

وقوله تعالى: 'ان في ذلك لذكرى'. (١) ونحوهما من الآيات التي لاتحصى فهل يحكم بجواز قراءة في الصلوة باللسان العجمي بناء على أنه نصيحة ووعظ. وفقه المسئلة أن الخطبة أمر تعبدى كالقراءة فيجب فيها اتباع المنقول ولولا ذلك لنقل عن الصحابة قراءتها بالفارسية لما فتح فارس وأقيم فيها الجمعة وكونها غير منقول ظاهر فاذن الأمر باهر على كل ماهر. (٢) والله اعلم

الثالث عشر من ربيع الاول ١٣٢٣هـ (تتم خامس ص ٣٥٨)

(١) سورة الزمر آيت: ٢١.

(٢) در كتاب آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس مذكورست: الخطبة بالفارسية التي أحد ثوها واعتقدوا حسننها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة، وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والإقتداء، في المانع من الإقتداء، مكتبه اشرفية ديوبند ١٥٠/١)

در كتاب آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس مسطور ستوهذه عبارته الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، مكتبه اشرفية ديوبند ١٥٠/١)

فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكروهاً تحريماً. (عمدة الرباعية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مكتبه بلال ديوبند ٢٠٠/١) شبير احمد قاسمي عفا الله عنه

سوال (۵۸۲): قدیم ۱/ ۶۵۷ - اگر خطبہ جمعہ وعیدین میں حمد و نعت عربی زبان میں پڑھ کر بقیہ تمام خطبہ متقدمیوں کے سمجھنے و فائدہ اٹھانے کی غرض سے اردو زبان میں پڑھا جائے تو کیا شرعاً جناب کے نزدیک جائز ہے خطبہ کا اصلی مقصد کیا ہے بعض لوگ اردو زبان کے داخل کرنے کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں یہ کہاں تک جناب کے نزدیک صحیح ہے، براہ مہربانی نہایت ہی تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کو تحریر فرمائیے گا۔ جناب کی اس تکلیف فرمائی کا بہت ہی ممنون احسان ہوں گا؟

الجواب: قرآن مجید اور خطبہ کا دونوں کا اصلی مقصد ایک ہی ہے چنانچہ خطبہ کو قرآن مجید میں ذکر اللہ فرمایا ہے یہی لفظ ذکر قرآن مجید کیلئے فرمایا ہے: انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔ (۱) بلکہ قرآن مجید کیلئے لفظ ذِکْرُی بمعنی تذکر بھی وارد ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرُی لِلْعَالَمِیْنَ۔ (۲) پس اگر لفظ ذکر اس پر دال ہے کہ اس سے لوگوں کو ان کی زبان میں نصیحت کی جاوے تو چاہئے کہ قرآن مجید کی جگہ بھی یا اس کے ساتھ نماز میں حاضرین کی زبان میں ترجمہ پڑھا جاوے بلکہ لفظ ذِکْرُی اس پر زیادہ دال ہے اور اگر قرآن مجید سے تفہیم ناس کو خارج نماز کے ساتھ مخصوص کیا جاوے اور نماز میں محض تلاوت کا حکم کیا جاوے تو خطبہ سے تفہیم ناس کو بھی خارج ہیئت خطبہ کہا جاوے۔ مثلاً خطبہ سے قبل یا نماز کے بعد پھر ضرورت تفہیم کو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہم سے زیادہ جانتے تھے اور روم و فارس اس وقت فتح ہو چکا تھا اور حضرات صحابہؓ میں ان زبانوں کے جاننے والے بھی موجود تھے پھر کیا وجہ کہ اس وقت ایسا نہیں کیا گیا (۳) پھر اگر سامعین میں آٹھ دس زبانوں والے ہوں تو کیا خطیب کیلئے یہ شرط ہوگی کہ وہ سب زبانوں کا ماہر ہو اگر نہیں تو دوسری زبانوں والوں کی کیا رعایت ہوئی۔

۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ (تمہ خامسہ ص ۲۶۲)

(۱) سورة الہود آیت: ۹۔

(۲) سورة الأنعام آیت: ۹۰۔

(۳) في مجموعة الفتاوى لمولانا اللكنوي نقلا عن آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس: الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية - وفيه - الخطبة بالفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسنيتها ليس الباعث إليها ←

سوال (۵۸۳): قدیم/۱/۶۵۷- تمہید سوال وجواب آئندہ: فرمان شریعت

ایک عالم کا رسالہ ہے جس میں خطبہ کے عربی زبان میں ہونے کی ضرورت اور غیر عربی میں ہونے کی کراہت روایات فقہیہ سے ثابت کی گئی ہے اس پر احقر کی بھی تقریظ تھی ایک مقام سے احقر کے پاس

«إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة، وفقد ان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة -وفيه- ولايتوهم أنه لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم اللغة العجمية وغيرها من اللغات الغير العربية، ولو كان علمها لخطب بها، لأننا نقول بعد تسليم ذلك أن بعض الصحابة كزيد بن ثابت قد كان يعلم اللسان العجمي والرومي والحبشي وغيرها من الألسنة كما صرح به في الأعلام بسيرة النبي عليه الصلاة والسلام وغيره من كتب الأعلام فلم لم يأمره النبي صلى الله عليه وسلم بأن يخطبهم ويعظهم بألسنتهم، وبالجملة فالاحتياج إلى الخطبة بغير العربية لتفهيم أصحاب العجمية كان موجوداً في القرون الثلاثة، ومع ذلك فلم يرو واحد من أحد في تلك الأزمنة، وهذا أدل دليل على الكراهية. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والافتداء، في المانع من الاقتداء، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۱۵۰-۱۵۱) آكام النفاث في أداء الأذكار بلسان الفارس مع مجموعة رسائل اللكنوي، فصل في الخطبة، مكتبة إدارة القرآن كراچی ۴/ ۴۷ تا ۴۸.

فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكروهاً تحريمياً. (عمدة الرياسة على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مكتبة بلال ديوبند ۱/ ۲۰۰)

ایک خط آیا جس میں دو سوال تھے ایک میں حوالہ روایات کے متعلق خلط کا اثبات اور دوسرے میں غیر عربی سے کراہت کی نفی کی گئی ہے۔ احقر نے اس خط کا جواب لکھا یہ سب ذیل میں منقول ہے:

(سوال اول) اس کا خلاصہ تمہید میں لکھا جا چکا۔ اور چونکہ جواب میں بھی اس سے محض اجمالی تعرض ہے؛ اس لئے اس سوال کو بعینہ نقل نہیں کیا گیا؟

(سوال ثانی) صاحبین نے عاجز عن العربیۃ کو معذور اور عاجز قرار دیا ہے (۱) اور اس لئے غیر عربی دانوں کو غیر عربی میں خطبہ پڑھنا جائز ہو گا یا نہیں؟ کیونکہ تکبیر تحریمہ کے متعلق قاضی خان نے لکھا ہے کہ اگر عربی نہیں جانتا تو فارسی میں نماز کو شروع کرے گا ورنہ غیر عربی میں نہیں شروع کر سکتا۔ (۲)

(۱) فَإِنْ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ بِالْفَارْسِيَّةِ أَوْ قَدَّرَ فِيهَا بِالْفَارْسِيَّةِ أَوْ ذَبَحَ وَاسْمُ بِالْفَارْسِيَّةِ وَهُوَ يَحْسِنُ الْعَرَبِيَّةَ أَجْزَأُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: لَا يَجْزِيهِ إِلَّا فِي الذَّبِيحَةِ، وَإِنْ لَمْ يَحْسِنِ الْعَرَبِيَّةَ أَجْزَأُهُ أَمَّا الْكَلَامُ فِي الْإِفْتِتَاحِ مَعَ مُحَمَّدٍ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْعَرَبِيَّةِ وَمَعَ أَبِي يُوسُفَ فِي الْفَارْسِيَّةِ لِأَنَّ لُغَةَ الْعَرَبِ لَهَا مِنَ الْمَزِيَّةِ مَا لَيْسَ لِغَيْرِهَا، وَأَمَّا الْكَلَامُ فِي الْقِرَاءَةِ فَوَجْهٌ قَوْلُهُمَا أَنَّ الْقُرْآنَ اسْمٌ لِمَنْظُومٍ عَرَبِيٍّ كَمَا نَطَقَ بِهِ النَّصُّ إِلَّا أَنَّ عِنْدَ الْعَجْزِ يَكْتَفَى بِالْمَعْنَى كَالْإِيْمَاءِ بِخِلَافِ التَّسْمِيَةِ؛ لِأَنَّ الذِّكْرَ يَحْصُلُ بِكُلِّ لِسَانٍ وَلَأَبِي حَنِيفَةَ قَوْلُهُ تَعَالَى: وَإِنَّهُ لَفِي زُبْرِ الْأَوَّلِينَ، وَلَمْ يَكُنْ فِيهَا بِهَذِهِ اللَّغَةِ؛ وَلِهَذَا يَجُوزُ عِنْدَ الْعَجْزِ إِلَّا أَنَّهُ يَصِيرُ مَسِيئًا لِمُخَالَفَةِ السَّنَةِ الْمُتَوَارِثَةِ وَيَجُوزُ بِأَيِّ لِسَانٍ كَانَ سِوَى الْفَارْسِيَّةِ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِمَا تَلَوْنَا وَالْمَعْنَى لَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ اللُّغَاتِ وَالْخِلَافُ فِي الْإِعْتِدَادِ وَلَا خِلَافٌ فِي أَنَّهُ لَا فُسَادَ وَيُرْوَى رَجُوعُهُ فِي أَصْلِ الْمَسْئَلَةِ إِلَى قَوْلِهِمَا وَعَلَيْهِ الْإِعْتِمَادُ، وَالْخُطْبَةُ وَالتَّشْهَدُ عَلَى هَذَا الْإِخْتِلَافِ. (هداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۱۰۱-۱۰۲)

(۲) وَلَوْ قَالَ بِالْفَارْسِيَّةِ: خُدَايَ بَزْرَكَ اسْتَ أَوْ قَالَ: خُدَايَ بَزْرَكَ أَوْ قَالَ: بِنَامِ خُدَايَ بَزْرَكَ يَصِيرُ شَارِعًا فِي الصَّلَاةِ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ صَاحِبَاهُ: لَا يَصِيرُ شَارِعًا إِذَا كَانَ يَحْسِنُ الْعَرَبِيَّةَ. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة،

بالکل یہی اختلاف بقول درمختار خطبہ میں بھی ہے (۱) اس لئے عربی نہ جاننے والے کیا صاحبین کے نزدیک غیر عربی میں خطبہ نہیں پڑھ سکتے اور اگر بکراہت جائز ہے تو مکروہ تنزیہی مراد ہے یا مکروہ تحریمی کیا وہ مکروہ تنزیہی بحالت موجودہ نہ سمجھ میں آنے کے عذر سے معاف نہیں ہو سکتا اور زمانہ کی ضرورت ہم کو شرعی ضروریات کیلئے اردو میں خطبہ کو جائز قرار نہیں دیتی حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں آداب القراءۃ میں حضرت علیؓ کا مقولہ پیش فرمایا ہے کہ جو عبادت بے سمجھے ہو اس میں برکت نہیں ہوتی اور جو تلاوت بلا تامل ہو وہ تلاوت نہیں اس لئے اگر کوئی شخص خطبہ شرعیہ کے حدود میں رہ کر اردو میں خطبہ پڑھتا ہے تو وہ مثاب ہو گا یا نہیں نیت اس کی یہ ہے کہ عبادت بے سمجھے نہ ہونی چاہئے خصوصاً خطبہ جو تذکیر کیلئے بھی ہو جس میں سامعین کو سنانا مقصود ہو؟

الجواب: تنبیہات سے ممنون ہوا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ، غالباً اکثر اہل علم کا تصدیق رسائل کے باب میں یہی معمول ہے کہ نفس مسئلہ کا توافق پیش نظر رہتا ہے اور روایات کو بنا بر اعتماد صاحب رسالہ ماخذ پر منطبق نہیں کیا جاتا چنانچہ اس وقت آپ کی تحریر کی روایات میں بھی اسی اعتماد کی بناء پر تطبیق کا اہتمام نہیں کیا۔ اگر یہ کوتاہی ہے تو میں اپنی کوتاہی کا مقرر ہوں بلکہ اس کی اشاعت کی اجازت دیتا ہوں البتہ نفس مسئلہ میں اب بھی میرا یہی خیال ہے اگر اس میں مجھ کو اپنی غلطی معلوم ہو جاوے گی حسب معمول رجوع کر لوں گا۔ یہ تو سوال اول کا جواب ہے باقی سوال ثانی کے متعلق یہ عرض ہے کہ کلام غیر عاجز میں ہے اس کیلئے جواز یعنی صحت بلا کراہت نہیں اور عاجز کے معنی ہیں پڑھنے سے عاجز نہ کہ سمجھنے سے کما سیاتی رہا یہ امر کہ کون سی کراہت ہے سو تنزیہی بھی عوارض سے تحریمی ہو سکتی ہے مسئلہ متکلم فیہا میں بڑا عارض اس وقت میں یہ ہے کہ سنت پر اس مکروہ کو ترجیح دی جانے لگی؛ اس لئے تغیر مشروع کے سبب کراہت تحریم کا حکم بعید نہیں۔ (۲)

(۱) وصح شروعہ بتسییح وتہلیل کما صح لو شرع بغير عربیة أي لسان کان، وشرطاً عجزه وعلی هذا الخلاف الخطبة وجميع أذکار الصلاة. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۸۲/۲-۱۸۳، کراچی ۱/۴۸۳)

(۲) فإنه لا شک فی أن الخطبة بغير العربیة خلاف السنة المتوارثة من النبی صلی اللہ علیہ وسلم والصحابة رضوان اللہ تعالیٰ عنہم، فیکون مکروہاً تحریماً. (عمدة الرباعة علی هامش شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مکتبہ بلال دیوبند ۱/۲۰۰) ←

اور یہ عجز اور عدم عجز عن القراءة ہے نہ کہ عن الفہم چنانچہ کسی سے بھی یہ احتمال اخیر منقول نہیں اور قیاس ایک کا دوسرے پر ہمارا منصب نہیں اور امام غزالیؒ سے جو قول نقل کیا گیا ہے یہاں سمجھنے سے مراد توجہ ہے چنانچہ اس قول کی عبارت اس عبادت کو بھی شامل ہے جس میں کوئی قراءۃ نہیں ورنہ اگر ترجمہ مراد ہو تو کیا تلاوت میں بھی ترجمہ پڑھنا اصل قرآن کے پڑھنے سے افضل ہوگا۔ رہا حکمت تذکیر سے استدلال یہ تو قرآن میں بھی جاری ہے بلکہ قرآن مجید میں خطبہ کا لقب تو ”ذکر“ آیا ہے اور قرآن کا ”ذکر“ تو کیا یہ حکم اس حکم میں بھی جاری ہوگا۔

۱۴ ربیع الاول ۱۴۷ھ

و ← في مجموعة الفتاوى لمولانا اللكنوي نقلا عن آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس: الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائما بالعربية ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية - وفيه - الخطبة بالفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسننها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة، وفقد ان السانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والإقتداء، في المانع من الإقتداء، مكتبته اشرفية ديوبند ۱/ ۱۵۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس کے بعد سائل بالا سے حسب ذیل مکاتبت ہوئی

(سوال) حضور والا نے تحریر فرمایا ہے کہ عجز و عدم عجز عن القراءة مراد ہے نہ کہ عن الفہم صرف اتنی بات میں مجھے شبہ باقی رہ گیا ہے اس لئے مؤدبانہ طور پر چند جملے عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں تحقیق الخطبہ میں امام رافعیؒ (شافعی المذہب) کی حسب ذیل عبارت نقل فرمائی گئی ہے:

وهل يشترط كون الخطبة كلها بالعربية وجهان الصحيح اشتراط فإن لم يكن فيهم من يحسن العربية خطب بغيرها ويجب عليهم التعلم والاعصوا ولا جمعة لهم (منقول من شرح الاحياء للسيد المرتضى الزبيدي ج ۳) (۱)

الجواب: اس عبارت کے معنی اول عرض کرتا ہوں اس سے آپ کو اپنے استدلال کا حال معلوم ہو جائے گا صحیح یہی ہے کہ عربیہ شرط ہے لیکن اگر ان حاضرین جمعہ میں کوئی ایسا شخص نہ ہو جو عربی میں پڑھ سکے تو فی الحال غیر عربیہ میں پڑھ لے لیکن آئندہ کیلئے ان لوگوں پر واجب (علی الکفاۃ) ہوگا کہ عربی سیکھیں کہ عربی میں خطبہ ہو سکے ورنہ سب عاصی ہوں گے اور ان کا جمعہ بھی صحیح نہ ہوگا (۲)

(۱) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۲) ولا تصح صلاته إن أمكنه الإقتداء بمن يحسنه أو ترك جهده أو وجد قدر الفرض مما لا يثغ فيه هذا هو الصحيح المختار. الخ (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۳۲۸، کراچی ۱/۵۸۲)

والمختار للفتوى في جنس هذه المسائل، أن هذا الرجل إن كان يجتهد آناء الليل وأطراف النهار في تصحيح هذه الحروف ولا يقدر على تصحيحها فصلاته جائزة، وإن ترك جهده فصلاته فاسدة، وإن ترك جهده في بعض عمره لا يسعه أن يترك في باقي عمره ولو ترك تفسد صلاته. (الفتاوى التاتارخانية، کتاب الصلاة، الفصل الثاني، مسائل زلة القاري، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۹۴، رقم: ۱۸۳۸)

المحيط البرهاني، کتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات والسنن، المجلس العلمي ۲/۶۶، رقم: ۱۲۵۲۔

جیسا بعض فقہائے حنفیہ نے بعینہ اسی طرح تجوید کے متعلق فتویٰ دیا ہے کہ جب سیکھنا چھوڑ دیگا نماز صحیح نہ ہوگی اور عربی نہ سمجھنا مراد ہو تو کیا اس فتوے کو بھی مانا جاوے گا کہ عربی نہ سمجھنے والوں پر عربی کا سیکھنا واجب ہے ورنہ ان کا جمعہ نہ ہوگا۔ اگر یہ فتویٰ مانا جاتا ہے تو اس سے آپ کے خلاف مدعا ثابت ہے۔

۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

تتمہ سوال بالا: رہا کلام مجید کے متعلق کہ اس کو ذکر آئی کہا گیا ہے اور خطبہ کو ذکر۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ قرآن مجید کو بھی ذکر کہا گیا ہے جیسا کہ: وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس۔ (۱) معلوم ہوا کہ ذکر کیلئے تمبین کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اگر خطبہ کو ذکر کہا گیا ہے تو اس کے لئے بھی تمبین کی ضرورت ہے بہتر صورت ذکر کی اور ذکر میں ارتقاء نہیں ہے بلکہ اجتماع ہے ورثۃ الانبیاء پر جس طرح قرآن کی تمبین عائد ہے اسی طرح خطبہ کی بھی اور تمبین مفہوم لغت ہی میں ممکن ہے۔

ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا۔ (۲) فرمایا گیا ہے: ذکرنا سے مراد وانزلنا الیک الذکر کے مطابق کلام مجید ہی ہے؛ اسی لئے فاسئلواہل الذکر ای عالم القرآن۔ (۳) فرمایا ہے۔ پس جب خطبہ بھی ملقب بہ ذکر اللہ ہے تو اس کو بھی مبین للناس ہونا ضروری ہے اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ خطیب ذکر (قرآن) ہی سے نصائح کرے ورنہ خطبہ ذکر نہ ہوگا؟

الجواب: میرا یہ مطلب نہ تھا کہ قرآن کو ذکر نہیں کہا گیا بلکہ یہ مطلب تھا کہ ذکر کی بھی کہا گیا ہے اور خطبہ کو کہیں ذکر نہیں کہا گیا پس قرآن میں جب دونوں صفتیں ہیں تو ان دونوں کا حق ادا کرنا ضروری ہے تو پھر ترجمہ سمجھ کر کیوں نہیں پڑھا جاتا۔

تتمہ سوال بالا: جناب والا نے مکتوب گرامی میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس مکروہ کو سنت پر ترجیح دی جاتی ہے اس لئے اس عارض سے مکروہ تحریمہ بعید نہیں مگر حضور والا جب اس نیت سے اسکو مادی زبان میں پڑھا جاوے کہ اس طرح بہت سی مردہ سنتوں کا احیاء کیا جاوے تو پھر مکروہ کیوں ہوگا۔

(۱) سورة النحل آیت: ۴۴۔

(۲) سورة الکہف آیت: ۲۸۔

(۳) سورة النحل آیت: ۴۳۔

بہت سے جہلاء ایسے ہیں جو نماز روزہ کی ضرورت سے بے خبر ہیں وہ صرف جمعہ میں آتے ہیں اگر خطبہ میں اسکی زبان میں سمجھا دیا جاوے تو کیا اثر کی امید نہیں ہے ممکن ہے کہ خدا کچھ لوگوں کو اس طریقہ سے ہدایت نصیب کرے؟

الجواب: امور تعبدیہ میں مصالح سے تغیر نہیں ہوتا۔ تاریخ بالا

تمہ سوال بالا: اور پھر کیا خطبہ میں یہی ایک سنت ہے یہ بھی تو سنت ہی ہے کہ بلا کتاب خطبہ دیا جائے حضور ﷺ نے کبھی کتابی خطبہ نہیں دیا نہ صحابہ کرام نے ایسا کیا اس سنت کا ترک دھڑلے سے ہو رہا ہے اور کچھ خیال بھی نہیں ہوتا حالانکہ خطبہ میں مخاطبین کی طرف رخ اسی لئے ضروری ہے کہ مخاطبین کو باحسن پیرایہ نصیحت کی جائے مگر جب کتاب پر آنکھ لگی ہوگی تو ہرگز وہ توجہ الی مخاطبین نصیب نہ ہوگی جو مقصود ہے اور جو کیفیت آں ﷺ کی ہوتی تھی وہ یہ ہے کہ مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں:

إذا خطب أحمرت عيناه وعلا صوته وأشتد غضبه حتى كأنه منذر جيش يقول
صبحكم ومساكم. الخ (۱)

بھلا اس طریقہ سے کون خطبہ دیتا ہے سب اس کو ترک کر رہے ہیں مگر کوئی اس کو مکروہ تحریمی نہیں کہتا؟

الجواب: یہ سنن مستحبہ ہیں اور عربیہ مؤکدہ (۲) فلا یقاس أحدهما علی الآخر.

تاریخ بالا (تمہ خامسہ ص ۲۵۲)

(۱) مسلم شریف، کتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، النسخة الهندية

۸۶۷/۲، بیت الأفكار رقم: ۸۶۷

عن جابر بن عبد الله قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا خطب أحمرت

عيناه وعلا صوته وأشتد غضبه كأنه منذر جيش. الحديث (ابن ماجه شريف، مقدمة، باب

اجتناب البدع والجدل، النسخة الهندية ص: ۶، دارالسلام رقم: ۴۵)

(۲) یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے غیر عربی میں خطبہ دینے کو مکروہ تحریمی لکھا ہے ملاحظہ فرمائیے:

فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه

وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكروهاً وتحريماً. (عمدة الريعة على

هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مكتبة بلال ديوبند ۲۰۰/۱) ←

سوال (۵۸۴): قدیم ۱/۶۶۱ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

کہ جمعہ کا خطبہ عربی زبان کے سوا کسی اور زبان میں پڑھنا یا عربی زبان کے ساتھ کسی اور زبان کے اشعار وغیرہ ملا دینا جس طرح بعض لوگوں کا اس زمانہ میں دستور ہے جائز ہے یا نہیں۔ مجوزین یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ چونکہ خطبہ میں وعظ و پند بھی مسنون ہے اور عوام کے عربی نہ جاننے کے باعث عربی زبان میں خطبہ پڑھنے سے یہ وعظ و نصیحت کی غرض متروک ہوئی جاتی ہے لہذا ضروری ہے کہ وعظ و پند کا مضمون ہندوستان میں تو اردو ہی زبان میں ہونا چاہئے اس کا کیا جواب ہے۔ بینواتو جروا؟

«وفي مجموعة الفتاوى لـمولانا اللكنوي نقلاً عن آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس: الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً باللغة العربية ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية - وفيه - الخطبة بالفارسية التي أحد ثوها واعتقدوا حسننها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة، وفقد ان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة - وفيه - ولايتوهم أنه لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم اللغة العجمية وغيرها من اللغات الغير العربية، ولو كان علمها لخطب بها؛ لأننا نقول بعد تسليم ذلك أن بعض الصحابة كزيد بن ثابت قد كان يعلم اللسان العجمي والرومي والحبشي وغيرها من الألسنة كما صرح به في الأعلام بسيرة النبي عليه الصلاة والسلام وغيره من كتب الأعلام فلم لم يأمره النبي صلى الله عليه وسلم بأن يخطبهم ويعظهم بألسنتهم، وبالجملة فالاحتياج إلى الخطبة بغير العربية لتفهم أصحاب العجمية كان موجوداً في القرون الثلاثة، ومع ذلك فلم يرو واحد من أحد في تلك الأزمنة، وهذا أدل دليل على الكراهة. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والافتداء، في المانع من الاقتداء، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۱۵۰ - ۱۵۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: خلاف سنت متوارثة ہے اس لئے ممنوع ہے (۱) اور حجت کا جواب ظاہر ہے کہ اسی طرح

(۱) فإنہ لا شک فی أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكروهاً تحريضاً. (عمدة الرياسة على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مكتبه بلال ديوبند ۲۰۰/۱)

وفي مجموعة الفتاوى لمولانا اللكنوي نقلاً عن آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس: الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية - وفيه - الخطبة بالفارسية التي أحد ثوها واعتقدوا حسنهما ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة، وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة - وفيه - ولا يتوهم أنه لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم اللغة العجمية وغيرها من اللغات الغير العربية، ولو كان علمها لخطب بها لأننا نقول بعد تسليم ذلك أن بعض الصحابة كزيد بن ثابت قد كان يعلم اللسان العجمي والرومي والحبشي وغيرها من الألسنة كما صرح به في الأعلام بسيرة النبي عليه الصلاة والسلام وغيره من كتب الأعلام فلم لم يأمره النبي صلى الله عليه وسلم بأن يخطبهم ويعظهم بألسنتهم، وبالجملة فالاحتياج إلى الخطبة بغير العربية لتفهيم أصحاب العجمية كان موجوداً في القرون الثلاثة، ومع ذلك فلم يرو واحد من أحد في تلك الأزمنة، وهذا أدل دليل على الكراهة. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والافتداء، في المانع من الافتداء، مكتبه اشرفية ديوبند ۱۵۰/۱-۱۵۱)

قراءت قرآن مجید میں بھی وعظ وپند مقصود ہے؛ چنانچہ جابجا اس میں ذکرِی (۱) و تذکرة (۲) و ہدی للناس (۳) و موعظة (۴) وغیرہ الفاظ کا وارد ہونا اس کی واضح دلیل ہے پس چاہئے کہ نماز میں بھی قرآن کا ترجمہ پڑھا جاوے۔

۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانی ص ۱۳۸)

سوال (۵۸۵): قدیم ۶۶۲/۱ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبہ جمعہ کے وجوب کے ساتھ کوئی خاص زبان بھی واجب ہے یا نہیں اگر کوئی خاص زبان واجب نہ ہو تو اپنی مادری زبان سے فائدہ اٹھانا نسب ہے یا کسی غیر زبان کو جس کے نہ سمجھنے سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچے اور مقصد خطبہ فوت ہونے کے باوجود ترجیح دینا بہتر ہے۔ بینوا تو جروا؟

الجواب: کیا واجب سے کم کوئی درجہ مؤکد نہیں ہو سکتا۔ ۴/رجب ۱۳۵۳ھ

نوٹ: اس جواب میں اس طرف اشارہ ہے کہ سنت مؤکدہ بھی مؤکدہ ہے اور بوجہ مواظبت نبوی علی الخطبۃ العربیہ وہ سنت مؤکدہ ہے (۵) پس عدم وجوب مضرت اکید نہیں بلکہ بعض فقہاء کے قول پر ایسی مواظبت جس میں احیاناً بھی ترک نہ ہوا ہو وجوب کی دلیل ہے اس صورت میں وجوب کا حکم بھی کیا جاسکتا ہے۔

(۱) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ . [سورة الأنعام: ۹۰]

(۲) وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ . [سورة الحاقة: ۴۸]

(۳) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ . [سورة البقرة: ۱۸۵]

(۴) مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَآتِيَاْهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَنُوْرٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ . [سورة المائدة: ۴۶]

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۵) فإنہ لاشک فی أن الخطبة بغير العربیة خلاف السنة المتوارثة من النبی صلی اللہ علیہ وسلم والصحابۃ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، فیکون مکروہا تحریمًا . (عمدة الریاعة علی هامش شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مکتبہ

كما قال صاحب الهداية: في دليل وجوب صلوة العيدين. (١)
 پس اس کا جوہر وسنیت مؤکدہ مختلف فیہ ہوئی جس میں تا کہ مشترک اور متفق علیہ ہے۔

۵/ رجب ۱۳۵۳ھ (النور ص ۹ رجب ۱۳۵۲ھ)

← في مجموعة الفتاوى لمولانا اللكنوي نقلا عن آكام النفائس في أداء الأذكار
 بلسان الفارس: الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه
 قد خطبوا دائما بالعربية ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة
 بغير العربية- وفيه- الخطبة بالفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسننها ليس الباعث إليها
 إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجودا في عصر خير البرية، وإن
 كان فيه اشتباها فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين
 حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من
 الأعجم وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم
 لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود
 الباعث في تلك الأزمنة، وفقد ان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم
 يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة- وفيه- ولا يتوهم أنه لم يكن النبي صلى الله
 عليه وسلم يعلم اللغة العجمية وغيرها من اللغات الغير العربية، ولو كان علمها لخطب
 بها لأننا نقول بعد تسليم ذلك أن بعض الصحابة كزيد بن ثابت قد كان يعلم اللسان
 العجمي والرومي والحبشي وغيرها من الألسنة كما صرح به في الأعلام بسيرة النبي
 عليه الصلاة والسلام وغيره من كتب الأعلام فلم يأمره النبي صلى الله عليه وسلم بأن
 يخطبهم ويعظهم بألسنتهم، وبالجمله فالاحتياج إلى الخطبة بغير العربية لتفهم أصحاب
 العجمية كان موجودا في القرون الثلاثة، ومع ذلك فلم يرو واحد من أحد في تلك
 الأزمنة، وهذا أدل دليل على الكراهة. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى،
 كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والافتداء، في المانع من الافتداء، مكتبه اشرفية
 ديوبند ۱/ ۱۵۰-۱۵۱)

(١) وتجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة، وفي الجامع الصغير ←

سوال (۵۸۶): قدیم/۶۲۲- میں نے دریافت کیا تھا کہ ہمارے یہاں کے پیش امام یہ کہہ کر خطبہ کا ترجمہ ہر جمعہ میں کر رہے ہیں کہ آپ نے اس کو جائز لکھا ہے تو کیا یہ صحیح ہے آپ نے اس پر یہ تجویز فرمایا کہ جواز ترجمہ کو جو میری طرف منسوب کیا گیا ہے وہ عبارت پوری پیش کرنی چاہئے تو مولوی صاحب امام جامع مسجد نے آپ کے فتوے کی عبارت کی نقل علیحدہ پرچہ پر لکھ کر اس میں شامل کی ہے۔ بغرض ملاحظہ و تحقیق حقیقت حال ارسال خدمت ہے و ہونذا، فتاویٰ اشرفیہ حصہ اول مطبوعہ مطبع مجیدی واقع کانپور ص ۴۴۔

سوال (۳۹): (*) مشتمل بر مسائل عدیدہ ما تو لکم رحمکم ربکم، اندریں مسائل کہ جمعہ کے خطبوں کے درمیان یا آخر بطور وعظ خطبہ کا ترجمہ کر دینا جائز ہے یا نہیں۔ الخ؟

الجواب (۳۹): مشتمل بر چند جواب۔ جواب سوال (۱) جائز ہے۔

ہکذا يستفاد من العالمگیریة. واللہ اعلم۔

(*) یہ سوال و جواب ص: ۵۷۰ پر گزرے ہیں اور وہیں بعد والے جوابات میں اس جواب کی شافی توضیح موجود ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← عیدان اجتماع فی یوم واحد، فالأول: سنة. والثاني: فريضة. ولا يترك واحد منهما، قال وهذا تنصيص على السنة والأول على الوجوب وهو رواية عن أبي حنيفة وجه الأول مواظبة النبي صلى الله عليه وسلم عليهما من غير ترك. (هداية، كتاب الصلاة، باب العیدین، مكتبة اشرفية دیوبند ۱/۱۷۲)

تجب صلاة العيد للمواظبة من غير ترك وهذا رواية الحسن عن الإمام وفي الهداية وغيرها أنه المختار على من تجب عليه الجمعة. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مكتبة زكريا دیوبند ۱/۳۶۶)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۵۵۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) ويكره للخطيب أن يتكلم في حال الخطبة إلا أن يكون أمراً بمعروف كذا فتح القدير. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، قدیم زكريا ۱/۱۴۷، جدید زكريا ۱/۲۰۸)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا دیوبند ۲/۵۸، كوئٹہ ۲/۳۰-۳۱۔

الجواب من اصل السؤال: مراد بلا التزام وبلا اعتیاد ہے ”اعتماداً علی الأصول“

اس قید کی تصریح نہیں کی جس کو عبارت کی کوتاہی بھی کہا جاسکتا ہے۔ (۱)

۱۳ شعبان ۱۳۲۹ھ (ترجیح خامس ص ۱۱۶)

سوال (۵۸۷): قدیم ۱/۶۲۳ - دوسری بات یہ ہے کہ اسی رسالہ مذکور کے ص: ۹۸ پر آپ نے

تحریر فرمایا ہے کہ خطبہ جمعہ کا عربی ہی زبان میں ہونا ضروری ہے اور کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے حالانکہ مولانا محمد علی شاہ مونگیری (سابق ناظم ندوہ) کے رسالہ القول المحکم فی خطاب المجمع میں آپ کے تائیدی دستخط خطبہ جمعہ کے اردو زبان میں ہونے کے جواز کے فتوے پر منقول و مندرج ہیں۔ ان دونوں میں سے کونسا قول صحیح ہے؟

(۱) ویکرہ للخطیب أن يتكلم في حال الخطبة، ولو فعل لاتفسد الخطبة لأنها ليست بصلاة فلا يفسدها كلام الناس لكنه يكره لأنها شرعت منظومة كالأذان والكلام يقطع النظم إلا إذا كان الكلام أمراً بالمعروف فلا يكره. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، محظورات الخطبة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۵۹۵)

ولا ينبغي للخطيب أن يتكلم في خطبته بما هو من كلام الناس؛ لأن الخطبة كلمات منظومة شرعت قبل الصلاة، فأشبهت الأذان، ولا ينبغي للمؤذن أن يتكلم في أذانه بما يشبه كلام الناس، ولا بأس بأن يتكلم بما يشبه الأمر بالمعروف، فقد صح أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخطب، فدخل سليك الغطفاني وجلس، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أرعيت ركعتين؟ قال سليك: لا، فقال النبي عليه الصلاة والسلام: قم واركع ركعتين ثم اجلس، وعن عمر^{رضي}، أنه كان يخطب يوم الجمعة فدخل عثمان^{رضي}، فقال عمر^{رضي}، أية ساعة المجيئ هذه؟ فقال عثمان^{رضي}، ما زدت حين سمعت النداء على أن توضأت، فقال عمر^{رضي}، والوضوء أيضاً ورسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمر بالاغتسال يوم الجمعة، ولأن ما يشبه الأمر بالمعروف خطبة من حيث المعنى، وإن لم يكن خطبة من حيث النظم؛ لأن الخطبة في الحقيقة وعظ وأمر بالمعروف. الخ (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الخامس

والعشرون، صلاة الجمعة، شرائط الجمعة، المجلس العلمي ۲/۴۵۹، رقم: ۲۱۸۸)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: اس تائیدی مضمون کی عبارت لکھئے۔ تو دیکھوں اس کے معارض ہے یا کیا۔ باقی بہشتی

گو ہر میں جو لکھا ہے اس کو صحیح سمجھتا ہوں۔ (۱)

۱۹ شوال ۱۳۴۳ھ (ترجیح خامس ص ۱۵۹)

(۱) فیانہ لاشک فی أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكروهاً تحريمًا. (عمدة الرياسة على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مكتبه بلال دیوبند ۲۰۰/۱)

وفي مجموعة الفتاوى لمولانا اللكنوي نقلاً عن آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس: الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية - وفيه - الخطبة بالفارسية التي أحد ثوها واعتقدوا حسنيتها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة، وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة - وفيه - ولايتوهم أنه لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم اللغة العجمية وغيرها من اللغات الغير العربية، ولو كان علمها لخطب بها؛ لأننا نقول بعد تسليم ذلك أن بعض الصحابة كزيد بن ثابت قد كان يعلم اللسان العجمي والرومي والحبشي وغيرها من الألسنة كما صرح به في الأعلام بسيرة النبي عليه الصلاة والسلام وغيره من كتب الأعلام فلم لم يأمره النبي صلى الله عليه وسلم بأن يخطبهم ويعظهم بألسنتهم، وبالجمله فالاحتياج إلى الخطبة بغير العربية لتفهم أصحاب العجمية كان موجوداً في القرون الثلاثة، ومع ذلك فلم يرو واحد من أحد في تلك الأزمنة، ←

التقریظ علی رسالۃ الأعجوبة فی عربیة خطبة العروبة

سوال (۵۸۸): قدیم ۱/۶۶۲ - بعد الحمد والصلوة میں نے یہ رسالہ مؤلفہ جامع الکمالات العلمیہ والعملیہ مولانا محمد شفیع صاحب مفتی مدرسہ دارالعلوم دیوبند امام فیضہ، نہایت شوق و رغبت سے دیکھا بیحد پسند کیا۔ بلا تکلف کہہ سکتا ہوں کہ اس موضوع میں بے نظیر ہے (*) اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور شہادت کا دافع فرمادے۔ بطور تذنیب میں بھی بعض فوائد مناسبہ اس کے ساتھ ملحق کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) بڑی بناء عقلی غیر عربی میں خطبہ جائز رکھنے والوں کی یہ ہے کہ یہ تذکیر مخاطبین کی زبان میں ہونا چاہئے ورنہ عبث ہے۔ اس کا ایک تحقیقی جواب ہے اور ایک الزامی، تحقیقی یہ ہے کہ اس کا تذکیر ہی ہونا مسلم نہیں خود قرآن مجید میں اس کو ذکر فرمایا گیا ہے:

قال الله تعالى: فاسعوا الى ذكر الله. (الآية) (۱)

خصوص مذہب حنفی کی اس تصریح پر و کفی تسبیحہ أو تحمیدة. (۲) اور تسبیح و تحمید کا تذکیر نہ ہونا ظاہر ہے معلوم ہوا کہ وہ صرف ذکر ہے تذکیر نہیں۔ الاتبعاً اور الزامی یہ ہے کہ قرآن مجید بھس قرآنی تذکیر ہے۔

قال الله تبارک وتعالى: ان هو الاذکری للعلمین. (۳)

(*) یہ رسالہ علیحدہ بھی طبع ہو چکا ہے، اور الخطب المأثورہ (مصنفہ حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ میں بھی شامل ہے جو بہت ہی مفید اور بصیرت افروز ہے ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← وهذا أدل دليل على الكراهة. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والاقتداء، في المانع من الاقتداء، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/۱۵۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) سورة الجمعة آیت: ۹.

(۲) وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة بنيتها. (الدر المختار مع الشامی، كتاب

الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۲۰، كراچی ۲/۴۸۱)

(۳) سورة الأنعام آیت: ۹۰.

تو چاہئے اس کو بھی نماز میں حاضرین کی زبان میں پڑھا کریں پس جس طرح اس کا عربی زبان میں پڑھنا امر تعبدی ہے اسی طرح خطبہ کا عربی زبان میں پڑھنا۔

(۲) اور بڑی بناء عقلی دعویٰ مذکور کی یہ ہے کہ امام صاحب نے نماز میں قراءت کو فارسی میں جائز فرمایا ہے اس کا ایک جواب نقلی ہے ایک عقلی۔ نقلی جواب تو یہ ہے کہ امام صاحب نے اس قول سے رجوع فرمایا ہے (۱) پس اس سے استدلال کرنا ایسا ہے جیسا آیت منسوخہ یا حدیث منسوخہ سے استدلال کرنا۔ اور عقلی یہ ہے کہ امام صاحب کے اس قول مرجوح عنہ کی بناء یہ تھی کہ قرآن تذکیر ہے اس لئے غیر عربی میں پڑھنا جائز ہے اگر یہ بناء ہوتی تو جزیئہ کفایت تسبیح یا تحمید کا اس سے تعارض ہوتا۔ وھو باطل، پس اس سے استدلال کرنا تاویل القول بما لا یرضی بہ القائل کی قبیل سے ہے۔

(۱) وصح شروعه بتسبیح وتہلیل کما صح لو شرع بغير عربیة أو قرأ بها عاجزاً فجائز اتفاقاً، قید القراءة بالعجز لأن الأصح رجوعه إلى قولهما وعليه الفتوى. (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الصلاة، صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۸۲/۱ - ۱۸۴، کراچی ۱/ ۴۸۳ - ۴۸۴)

إن افتتاح الصلاة بالفارسية أو قرأ فيها بالفارسية أو ذبح وسمى بالفارسية وهو يحسن العربية أجزأه عند أبي حنيفة، وقالوا: لا يجوز له إلا في الذبيحة، وإن لم يحسن العربية أجزأه..... وأما الكلام في القراءة فوجه قولهما أن القرآن اسم لمنظوم عربي كما نطق به النص إلا أن عند العجز يكتفى بالمعنى كالإيماء بخلاف التسمية؛ لأن الذكر يحصل بكل لسان ولأبي حنيفة قوله تعالى: وإنه لفي زبر الأولين، ولم يكن فيها بهذه اللغة؛ ولهذا يجوز عند العجز إلا أنه يصير مسئلة لمخالفة السنة المتوارثة ويجوز بأي لسان كان سوى الفارسية وهو الصحيح لما تلونا والمعنى لا يختلف باختلاف اللغات والخلاف في الاعتداد ولا خلاف في أنه لا فساد ويروى رجوعه في أصل المسئلة إلى قولهما وعليه الاعتماد، والخطبة والتشهد على هذا الاختلاف. (هداية، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ اشرفیہ

(۳) رسالہ میں عیدین کے خطبہ عربی کے بعد اس کے ترجمہ وغیرہ کی اجازت دی ہے اس میں بھی ہیئتِ اوفق بالسنۃ یہ ہے کہ خطبہ سے فارغ ہو کر منبر سے نیچے اتر کر بیان کر دے اس کی دلیل اپنے ایک رسالہ سے بلفظہ نقل کرتا ہوں۔

وہو هذا تقرير الإمام أنه روى مسلم عن جابر في قصة يوم الفطر، ثم خطب النبي صلى الله عليه وسلم الناس فلما فرغ نزل فأتى النساء فذكرهن. الحديث (۱)
وروى البخاري عن ابن عباس بعد وعظ النساء، ثم انطلق هو وبلال إلى بيته. (۲)
فقلوله: فرغ ونزل وانطلق إلى بيته نص في كون هذا التذكير بعد الخطبة وأنه لم يكن على المنبر وأنه لم يعد إلى المنبر ولما كان هذا الكلام غير الخطبة لخلوه عن الخطاب العام الذي هو من خواص الخطبة ثبت به أن غير الخطبة لا ينبغي أن يكون في أثناء الخطبة

(۱) عن جابر بن عبد الله قال: إن النبي صلى الله عليه وسلم قام يوم الفطر فصلى فبدأ بالصلاة قبل الخطبة، ثم خطب الناس، فلما فرغ نزل النبي صلى الله عليه وسلم نزل وأتى النساء فذكرهن وهو يتكأ على يد بلال، وبلال باسط ثوبه يلقيهن النساء صدقة. (مسلم شريف، كتاب صلاة العيدين، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۹، بيت الأفكار رقم: ۸۸۵)
بخاري شريف، كتاب العيدين، باب موعظة الإمام النساء يوم العيدين، النسخة الهندية ۱/ ۱۳۳، رقم: ۹۶۸، ف: ۹۷۸
أبو داود شريف، كتاب الصلاة، باب الخطبة يوم العيد، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۲، دار السلام رقم: ۱۱۴۱

(۲) عن عبد الرحمن بن عابس قال: سمعت ابن عباس قيل له: أشهدت العيد مع النبي صلى الله عليه وسلم؟ قال: نعم! ولولا مكاني من الصغر ما شهدت، حتى أتى العلم الذي عند دار كثير بن الصلت، فصلى ثم خطب ثم أتى النساء، ومعه بلال، فوعظهن وذكرهن وأمرهن بالصدقة فرأيتهن يهوين بأيديهن يقدفنه في ثوب بلال، ثم انطلق هو وبلال إلى بيته. (بخاري شريف، كتاب العيدين، باب العلم الذي بالمصلى، النسخة الهندية ۱/ ۱۳۳، رقم: ۹۶۷، ف: ۹۷۷) شبير احمد قاسمی عفی اللہ عنہ

ولا على هيئة الخطبة ولا شك أن التذكير بالهندية ليس من الخطبة المسنونة في شيء لأن من خواصها المقصودة كونها بالعربية لعدم نقل خلافها عن صاحب الوحي أو السلف فلما لم يكن هذا التذكير بالهندي خطبة مسنونة كان الاوفق بالسنة كونها بعد الفراغ عن الخطبة وتحت المنبر وهو المرام اهـ،

شوال المکرم ۱۳۵۵ھ (النور ۸ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ)

جمعہ میں قعدہ پانے والا جمعہ پورا کرے یا ظہر

سوال (۵۸۹): قدیم ۱/۶۶۵- میں نے ایک آدمی سے سنا ہے کہ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث لکھی ہے کہ نماز جمعہ میں جس نمازی نے اخیر میں التحیات پائی تو اس کو چاہئے کہ بعد سلام امام کے اٹھ کر چار رکعت پڑھے؟

الجواب: مشکوٰۃ میں حدیث مذکور اس طرح ہے۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ من أدرك من الجمعة ركعة فليصل إليها أخرى ومن فاتته الركعتان فليصل أربعاً أو قال الظهر. رواه الدارقطني (۱)

سواس سے وہ مضمون جو کہ سوال میں لکھا ہے بالیقین ثابت نہیں ہاں محتمل ضرور ہے چنانچہ امام محمدؒ کا مذہب اسی احتمال کے موافق ہے شیخین کا مذہب دوسرے احتمال کے موافق ہے (۲) جس کی ترجیح کا قرینہ دوسری حدیث ہے جو اس سے ذرا اوپر مذکور ہے۔

(۱) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلاة، باب الخطبة والصلاة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۲۴۔

سنن الدارقطني، کتاب الجمعة، باب في من يدرك من الجمعة ركعة أو لم يدركها،

دار الكتب العلمية بيروت ۲/۹، رقم: ۱۵۸۵۔

عن نافع عن ابن عمر قال: إذ أدركت من الجمعة ركعة فأضف إليها أخرى، وإن أدركتهم جلوساً فصل أربعاً. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الجمعة، باب من أدرك ركعة من الجمعة، دار الفكر بيروت ۴/۴۴۲، رقم: ۵۸۳۳)

(۲) اس مسئلہ میں شیخین اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف ہے، شیخینؒ کے نزدیک التحیات پانے والا ←

 وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ من أدرك ركعة من الصلوة مع الإمام فقد أدرك الصلوة متفق عليه (۱)

← جمع کی تکمیل کرے گا اور امام محمد کے نزدیک چار رکعت کے ذریعہ سے ظہر کی تکمیل کرے گا، فتویٰ شیعین کے قول پر ہے ملاحظہ فرمائیے:

ومن أدرك الإمام يوم الجمعة صلى معه ما أدركه وبنى عليه الجمعة، لقوله عليه السلام ما أدركتم فصلوا وما فاتكم فاقضوا، وإن كان أدركه في التشهد أو في سجود السهو بني عليها الجمعة عندهما، وقال محمد: إن أدرك معه أكثر الركعة الثانية بني عليها الجمعة، وإن أدرك أقلها بني عليها الظهر لأنه الجمعة من وجه، ظهر من وجه لفوات بعض الشرائط في حقه فيصلي أربعاً اعتباراً للظهر، ويقعد لامحالة على رأس الركعتين اعتباراً للجمعة، ويقرأ في الآخرين لاحتمال النفلية، ولهما أنه مدرک للجمعة في هذه الحالة حتى يشترط نية الجمعة وهي ركعتان، ولا وجه لما ذكر لأنهما مختلفان فلا يبنى أحدهما على تحريمة الآخر. (هداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة اشرفية ۱/ ۱۷۰-۱۷۱)

ومن أدركها أي الجمعة في التشهد أو سجود السهو يتم جمعة عند الشيعين، وقال محمد: يتم ظهراً إن لم يدرك أكثر الثانية بأن أدركه بعد ما رفع رأسه الإمام من الركوع في الركعة الثانية. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۵۲-۲۵۳)

ومن أدركها أي الجمعة في التشهد منه أو في سجود السهو أتم جمعة هذا عندهما، وقال محمد: يتمها ظهراً الخ. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۶۳)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۷۰، كوئثہ ۲/ ۱۵۴۔

(۱) مسلم شریف، کتاب المساجد، باب من أدرك ركعة من الصلاة، فقد أدرك

تلك الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۱، بيت الأفكار رقم: ۶۰۷۔

بخاري شریف، کتاب مواقيت الصلاة، باب من أدرك من الصلاة ركعة، النسخة

الهندية ۱/ ۸۲، رقم: ۵۷۲، ف: ۵۸۰۔

مشکوٰۃ المصابيح، کتاب الصلاة، باب الخطبة والصلاة، مكتبة اشرفية ديوبند

اور اگر دوسرے احتمال کو مدلول حدیث نہ کہا جاوے تب بھی تعارض کے وقت حدیث بخاری و مسلم کو ترجیح ہوگی اور اربعہ والی حدیث کی نسبت حاشیہ میں شیخ سے نقل کیا ہے لم یثبت۔ (۱) پھر یہ کہ عوام کو تحقیق ادلہ کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶ رجب ۱۴۲۶ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۳)

جمعہ وعیدین اس گاؤں میں جس کے بہت قریب دوسرا گاؤں ہے

اور دونوں مل کر قصبہ کے برابر ہیں

سوال (۵۹۰): قدیم ۱/۶۶۶ - ایک گاؤں جس کی آبادی قریب ایک ہزار آدمی کے ہے اور اس کے اتنے قریب ایک دوسرا گاؤں ہے کہ اس بستی کی اذان کی آواز اس گاؤں میں جاتی ہے اور اس گاؤں اور دوسرے گاؤں کو ملا کر آبادی قریب چار پانچ ہزار کے آدمی ہیں بلکہ زائد ہوں لیکن رقبہ وڈا کچانہ بعض بستی کا علیحدہ ہے اور بعض گاؤں میں کافر بستے ہیں مسلمان نہیں ہیں ان سب تقادیر پر جمعہ وعیدین ہر گاؤں والے الگ الگ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ اس کے جواز کا شبہ فقہاء کے ایک جزئی سے ہوتا ہے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسافر دو گاؤں میں اقامت کی نیت کر لے اور دونوں گاؤں اتنے قریب ہوں کہ ایک گاؤں کی اذان کی آواز دوسرے گاؤں میں جاتی ہے تو وہ مسافر حد قصر سے خارج ہو جائے گا مثلاً ایک گاؤں میں دس یوم کی اقامت کی نیت کی اور دوسرے گاؤں میں پانچ دن کی لیکن چونکہ یہ دونوں قریب بہت ہیں کہ اذان کی آواز جاتی ہے اس لئے اس پر قصر جائز نہ ہوگا۔ تو اس جزئی سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے دونوں گاؤں کو متحد قرار دیا ہے تو باب قصر میں متحد قرار دیکر اس پر قصر کو ناجائز کیا، اسی طرح باب جمعہ میں بھی متحد قرار دیا جاوے۔ اگر یہاں پر قرار نہ دیا جاوے تو دونوں میں مابہ الفرق کیا ہے۔

(۱) قال الشيخ ابن الهمام: ولهما إطلاق الحديث المذكورة وما رواه من أدرك ركعة

من الجمعة أضاف إليها ركعة أخرى ثم صلى أربعاً لم يثبت ذكره الشيخ. (حاشية مشكوة المصابيح،

كتاب الصلاة، باب الخطبة والصلاة، مكتبة اشرفية ۱/۲۴، رقم الحاشية: ۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ جس گاؤں کی آبادی تین یا چار ہزار ہو وہاں جمعہ جائز ہے ان دونوں تردیدوں میں بہت بڑا فرق ہے تو اگر صرف تین ہزار آبادی میں جمعہ جائز ہے تو چار ہزار کی قید کیسی۔ اور اگر کسی گاؤں میں صرف تین ہزار کی آبادی ہو اور حوائج ضروریہ کی چیزیں نہیں ملتی تو کیا اس گاؤں میں جمعہ وغیرہ جائز ہوگا اور اگر کوئی گاؤں ایسا ہو کہ وہاں تمام حوائج ضروریہ کی چیزیں ملتی ہیں لیکن آبادی تین ہزار سے کم ہے تو وہاں بھی جمعہ جائز ہوگا تو رفع حوائج اور تین ہزار آبادی دونوں شرط ہیں یا اُحدہما لا علی التعین۔ جواب مع حوالہ کتب تحریر ہو۔ فقط؟

الجواب: قصر وعدم قصر کا مدار تو بالاتفاق اتحاد موضعین پر ہے اور وجوب جمعہ وعدم وجوب کے مدار میں اختلاف ہے بعض اقوال میں اتحاد موضعین پر ہے اور سماع اذان وعدم سماع کا اس میں کوئی دخل نہیں جس کے کلام سے اس کے ساتھ تحدید مفہوم ہوتی ہو مقصود اس سے محض تمثیل کے طور پر امارة کا بیان کرنا ہے اور بعض اقوال میں عدم لحوق مشقت پر چنانچہ روایات ذیل شاہد ہیں۔

في الدر المختار: باب صلاة المسافرين. أو كان اُحدہما تبعاً للآخر بحيث تجب الجمعة على ساكنه للاتحاد حكماً، وفي رد المحتار: قوله: أو كان اُحدہما تبعاً للآخر كالقرية التي قربت من المصر بحيث يسمع النداء على ما يأتي في الجمعة وفي البحر لو كان الموضعان من مصر واحد أو قرية واحدة فإنها صحيحة لأنهما متحدان حكماً ألا ترى أنه لو خرج إليه مسافراً لم يقصر اه ج ۱ ص ۸۴۲ (۱)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافرين، مكتبہ زکریا دیوبند

۶۰۷/۲، کراچی ۱۲۶/۲۔

وقيد بالمصريين ومراده موضعان صالحان للإقامة لا فرق بين المصريين أو القريةين أو المصر والقرية للاحتراز عن نية الإقامة في موضعين من مصر واحد أو قرية واحدة فإنها صحيحة لأنهما متحدان حكماً، ألا ترى أنه لو خرج إليه مسافراً لم يقصر. (البحر الرائق،

كتاب الصلاة، باب المسافرين، مكتبہ زکریا دیوبند ۲/۳۳، کوئٹہ ۲/۱۳۲)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافرين، مكتبہ زکریا دیوبند ۱/۳۴۷۔

وفي الدر المختار: باب صلوة الجمعة، وأما المنفصل عنه (أى عن المصر) فإن كان يسمع النداء تجب عليه عند محمد وبه يفتى كذا في الملتقى وقدمنا عن الولوالجية تقديره بفرسخ ورجح في البحر اعتبار عوده لبيته بلا كلفة. وفي رد المحتار: وصح في مواهب الرحمن قول أبى يوسف بوجوبها على من كان داخل حد الإقامة أي الذى من فارقه يصير مسافراً وإذا وصل إليه يصير مقيماً وعلله في شرحه المسمى بالبرهان بأن وجوبها مختص بأهل المصر والخارج عن هذا الحد ليس أهلهم وفيه بعد أسطر عن الخانية والمقيم في موضع من أطراف المصر إن كان بينه وبين عمران المصر فرجة من مزارع لاجمعة عليه وإن بلغه النداء الخ. ثم قال: بعد تصحيح هذا القول وترجيحه وينبغي تقييد ما في الخانية والتتارخانية بما إذا لم يكن في فناء المصر لما مرانها تصح إقامتها في الفناء ولو منفصلاً بمزارع فإذا صحت في الفناء لأنه ملحق بالمصر يجب على من كان فيه أن يصلحها لأنه من أهل المصر كما يعلم من تعليل البرهان ج ١ ص ٨٥٢. (١)

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب

الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ٢٧/٣، كراچی ١٥٣/٢

ومن هو خارج المصر منفصلاً عنه إن كان يسمع النداء من المنادي بأعلى صوت تجب عليه الجمعة عند محمد وبه يفتى فيه مخالفة لأنه صرح صاحب الفتح وغيره لأن هذا رواية عن أبي يوسف إلا أن يحمل على اختلاف الروايتين، وعن أبي يوسف أنها تجب في ثلاثة فراسخ. وقال بعضهم: قدر ميل، وقيل: قدر ميلين، قيل: ستة. وفي الولوالجية: إن المختار للفتوى قدر الفرسخ لأنه أسهل على العامة، وهو ثلاثة أميال، وقيل: إن أمكنه أن يحضر الجمعة ويبيت بأهله من غير تكلف تجب عليه الجمعة وإلا لا، قال في البدائع: وهو أحسن، وفي البحر: وكان أولى لأنه الأحوط. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ٢٥١/١)

شرط أدائها المصر أو مصلاه أي فناءه متصل به أو منفصل عنه بغلوة كذا قرره محمد في النواذر: وشرط بعضهم عدم الفاصل من مزرعة واختاره في الخانية: قال: ←

پس قول اول پر ان دونوں موضوعوں کو دیکھا جاوے گا کہ عرفاً دونوں مستقل سمجھے جاتے ہیں یا متحد؟ پہلی صورت میں تو عدم صحت جمعہ ظاہر ہے اور دوسری صورت میں صرف اتحاد کافی نہیں غایتہ مافی الباب دونوں ملکر ایک قریہ ہو جاوے گا مگر جس قریہ کبیرہ میں جمعہ کو جائز کہا گیا ہے اس کی تفسیر التی فیہا أسواق سے کی گئی ہے۔ کمافی ردالمحتار المجلد الاول ص ۸۳۶ (۱)

جس کا حاصل یہ ہے کہ صورت اس کی قصبات کی سی ہو اگر یہ شان ہو تو جمعہ در صورت اتحاد ہما عرفاً جائز ہو جاوے گا والا فلا اور قول ثانی پر یعنی جبکہ مدار وجوب جمعہ کا عدم لحوق مشقت پر ہو وجوب جمعہ کا دونوں موضوعوں کے اتحاد کو مستلزم نہ ہونا اور بھی ظاہر ہے کیونکہ اس تقدیر پر جمعہ من آواہ اللیل پر واجب ہے اور یقیناً وہ موضع مصر سے متحد نہیں اور خود وہاں جمعہ جائز نہیں اور بہشتی گو ہر اصل میں کتاب علم الفقہ کا تلخیص ہے اگر یہ مسئلہ اس میں ہے تو مجھ کو یاد نہیں کہ تلخیص کے وقت اس پر نظر پڑی ہے یا نہیں۔ بہر حال اس میں جو کچھ لکھا ہو اس کو اس وقت کی تحریر پر منطبق کرنا چاہئے اگر انطباق نہ ہو تو میری رائے یہی ہے جو اس وقت لکھ رہا ہوں

← والمیل والغلوۃ والأمیال لیس بشیء کذا روی عن الإمام، قدرہ بعضهم بمیلین قال فی المحيط: وعلیہ الفتوی، وآخرون بثلاثة أمیال قال الولوالجی: وهو المختار للفتوی، واعتبر بعضهم عوده إلى مبیته من غیر کلفة قال فی البدائع: وهذا أحسن، وفي المضممرات: يجب علی أهل القرى القریبة الذین یسمعون النداء بأعلى الصوت وهو الصحیح. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۳۵۳)

الفتاویٰ التاتاریخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون، شرائط الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۵۳، رقم: ۳۲۷۵-۳۲۷۶۔

خانیہ علی الہندیہ، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، قدیم زکریا ۱/۱۶۵، جدید زکریا ۱/۱۰۳۔

البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۴۷-۲۴۸، کوئٹہ ۲/۱۴۱۔
(۱) وفي القہستانی: تقع فرضاً فی القصبات والقری الكبيرة التی فیہ أسواق ولا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیہا قاضٍ ومنبرٍ وخطیبٍ کما فی المضممرات. (شامی مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۶-۷، کراچی ۲/۱۳۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کہ کوئی تعداد خاص تحدید کیلئے نہیں بلکہ امارۃ ہے اور اصل مدار مصر یا قصبہ یا قریہ کبیرہ بالمعنی المذکور کا ہوتا ہے۔
 ۱۸/رمضان ۱۳۲۷ھ بعد تحریر جواب ہذا ایک ثقہ مشاہد سے معلوم ہوا کہ جن قریوں کی نسبت سوال ہے وہ باہم اتنے متقارب نہیں ہیں کہ ان کو متصل و متحد کہہ سکیں تو جواب اور بھی اظہر ہے کہ پھر احتمال ہی صحت جمعہ کا نہیں۔
 ۲۰/رمضان ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۹)

مصر کی تعریف میں کثرت سکان کی تحدید

سوال (*) (۵۹۱): قدیم ۶۶۹- دربارہ مصر و شہر فقہاء تعریفات فرمودہ اند و مرجع ہر یک کثرت مردمان معلوم می نماید لیکن تعداد کثرت معلوم نگر و دفلا جرم در اداء جمعہ اختلافات دفع نگر و تعداد کثرت تعین فرمودہ دہند باللائل فقہاء پس ہر جاء موافق فرمودہ کثرت یافتہ شود جمعہ قائم کردہ شود و اگر نہ ترک کردہ شود اگر عرفاً و اصطلاحاً ہر جا را کہ شہر گویند آں را اختیار کردہ شود در بعض وہ چنان کثرت مردمان است کہ ہم برابر قصبہ کبیرہ گرد لیکن نامش دہ نہادہ اند الغرض تعین کثرت از دلیل فقہاء لازم و ضروری امر است؟ فقط
الجواب: ()** عددے معین دریں باب از نظر منگزشتہ و کتب ہم نزد اندک است

(*) خلاصہ سوال: مصر کی حضرات فقہاء نے کئی تعریض کی ہیں، جن کا حاصل ”کثرت آبادی“ معلوم ہوتا ہے؛ لیکن کثرت کی تعداد معلوم نہیں ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اداء جمعہ میں جو اختلاف ہو رہا ہے وہ ختم نہیں ہوتا، آپ دلائل فقہیہ سے کثرت کی تحدید تعین فرمادیں تاکہ جہاں جناب کی تعین کے مطابق کثرت ہو وہاں جمعہ قائم کر دیا جائے، ورنہ ترک کر دیا جائے، اگر عرف و اصطلاح کا لحاظ کیا جاوے کہ لوگ جسے شہر کہیں (وہی شہر ہو تو) بعض دیہاتوں میں لوگوں کی اس قدر کثرت ہوتی ہے کہ وہ بڑے قصبہ کے برابر ہوتے ہیں؛ لیکن نام ان کا بھی دیہات ہی ہوتا ہے۔

الغرض کثرت کی تعین دلیل فقہی سے کرنا لازم ضروری ہے۔ ۲۰ سعید احمد پالن پوری

() ترجمہ جواب:** اس سلسلہ میں معین عدد میری نظر سے نہیں گزرا ہے، اور میرے پاس کتابیں بھی کم ہیں؛ لہذا قول فیصل نہیں کہہ سکتا، ہاں عرف اور اس ملک کے حکماء و حکام تمدن کی اصطلاح کے پیش نظر۔ کہ وہ چار ہزاری آبادی کو قصبہ شمار کرتے ہیں۔ اور فقہاء کے ارشاد: النسي فيها أسواق - جو اس قریہ کبیرہ کی تعریف میں کہا گیا ہے، جہاں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ ملحوظ رکھ کر فتویٰ دینے میں اپنا معمول یہ کر لیا ہے کہ جہاں جہاں یہ دونوں شرطیں پائی جائیں وہاں اقامت جمعہ کی اجازت دے دیتا ہوں اور اس سے زیادہ تحقیق نہیں ہے۔ ۲۰ سعید احمد پالن پوری

لہذا قول فیصل تنواعم گفت آ رہے نظر بر عرف واصطلاح حکماء وحکام تمدن ایں ملک کہ آبادی چہار ہزار مردم راقصبہ می شمارند مح نظر بر قول فقہاء ألتسی فیہا أسواق (۱) در تعریف قریہ کبیرہ کی صالح اقامت جمعہ است معمول خود در فتویٰ چینی کردہ ام کہ ہر جا کہ ہر دو شرط یافتہ شود اجات اقامت جمعہ میدہم وزیادہ ازیں تحقیق نیست۔

۲۷/شوال ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۱)

تکبیرات عیدین میں رفع یدین کی دلیل

سوال (۵۹۲): قدیم ۱/۶۷- عیدین کی تکبیر میں ہاتھ اٹھانے کا کہیں ثبوت ہے، ہم لوگوں کو ملا نہیں اور یہاں غیر مقلدوں نے اشتہار چھاپا ہے کہ نماز جنازہ کی طرح تکبیر کہنا چاہئے یعنی ہاتھ نہ اٹھانا چاہئے اس کا کوئی ثبوت نہیں؟

الجواب: آثار السنن، ج ۲ ص ۱۸، میں باسناد صحیحہ طحاوی سے ابراہیم نخعی کا فتویٰ اس میں نقل کیا ہے۔ قال ترفع الأیدی فی سبع مواطن فی افتتاح الصلوة وفي التكبير للقنوت فی الوتر وفي العیدین، (الحديث) (۲)

اور اجلہ تابعین کے فتویٰ کا حجت ہونا حنفیہ نے اپنے اصول فقہ میں بدلیل ثابت کیا ہے۔

۱۳/زی الحجۃ ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۲)

(۱) فی رد المحتار نقلاً عن القہستانی: تقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیہا أسواق. (شامی مع الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۶-۷، کراچی ۱۳۸/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) أخرج الطحاوي عن إبراهيم النخعي قال: ترفع الأیدی فی سبع مواطن، فی افتتاح الصلاۃ، وفي التكبير للقنوت فی الوتر وفي العیدین وعند استلام الحجر وعلى الصفا والمروة وجمع وعرفات وعند المقامين عند الجمرتين. (شرح معاني الآثار للطحاوي، کتاب مناسك الحج، باب رفع الیدین عند رؤية البيت، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/۴۸، رقم: ۳۷۴۴، مکتبہ اشرفیۃ دیوبند ۱/۱۷۷) ←

قریہ صغیرہ میں جمعہ نہ ہونا

سوال (۵۹۳): قدیم ۶۷۰/۱ - ایک گاؤں میں تخمیناً چالیس گھر ہیں اور اس گاؤں میں فقط ایک ہی مسجد ہے اور وہ مسجد کی جگہ سرکار کی جانب سے وقف ہے اور پختگانہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور وہ مسجد اس قسم کی ہے کہ اگر فقط اس محلہ کے مصلیٰ لوگ حاضر ہو جائیں تو مسجد بھر جاتی ہے اور اس گاؤں میں سرکار کی طرف سے حاکم مقرر ہے وہ سرکار کے قانون کے مطابق انصاف کرتے ہیں اور اس گاؤں کے پورب کی طرف تخمیناً ایک میل کے فاصلہ پر دوسرا گاؤں ہے اس میں بھی پختگانہ نماز گھر ہونگے اور اسکے اتر کی طرف پاؤ میل فاصلہ پر دوسرا گاؤں ہے اسمیں بھی تخمیناً تیس گھر ہیں اور تینوں میں سے کسی میں بھی بازار نہیں ہے؛ بلکہ تین میل فاصلہ پر بازار موجود ہے تو اس گاؤں میں جمعہ کی نماز درست ہے یا نہیں۔ بیوا تو جروا؟

الجواب: گاؤں مذکور قریہ صغیرہ ہے اس لئے مذہب حنفی کے موافق اس میں جمعہ درست نہیں۔ (۱)

۱۳/ ذی الحجہ ۱۳۲۷ (تمہ اولیٰ ص ۲۲)

← وأخرج عبد الرزاق عن ابن جريج قال: قلت لعطاء: يرفع الإمام يديه كلما كبر هذا التكبير الزيادة في صلاة الفطر؟ قال: نعم! ويرفع الناس أيضاً. (مصنف عبد الرزاق، باب التكبير باليدين، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۳، ۶۹، رقم: ۵۷۱۶)

وأخرج البيهقي في سننه عن بكر بن سواد أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه كان يرفع يديه مع كل تكبيرة في الجنازة والعيدين. (السنن الكبرى للبيهقي، صلاة العيدين، باب رفع اليدين في تكبير العيد، دار الفكر ۵/ ۷۲، رقم: ۶۲۸۱) شبير احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) عن علي قال: لا جمعة، ولا تشريق، ولا صلاة فطر، ولا أضحي، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال لا جمعة، ولا تشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ۴/ ۶، رقم: ۵۰۹۹)

عن حذيفة قال: ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولا تشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ۴/ ۶، رقم: ۵۱۰۰) ←

بنگل کے گاؤں و دیہاتوں میں جمعہ کا حکم

سوال (۵۹۳): قدیم ۱/۶۷۱ - تمہید بندہ کوذیقعدہ ۱۳۲ھ میں اتفاق سفر ڈھا کہ ہوا ایک ماہ بعد واپس آیا اس اثناء میں قصداً جا کر بعض دیہات کو دیکھا اور نیز وہاں کے فہم اور ذی علم باشندوں سے بھی تحقیق کیا بعض دیہات کو اسٹیئر پر سے دیکھا اور بعض احباب اہل ملک سے جو کہ ہم سفر تھے اس کی حالت بھی سنی اس مجموعہ سے جو مستفاد ہوا، اس کو بطور کلیہ کے لکھتا ہوں تاکہ اس سے قریٰ بنگال میں سے ہر جگہ کا حکم صحت و عدم صحت جمعہ جو عند الحنفیہ ہے معلوم ہو جاوے۔ وہی ہذا اگر ایک قریا تا بڑا ہے کہ اس میں تین چار ہزار کی مردم شماری ہے اور اس میں ضروری حوائج کے لئے بازار بھی ہے وہاں جمعہ بلا تکلف جائز ہے (۱)

← عن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم، أنه أمر أهل قبا وأهل ذي الحليفة، وأهل القرى الصغار حوله أن لا تجمعوا، وأن تشهدوا الجمعة بالمدينة. (مصنف عبد الرزاق، باب القرى الصغار، دار الكتب العلمية بيروت ۷۱/۳، رقم: ۵۱۹۴)

لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو في مصلى المصر ولا تجوز في القرى. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/۶۸)

وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب. كما في المصنوعات. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۷/۳، کراچی ۱۳۸/۲)

وكذا اتفق الجميع على عدم جواز إقامتها في البوادي والقرى التي يظعن أهلها عنها صيفاً وشتاءً - إلى قوله - قال أبو بكر في "أحكامه" واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بمواضع لا يجوز فعلها في غيره؛ لأنهم مجمعون على أن الجمعة لا تجوز في البوادي ومناهل الأعراب، فقال أصحابنا: هي مخصوصة بالأمصار ولا تصح في السواد وهو قول الثوري وعبيد الله بن الحسن. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۷/۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) وفي الشامي نقلاً عن القهستاني: تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۶۷/۳، کراچی ۱۳۸/۲)

اور اگر ایک قریہ اتنا بڑا نہیں ہے مگر اس کے قریب دوسرا قریہ بھی ہے کہ مجموعہ دونوں کا اس سابق ایک کے مثل ہے تو دیکھنا چاہیے کہ اس دوسرے قریہ کو پہلے قریہ سے کیسا اتصال ہے اگر ایسا اتصال ہو کہ دیکھنے والے کو اگر یہ نہ بتلادیا جاوے کہ فلاں جگہ سے دوسرا قریہ شروع ہوا ہے تو دونوں کو ایک ہی سمجھ ایسے اتصال سے ان دونوں کو متحد سمجھا جائے گا (۱) اور اس مجموعہ میں وہ دو پہلی قیدیں دیکھی جائیں گی اور ان کے تحقق کی صورت میں جمعہ صحیح ہوگا اور اگر ایسا اتصال نہیں ہے گویا یہ فصل بھی نہ ہو تو دونوں کو جدا جدا سمجھا جاوے گا اور جب کہ ہر واحد صغیرہ ہے تو جمعہ کسی میں صحیح نہ ہوگا۔ (۲) اور وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض قریٰ متصل چلے گئے ہیں مگر مجموعہ سے دائرہ کی صورت بنتی ہے اور اس محیط کے درمیان میں بہت جگہ غیر آباد ہے جس میں کاشت و باغ وغیرہ ہے اور بازار کسی ایک حصہ میں نہیں ہے بلکہ منتقل ہوتا رہتا ہے سو عند التامل مجھ کو ان کا حکم بھی مثل واحد کے معلوم ہوتا ہے۔ (۳) البتہ اگر ایک قریہ سے دوسرے قریہ میں مفازہ قطع کر کے جائیں اور مفازہ مسافت قصر ہو تو قصر واجب ہو جاوے گا۔ (*) (حوالہ بالا)

(*) اس کے بعد وہاں کے علماء کی تحریرات سے قدرے تردد ہو گیا، جس کے بعد یہ معمول کر لیا کہ وہاں کے جمعہ کے باب میں لکھ دیا جاتا ہے کہ وہاں کے علماء سے پوچھنا بہتر ہے۔ ۱۲ منہ

(۱) القریتان المتدانیتان المتصل ببناء إحداهما بالأخریٰ أو التي یرتفق أهل إحداهما بالأخریٰ فهما كالقریة الواحدة. (الموسوعة الفقهیة الكويتیة ۲۷/۲۷۹)
(۲) عن حذیفة قال: لیس علی أهل القری جمعة، إنما الجمعة علی أهل الأمصار مثل المدائن. (مصنف لابن أبي شیبہ، کتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولا تشریق إلا فی مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ۴/۴۶، رقم: ۵۱۰۰)

و کذا اتفق الجميع علی عدم جواز إقامتها فی البوادی والقری التي یظعن أهلها عنها صیفًا وشتاءً۔ إلى قوله۔ قال أبو بکر فی "أحكامه" واتفق فقهاء الأمصار علی أن الجمعة مخصوصة بمواضع لا یجوز فعلها فی غیره؛ لأنهم مجمعون علی أن الجمعة لا تجوز فی البوادی ومناهل الأعراب، فقال أصحابنا: هی مخصوصة بالأمصار ولا تصح فی السواد وهو قول الثوري وعبد الله بن الحسن. (إعلاء السنن، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الکتب العلمیة بیروت ۷/۸)
وفیما ذکرنا إشارة إلى أنه لا تجوز فی الصغیرة التي لیس فیها قاض ومنبر وخطیب كما فی المضممرات. (شامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۷/۳، کراچی ۱۳۸/۲)
(۳) حضرت والا تھانویؒ نے دو گواہوں کے درمیان کھیت اور باغ کو فصل قرار نہ دے کر دونوں ←

قریہ کبیرہ کی تعریف

سوال (۵۹۵): قدیم ۱/۲۷۷ - ایک بڑی ضروری بات قابل گزارش ہے جس سے سخت تشویش رہتی ہے کہ احقر کا مکان ایک موضع میں ہے جس کو عرفاً دیہات ہی کہتے ہیں گو اس کی آبادی تین چار ہزار کی ہے احقر کو معلوم تحقیقاً یہی تھا کہ جس کو عرفاً قصبہ یا شہر کہتے ہیں اس میں جمعہ فرض ہے اس بناء پر اس دفعہ مکان گیا تو جمعہ کی نماز میں شریک نہیں ہوا لوگ چونکہ مانتے ہیں اس لئے زیادہ الجھتے نہیں البتہ دریافت کیا ان کو نرمی سے سمجھا دیا اور کہہ دیا کہ میں آپ لوگوں کو منع نہیں کرتا ہاں مجھے معذور سمجھیں۔ مگر درمختار میں قریہ کبیرہ کو بھی داخل حکم قصبہ یا شہر لکھا ہے۔ اب سخت تردد ہے کہ کبیرہ صغیرہ کا معیار کیا ہے نیز قریہ خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ اس کو نص مصر جامع کے ہوتے ہوئے کیسے حکم دیا گیا؟ اب مشکل یہ ہوئی کہ احقر اپنے مکان پر کیا کرے تمام ہندو مسلمان ملکر کم از کم تین ہزار سے زیادہ ہوں گے

← گاؤں کو متحدہ اور ان کی آبادی کے مجموعہ کا اعتبار کیا ہے؛ جبکہ صریح جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ باغ اور کھیت دو گاؤں کے درمیان فاصل قرار پائیں گے ملاحظہ فرمائیں:

من كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجة بل الأبنية متصلة إليه فعليہ الجمعة، وإن كان بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي فلا الجمعة عليه، وإن كان يسمع النداء. (حلبی کبیری، فصل فی صلاة الجمعة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۵۵۲)

ولو كان بين ذلك الموضع وبين عمران المصر فرجة من المزارع والمراعي لا الجمعة على أهل ذلك الموضع، وإن كان النداء يبلغهم. (الفتاویٰ التاتارخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۵۳، رقم: ۳۲۷۶)

ومن كان مقيماً بموضع بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي نحو القلع ببخارى لا الجمعة على أهل ذلك الموضع. (ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، قدیم زکریا ۱/۴۵، جدید زکریا ۱/۲۰۵)

البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۴۷، کوئٹہ ۱/۴۱ - شبیر احمد قاسمی عفی اللہ عنہ

نیز دوکان بھی پچیس تیس گھر موجود ہیں ہر قسم کی ضروری چیزیں بھی ملتی ہیں؛ البتہ کوئی تھانہ وغیرہ نہیں احقر کو سخت پریشانی ہے کہ خدا جانے کیا فرض ہے جمعہ چھوڑتے ہوئے پڑھتے ہوئے دونوں میں مشکل معلوم ہوتی ہے براہ شفقت جناب ہی اس کے متعلق دو چار حرف لکھتے تو تشفی ہو جاتی؟

الجواب: میں قریہ کبیرہ کے معنی قصبہ کے سمجھتا ہوں قرینہ اسکایہ ہے کہ فقہاء قریہ کبیرہ کی صفت میں التی فیہا أسواق بڑھاتے ہیں (۱) گویا یہ تفسیر ہے اور یہ شان قصبہ کی ہوتی ہے اور عرف میں مصر قصبہ کو بھی کہتے ہیں۔ (۲) (تمتہ خامسہ ص ۴۵)

سوال (۵۹۶): قدیم ۱/۶۷۳ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع کی آبادی تخمیناً چار ہزار (۴۰۰۰) کی ہے ضرورت کی ساری چیزیں حتیٰ کہ دوائیں بھی مل جاتی ہیں ڈاکخانہ ہے، سرکاری مدرسہ ہے پہلے تحصیلداری بھی تھی اب اٹھ کر دوسری جگہ چلی گئی، ہفتہ میں دو مرتبہ بازار لگتا ہے بازار میں دس بارہ دوکانیں ایسی ہیں جو مستقل طور سے

(۱) وفي رد المحتار نقلاً عن القهستاني: تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۶/۳، كراچی ۱۳۸/۲)
(۲) وأيضاً فإن المصر والقرية كلاهما حقيقة عرفية قد تميز بمصداق كل منهما عن الآخر عند أهل العرف في كل زمان. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب عدم جواز الجمعة في القرى، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۸)

واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال، وإن نص ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف. (فيض الباري، باب الجمعة في القرى والمدن، مكتبه خضر دیوبند ۲/۳۲۹)

ولیس هذا كله تحديداً له؛ بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عددهم المعمورة مصرًا، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه وما ليس بمصر لم يجز فيه إلا أن يكون فناء المصر. (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر، مكتبه يحيويہ ۱/۹۹۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

روزمرہ کھلی رہتی ہیں جن میں سے مسلسل پانچ چھ ایک طرف ہیں اور پانچ چھ دوسری طرف درمیان میں دس بارہ قدم کا فاصلہ ہے اور یہ دوکانیں بازار کے نام سے موسوم ہیں۔ سابق یعنی شاہی زمانہ میں یہاں قلعہ بھی تھا جس کے آثار اب تک کثرت سے موجود ہیں۔ باوجود نمازیوں کی قلت کے ہر جمعہ میں کم و بیش سو آدمی ہو جاتے ہیں اور رمضان شریف میں اس سے زیادہ۔ قاضی و ملا کے خاندان کے لوگ بھی ہیں، ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے زمانہ میں کوئی بڑی جگہ تھی لہذا یہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس کی موجودہ حالت مقتضی ہے جواز جمعہ کو۔ آبادی بھی چھوٹے قصبات کی سی ہے اور حوائج ضروریہ کی مستقل دوکانیں بھی ہیں جو عرف میں بازار کہلاتا ہے (۱) اور تحقیق شرط مصر کا مد اعراف ہی پر ہے علی الاصح (۲) اور اس سے قطع نظر کر کے بھی جب آثار و قرائن قویہ سے اس کی حالت ماضیہ مصر جیسی تھی تو بعض آثار مصریہ کا باقی رہنا بھی (جیسا کہ چار ہزار کی آبادی مصریہ کا اثر اعظم ہے) صحت جمعہ کیلئے کافی ہے۔

(۱) وفي رد المحتار نقلاً عن القهستاني: تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۶/۳، كراچی ۱۳۸/۲)

(۲) وأيضاً فإن المصر والقرية كلاهما حقيقة عرفية قد تميز بمصداق كل منهما عن الآخر عند أهل العرف في كل زمان. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب عدم جواز الجمعة في القرى، دار الكتب العلمية بيروت ۱۱/۸)

واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال، وإن نص ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف. (فيض الباري، باب الجمعة في القرى والمدن، مكتبة خضر ديوبند ۳۲۹/۲)

وليس هذا كله تحديداً له؛ بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصرًا، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه وما ليس بمصر لم يجز فيه إلا أن يكون فناء المصر. (الكوكب الدرري، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر، مكتبة يحيويه

دلیلہ ما فی شرح السیر الکبیر ص ۸۱ ج ۳، فلا تصیر دار السلام إلا بانقطاع ید اهل الحرب عنهما من کل وجه وهذا لأن ما کان ثابتاً فإنه یبقى بقاء بعض اثاره ولا یرتفع إلا باعتبار معنی هو مثله أو فوقه اه قلت وشمّل هذا الکلی الجزئی المتکلم فیہ۔
البتہ چونکہ ایسے امور میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے اس لئے فاعلین و تارکین اس اختلاف کو حد معارضہ و تشویش تک نہ پہنچادیں۔

۱۷/ محرم ۱۳۵۳ھ (النور جمادی الاولیٰ)

قبل صلوٰۃ عید اشراق پڑھنے کا حکم

سوال (۵۹۷): قدیم ۱/۶۷ - بروز عیدین نماز اشراق و چاشت کیوں نہیں پڑھتے ممانعت کی وجہ کیا ہے۔ اگر یہ خیال کیا جاوے کہ وقت نماز عیدین کا اشراق سے لیکر چاشت یعنی زوال سے قبل تک ہے اس وجہ سے نہیں پڑھتے تو یہ بظاہر کوئی وجہ ممانعت کی معلوم نہیں کیونکہ ہر ایک کا وقت علیحدہ ہے تشابہ نماز عیدین نہیں ہو سکتا کہ وہ نماز: جماعت ہے اور یہ نمازیں فرادئی فرادئی ہیں؟
الجواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ سے اس روز پڑھنا اس کا ثابت نہیں اور چاشت پڑھنے کا بعد واپس آنے کے کچھ حرج نہیں۔ (۱)

۲۱/ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۳)

(۱) أخرج ابن ماجه عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يصلي قبل العيد شيئاً، فإذا رجع إلى منزله صلى ركعتين. (سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة العیدین، باب ما جاء في الصلاة قبل صلاة العيد وبعدها، النسخة الهندية ص: ۹۲، دار السلام رقم: ۱۲۹۳)

أخرج الطبراني عن إبراهيم، أن ابن مسعود كان لا يصلي قبلها، ويصلي بعدها أربع ركعات. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۶/۳۰، رقم: ۹۵۲۸)
أخرج ابن أبي شيبة عن يزيد بن أبي زياد قال: رأيت إبراهيم وسعيد بن جبیر ومجاهداً وعبد الرحمن بن أبي ليلى يصلون بعدها أربعاً.

وأخرج أيضاً عن إبراهيم عن علقمة وأصحاب عبد الله، أنهم كانوا يصلون بعد العيد أربعاً.

وأخرج أيضاً عن إبراهيم قال: كانوا يصلون بعد العيد أربعاً ←

جمعہ کے واسطے مصر کی شرط

سوال (۵۹۸): قدیم/۶۷۴- یا ایہا الذین امنوا إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ. (۱)

اور حدیث الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعةٍ إلا علی أربعة عبد مملوک أو امرأة أو صبی أو مریض. (۲)

← ولا یصلون قبلهما شیئاً. (مصنف لابن أبی شیبہ، کتاب الصلاة، فیمن کان یصلی بعد العید أربعاً، مؤسسة علوم القرآن بیروت ۴/۲۲۷، رقم: ۵۸۰۰-۵۸۰۴-۵۸۰۵)

أخرج الطبرانی عن ابن سیرین وقتادة أن ابن مسعود کان یصلی بعدها أربع رکعات أو ثمان وكان لا یصلی قبلها. (المعجم الكبير للطبرانی دار إحياء التراث العربی ۹/۳۰۶، رقم: ۹۵۲۹)

قال محمدٌ فی الأصل: وليس قبل العیدین صلاة یريد أنه لا يتطوع قبل صلاة العیدین وفي الحجة: هذا فی الجبانة: أما فی البلدة لأبأس بها فی بیتہ أو فی ناحية المسجد، وقال أكثر المشايخ: يكره ما لم یصل العید، وإن شاء تطوع بعد الفراغ من الخطبة لحديث عليٍّ "من صلی بعد العید أربع رکعات كتب الله له بكل نبت وبكل ورقة حسنة. (الفتاویٰ التاتارخانية، کتاب الصلاة، الفصل السادس والعشرون، صلاة العیدین، مكتبه زکریا دیوبند ۲/۶۲۲، رقم: ۳۴۴۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) سورة الجمعة آیت: ۹-

(۲) أبوداؤد شریف، کتاب الصلاة، باب الجمع للمملوک، النسخة الهندیة ۱/۱۵۳،

دارالسلام رقم: ۱۰۶۷-

إدلاء السنن، أبواب الجمعة، باب من لا تجب علیهم الجمعة، دار الکتب

العلمیة بیروت ۸/۷۷-

أخرج عبد الرزاق عن الشعبي قال: ليس علی المرأة ولا علی المملوک ولا علی

المسافر ولا علی الصبی جمعة. (مصنف عبد الرزاق، باب من تجب علیه الجمعة، دار الکتب

العلمیة بیروت ۳/۷۳، رقم: ۵۲۱۳)

دوسری حدیث: من كان يوم من بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة يوم الجمعة إلا لمريض أو مسافر أو امرأة أو صبي أو مملوك۔ (۱)

موافق مطلب آیت کریمہ اور ہر دو حدیث کے سوائے ان کے جن کو شارع نے استثناء کیا ہے نماز جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے یا فقط شہر والوں پر؟

الجواب: جس طرح احادیث مذکورہ سوال بعض کے استثناء کی دلیل ہیں اسی طرح اہل قرئ کے استثناء کی دوسری شرعی دلیل بھی موجود ہے (۲) پس وہ بھی مستثنیٰ ہوئی اس لئے صرف اہل مصر پر فرض رہی تحقیق اس کی مشیع و مبسوط و کافی رسالہ اثن العری میں اور تدقیق اس کی رسالہ احسن القرئ میں موجود ہے۔
۶ محرم ۱۳۲۸ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۷)

سوال (۵۹۹): قدیم ۱/۶۷ - گزشتہ خط میں اس مضمون کو لکھا تھا کہ کہاں پر جمعہ وعیدین درست ہے اور کہاں پر نہیں حضور نے ارشاد فرمایا کہ جس جگہ تقریباً چار ہزار کی کل مردم شماری ہو یعنی چھوٹے بڑے کافر مسلمان سب ملا کر اور بازار بھی ہو وہاں جمعہ وعیدین درست ہے اور جہاں یہ شرطیں نہ ہوں درست نہیں۔

(۱) عن محمد بن كعب القرظي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة يوم الجمعة إلا على امرأة أو صبي أو مملوك أو مريض. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، فيم لا تجب عليه الجمعة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۶/۴، رقم: ۵۱۹۱)

(۲) عن حذيفة قال: ليس على أهل القرئ الجمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب من قال: لا الجمعة، ولا تشريق إلا في مصر جامع. مؤسسة علوم القرآن ۴/۶۷، رقم: ۵۱۰۰)

وأخرج عبد الرزاق عن علي قال: لا الجمعة، ولا تشريق إلا في مصر جامع. وأخرج عن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم أنه أمر أهل قباء، وأهل ذي الحليفة، وأهل القرئ الصغار حوله أن لا تجمعوا، وأن تشهدوا الجمعة بالمدينة. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب القرئ الصغار، دار الكتب العلمية بيروت ۳/۷۰-۷۱، رقم: ۵۱۸۹ - ۵۱۹۴)
عن علي قال: لا الجمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر، ولا أضحي إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب ما قال: لا الجمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ۴/۶۷، رقم: ۵۰۹۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اب عرض کرتا ہوں کہ آپ اس مضمون کو کون کون سی کتاب سے فرماتے ہیں بتلا دیجئے۔ درمختار و تنویر الابصار و بحر الرائق کی تخریر کہ ”المصمر هو ما لا یسع أكبر مساجده أهله المکلفین بها وعلیه فتویٰ اکثر الفقهاء۔ (۱) عن أبی یوسف أنه إذا اجتمعوا فی أكبر مساجدهم للصلوات الخمس لم یسعهم وعلیه الفتویٰ لأکثر الفقهاء“ (۲) کیوں معتبر نہیں؟

الجواب: میراخذ علامہ شامی کی نقل ہے خود امام صاحب سے

”هو بلدة كبيرة فيها سکک وأسواق۔ (۳)“

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۵/۳، کراچی ۱۳۷/۲

(۲) البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۷،

کوئٹہ ۱۴۰/۲

(۳) عن أبی حنیفہ: أنه بلدة كبيرة فيها سکک، وأسواق، ولها رساتیق، وفيها

وال يقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ، وعلمہ، أو علم غیرہ يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح۔ (شامی مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة،

مکتبہ زکریا دیوبند ۵/۳، کراچی ۱۳۷/۲)

وفي حد المصمر أقوال كثيرة، اختاروا منها قولین: أحدهما ما فی المختصر،

ثانيهما ما عزوة لأبی حنیفہ: أنه بلدة كبيرة فيها سکک، وأسواق، ولها رساتیق، وفيها

وال يقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ، وعلمہ، أو علم غیرہ والناس يرجعون إليه في الحوادث، قال في البدائع: وهو الأصح وتبعه الشارح وهو أخص ما

في المختصر۔ (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۲/۴۶، کوئٹہ ۱۴۰/۲)

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجمعة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۵۵۰

الفتاویٰ التاتاریخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة،

مکتبہ زکریا دیوبند ۵/۴۹، رقم: ۳۲۶۶

مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۴۷-۲

اور بلدہ ایک امر عرفی ہے (۱)۔ خود امام صاحب کا قاعدہ ہے کہ جس میں تحدید شرعی نہ ہو رائے مبتنی بہ پراس کا مدار ہوتا ہے اور جس طرح آب کثیر میں وہ درودہ انتظام کیلئے مقرر کیا گیا (۲)۔

(۱) واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال، وإن نص ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف. (فيض الباري، باب الجمعة في القرى والمدن، مكتبه خضر ديوبند ۳۲۹/۲)

وأيضاً فإن المصر والقرية كالأههما حقيقة عرفية قد تميز مصداق كل منهما عن الآخر عند أهل العرف في كل زمان. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب عدم جواز الجمعة في القرى، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۸)

ولیس ہذا کلہ تحدیداً لہ؛ بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عددهم المعمورة مصرًا، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه وما ليس بمصر لم يجز فيه إلا أن يكون فناء المصر. (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر، مكتبه يحيويہ ۱۹۹/۱)

(۲) والمعتبر في مقدار الراكذ أكبر رأي المبتلى به فيه، فإن غلب على ظنه عدم خلوص النجاسة إلى الجانب الآخر جاز وإلا لا هذا ظاهر الرواية عن الإمام وإليه رجع محمد وهو الأصح كما في الغاية وغيرها وحقق في البحر: أنه المذهب وبه يعمل، وأن التقدير بعشر في عشر لا يرجع إلى أصل يعتمد عليه؛ لكن في النهر، وأنت خبير بأن اعتبار العشر أضبط لا سيما في حق من لا رأي له من العوام؛ فلذا أفتى به المتأخرون الأعلام (درمختار) وفي الشامية: قوله: وهو الأصح: زاد في الفتح وهو الأليق بأصل أبي حنيفة، أعني عدم التحكم بتقدير فيما لم يرد فيه تقدير شرعي والتفويض فيه إلى رأي المبتلى ببناء على عدم صحة ثبوت تقديره شرعاً. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مكتبه زكريا ديوبند ۳۴۰-۳۴۱، کراچی ۱۹۱/۱-۱۹۲)

وبعضهم قدروا بالمساحة عشرًا في عشر بذراع الكرباس توسعه للأمر على الناس وعليه الفتوى. (هداية، كتاب الطهارة، باب الماء الذي يجوز به الوضوء وما لا يجوز به، مكتبه

اس طرح یہاں انتظام کیلئے حکمائے تمدن یعنی حکام وقت کی عرف و اصطلاح کا اعتبار ہوگا اور وہ چار ہزار آدمی کی آبادی کو قصبہ کہتے ہیں اور قصبہ بضرع فقہاء حکم مصر میں ہے (۱)۔ اور یہ تعریف: هو ما لا یسع الخ۔ حد تامة نہیں رسم ناقص ہے اس وقت یہ حالت امصار کی تھی۔ فقط

۱۰ شعبان ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۳۶)

جمعہ و صلوٰۃ عیدین میں امام و خطیب کا علیحدہ علیحدہ ہونا

سوال (۶۰۰): قدیم ۱/۶۷۵ - عیدین کی نماز ایک شخص یعنی قاضی شہر پڑھاتا ہے اور خطیب دوسرا آدمی ہے وہ خطبہ پڑھتا ہے اور اسی طرح زمانہ شاہی سے ہوتا آیا ہے لہذا ایسا فعل یعنی نماز ایک شخص پڑھاوے اور خطبہ دوسرا پڑھے شرعاً جائز ہے اور یہ فعل قرونِ ثلثہ میں پایا گیا ہے؟

الجواب: فی الدر المختار: لا ینبغی أن یصلی غیر الخطیب لأنہما کشی واحد الخ (۲) اس روایت سے معلوم ہوا کہ ایسا فعل جائز تو ہے مگر خلافِ اولیٰ ہے اور قرونِ ثلثہ میں پایا جانا نہ پایا جانا کسی روایت میں نہیں دیکھا۔

(۱) وفي الشامي نقلاً عن القهستاني: تقع فرصاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۶/۳، كراچی ۱۳۸/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳۹/۳، كراچی ۱۶۲/۲

وفي القنية: واتحاد الخطيب والإمام ليس بشرط على المختار "نهر" وفي الذخيرة: لو خطب صبي عاقل، وصلى بالغ جاز؛ لكن الأولى الاتحاد كما في شرح الآثار. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ۵۰۸)

ولا ینبغی أن یصلی غیر الخطیب لأن الجمعة مع الخطبة کشی واحد، فإن فعل بأن خطب صبي یأذن السلطان وصلى بالغ جاز. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، قیل باب صلاة العیدین، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۲۵۴) ←

والرواية المذكورة وإن ذكرت في الجمعة لكن حكم خطبة العيدين كما لجمعة لما في الدر المختار: وما يسن في الجمعة ويكره، يسن فيها ويكره ج ۱ ص ۸۷ (۱) والله أعلم
 ۹/ صفر ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولی ص ۲۹)

اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا

سوال (۶۰۱): قدیم ۱/ ۶۷۶ - اذان جمعہ کے بعد اکل و شرب وغیرہا میں جو کہ باعث فوت جماعت ہو مصروف رہنے میں کیا حکم ہے؟
الجواب: سب حرام ہے۔

لما في رد المحتار: تحت قوله: ووجب السعي إليها وترك البيع بالأذان الأول مانصه أراد به كل عمل ينافي السعي وخصه اتباعاً للآية. نہر ج ۱ ص ۸۶۰ (۲)
 ۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولی ص ۳۲)

← وقد علم من تفاريحهم أنه لا يشترط في الإمام أن يكون هو الخطيب وقد صرح في الخلاصة بأنه لو خطب صبي بإذن السلطان وصلى الجمعة رجل بالغ يجوز. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبته زكريا ديوبند ۲/ ۲۵۸، كوئٹہ ۲/ ۱۴۷)
 خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة، مكتبته اشرفية ديوبند ۱/ ۲۰۵ -

(۱) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب العيدين، مكتبته زكريا ديوبند ۵۷/ ۳، كراچی ۲/ ۱۷۵ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 (۲) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبته زكريا ديوبند ۴۱/ ۳، كراچی ۲/ ۱۶۳ -

ووجب السعي إليها أي لزم، وترك البيع أراد به كل عمل ينافيه وخصه اتباعاً للآية.
 (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبته زكريا ديوبند ۱/ ۳۶۴)
 ”ويجب السعي وترك البيع“ والشراء أراد به كل عمل ينافيه ”بالأذان الأول“. (سكب الأنهر
 على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۵۳) ←

جمعہ کی سعی میں نخل ہونے والا ہر کام حرام ہے

سوال (۶۰۲): قدیم ۶/۱-۶۷- جمعہ کی پہلی اذان سن کر تمام کاموں کو چھوڑ کر جمعہ کی نماز کے واسطے جامع مسجد میں جانا واجب ہے خرید و فروخت یا اور کسی کام میں مشغول ہونا حرام ہے۔ یہ مسئلہ فقہی ہے تو کیا جمعہ کے روز ایسے وقت سونا اور قیلولہ کرنا اور مطالعہ کتب دینی وغیرہ کرنا حرام ہوگا؟

الجواب: في الدر المختار: ووجب سعی إليها وترك البيع. وفي رد المحتار: قوله وترك البيع أراد به كل عمل ينافي السعي وخصه اتباعاً. للآية نهر ج ۱ ص ۸۶۰ (۱) اس سے معلوم ہوا کہ جس عمل میں مشغول ہونے سے سعی میں خلل پڑے وہ حکم بیع میں ہے۔ ۳/ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانی ص ۳۸)

← والمراد من البيع ما يشغل عن السعي إليها حتى لو اشتغل بعمل آخر سوى البيع، فهو مكروه أيضاً كذا في السراج الوهاج..... وصرح بالوجوب ليفيد أن الاشتغال بعمل آخر مكروه كراهة تحریم؛ لأنه في رتبته ويصح إطلاق اسم الحرام عليه كما وقع في الهداية. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۷۳ - ۲۷۴، كوئٹہ ۲/ ۱۵۶)

ويجب بمعنى يفترض ترك البيع وكذا ترك كل شيء يؤدي إلى الاشتغال عن السعي إليها أو يخل به كالبيع ماشياً إليها لإطلاق الأمر. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۵۱۷ - ۵۱۸) شبير احمد قاسمی عفا اللہ عنہ (۱) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۶۳ - ۱۶۴

ووجب السعي إليها أي لزم، وترك البيع أراد به كل عمل ينافيه وخصه اتباعاً للآية. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۶۴) "ويجب السعي وترك البيع" والشراء أراد به كل عمل ينافيه "بالأذان الأول". (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۵۳)

خطبہ سننا واجب ہے

سوال (۶۰۳): قدیم/۱/۶۷۶ - عیدین اور جمعہ میں خطبہ پڑھنا یا سننا واجب ہے یا کیا؟ اور خطبہ

اول و دوم کیلئے ایک حکم ہے یا علیحدہ یعنی اول واجب و دوم سنت ہے یا کیا؟

الجواب: في الدر المختار: ويشترط لصحتها (أي الجمعة) تسعة أشياء

إلى إن قال والرابع الخطبة، ثم قال ويسن خطبتان وفيه (۱)

← والمراد من البيع ما يشغل عن السعي إليها حتى لو اشتغل بعمل آخر سوى البيع، فهو مكروه أيضًا كذا في السراج الوهاج..... وصرح بالوجوب ليفيد أن الاشتغال بعمل آخر مكروه كراهة تحريم؛ لأنه في رتبته ويصح إطلاق اسم الحرام عليه كما وقع في الهداية. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۷۳ - ۲۷۴، كوئٹہ ۲/۱۵۶)

ويجب بمعنى يفترض ترك البيع وكذا ترك كل شيء يؤدي إلى الاشتغال عن السعي إليها أو يخل به كالبيع ماشيًا إليها لإطلاق الأمر. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۵۱۷ - ۵۱۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۱۹ - ۲۰، كراچی ۲/۱۴۷ - ۱۴۸

وشرط أدائها أيضًا إيقاع الخطبة قبلها أي قبل الجمعة في وقت الظهر وسن خطبتان. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳۵۷ - ۳۵۸)

وفرض الخطبة عند الإمام تسبيحة أو نحوها وعندهما لا بد من ذكر طويل يسمى خطبة عرفًا وسنتها أن يخطب قائمًا على طهارة خطبتين يفصل بينهما بجلسة مشتملتين على تلاوة. (ملتنقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۹)

واعلم بأن الجمعة فريضة ولها شرائط منها الخطبة قال في الأصل: ويخطب الإمام ←

و یخطب بعدها (أی صلوٰۃ العیدین) خطبتین و هما سنة. (۱)

اس عبارت سے یہ امور ثابت ہوئے:

(۱) عیدین کا خطبہ سنت ہے۔

(۲) جمعہ کا خطبہ فرض ہے اور اس کے دو حصے ہونا سنت ہے۔

(۳) اول و ثانی میں دونوں کے کچھ فرق نہیں۔

← یوم الجمعة خطبتین و یجلس بینہما للاستراحة و ذلک لیس بشرط.

(خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، الفصل الثالث والعشرون فی صلاۃ الجمعة، مکتبہ اشرفیۃ دیوبند ۲۰۵/۱)

البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۵۸/۲، کوئٹہ ۱۴۶-۱۴۷۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاۃ، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۵۷/۳، کراچی ۱۷۵/۲۔

و یخطب بعدها خطبتین اقتداءً بفعله علیہ الصلاۃ والسلام بخلاف الجمعة، فإنه یخطب قبلها لأن الخطبة قبلها شرط والشرط متقدم أو مقارن وفي العيد لیست بشرط ولهذا إذا خطب قبلها صح وكره لأنه خالف السنة كما لو تركها أصلاً. (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۸۳/۲، کوئٹہ ۱۶۲/۲)

كل ما يعتبر شرطاً في صحة صلاة الجمعة فهو شرط في صحة صلاة العیدین أيضاً ماعدا الخطبة فهي هنا لیست شرطاً في صحة العیدین، وإنما هي سنة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/۲۴۲)

و یشتريک للعيد ما یشتريک للجمعة من المصير والسلطان والإذن العام والجماعة عندنا إلا الخطبة، فإن الجمعة بدون الخطبة لا یجوز وصلاۃ العیدین بدونها جائزة.

(خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، الفصل الرابع والعشرون فی صلاۃ العیدین، مکتبہ اشرفیۃ دیوبند ۲۱۳/۱)

(۴) سننا سب خطبوں کا واجب ہے۔ (۱)

۱۵ جمادی الاول ۱۴۲۹ھ (تمتہ اولی ص ۳۵)

صلوۃ عیدین کا گرجا کے میدان میں یا رنڈی کی بنائی ہوئی عید گاہ میں پڑھنا

سوال (۶۰۴): قدیم ۱/۶۷ - کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ اس مقام میں نماز عیدین چند سال سے لوگ ایسے مقام میں پڑھتے ہیں جس کا نقشہ بھی منسلک استفتاء ہے بعض لوگوں کو اس وجہ سے کہ یہ میدان گرجا کا میدان کے نام سے مشہور ہے یہاں نماز پڑھنے میں شبہ اور اعتراض ہے اس سے اچھا اور صاف شہر کے قریب اور کوئی دوسرا میدان بھی نہیں ہے ایسی صورت میں یہاں نماز پڑھنا ممنوع ہے یا نہیں؟

(۱) إذا صعد الإمام المنبر للخطبة يجب على الحاضرين أن لا يشتغلوا عندئذ بصلاة ولا كلام إلى أن يفرغ من الخطبة، فإذا بدأ الخطيب بالخطبة تأكد وجوب ذلك أكثر قال في تنوير الأبصار: كل ما حرم في الصلاة حرم في الخطبة سواء أكان الجالس في المجلس يسمع الخطبة أم لا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/۲۰۴)

وإذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام حتى يفرغ من خطبته وقال: يباح الكلام بعد خروجه ما لم يشترط في الخطبة لأن الكراهة للإخلال بفرض الاستماع ولا استماع هنا. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۵۳)

وَأَمَّا محظورات الخطبة فمنها: أنه يكره الكلام حالة الخطبة وكذا كل ما شغل عن سماع الخطبة من التسبيح والتهليل والكتابة ونحوها بل يجب عليه أن يستمع ويسكت وأصله قوله تعالى: 'وإذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا قيل: نزلت الآية في شأن الخطبة، أمر بالاستماع والإنصات، ومطلق الأمر للوجوب، وروي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: من قال لصاحبه والإمام يخطب انصت فقد لغا ومن لغا فلا صلاة له الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، محظورات الخطبة، مكتبة زكريا

اس میدان میں نماز پڑھنے کی کوئی ممانعت بھی حکام کی طرف سے اب تک نہیں ہوئی اور سابق سے جو عید گاہ ہے اولاً وہ شاید کسی رنڈی کی بنائی ہوئی ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید گاہ قدیم اور اس کے متصل جو امام باڑہ ہے وہ کسی رنڈی کا بنایا ہوا ہے۔ پہلے وہ غیر مسقف تھی اب ایک دوسری رنڈی نے اس کو مسقف کر دیا ہے۔ ثانیاً عیدین میں وہاں رنڈیوں کا اس قدر جھوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ مقام مذکور جو گرجا کے نام سے مشہور ہے گرجا کا حلقہ محدود ہے باقی میدان میں گھوڑ دوڑ ہوتا ہے یہ بھی ارقام فرمایا جاوے کہ صورت مسئلہ میں سابق عید گاہ میں نماز پڑھنا افضل ہے یا گرجا کے میدان میں یا دونوں مقام سے مساجد شہر کے اندر نماز عیدین پڑھنا افضل واولیٰ ہے؟

الجواب: اگر کوئی میدان تجویز کر لیا جانا ممکن ہو تو سب سے زیادہ بہتر ہے اور اگر ایسا موقع نہ ملے تو رنڈیوں کی عید گاہ میں نماز کی کراہت فی نفسہ ہے، اس سے اس میدان میں نماز پڑھنا غنیمت ہے؛ کیونکہ اس میں کراہت محض لعارض ہے اور وہ عارض عوام کی تشویش ہے جس کے لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے ترمیم خانہ کعبہ کو موقوف رکھا تھا (۱)

(۱) عن عروة عن عائشةؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لها: يا عائشة لولا أن قومك حديث عهد بجاهلية لأمرت بالبيت فهدم، فأدخلت فيه ما أخرج منه، والزقته بالأرض، وجعلت له بابين باباً شرقياً وباباً غربياً، فبلغت به أساس إبراهيم فذلک الذي حمل ابن الزبير علی هدمه. (بخاري شريف، كتاب الحج، باب فضل مكة وبنائها، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۵، رقم: ۱۵۶۲، ف: ۱۵۸۶)

عن عائشةؓ قالت: سئلت النبي صلى الله عليه وسلم عن الجدر أمن البيت هو؟ قال: نعم! قلت فما لهم لم يدخلوه في البيت؟ قال: إن قومك قصرت بهم النفقة، قلت فما شأن بابيه مرتفعاً قال: فعل ذلك قومك ليدخلوا من شاءوا ويمنعوا من شاءوا، ولولا أن قومك حديث عهدهم بالجاهلية فأخاف أن تنكر قلوبهم أن أدخل الجدر في البيت وأن ألصق بابيه بالأرض. (بخاري شريف، كتاب الحج، باب فضل مكة وبنائها، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۵، رقم: ۱۵۶۰، ف: ۱۵۸۴)

عن سعيد قال: سمعت عبد الله بن الزبير يقول: حدثتني خالتي "يعني عائشة" قالت: ←

اس پر نظر کر کے میرے نزدیک مساجد شہر میں پڑھ لینا رنج ہے کہ صرف ایک سنت یا مستحب کا ترک ہے اور ترک بھی مصلحت شرعیہ سے جو کہ عذر معتبر ہے اس لئے غائلہ (۱) ترک سنت کا بھی لازم نہ ہوگا۔

۲۲/ رمضان ۱۳۳۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۳۸)

جمعہ کو فرض نہ جانے والے اور احتیاط الظہر پڑھنے والے کی جمعہ میں امامت کا حکم

سوال (۶۰۵): قدیم ۱/۶۷۸ - جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنے والوں کے دو فریق ہیں ایک تو جمعہ کو بالکل فرض نہیں کہتا اس واسطے کہ بادشاہ اسلام شرط ہے اور وہ مفقود ہے اور جمعہ کو شعائر اسلام سے بتلاتا ہے اور دوسرا فریق ایسا ہے کہ جمعہ کو تو فرض مانتا ہے اور احتیاط الظہر بھی پڑھتا ہے۔
اب یہ امر قابل استفسار ہے کہ دونوں فریق کے پیچھے اس شخص کی نماز جو جمعہ کو فرض مانتا ہے اور احتیاط الظہر نہیں پڑھتا ہو جائے گی یا نہیں یا کس فریق کے پیچھے ہوگی اور کس کے پیچھے نہ ہوگی اقتداء قوی بالضعیف کسی صورت میں لازم آتی ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدر المختار: باب الإمامة صح اقتداء متنفل بمتنفل ومن يرى السوتر واجباً بمن يراه سنة ومن اقتدى في العصر وهو مقيم بعد الغروب بمن احرم قبله للاتحاد. وفي رد المحتار: قوله: للاتحاد أي اتحاد صلاة الإمام مع صلاة المقتدى في الصور الثلاث أما في الأولى فظاهر وأما في الثانية فلان ما أتى به كل واحد منهما

« قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا عائشة! لولا أن قومك حديث عهد بشرك لهدمت الكعبة، فالزقتها بالأرض، وجعلت لها بابين، باباً شرقياً وباباً غربياً وزدت فيها ستة أذرع من الحجر، فإن قريشاً اقتصرتها حيث بنت الكعبة. (مسلم شريف، كتاب الحج، باب نقض الكعبة وبناءها، النسخة الهندية ۱/ ۴۳۰، بيت الأفكار، رقم: ۱۳۳۳)

ترمذي شريف، كتاب الحج، باب ما جاء في كسر الكعبة، النسخة الهندية ۱/ ۱۷۶،

دارالسلام رقم: ۸۷۵.

(۱) غائلہ کے معنی شر اور برائی کے ہیں۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

هو الوتر في نفس الأمر واعتقاد أحدهما سنية والآخر وجوبه أمر عارض لا يوجب اختلاف الصلاتين وأما الثالثة فلأن كلامهما عصر يوم واحد الخ (ج ۱ ص ۲۱۸) (۱)
اور اقتداء الاقوى بالاضعف كالتردد اتحاد صلاتين في ظاهره هو تارة في صورة مسئوله في هرايك كى نماز دوسرے کے پیچھے درست ہو جائے گی۔ فقط

۱۵/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۴۰)

قبل از جمعہ سنتیں مؤکدہ ہیں یا نہیں اور بعد جمعہ چار سنتیں مؤکدہ ہیں یا دو؟

سوال (۶۰۶): قدیم ۱/۶۷۸ - جمعہ کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں یا نہیں، اور بعد کی سنتوں میں سے چار مؤکدہ ہیں یا دو یا سب؟

(۱) الدر المختار مع الشامسي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۳۳۹/۲، كراچي ۵۹۱/۲
وأما اقتداء من يرى الوتر واجباً بمن يراه سنة فجوزاه الإمام أبو بكر محمد بن الفضل لأن كلا يحتاج إلى نية الوتر فلم يختلف نيتهما فاهدر اختلاف الاعتقاد في صفة الصلاة واعتبر مجرد اعتبار النية. (حلي كبيرى، كتاب الصلاة، من لا يصح الإقتداء به، مكتبه زكريا ديوبند ص: ۵۱۷)

صح إقتداء متنفل بمفترض ومن يرى الوتر واجباً بمن يراه سنة ومن اقتدى في العصر وهو مقيم بعد الغروب بمن أحرم قبله للاتحاد (در مختار) وقال السيد أحمد الطحطاوي تحت قول صاحب الدر المختار للاتحاد علة لجميع ما قبله من الصور الثلاث أما الأولى فظاهر، وأما الثانية لأن ما أتى به كل واحد منهما هو الوتر في نفس الأمر واعتقاد أحدهما سنتيه والآخر وجوبه أمر عارض لا يوجب اختلاف الصلاتين، وأما الثالثة فلأن كلامهما عصر يوم واحد. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة،

باب الإقامة، مكتبه كوئٹہ ۲۵۳/۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: جمہوری پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں۔ کذا فی الدر المختار، اور بعد کی چار مؤکدہ

ہیں، کذا فی الدر المختار (۱) (حوالہ بالا)

(۱) عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يركع قبل الجمعة أربعاً لا يفصل في شيءٍ منهن. (ابن ماجة شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الصلاة قبل الجمعة، النسخة الهندية ص: ۷۹، دار السلام رقم: ۱۱۲۹)

عن أبي هريرة[ؓ] قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا صليتم بعد الجمعة فصلوا أربعاً. (ابن ماجة شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الصلاة بعد الجمعة، النسخة الهندية ص: ۷۹، دار السلام رقم: ۱۱۳۲)

عن أبي هريرة[ؓ] قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان منكم مصلياً بعد الجمعة فليصل أربعاً. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الصلاة قبل الجمعة وبعدها، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۷، دار السلام رقم: ۵۲۳)

مسلم شريف، كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۸، بيت الأفكار رقم: ۸۸۱۔

عن إبراهيم أن عبد الله بن مسعود كان يصلي قبل الجمعة أربعاً وبعدها أربعاً لا يفصل بينهما بتسليم. الحديث (طحاوي شريف، ۱/ ۴۳۶، رقم: ۱۹۲۵)

عبد الرزاق عن معمر عن قتادة أن ابن مسعود كان يصلي قبل الجمعة أربع ركعات وبعدها أربع ركعات. (مصنف عبد الرزاق ۳/ ۲۴۷، رقم: ۵۵۲۴)

عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يصلي قبل الجمعة أربعاً وبعدها أربعاً. الحديث (المعجم الأوسط ۴/ ۵۶۸، رقم: ۳۹۷۱)

عن عبد الله بن عمر أنه كان يصلي قبل الجمعة أربعاً لا يفصل بينهما بسلام، ثم بعد الجمعة ركعتين، ثم أربعاً. الحديث (طحاوي شريف ۱/ ۴۳۵، رقم: ۱۹۱۹)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جمعہ کے روز مروجہ دعاء کا حکم

سوال (۶۰۷): قدیم ۱/۶۷۹ - ہماری مسجد محلہ میں ہمیشہ بندوق تھوٹے تو نہیں خاص جمعہ کے روز یہ دستور قرار پاچکا ہے کہ پیش امام بعد اداۓ سنن و نوافل ختم نماز پڑھیں اور ہوتا ہے جب سب نمازی فارغ ہو جاتے ہیں سب ملکر دعا کرتے ہیں اگر اس کے خلاف ہو جائے تو اس پر اعتراض بھی ہوتا ہے اس مسئلہ میں حکم شرع لطیف کیا ہے؟

الجواب: تخصیص عام اور تنقید مطلق ایک حکم ہے اور ہر حکم کیلئے دلیل شرط ہے اور اس تخصیص و تنقید مذکور فی السؤال کی کوئی دلیل نہیں لہذا اس کی مشروعیت کا اعتقاد اور اس سے بڑھ کر لزوم کا اعتقاد یا عمل اختراع و حادث فی الدین ہے (۱) اور ایک بار دعاء کرنا جو کہ منقول بھی ہے مگر بلاتا کد خود اس کے تاکد کا اعتقاد حادث ہے لیکن چونکہ مشاہد ہے کہ اس کے ترک پر کوئی ملامت نہیں کرتا جو قرینہ ہے عدم اعتقاد تاکد کا اس کے اس پردوام کی اجازت دی جاتی ہے (۲) بخلاف عمل مذکور فی السؤال کے کماذکر فافتقر. واللہ اعلم ۱۹/ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۶۰۷)

(۱) عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد. (مسلم شريف، كتاب الأفضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، النسخة الهندية، ۷۷/۲، بيت الأفكار رقم: ۱۷۱۸)

صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اُصطلحوا على جور فالصلح مردود، النسخة الهندية ۱/ ۳۷۱، رقم: ۲۶۱۹، ف: ۲۶۹۷ -

مسند أحمد بن حنبل ۶/ ۷۳، رقم: ۲۴۹۵۴ -

ابن ماجه شريف، كتاب السنة، باب تعظيم حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم والتغليظ على من عارضه، النسخة الهندية ص: ۳، دار السلام رقم: ۱۴ -

صحيح ابن حبان، باب الاعتصام بالسنة وما يتعلق بها نقلاً وأمرًا وزجرًا، دار الفكر ۱/ ۸۴، رقم: ۲۶-۲۷ -

(۲) عن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه قال: قيل: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، ←

← باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ١٨٧/٢، دار السلام رقم: ٣٤٩٩

السنن الكبرى للنسائي، باب ما يستحب من الدعاء دبر الصلوات المكتوبات، دار الكتب العلمية بيروت ٣٢/٦، رقم: ٩٩٣٦-

عن ورّاد كاتب المغيرة بن شعبة قال: أملي علي المغيرة بن شعبة في كتاب إلي معاوية أن النبي صلى الله عليه وسلم يقول في دبر كل صلاة مكتوبة: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد. (بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، النسخة الهندية ١١٧/١، رقم: ٨٣٦، ف: ٨٤٤)

عن معاذ بن جبل رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيده وقال: يا معاذ! والله إنني لأحبك، فقال: أوصيك يا معاذ! لا تدعن في دبر كل صلاة تقول: اللهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك. (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في الاستغفار، النسخة الهندية ٢١٣/١، دار السلام رقم: ١٥٢٢)

عن فضالة بن عبيد قال: بينا رسول الله صلى الله عليه وسلم قاعد عجلت أيها المصلي إذا صليت ففعدت فاحمد الله بما هو أهله، وصل علي ثم أدعه قال: ثم صلى رجل آخر بعد ذلك فحمد الله وصلى على النبي صلى الله عليه وسلم، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: أيها المصلي أذع تجب. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ١٨٥/٢-١٨٦، دار السلام رقم: ٣٤٧٦)

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلاة، ثم يقول: اللهم إلهي وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب، وإله جبرئيل، وميكائيل، وإسرافيل عليهم السلام، أسئلك أن تستجيب دعوتي، فإني مضطر وتعصمني في ديني، فإني مبتلي، وتنانني برحمتك، فإني مذنب، وتنفي عني الفقر، فإني متمسك إلا كان حقاً على الله عز وجل أن لا يرد يدي خائبين. (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح؟ مؤسسة علوم القرآن بيروت ص: ١٢١، رقم: ١٣٨)

عن العرباض بن سارية رضي الله عنه عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني، دار أحياء التراث العربي ١٨/٢٥٩، رقم: ٦٤٧) شبير احمد قاسي عفا الله عنه

خطبہ میں جہرا بسم اللہ پڑھنے کا حکم

سوال (۶۰۸): قدیم ۱/۶۷۹ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب خطبہ اولیٰ کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم باواز بلند پڑھتے ہیں ایسا کرنا چاہئے کہ نہیں؟ اگر کرنا چاہئے تو یہ طریقہ مستحب ہے یا سنت مؤکدہ یا کیا۔ اور اگر نہیں کرنا چاہئے تو مکروہ ہے یا کیسا؟ جواب کیلئے جوابی کارڈ ارسال خدمت ہے۔ بینواتو جروا، مستحب اور سنت طریقہ سے بحوالہ کتب اگر ممکن ہو تو سرفراز فرمائیے اور قبل خطبہ اعوذ باللہ و بسم اللہ آہستہ پڑھنا مسنون ہے اور مستحب یا جہر کے ساتھ؟

الجواب: فی البحر الرائق: وأما سننہا فخمسة عشر (الیٰ قولہ) رابعہا قال أبو یوسف فی الجوامع: التعوذ فی نفسہ قبل الخطبۃ، ثم قال: وہی تشتمل علی عشرة أحدها البداءة بحمد اللہ الخ ج ۲ ص ۵۹ (۱) وفي الدر المختار: ویبدأ بالتعوذ سرًا وفي رد المحتار: أي قبل الخطبۃ الأولى بالتعوذ سرًا، ثم بحمد اللہ الخ (۲)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے قبل صرف اعوذ باللہ آہستہ پڑھے نہ تو بسم اللہ پڑھے اور نہ اعوذ باللہ پکار کر پڑھے اور کسی نے قبل خطبہ بسم اللہ پڑھنے کو نہیں لکھا جس سے معلوم ہوا خود بسم اللہ پڑھنا مطلوب ہی نہیں اور بعض نے جو لکھا ہے کہ بجز قرآن کے اور کسی کلام پر اعوذ نہ پڑھے سو دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ خطبہ بحکم قرآن ہے لہذا خطبہ اس عموم میں داخل نہ ہوگا۔

۲۹/رمضان ۱۳۳۲ھ (تمہ ثانیہ ص ۱۷۱)

(۱) البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۵۸،

کوئٹہ ۲/۱۴۷۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۲۱،

کراچی ۲/۱۴۹۔

خطبہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کے جواز کی تحقیق: شامی وغیرہ بعض کتب فقہ میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ خطبہ میں جب آیت قرآنی پڑھنی ہو تو سرًا اعوذ باللہ من الشیطان پڑھے، اور بعض کے الفاظ ہیں کہ سرًا تعوذ سے خطبہ شروع کیا جائے، پھر حمد و ثناء وغیرہ پڑھا جائے اور محیط کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ جب پوری ←

﴿سورۃ پڑھے تو تعوذ اور بسملہ دونوں پڑھ کر سورۃ پڑھے اور اگر کوئی آیت پڑھے تو بعض کے قول کے مطابق تعوذ اور بسملہ دونوں پڑھے اور اکثر کے قول کے مطابق تعوذ پڑھے اور بسم اللہ نہ پڑھے، مگر ان تمام جزئیات میں غور کیا جائے تو خطبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھنے کا ذکر کہیں بھی نہیں ہے، بعض عبارات میں 'یبدأ قبل الخطبة الأولى بالتعوذ سرّاً' کے الفاظ ہیں کہ پہلا خطبہ شروع کرنے سے پہلے سرّاً تعوذ پڑھا جائے، مگر تمام جزئیات پر غور کرنے کے بعد خطبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھنے کی کوئی صراحت نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے درمختار مع الشامی، کتاب الصلوٰۃ، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۳۲۱، کراچی ۱۳۹۲۔

اس کے برخلاف بعض کتب فقہ میں خطبہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کو مستحب اور کارثواب لکھا ہے، اور حدیث کے منطوق سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے کہ خطبہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب اور افضل ہوگا؛ اس لئے فقہاء کی دونوں طرح کی عبارات کی روشنی میں کوئی تعارض نہیں ہے، حضرت والا تھانویؒ نے شامی کی عبارت کے پیش نظر تعوذ پڑھنے کو لکھا ہے اور چوں کہ شروع میں بسم اللہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کا ذکر شامی میں نہیں ہے، اس لئے حضرت نے نفی میں جواب دیا ہے، اسی طرح حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب کے سامنے بھی شامی کی عبارت رہی اور مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی کی نگاہ میں بھی شامی کی عبارت رہی ہے؛ اس لئے ان سب حضرات نے بسم اللہ کے بارے میں نفی میں جواب دیا ہے، اگر ان حضرات کے سامنے فقہاء کی دوسری عبارات جن میں خطبہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کی صراحت ہے موجود ہوتی تو ہرگز نفی میں جواب نہ دیتے اور اس کی دلیل حضرت والا تھانویؒ کی ترجیح الراجح ہے کہ حضرت کے سامنے اپنی رائے کے خلاف جب کوئی دلیل ہوتی تو فوراً رجوع کر کے دوسری رائے کو اختیار فرمایا کرتے تھے۔

حاصل یہ ہے کہ خطبہ کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھنا بلا تردد جائز اور مستحب ہے اب روایات اور جزئیات ملاحظہ فرمائیے حدیث شریف کے الفاظ مختلف ہیں، کنز العمال میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے:

کل أمر ذي بال لا يبدأ فيه ببسم الله الرحمن الرحيم أقطع. (کنز العمال جدید

۱/۲۷۷، رقم: ۲۴۸۸)

امام سیوطیؒ نے جامع الاحادیث عن الصغیر میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل أمر ذي بال لا يبدأ فيه

ببسم الرحمن الرحيم أقطع. (جامع الأحاديث عن الصغیر ۶/۴۳۰، رقم: ۱۵۷۶۱)

اسکول کی طرف سے عدم اجازت کی وجہ سے طلبہ سے جمعہ کا ساقط نہ ہونا

سوال (۶۰۹): قدیم ۱/۶۸۰ - عبد اللہ نامی ایک شخص انگریزی مدرسہ میں پڑھتا ہے اور اس میں جمعہ کی نماز کے واسطے چھٹی نہیں ملتی ایسی صورت میں اس کو ترک اسکول کرنا موافق شرع کے ضروری ہے یا نہیں۔ مکر یہ ہے کہ ایک بزرگ اس کے بزرگوں میں سے یہ کہتا ہے کہ بضرورت امتحان کے سال میں چار جمعہ چھوڑ دینا جائز ہے ایسے شخص کی نسبت آپ کیا فتویٰ دیتے ہیں؟

الجواب: جو عذر سقوط جمعہ کے فقہاء نے لکھے ہیں یہ عذر ان میں سے نہیں ہے لہذا اس پر اسکول کا ترک کر دینا ضرور ہے اور اس بزرگ کا قول محض غلط ہے۔

قلت هذا لا يفوق في الحسب على مديون موسر حبس في الدين وقد وجب عليه الجمعة كما في ردالمحتار على قوله وعدم حبس مانصه ينبغي تقييده بكونه مظلوما كمديون معسر فلو موسرا قادر على الأداء حالا وجبت ج ۱ ص ۸۵۳ (۱) وكذا لا يفوق عذره على عذرا لأجير وقد يجب عليه الجمعة كما في الدر المختار:

← فقہی جزئیہ ملاحظہ فرمائیے:

اتفق أكثر الفقهاء على أن التسمية مشروعة لكل أمر ذي بالٍ عبادة أو غيرها، فتقال عند البدء في تلاوة القرآن الكريم والأذكار وركوب سفينة ودابة ودخول المنزل ومسجد أو خروج منه، وعند إيقاد مصباح أو إطفائه وقبل وطئ مباح وصعود خطيب منبراً ونوم والدخول في صلاة النفل، وتغطية الإناء وفي أوائل الكتب وعند تغميض ميت ولحدده في قبره ووضع اليد على موضع ألم بالجسد، وصيغتها بسم الله والأكمل بسم الله الرحمن الرحيم، فإن نسي التسمية أو تركها عمداً فلا شيء ويثاب إن فعل، ومما ورد، حديث كل أو أمر ذي بال لا يبدأ فيه باسم الله فهو أثبر، وفي رواية فهو أقطع وفي أخرى فهو أجزم الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۹۲/۸) شبير احمد قاسمي عفا الله عنه

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

أَجِيرُ وَتَسْقُطُ مِنَ الْأَجْرِ بِحَسَابِهِ لَوْ بَعِيدًا وَإِلَّا لَا، ج ۱ ص ۸۵۲ (۱) وَاللَّهُ أَعْلَمُ

۱۲ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۸۲)

دوران خطبہ عصا لینے کا حکم

سوال (۶۱۰): قدیم ۱/۶۸۰- الخطب الماثورہ میں مذکور ہے کہ امام خطبہ کے وقت عصا ہاتھ میں

لے کر کھڑا ہوا اور بہشتی زیور سے ممانعت مفہوم ہے۔ فکیف التوفیق وعلیٰ أي القولین العمل؟

الجواب: درمختار میں قوس یا عصا پر سہارا لگانے کو مکروہ کہا ہے اور رد المحتار میں اس پر دو اشکال کئے ہیں ایک ابوداؤد کی روایت سے کہ حضور ﷺ نے عصا یا قوس کا سہارا لیا ہے دوسرا محیط کی روایت سے کہ اخذ عصاء کو سنت کہا ہے مثل قیام کے۔ ج ۱ ص ۸۶۲ (۲)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۲۸/۲، کراچی ۱۵۴/۲

وأشار باقتضائه على هذه الشروط إلى أنها لا تسقط عن الأجير. وفي الخلاصة: وللمستأجر منع الأجير عن حضور الجمعة، وهذا قول الإمام أبي حفص، وقال الإمام أبو علي الدقاق: ليس له أن يمنعه ولكن تسقط عنه الأجرة بقدر اشتغاله بذلك إن كان بعيداً، وإن كان قريباً لا يحط عنه شيء. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۶۵، کوئٹہ ۱۵۱/۲)

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ

دارالکتاب دیوبند ص: ۵۰۴۔

فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۹-۶۰،

کوئٹہ ۳۲/۲۔

خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة، مکتبہ

اشرفیہ دیوبند ۱/۲۱۰-۲۱۱۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) ویکرہ أن یتکئ علی قوس أو عصاً (درمختار) وفي الشامية: قوله: ←

اور ترجیح رد المختار کے قول کو ہے (۱) پس بہشتی زیور میں گو اس مسئلہ کا ہونا بعید ہے (*) اس لئے کہ اس میں احکام مختصہ بالرجال نہیں لئے گئے لیکن اگر کہیں ایسا ہے تو غالباً در مختار کی روایت کی بناء پر لکھ دیا ہوگا جس کا مرجوح ہونا ابھی معلوم ہوا۔

۱۵ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۸۵)

(*) یہ مسئلہ بہشتی گوہر میں ”جمعے کے خطبے کے مسائل“ میں ہے، بہشتی زیور میں نہیں ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← (وفي الخلاصة الخ) استشكله في الحلية بأنه في رواية أبي داود أنه صلى الله عليه وسلم قام أي في الخطبة متكئاً على عصا أو قوس، ونقل القهستاني عن عبد المحيط أن أخذ العصا سنة كالقيام. (الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۴۱/۳، كراچی ۶۳/۲)

(۱) أخرج أبو داود عن شعيب بن رزيق الطائفي حديثاً طويلاً وفيه، فأقمنا بها أياماً شهدنا فيها الجمعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام متكئاً على قوس أو عصا الحديث. (أبو داود، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس، النسخة الهندية ۱/۵۶، دار السلام رقم: ۱۰۹۶)

صحيح ابن خزيمة، باب الاعتماد على القسي أو العصا على المنبر في الخطبة. (المكتب الإسلامي ۷۰۳/۱، رقم: ۱۴۵۲)

حدثني أبي، عن أبيه، عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا خطب في الحرب خطب على قوس، وإذا خطب في الجمعة خطب على عصا. (سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الخطبة يوم الجمعة، النسخة الهندية ص: ۷۷، دار السلام رقم: ۱۱۰۷)

السنن الكبرى للبيهقي، باب الإمام يعتمد على عصا أو قوس أو ما أشبههما إذا خطب، دار الفكر بيروت ۴/۴۷، رقم: ۵۸۴۷۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۳۹/۶، رقم: ۵۴۴۸۔

وأخرج أبو داود في مراسيله عن ابن شهاب حديثاً طويلاً، وفيه قال ابن شهاب: وكان إذا قام أخذ عصا، وهو قائم على المنبر، ثم كان أبوبكر، وعمر بن الخطاب، وعثمان بن عفان يفعلون ذلك. (مراسيل أبي داود ص: ۷)

سوال (۶۱۱): قدیم ۱/۶۸۱ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع تین اس بارے میں کہ یہاں رنگون کی اکثر مساجد میں قاعدہ یہ ہے کہ بروز جمعہ خطیب اپنے ہاتھ میں عصا لیکر خطبہ پڑھا کرتا ہے پس ارشاد ہو کہ اگر امام وقت خطبہ عصا کے بجائے تلوار ہاتھ میں لیکر خطبہ پڑھے تو شرعاً کیا حکم ہے اور اگر تلوار کو ہاتھ میں لینے کی صورت میں نئی بات دیکھ کر کچھ لوگ اعتراض کرنے لگیں تو ان کے اعتراض کرنے کی وجہ سے آیا اس فعل کو چھوڑ دینا چاہئے یا نہیں؟ بیذا تو جرو؟

الجواب: في الدر المختار: يخطب الإمام بسيف في بلدة فتحت به كمكة وإلا لا كالمدينة. وفي رد المحتار: قوله: في بلدة فتحت به أي بالسيف ليريهام أنها فتحت بالسيف فإذا رجعت عن الإسلام فذلك باق في أيدي المسلمين حتى ترجعوا إلى الإسلام، در ص ۸۶۲ ج ۱ (۱)

عن يزيد بن البراء عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم خطب على قوس أو عصاً. (مسند أحمد بن حنبل ۴/۳۰، رقم: ۱۸۹۱۸، ۴/۲۸۲، رقم: ۱۸۶۸۲)

عن جرير قال: قلت لعطاء: أكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم إذا خطب على عصاً؟ قال: نعم! وكان يعتمد عليه اعتماداً. (السنن الكبرى للبيهقي، باب الإمام يعتمد على عصاً أو قوس أو ما أشبههما، دار الفكر ۴/۴۷، رقم: ۵۸۴۸) شبير احمد قاسمی عفا الله عنه

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۴۱-۴۰، كراچی ۲/۶۳

وإذا قام يكون السيف بيساره متكئاً عليه في كل بلدة فتحت عنوة ليريهام أنها فتحت بالسيف، فإذا رجعت عن الإسلام فذلك باق بأيدي المسلمين يقاتلونكم به حتى ترجعوا إلى الإسلام. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۵۱۵)

وفي المصمورات معزياً إلى روضة العلماء، الحكمة في أن الخطيب يتقلد سيفاً ما قد سمعت الفقيه أبا الحسن الرستغني يقول: كل بلدة فتحت عنوة بالسيف يخطب الخطيب على منبرها متقلداً بالسيف، يريهم أنها فتحت بالسيف، فإذا رجعت عن الإسلام فذلك السيف باق في أيدي المسلمين نقاتلكم به حتى ترجعوا إلى الإسلام. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۹، كوثه ۲/۴۸) ←

متن کی قید اور حاشیہ کی حکمت صاف بتلا رہی ہے کہ یہ فعل مخصوص ہے امام المسلمین یعنی سلطان اسلام یا اس کے نائب کے ساتھ پس دوسرے خطیبوں کیلئے مشروع نہیں۔ (۱)

۲۶ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ (تمہ خامسہ ص ۵۹۲)

سوال (۶۱۲): قدیم ۶۸۱/۱ - ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ فی الدارین۔ اندریں کہ بوقت خطبہ پڑھنے کے لاٹھی ہاتھ میں لینا زید مسنون کہتا ہے مگر عمرو وحوالہ عالمگیری مکروہ تحریمی بتاتا ہے (۲) اب مصلیٰ طرفین اور زید و عمرو متفق الرائے ہو کر جناب فیض مآب سے مسئلہ طلب کرتا ہے کہ اگر قول و فعل زید کا معتبر ہو تو اس پر عمل کرے گا وگرنہ نہیں؟

الجواب: کیا عالمگیری میں تحریم کی تصریح ہے (*) مدعی سے پوچھو ذرا شامی بھی دیکھ لی ہوتی کہ اس میں سنیت کا بھی قول ہے اور حدیث بھی نقل کی ہے۔ (۳)

(*) عالمگیری میں لیکرہ ہے جو تحریمی اور تنزیہی دونوں کو شامل ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← و سن خطبتان بجلسة بينهما وطهارة قائما مستقبلا للقوم بوجهه متعوذا في ابتدائها في نفسه مقلدا سيفاً في بلدة فتحت عنوة لا صلحا إعلاماً بأنكم متي رجعتم عن الإسلام فهذا السيف باق، كذا في المضمهرات. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳۵۹/۱)

ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة قدیم زکریا ۱۴۸/۱، جدید زکریا ۲۰۹/۱۔

(۱) اگلے والے فتویٰ میں حضرت والا نے توجیہ فرمائی ہے کہ عشاء ہاتھ میں لینا سنت غیر مؤکدہ ہے، اگر مؤکدہ سمجھا جائے، تو مکروہ ہوگا؛ لہذا سلطان کے علاوہ کے لئے اختیاری عمل ہے سنت مؤکدہ سمجھے بغیر درست ہے ورنہ مکروہ ہے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) ہندیہ کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں:

ویکدرہ أن یخطب متکماً علی قوس أو عصاً کذا فی الخلاصة. (ہندیہ، کتاب الصلاة،

الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، قدیم زکریا ۱۴۸/۱، جدید زکریا ۲۰۹/۱)

(۳) وفي الخلاصة: ویکدرہ أن یتکئ علی قوس أو عصاً (درمختار) وفي الشامية:

قوله: وفي الخلاصة: استشكله في الحلبة بأنه في رواية أبي داود أنه صلى الله عليه وسلم قام ←

اب صورت تطبیق کی یہ ہے کہ فی نفسہ سنت ہے مگر غیر مؤکدہ۔ اگر مؤکدہ سمجھا جائے گا تو مکروہ ہے میرا یہی اعتقاد ہے۔

یکم صفر ۱۳۵۱ھ (النور، رمضان ۱۳۵۱ھ) (ص ۷)

← أي في الخطبة متكئاً على عصاً أو قوس، ونقل القهستاني عن عبد المحيط أن أخذ العصا سنة كالقيام. (الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۴۱/۳، كراچی ۱۶۳/۲)

أخرج أبو داود عن شعيب بن رزيق الطائفي حديثاً طويلاً وفيه، فأقمنا بها أياماً شهدنا فيها الجمعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام متكئاً على قوس أو عصاً الحديث. (أبو داود، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس، النسخة الهندية ۱/۵۶، دار السلام رقم: ۱۰۹۶) صحيح ابن خزيمة، باب الاعتماد على القسي أو العصا على المنبر في الخطبة. (المكتب الإسلامي ۷۰۳/۱، رقم: ۱۴۵۲)

حدثني أبي، عن أبيه، عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا خطب في الحرب خطب على قوس، وإذا خطب في الجمعة خطب على عصاً. (سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الخطبة يوم الجمعة، النسخة الهندية ص: ۷۷، دار السلام ۱۱۰۷) السنن الكبرى للبيهقي، باب الإمام يعتمد على عصاً أو قوس أو ما أشبههما إذا خطب. دار الفكر بيروت ۴/۴۷، رقم: ۵۸۴۷)

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۳۹/۶، رقم: ۵۴۴۸ وأخرج أبو داود في مراسيله عن ابن شهاب حديثاً طويلاً، وفيه قال ابن شهاب: وكان إذا قام أخذ عصاً، وهو قائم على المنبر، ثم كان أبو بكر، وعمر بن الخطاب، وعثمان بن عفان يفعلون ذلك. (مراسيل أبي داود ص: ۷)

عن يزيد بن البراء عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم خطب على قوس أو عصاً. (مسند أحمد بن حنبل ۴/۳۰، رقم: ۱۸۹۱۸، ۴/۲۸۲، رقم: ۱۸۶۸۲)

عن جرير قال: قلت لعطاء: أكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم إذا خطب على عصاً؟ قال: نعم! وكان يعتمد عليه اعتماداً. (السنن الكبرى للبيهقي، باب الإمام يعتمد على عصاً أو قوس أو ما أشبههما، دار الفكر ۴/۴۷، رقم: ۵۸۴۸) شبير احمد قاسمی عفا الله عنه

شہر سے تین میل دور کارخانہ میں نماز جمعہ کا حکم

سوال (۶۱۳): قدیم ۱/۶۸۲ - یہاں کارخانہ میں جس میں ملازم ہوں شہر جہلوپور سے قریب تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور وہ اشخاص جو باہر کر رہنے والے ہیں کارخانہ کے پاس سرکاری مکانوں میں اقامت گزریں ہیں سوء اتفاق سے یہاں مسلمانوں کیلئے کوئی مسجد وغیرہ نہیں ہے جس میں وہ سب ملکر نماز باجماعت ادا کر سکیں۔ اب چونکہ گورنمنٹ نے ازراہ عنایت فریضہ جمعہ ادا کرنے کی چھٹی عطا فرمائی ہے اس لئے ہم یہاں یہ نماز ادا کرنے کا یہ انتظام کر رہے ہیں کہ ایک معمولی لکڑی کا جنگلہ لگا کر ایک احاطہ بنا لیا جاوے اور اس میں نماز جمعہ ادا کی جاوے لیکن اس پر بعض معترض ہیں کہ اس جگہ نماز درست نہیں اس لئے مکلف خدمت ہوں کہ اپنی رائے روشن سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں کہ آیا حالت مذکورۃ الصدر میں نماز جمعہ درست ہے یا نہیں ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ شہر جا کر کسی مسجد میں نماز ادا کر سکیں۔ اور آدمی تقریباً سو سے زیادہ ہی نماز کیلئے جمع ہوں گے۔ امید ہے کہ جواب سے بہت جلد سرفراز فرمائیں؟

الجواب: جبل پور جیسے بڑے شہر کا فناء تین میل ہونا ممکن ہے اور کارخانہ چونکہ مصالح بلد سے ہے اس لئے اس مقام کا فناء ہونا واقع بھی ہے لہذا نماز جمعہ صحیح ہے۔ (۱)

۱۸ شعبان ۱۳۳۱ھ (حوادث اواخر ۱۱۳)

(۱) ویشت شرط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصير أو فناءه وهو ما حوله اتصل به أولاً كما حرره ابن الكمال وغيره لأجل مصالحه كدفن الموتى، وركض الخيل. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۷-۵/۳، کراچی ۲/۱۳۷-۱۳۹)

لاتصح الجمعة إلا بستة شروط: المصير أو فناءه والمصير كل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود وقيل مالو اجتمع أهلہ في أكبر مساجده لا يسعهم وفناءه أي المصير ما اتصل به أي بالمصير معداً لمصالحه یعنی لحوائج أهلہ من دفن الموتى، وركض الخيل ورمي السهم ونحو ذلك. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الصلاة،

شہر کے ساحل پر کھڑے ہوئے جہاز کی چھت پر نماز جمعہ کا حکم

سوال (۶۱۴): قدیم ۱/۶۸۳ - میں ایک انگریز کمپنی کی طرف سے ایک چھوٹے آگبٹ کی آمد و رفت کا اسٹیشن ماسٹر اور مختار ہوں اور وہ آگبٹ موافق حکم کمپنی کے ٹھیک آٹھ بجے صبح کو صدر گھاٹ سے روانہ ہوتا ہے شام کے وقت پھر لوٹ آتا ہے اس جلدی کی وجہ سے ہم کو عید گاہ میں ایک جم غفیر کے انتظار کے ساتھ نماز ادا کر کے جہاز چھوڑنے کا وقت نہیں ملتا ہے اس واسطے ہم اپنے نوکروں کے ساتھ جوتیس یا چالیس آدمی تک ہیں نماز عیدین جہاز کی چھت پر جو دھودھا کر بہت پاک و صاف کیا جاتا ہے جس وقت جہاز خشکی کے ساتھ خوب مضبوطی سے بندھا ہوا رہتا ہے ادا کرتے ہیں اور یہ گھاٹ شہر کے بالکل متصل ہے۔ اب اس صورت میں نماز عیدین ادا کرنا درست ہوگی یا نہیں مگر اگر جائز نہ ہو ہم کو یا نوکری چھوڑ دینا پڑے گا یا کہ عیدین کی نماز حلال ہو جائیگی۔ کیونکہ یہ جہاز کی روانگی روزانہ جاری ہے؟

الجواب: فی الدر المختار: (والسفینۃ) المربوطة فی الشط کالشط فی الأصح اه (۱)

← شرط أدائها المصراً أو مصلاه أي فناءه وهو المكان المعد لمصالح المصير متصل به أو منفصل عنه بغلوة كذا قرره محمد في النوادر. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۵۲-۳۵۳)

شرط أدائها المصراً أو مصلاه أي مصلی المصير لأنه من توابعه فكان في حكمه والحكم غير مقصور على المصلی بل يجوز في جميع أافية المصير لأنها بمنزلة المصير في حوائج أهله. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۴۵-۲۴۷، كوئٹہ ۲/۱۴۰)

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ۵۰۶۔

الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، قدیم زکریا ۱/۱۴۵، جدید زکریا ۱/۲۰۵۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض، مطلب في الصلاة في

السفينة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۷۳، کراچی ۲/۱۰۱۔ ←

وفي الدر المختار: أيضاً فنائه وهو ماحوله لأجل مصالحه، وفي رد المحتار: وكما أن المصير أو فوائده شرط جواز الجمعة فهو شرط جواز صلاة العيد. ج ۱ ص ۸۳۷ (۱) ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں نماز عیدین درست ہے۔

۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (حوادث ج ۱ ص ۱۲۳)

← وأجمعوا أن السفينة إذا كانت مربوطة في الشط أنه لا تجوز الصلاة فيها قاعداً، وفي الطحاوي: المربوطة كالشط هو الصحيح. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع والعشرون الصلاة في السفينة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۵۴۰، رقم: ۳۲۴۵) والخلاف في غير المربوطة، والمربوطة كالشط هو الصحيح. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۱۶۲) حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة في السفينة، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ۴۰۹۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۷، کراچی ۱۳۸/۲ - ۱۳۹۔

صلاة العيد واجبة على من تجب عليه الجمعة بشرائطها وقد علمتها فلا بد من شرائط الوجوب جميعها وشرائط الصحة سوى الخطبة الخ. (حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ۵۲۸)

تجب صلاة العيد وشرائطها كشرائط الجمعة وجوباً وأداءً سوى الخطبة، فإنها تجب في الجمعة لا في العيدين. (ملتقى الأبحر مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۵۴)

تجب صلاة العيدين على من تجب عليه الجمعة بشرائطها سوى الخطبة. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبة زكريا ۱/ ۳۶۵) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۷۵،

جماعت کی رعایت پر جمعہ کی رعایت کو مقدم کرنا

سوال (۶۱۵): قدیم ۱/۶۸۳- جب سے دیہات میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے تو نماز جمعہ کیلئے الہ آباد جایا کرتا ہوں لیکن ایک وقت کی جماعت کم از کم ضرور راستہ میں فوت ہو جاتی ہے کیونکہ اکثر دیہات میں نماز کی جماعت کا اہتمام نہیں جس سے قلق بھی ہوتا ہے اس صورت میں کوئی صورت اختیار کرنا بہتر ہوگا؟

الجواب: جزئیہ تو دیکھا نہیں مگر فقہاء نے ایک کلیہ لکھا ہے کہ خلافیات میں مراعات خلاف کی اولیٰ ہے بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آوے (۱)۔ سو چونکہ فرضیت جمعہ قرئی میں مختلف فیہ ہے (۲)۔ تو شہر میں جا کر جمعہ پڑھنے میں اس کی رعایت ہے اور اپنے مذہب کا کوئی مکروہ لازم نہیں آیا اس لئے جمعہ کی رعایت اولیٰ معلوم ہوتی ہے۔

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۳۲)

(۱) لا ینقصہ مس ذکر لکن یغسل یدہ ندباً وامرأة وامرد لکن یندب للخروج من الخلاف لا سیما للإمام؛ لکن بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروہ مذہبہ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الطہارۃ، نواقض الوضوء، مطلب فی ندب مراعاة الخلاف إذا لم یرتکب مکروہ مذہبہ، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۲۷۸-۲۷۹، کراچی ۱/۱۴۷)

ولامس بشرة امرأة ولوبشهوة؛ لکن قال بعضهم: ینبغی للإمام أن يحتاط لقوة الخلاف بین الصحابة فی النقض به وعدمه ولا یخفی أن الخروج من الخلاف مندوب لكل أحد بشرط أن لا یلزم منه ارتکاب مکروہ فی مذہبہ. (النہر الفائق، کتاب الطہارۃ، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۶۰)

(۲) الشرط الأول: اشتراطہ الحنفیۃ وهو أن یکون المكان الذي تقام فیہ مصرًا ویلاحق بالمصر صاحبتہ أو فناءه ولم تشتترط المذاهب الأخریٰ هذا الشرط، فأما الشافعیۃ: فاکتفوا باشتراط إقامتها فی خطة أبنیۃ سواء كانت من بلدة أو قرية قال صاحب المہذب: لا تصح الجمعة إلا فی أبنیۃ یستوطنها من تنعقد بهم الجمعة من بلد أو قرية، ←

اگر سہو اُعیدین میں تکبیرات زائدہ چھوڑ کر رکوع میں چلا جاوے اور پھر لقمہ دینے

سے رکوع کے بعد ان کو ادا کرے اور پھر سجدہ سہو کرے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

سوال (۶۱۶): قدیم ۱/۶۸۴ - اگر نماز عید الضحیٰ میں امام کو سہو ہوا اور رکعت ثانیہ میں بعد قراءت بلا تکبیر کہے رکوع میں چلا گیا اور جماعت میں سے کسی مقتدی نے سبحان اللہ کہہ کر امام کو اس سہو پر آگاہ کیا اور امام متنبہ ہو کر رکوع سے پھر کھڑا ہوا، اور ہر سہ تکبیرات کہی اور پھر رکوع کیا اور سجدہ سہو بھی کیا۔ تو کیا اس صورت میں نماز عید ہوئی یا نہیں اور اگر نماز عید نہیں ہوئی تو قربانی بھی ہوئی یا نہیں ہوئی۔ اس قضیہ میں دو جگہ نماز اور بھی ہوتی ہے مگر اس امام کے مقتدیوں نے اپنی نماز پڑھ کر قربانی بھی کر لی اس وقت تک اور کہیں نماز نہیں ہوئی تھی تو قربانی بھی ہوئی یا نہیں؟

← وأما الحنابلة: فلم يشترطوا ذلك أيضًا، وصححوا إقامتها في الصحاري، وبين مضارب الخيام، قال صاحب المغني: ولا يشترط لصحة الجمعة إقامتها في البنيان ويجوز إقامتها فيما قاربته من الصحراء، وأما المالكية: فإنما شرطوا أن تقام في مكان صالح للاستيطان، فتصح إقامتها في الأبنية أو الأخصاص لصالحها للاستيطان فيها مدة طويلة ولا تصح في الخيم لعدم صلاحيتها لذلك في الغالب. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/۱۹۶)

قال أبو بكر: في "أحكامه" واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لا يجوز فعلها في غيره، لأنهم مجمعون على أن الجمعة لا تجوز في البوادي ومناهل الأعراب، فقال أصحابنا: هي مخصوصة بالأمصار ولا تصح في السواد وهو قول الثوري وعبيد الله بن الحسن، وقال مالك: تصح الجمعة في كل قرية فيها بيوت متصلة وأسواق متصلة، يقدمون رجلاً يخطب ويصلي بهم الجمعة إن لم يكن لهم إمام، وقال الأوزاعي: لا الجمعة إلا في مسجد جماعة مع الإمام، وقال الشافعي: إذا كانت قرية محتمة البناء والمنازل، وكان أهلها لا يظعنون عنها إلا ظعن حاجة وهم أربعون رجلاً حراً بالغاً غير مغلوب على عقله وجبت عليهم الجمعة. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى، دار الكتب العلمية بيروت ۷/۸) شبير احمد قاسمی عفا الله عنه

الجواب: في الدر: المختار: كما لور كع الإمام قبل أن يكبر فإن الإمام يكبر

في الركوع ولا يعود إلى القيام ليكبر في ظاهر الروايات: فلو عاد ينبغي الفساد وفي رد المحتار: قوله: في ظاهر الرواية: تبع فيه المصنف في المنح والذي في البحر والحلية أن ظاهر الرواية: أنه لا يكبر في الركوع ولا يعود إلى القيام زاد في الحلية وعلى ما ذكره الكرخي ومشى عليه في البدائع وهو رواية النوادر يعود إلى القيام ويكبر ويعيد الركوع دون القراءة. اهـ وهذه الرواية أيضاً تخالف ما في المتن نعم صرح بمثله في البحر والحلية والفتح والذخيرة في باب الوتر والنوافل الخ. قوله فلو عاد ينبغي الفساد تبع فيه صاحب النهر: وقد علمت أن العود رواية النوادر على أنه يقال عليه ما قاله ابن الهمام في ترجيح القول بعدم الفساد فيما لو عاد إلى القعود الأول بعد ما استتم قائماً بأن فيه رفض الفرض لأجل الواجب وهو وإن لم يحل فهو بالصحة لا يخل ج ١ ص ٨٤٣ و ٨٤٤ (١) وفي الدر المختار: والسهو في صلوة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتأخرين عدمه في الأوليين لدفع الفتنة كما في جمعة البحر وأقره المصنف وبه جزم في الدر. وفي رد المحتار: قوله: عدمه في الأوليين الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما كذلك كما بحثه بعضهم (ط) وكذا بحثه الرحمتي وقال خصوصاً

(١) الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب العيدين، مكتبه زكريا ديوبند ٥٧/٣،

كراچی ١٧٥/٢

ولو ركع الإمام قبل أن يكبر كبر راکعاً ولا يعود إلى القيام ليكبر في ظاهر الرواية: ولو عاد لا تفسد كما في شرح السيد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبه دار الكتاب ديوبند ٥٣٤)

لو ركع الإمام قبل أن يكبر فإن الإمام لا يكبر في الركوع ولا يعود إلى القيام ليكبر في ظاهر الرواية. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبه زكريا ديوبند

في زماننا وفي جمعة حاشية أبي السعود عن الغرمية أنه ليس المراد عدم جوازه بل الأولى تركه لتلايقع الناس في فتنة ٥١، ج ١ ص ٨٧ (١)

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے:

(۱) رکوع سے لوٹنا نہ چاہئے تھا بلکہ وہ تکبیرات رکوع میں کہہ لینا چاہئے تھا۔

(۲) لیکن لوٹنے سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔

(۳) سجدہ سہو بھی مناسب نہ تھا۔

(۴) لیکن کر لیا تو بھی جائز ہو گیا۔ خلاصہ جواب یہ کہ نماز اور قربانی سب صحیح ہو گئی۔

۱۵/ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۱۹)

خطبہ الوداع کی تحقیق

سوال (*) (۶۱۷): قدیم/۱-۶۸۵ - چہمی فرماید علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں کہ در خطبہ عید و آخر جمعہ ماہ رمضان لفظ الوداع والفرار والسلام خواندن موافق سنت نبوی است یا بدعت سیئہ و ناجائز بر تقدیر عدم جواز بر مجوزین و معتقدین آل کہ بجان و دل در ابقاء این رسم قدیم کوشند حسب شریعت غراء و ملت بیضاء چہ حکم نافذ کرد و منسوب بفسق خواہند شد یا نہ، بنیوا تو جروا؟

(*) ترجمہ سوال: عید الفطر کے خطبہ میں اور رمضان شریف کے آخری جمعہ کے خطبہ میں ”الوداع والفرار والسلام“ پڑھنا سنت کے مطابق ہے یا ناجائز اور بدعت سیئہ ہے؟ عدم جواز کی صورت میں جائز ماننے والوں پر جو دل و جان سے اس قدیم رسم کے باقی رکھنے میں کوشاں ہیں شریعت غراء کا کیا حکم نافذ ہوگا؟ فاسق ہوں گے یا نہ؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مکتبہ زکریا دیوبند

۵۶۰/۲، کراچی ۹۲/۲

السهو في الجمعة والعیدین والمکتوبة والتطوع واحد إلا أن مشايخنا قالوا: لا يسجد للسهو في العیدین، والجمعة لتلايقع الناس في الفتنة كذا في المضمرة نقلاً عن المحيط. هندية، کتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، قدیم زکریا ۱۲۸/۱، جدید زکریا ۱۸۷/۱ ←

الجواب (*): حاصل خطبۃ الوداع اظہار تاسف است برا نقضائے رمضان وایں

چنین تاسف از حضرت نبویہ یا از سلف صالحین در خیر القرون جائے منقول نشدہ؛ البتہ تنویہہ بمجیی رمضان و تنبیہ بر فضل آں در احادیث آمدہ است کہ در آخر جمعہ شعبان در خطبہ فرمودند (۱)

(*) ترجمہ جواب: خطبۃ الوداع کا حاصل ”رمضان کے پورا ہو جانے پر تاسف کا اظہار کرنا“ ہے

اور اس طرح کا تاسف حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صالحین سے خیر القرون میں کسی جگہ منقول نہیں ہوا ہے۔ البتہ رمضان شریف کی آمد کا اہتمام اور اس کے فضائل پر تنبیہ حدیث میں وارد ہوئی ہے کہ شعبان کے آخری جمعہ کے خطبہ میں (تنبیہ) فرمائی گئی؛ لہذا اسے چھوڑ کر خیر رمضان کے لئے خاص خطبہ مقرر کرنا ظاہر ہے کہ مشروع میں تغیر کرنا اور معاملہ کو الٹا کر دینا ہے۔

بلکہ غور کریں تو تاسف کے بجائے ایک گونہ سرور و مسرت، رمضان کے ختم ہونے پر مطلوب معلوم ہوتی ہے؛ چنانچہ حدیث میں صراحت ہے کہ ”للصائم الخ“ روزہ رکھنے والے کو دو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں: ایک افطار کے وقت اور دوسری اللہ سے ملاقات کے وقت، اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر رمضان کے پورا ہو جانے پر تاسف کرنا مشروع ہوتا تو اس تاسف کا کچھ نہ کچھ ضرور رمضان کے اجزاء (ہر دن کے روزے) کے پورا ہونے پر بھی مشروع ہوتا؛ لیکن جب اجزاء رمضان (ہر ہر دن) کے پورا ہونے پر - جو افطار صغیر ہے ہمیشہ خوشی اور سرور مشروع ہوتا لامحالہ مجموعہ کے تمام ہونے پر بھی - جو کہ افطار کبیر ہے - خوشی و مسرت مقصود ہوگی، پس افسوس ظاہر کرنا اس مامور بہ کے ساتھ مزاحم ہوا۔

اسی طرح عید کے آنے پر جس مغفرت کی بشارت اور وعدہ نصوص میں وارد ہوا ہے، وہ بھی ←

← ولا يأتي الإمام بسجود السهو في الجمعة، والعیدین دفعا للفتنة بكثرة الجماعة وبطلان صلاة من يري لزوم المتابعة وفساد الصلاة بتركه. (مراقی الفلاح مع الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه دار الكتاب دیوبند ص: ۴۶۵ - ۴۶۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ (۱) عن سلمان رضي الله عنه قال: خطبنا رسول الله عليه وسلم في آخر يوم من شعبان قال: يا أيها الناس قد أظلكم شهر عظيم مبارك. الحديث (الترغيب والترهيب، كتاب الصوم، الترغيب في صيام رمضان احتساباً، وقيام ليله سيما ليلة القدر وما جاء في فضله، دار الكتب العلمية بيروت ۵۷/۲)

پس اور اگر اڑا شتہ برائے آخر جمعہ رمضان خطبہ خاص مقرر نمودن ظاہر است کہ تغیر مشروع و قلب موضوع است بلکہ اگر نیک نگرند بجائے تاسف گو نہ سرور و فرح بر ختم آں مطلوب می نماید چنانچہ در حدیث منصوص است۔

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ الْإِفْطَارِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ. (۱)

← اسی طرف مشیر ہے کہ اس کے مقدمہ (رمضان شریف کے پورے ہونے) پر تأسف مستحسن نہیں۔

لأن مقدمة الشيء في حكم ذلك الشيء.

(کسی شے کا مقدمہ اسی شے کے حکم میں ہوتا ہے) اور اگر ان دلائل سے قطع نظر کر کے خطبہ الوداع کی اباحت میں دلیل جوزاوند سے زائد اس کی اباحت مطلقہ ماننا ہوگی؛ لیکن جب اس میں منکرات علمیہ اور عملیہ (شامل اور عوام میں اس کے لزوم کا ارتقاء و التزام) مل جائیں گے تو لامحالہ وہ مثل دیگر بدعات کے (کہ بعضے ان میں سے فی نفسہ مباح ہیں؛ لیکن اس طرح کے مفاسد مل جانے کی وجہ سے واجب الانکار ہو گئے ہیں) یہ بھی قبیح و شنیع ہو جائے گا، اور چونکہ بعضے بدعات کی برائی غامض و خفی ہوتی ہے؛ اس لئے مصلحین و منکرین پر لازم ہے کہ اس قسم کی بدعات میں عمل کرنے والوں اور التزام کرنے والوں پر تشدد و سختی نہ کریں؛ کیونکہ یہ عام طور پر اصرار کو بڑھا دیتا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ - [سورة البقرة: ۲۰۶]

کا مضمون واقع ہو جاتا ہے؛ اس لئے نرمی اور مہربانی سے ان لوگوں کو راہ راست پر لانا چاہئے۔ واللہ اعلم
سعید احمد پالن پوری

(۱) عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يقول الله عز وجل، الصوم لي وأنا أجزى به، يدع شهوته وأكله وشربه من أجلي، والصوم جنة، وللصائم فرحتان فرحة حين يفطر وفرحة حين يلقي ربه ولخلاف فم الصائم أطيب عند الله من ريح المسك. (بخاري شريف، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: يريدون أن يدلوا كلام الله، النسخة الهندية، ۱/۱۱۶، رقم: ۷۱۹۲، ف: ۷۴۹۲)

أخرج المسلم عن أبي هريرة، حديثاً طويلاً—فيه— وللصائم فرحتان فرحة عند فطره وفرحة عند لقاء ربه ولخلاف فيه أطيب عند الله من ريح المسك. (مسلم شريف، كتاب الصيام، باب فضل الصيام، النسخة الهندية ۱/۳۶۳، بيت الأفكار رقم: ۱۱۵۱)

ترمذی شریف، کتاب الصوم، باب ما جاء في فضل الصوم، النسخة الهندية

و ظاہر است کہ اگر تا سَف وقت انقضاء رمضان شروع بود حصہ از ازل تا سَف وقت انقضاء اجزائش کہ صوم ہر روزہ است نیز شروع بودے ہر گاہ وقت انقضائے اجزائش کہ افطار صغیر است فرح و سرور محدود شد لامحالہ وقت انقضائے مجموعہ کہ افطار کبیر است نیز فرح و سرور مقصود شد پس اظہار تا سَف مزاحمت است بدیں مامور بہ۔ و نیز وعدہ و بشاورت مغفرت کہ متعلق بقدم عید در نصوص وارد شدہ مشعر است بعدم استحسان تا سَف بمقدمہ اش کہ انقضائے رمضان است۔ (۱) لأن مقدمة الشئى في حكم ذلك الشئى۔

و اگر ازیں دلائل قطع کردہ قائل باباحت او شوند غایت مافی الباب اباحت مطلق آں مسلم خواهد شد مگر ہر گاہ در اں منکرات علمیہ و عملیہ از التزام و اعتقاد لزوم آں در عامل و عوام منضم شدہ لامحالہ مثل دیگر بدعات کہ بعضی از اں فی نفسہ مباح باشند لیکن بانضمام این چنین مفسد و واجب الایکرامی شود ایں ہم فتنہ و شنیع خواهد بود (۲) و چون فتنہ بعضی بدعات غامض می باشد مصلحین و منکرین را لازم است کہ در ہچو ایں بدعات بر عامل و ملتزم عنف و تشدد نہ کنند کہ اکثر منجر بزیادت اصرار و وقوع مضمون إذا قیل له اتق الله أخذته العزة بالإثم می شود بلکہ برفق و لطف ایشان را برہ آرند۔ واللہ الموفق واللہ اعلم

۲۸ / رمضان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث ص ۱۵۲)

(۱) عن سعيد بن أوس الأنصاري عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا كان يوم الفطر وقفت الملائكة على أبواب الطرق فنادوا أَعَدُوا يا معشر المسلمين إلي رب كريم يمن بالخير ثم يثيب عليه الجزيل، لقد أمرتم بقيام الليل فقمتم وأمرتم بصيام النهار فصمتم وأطعتم ربكم فاقبضوا جوائزكم، فإذا صلوا نادي منادٍ ألا إن ربكم قد غفر لكم فارجعوا راشدين إلى رحالكم فهو يوم الجائزة، ويسمي ذلك اليوم في السماء يوم الجائزة.

(المعجم للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۲/ ۲۲۶، رقم: ۶۱۷)

الترغيب والترهيب، كتاب العيدين والأضحية، الترغيب في التكبير في العيد وذكر فضله،

دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۹۸

(۲) من أصرّ على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصرّ على بدعة أو منكر. (مراقبة المفاتيح، كتاب الصلاة،

باب الدعاء في التشهد، مكتبة امدادية ملتان ۲/ ۳۵۳) ←

دیہات میں ترک جمعہ کی وجہ سے فتنہ کا خطرہ ہو تو احتیاط کا راستہ اختیار کرنا

سوال (۶۱۸): قدیم ۱/۶۸۷۔ یہاں مبتدعین کا از حد زور ہے چنانچہ شدت بدعت کی یہ حالت ہے کہ ہر کام میں ایک نئی ہی صورت پیدا کر رکھی ہے میرے رفع سبابہ سے بھی بہت کچھ ناک بھوں چڑھاتے ہیں چونکہ یہ ایک گاؤں ہے اس لئے یہاں جمعہ جائز نہیں اور یہ لوگ پڑھتے ہیں میں نہیں پڑھتا اس لئے انہوں نے مجھے غیر مقلد قرار دیا ہے ممکن ہے کہ کچھ عرصہ بعد یہ منافرت اور مخالفت نازک صورت اختیار کر لے دے عافرمادیں کہ خداوند کریم اس فرقہ کے مکائد سے مامون رکھیں۔ نیز مجھے جمعہ پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

← الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع. (سعاية، مكتبه اشرفية ديوبند ۲/۲۶۵)

وما يفعل عقيب الصلاة فمكروه لأن الجاهل يعتقد ونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدي إليه فمكروه. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، قبیل باب صلاة المسافر، مكتبه زکریا دیوبند ۲/۵۹۸، کراچی ۲/۱۲۰)

الوداع یا الفراق در خطبہ جمعہ آخر رمضان خواندن و کلمات حسرت و رخصت ادا کردن فی نفسہ امر مباح است بلکہ ای کلمات باعث ندامت و توبہ سامعان شود، امید ثواب است، مگر ثبوت ای طریق در قرون ثلاثہ نیست..... و شاید کسی کہ ایجاد ای طریق کردہ خطبہ آخر رمضان را بر خطبہ استقبال قیاس کردہ، لیکن اہتمام خطبہ وداع کردن چنانچہ دریں زمانہ مروج است و آں را تا بحال التزام رسانیدن خالی از ابتداء نیست، علماء معتمدین را لازم است کہ التزام این طریق را ترک کنند تا عوام از اعتقاد و استحباب و سنیت بلکہ اضروی بودن ای طریق خاص نجات یابند۔ (مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الکراہیۃ ۴/۳۲۹)

ومن الأمور المحمّلة ما ذاع في أكثر بلاد الهند والدكن وغيرهما من تسمية خطبة الجمعة الأخيرة بخطبة الوداع وتضمنينها جملاً دالاً على التحسر بذهاب ذلك الشهر فيدرون فيها جملاً دالاً على فضائل ذلك الشهر ويقولون بعد جملة أو جملتين: "الوداع والوداع"، أو الفراق والفراق لشهر رمضان أو الوداع والوداع ياشهر رمضان ونحو ذلك من الألفاظ الدالة على ذلك. (مجموعۃ رسائل اللکھنوی ردع الإخوان عن محدثات آخر

الجواب: اگر قنٹنا قابل تحمل کا احتمال قوی ہو مقتدی بن کر جمعہ پڑھ لیجئے پھر منفرداً ظہر

پڑھ لیجئے۔ (۱) (تمتہ خامسہ ص ۴۶)

(۱) کل موضع وقع الشک فی کونه مصرّاً ینبغي لهم أن یصلوا بعد الجمعة أربعاً بنیة الظهر احتیاطاً حتی أنه لو لم تقع الجمعة موقعها یخرجون عن عهدة فرض الوقت بأداء الظهر - إلى قوله - نعم! إن أدى إلى مفسدة لا تفعل جهاراً والكلام عند عدمها ولذا قال المقدسی: نحن لأنامر بذلك أمثال هذه العوام بل ندل علیه الخواص ولو بالنسبة إلیهم. (شامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب فی نية آخر ظهر بعد صلاة الجمعة، مكتبه زکریا ۱۷/۳، کراچی ۱۴۶/۲)

ولیس الاحتیاط فی فعلها لأن الاحتیاط هو العمل بأقوی الدلیلین، وأقواهما إطلاق جواز تعدد الجمعة، وبفعل الأربع مفسدة اعتقاد الجهلة عدم فرض الجمعة أو تعدد المفروض فی وقتها ولا یفتی بالأربع إلا للخواص، وفعلهم إياها فی منازلهم. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه دارالکتاب دیوبند ص: ۵۰۶)

مع ما لزم من فعلها فی زماننا من المفسدة العظيمة وهو اعتقاد الجهلة أن الجمعة لیست بفرض لما یشهدون من صلاة الظهر فیظنون أنها الفرض وأن الجمعة لیست بفرض فیتکاسلون عن أداء الجمعة فكان الاحتیاط فی ترکها وعلى تقدير فعلها ممن لا یخاف علیه مفسدة منها فالأولی أن تكون فی بیتہ خفیة خوفاً من مفسدة فعلها. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زکریا دیوبند ۲۵۱/۲ - ۲۵۲، کوئٹہ ۱۴۳/۲)

والاحتیاط فی القرئ أن یصلی السنة أربعاً ثم الجمعة، ثم ینوی أربعاً سنة الجمعة، ثم یصلی الظهر، ثم رکعتین سنة الوقت، فهذا هو الصحیح المختار، فلو کان أداء الجمعة صحیحاً فقد أداها وسنتها، وإن لم تكن الجمعة صحیحة فقد صلی الظهر، فالأربع سنة والأربع فریضة والركعتان بعد هذا سنة. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون شرائط الجمعة، مكتبه زکریا دیوبند ۵۵۵/۲، رقم: ۳۲۷۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حنفی لوگوں کا شافعی مسلک کے مطابق دیہات میں جمعہ قائم کرنا

سوال (*) (۶۱۹): قدیم ۱/۶۸۸ - چرمی فرماید علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ بعض دیار بہ ہر قریہ نماز جمعہ می گزارند خواه در و شمار مردماں و مکانان کثیر باشند یا نہ و گروہے از علمائے احناف می گویند کہ گرچہ بمذہب مادر قرئی جمعہ روانیست مگر مایاں دریں مسئلہ بر مسلک ائمہ دیگر ایں عمل می نمایم قول اوشاں چه چگونہ است و اگر کسے از احناف در قرئی صلوة جمعہ ادا کند پس از ذمہ اش نماز ظہر اوسا قضا خواهد شد یا نہ جوابے صافی مدلل تحریر فرماید؟

الجواب ():** عدم صحت جمعہ در قرئی عند الاحناف ظاہر است (۱) و آنانکہ بر مذہب شافعیہ می گزارند

(*) ترجمہ سوال: بعض علاقوں میں ہر گاؤں میں نماز جمعہ پڑھتے ہیں خواہ وہاں لوگوں کی اور مکانات کی کثرت ہو یا نہ ہو، علماء احناف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اگرچہ ہمارے مذہب میں گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے؛ لیکن ہم اس مسئلہ میں دیگر ائمہ کے مسلک پر عمل کرتے ہیں، ان حضرات کا یہ کہنا کیسا ہے؟ اور اگر کوئی حنفی گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھے تو اس کے ذمہ سے ظہر کی نماز ساقط ہوگی یا نہیں؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

() ترجمہ جواب:** دیہاتوں میں احناف کے نزدیک جمعہ کا صحیح نہ ہونا ظاہر و باہر ہے اور جو لوگ مذہب شافعی کے پیش نظر پڑھتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ لوگ نماز کے وہ تمام فرائض جو امام شافعی کے نزدیک ثابت ہیں بجا نہیں لاتے جیسے قرأت خلف امام اور نماز جمعہ کی صحت کے لئے نمازیوں کی جو تعداد ان کے یہاں معتبر ہے، اس کی رعایت بھی نہیں کرتے، تو ان کا جمعہ نہ احناف کے نزدیک درست ہوتا ہے؛ اس لئے کہ احناف گاؤں میں جمعہ کے قائل ہی نہیں ہیں اور نہ شافعیہ کے نزدیک درست ہوتا ہے؛ کیونکہ ان کے یہاں جو صحت کے شرائط ہیں وہ نہیں پائے جاتے اور اس کا نام تلفیق ہے جسے فقہاء باطل کہتے ہیں فافہم۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) عن علي قال: لا جمعة، ولا تشریق، ولا صلاة فطر، ولا أضحى، إلا في مصر جامع، أو في مدينة عظيمة. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب من قال لا جمعة، ولا تشریق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ۴/ ۶۷، رقم: ۵۰۹۹)

عن علي قال: لا جمعة، ولا تشریق، إلا في مصر جامع. (مصنف عبد الرزاق،

ونظاہر است کہ ایشان سائر فرائض صلوٰۃ کہ نزد شافعیہ ثابت اند بعل نمی آرند مثل قراءۃ خلف الإمام او ہم چنین رعایت عدم مصلین کہ عند الشافعیہ معتبرست بجائی آرند پس جمعہ ایناں نہ عند الحنفیہ درست شد لعدم قول الحنفیہ بالجمعة فی القرئ و نہ عند الشافعیہ درست باشد لعدم شرائط صحۃ الصلوٰۃ و ایں را تلفیق می گویند کہ فقہاء آں را باطل گفتہ فافہم۔ (۱)

۹ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تمہ رابعہ ص ۱۶)

حاکم کے حکم سے دیہات میں جمعہ کا جواز

سوال (۲۲۰): قدیم ۶۸۹/۱ - امداد الفتاویٰ جلد اول ص: ۶۵ / سطر: ۱۶ میں جو مسئلہ دربارہ جواز جمعہ فی القرئ یا مرسطان مذکور ہے اس میں مجھ کو اشکال ہوا ہے۔

← ویشت شرط لصحتها سبعة أشياء. الأول: المصرو. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا ۵/۳، کراچی ۱۳۷/۲)

شرط أدائها المصرو، فلا تصح في قرية ولا مفازة لما رواه ابن أبي شيبة موقوفاً عن علي . (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۵۲/۱)

مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/۲۴۴۔

(۱) وأن الحكم الملق باطل بالإجماع، وأن الرجوع عن التقليد بعد العمل باطل اتساقاً وهو المختار في المذهب (در مختار) وفي الشامية: مثاله: متوضئ سال من بدنه دم ولمس امرأته ثم صلى، فإن صحة هذه الصلاة ملفقة من مذهب الشافعي، والحنفي والتلفيق باطل فصحته منتفية. (الدر المختار مع الشامی، مقدمة، مطلب في حكم التقليد والرجوع عنه، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۱۷۷، کراچی ۷۵/۱)

والحاصل أن جميع هذه الوجوه التي استدل بها هذا القائل بالتلفيق الخارج للإجماع المعبر بذلك فاسدة لا اعتداد بها، ولا يجوز اعتبار ذلك منه لمخالفة الصريح في منع التلفيق. (خلاصة التحقيق ص: ۱۶)

و کذا صلاة من أخذ بقول الشافعي في الاحتجام وبقول أبي حنيفة في عدم ركنية الفاتحة للصلاة، فاكتمى بآية من القرآن ولم يقرأ الفاتحة فإنها باطلة اجماعاً. (مقدمة إعلاء السنن ۱۹۷/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عبارت امداد الفتاویٰ یہ ہے۔ (*) در ملک افغانستان ایں قاعدہ است کہ بفرمائش امیر صاحب خلد اللہ تعالیٰ ملکہ تخریک بعض عالم در قرئی جمعہ قائم می کنند و برائے چار پنچ قریہ یک خطیب از طرف بادشاہ مقرر باشد فقط اذن بادشاہ را از اشتراط مصرعنی می پندارند۔ دریں علاقہ اگر کد ام یکجا بجمعہ حاضر نشود خطیب صاحب انکار می کند گاہے نوبت بشکایت نزد حاکم ملک می رسد در صورت مذکورہ دور کعت جمعہ از ظہر خلف میشود یا نہ۔ در تاخیر اذال بعد روحیلہ آثم خواهد شد یا نہ؟

الجواب: قال الشامي: قال أبو القاسم: هذا بلا خلاف إذا أذن الوالي أو القاضي (إلى قوله) ولو صلوا في القرى لزمهم أداء الظهر وهذا إذا لم يتصل به حكم فإن في فتاوى الدينارى: إذا بنى مسجد في الرستاق بأمر الإمام فهو أمر بالجمعة اتفاقاً. (۱) پس در صورت مسئلہ جمعہ صحیح است لکن وقت تبدیل حکومت اذن امیر سابق غیر کافی ست اذن امیر جدید شرط است۔

قال الشامي: لا يبقى إلى اليوم إلا بعد موت السلطان الإذن بذلك إلا إذا أذن به أيضاً سلطان زماننا نصره الله. (۲) ص ۸۳۰، واللہ اعلم،

اشکال اس میں مجھ کو یہ ہے کہ جب از روئے فقہ بڑے شہروں میں بھی اذن بادشاہ جمعہ کیلئے شرط ہے تو اگر وہاں بادشاہ کسی عناد وغیرہ کے سبب اذن جمعہ کا نہ دیوے یا بادشاہ غیر مسلم ہو تو مسلمین آپس میں اتفاق کر کے ایک کو امام بنا کر جمعہ ادا کر لیں۔ پس صورت مذکورہ امداد الفتاویٰ سے لازم آتا ہے کہ فقط بادشاہ کا امر برائے جمعہ ضروری ہے شہر ہو یا نہ ہو۔ لہذا جب شہر میں بغیر اذن بادشاہ کے بھی اتفاق سے جمعہ ہو جاتا ہے تو گاؤں میں بھی بغیر اذن بادشاہ کے (کیونکہ اس وقت خصوص مسلم بادشاہ نہیں ہے) اگر قوم اتفاق کر کے جمعہ پڑھ لیں تو اس میں جواز کی گنجائش ہے یا نہیں؟

(*) یہ سوال وجواب نمبر ۵۴۸ پر درج ہو چکے ہیں اور وہیں ان کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) شامی مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۶/۳-۷، کراچی ۱۳۸/۲

(۲) شامی مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۱۲/۳، کراچی ۱۴۲/۲

کیونکہ فقہ میں اتفاق قوم کو اذن بادشاہ کے قائم مقام کیا گیا تو جیسا اذن بادشاہ سے صورت مذکورہ میں گاؤں میں جمعہ ہوتا ہے ایسا ہی اب اس زمانہ میں اتفاق قوم سے گاؤں میں جمعہ ہونا چاہئے بس یہی اشکال ہے جواب تحریر فرما کر اشکال دفع فرمادیں۔ فقط

الجواب عن الاشکال: اقامۃ جمعہ فی القری باذن السلطان کا مبنی یہ مسئلہ ہے کہ فصل مجتہد فیہ یعنی مسائل مختلف فیہا کے ساتھ جب امر سلطان یا قضائے قاضی ملاتی ہوتا ہے تو پھر مامور کو اس مسئلہ میں اپنے مجتہد کی تقلید ترک کر دینا واجب ہوتی ہے۔ (۱) اور ظاہر ہے کہ اس امر میں جماعت مسلمین قائم مقام سلطان کے نہیں چنانچہ اگر جماعت مسلمین کسی مسئلہ میں ترک تقلید کا امر کریں وہاں ترک تقلید جائز نہیں اور نیا بتہ جماعت کی مناب سلطان کے صرف امور انتظامیہ میں ہے سو چونکہ جمعہ کیلئے وجود سلطان کا مقصوداً شرط نہیں صرف رفع نزاع فی التہدیم والتقدم ہے۔

(۱) نعم أمر الأمير متسیٰ صادف فصلاً مجتهداً فيه نفذ أمره كما في سير التاتار خانية (در مختار) وفي الشامية: إن كان المراد بالأمر الطلب بلا قضاء فظاهر، وعليه فالمراد بالنفاذ وجوب الامتثال، وهذا الذي رأيت في سير التاتار خانية، ونصه قال محمد: وإذا أمر الأمير العسكر بشيء كان على العسكر أن يطيعوه في ذلك إلا أن يكون المأمور به معصية ييقن. (الدر المختار مع الشامي، مقدمة، قبيل مطلب في طبقات الفقهاء، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۱۷۹، كراچی ۱/۷۶)

إذن الحاکم ببناء الجامع في الرستاق إذن بالجمعة اتفاقاً على ما قاله السرخسي: وإذا اتصل به الجماعة، لأن هذا مجتهد فيه فإذا اتصل به الحكم صار مجتمعاً عليه، قال أبو القاسم: هذا بخلاف إذا أذن الوالي أو القاضي ببناء المسجد الجامع وأداء الجمع لأن هذا مجتهد فيه فإذا اتصل به الحكم صار مجتمعاً عليه وهذا إذا لم يتصل به حكم، فإن في فتاوى الديناري: إذا بنى مسجد في الرستاق بأمر الإمام فهو أمر بالجمعة اتفاقاً، على ما قال السرخسي: فافهم..... وقوله: (وإذا اتصل به لحكم الخ) قد علمت أن عبارة القهستاني صريحة في أن مجرد الأمر رافع للخلاف بناء على أن مجرد أمره حكم. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۶-۷، كراچی ۲/۱۳۸)

کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ حاکم کے فیصلہ کے بعد مخالفت کرنے والے کو ابھی اس کو ماننا لازم ہو جاتا ہے۔ ←

← کشف الاسرار کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وإذا قضی القاضي برأي نفسه في حادثة اختلف فيه الفقهاء نفذ على الكل وثبت صحته في حق من يخالفه۔ (کشف الأسرار ۴/ ۲۶)

اس کو الموسوعہ الفقہیہ میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

إن قضاء القاضي في المجتهدات بما غلب على ظنه وأدى إليه اجتهاده ينفذ ظاهراً وباطناً ويرفع الخلاف فيصير المقضى به هو حكم الله تعالى باطناً وظاهراً. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۳/ ۳۳)

اور تاتارخانیہ میں اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ اس حکم شرعی کو واضح کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے:

وفي الولوالجية: القاضي إذا قضى بقول مرجوع عنه جاز قضاءه، وكذا لو قضى بقول يخالف قول علمائنا إذا كان القاضي من أهل الرأي والاجتهاد، وفي النوازل: قال الفقيه أبو الليث: وقد قال في رواية محمد بن الحسن أن كل شيء قد اختلف الفقهاء فيه فقضى القاضي بذلك جاز قضائه، ولم يكن لقاض آخر أن يطله ولم يذكره فيه الاختلاف وبه نأخذ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أدب القاضي، الفصل التاسع عشرة، القضاء في المجتهدات ۱۱/ ۱۳۲، رقم: ۱۵۶۷۷)

اس حکم کو الفقہ الحنفی وأدلته میں اس طرح کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

إذا قضی القاضي بقضية يسوغ فيها الاجتهاد لم يجز لأحد من القضاة نقض قضاء لأن الاجتهاد الثاني مثله، والأول: ترجح بالسيق لاتصال القضاء بخ. (الفقه الحنفی وأدلته، كتاب أدب القاضي، هل ينقض قضاء القاضي، وحیدی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۹)

اور مکملہ فتح الملہم میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

فكما أن النزاع يرتفع بالتعامل السابق، فإنه يرتفع أيضاً بتقنين من قبل الحكومة - إلی قوله - ثم إن حكم الحاكم رافع للخلاف في الأمر المجتهد فيها (مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/ ۶۳۶)

تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: فتاویٰ قاسمیہ ۱۲/ ۶ تا ۹ تا ۳۷۔

چنانچہ ہدایہ میں مصرح ہے (۱)۔ اور یہ امر انتظامی ہے اس میں جماعت قائم مقام امام کے ہو جاوے گی پس ایک امر کا قیاس دوسرے پر مع الفارق ہے۔

۳۰ رمضان ۱۳۳۶ھ (تمہ خامسہ ص ۶۲)

حنفی حاکم کے حکم سے دیہات میں جمعہ کا قیام

سوال (۶۲۱): قدیم ۱/۶۹۱۔ جب سلطان اور والی مقلد امام ابو حنیفہ ہوں تو ان کو اپنے امام کے مذہب کے خلاف کسی بنی پر اذن اقامت جمعہ فی القرئ کی گنجائش ہوگی۔

كما في الدر المختار: وأما المقلد فلا ينفذ قضائه بخلاف مذهبه أصلاً كما في القنية قلت ولا سيما في زماننا. (۲)

اور اگر خلاف مذہب امام کے یا شائع مذہب وغیرہ ہونے کی وجہ سے اذن اقامت جمعہ فی القرئ دیں تو مقلد حنفیہ کیلئے بھی یہی اذن صحت جمعہ فی القرئ کافی ہوگا یا نہ؟

(۱) ولا يجوز إقامتها إلا للسلطان أو لمن أمره السلطان؛ لأنها تقام بجمع عظيم وقد تقع المنازعة في التقديم والتقديم، وقد تقع في غيره فلا بد منه تسميماً لأمرها. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۶۸)

و (من شرائط أدائها) السلطان أو نائبه لأنها تقام بجمع عظيم، فيقع الاختلاف في التقديم والتقديم ويرفع ذلك بحضور من ذكر. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۵۵)

قوله: (والسلطان أو نائبه معطوف على المصر، وإنما كان شرطاً لصحة لأنها تقام بجمع عظيم، وقد تقع المنازعة في التقديم والتقديم، وقد تقع في غيره فلا بد منه تسميماً لأمره. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۵۲، كوئٹہ ۲/۴۳۱) تبیین الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۵۲۸،

امدادية ملتان ۱/۲۱۹۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) الدر المختار مع الشامی، مقدمة، مطلب في حكم التقليد والرجوع عنه، مكتبة

زكريا ديوبند ۱/۱۷۹۸۱، کراچی ۱/۷۵-۷۶۔

الجواب (*): یہ الگ بات ہے کہ خود سلطان وغیرہ کیلئے یہ فعل کس حالت میں کیسا ہے اس حکم کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ اگر سلطان ایسا کرے تو اس کا اثر کیا ہوگا سوا اثر اس کا صحت جمعہ ہے (۱) اور اس اثر کو قبول کرنا خود اتباع ہے مذہب حنفیہ کا گو وہ فعل سلطان کا مذہب کے موافق کسی خاص حالت میں نہ ہو اور درمختار کی عبارت اس کے معارض نہیں کیونکہ مراد اس سے وہ مقلد ہے جس کو سلطان نے تولیت کے وقت قضا بخلاف مذہبہ سے منع کر دیا صراحۃً یا دلالتاً ورنہ اگر سلطان اس کا اذن دیدے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور سلطان پر چونکہ کوئی والی نہیں ہوتا اس کا اذن مطلقاً نافذ ہے۔

۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۷۲)

دوسرے امام مجتہد کے قول پر دیہات میں قیام جمعہ

سوال (۶۲۲): قدیم ۱/۶۹۱ - وہ کون سے قری ہیں جن میں اذن سے صحت جمعہ ہوتی ہے علی العموم خواہ دس بارہ گھر ہی ہوں یا ان کی کوئی تخصیص ہے؟

الجواب: صرف ایک تخصیص ہے یعنی وہ قریہ ایسا ہو جہاں کسی نہ کسی مجتہد کے نزدیک جمعہ صحیح ہوتا ہو اور یہ امر مذہب اربعہ کی کتب دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ مبنی اس فرع کا یہ اصل ہے کہ:

الحکم إذا لا قی فصلاً مجتہداً فیہ نفذ. (۲)

۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۷۳)

(*) اس سلسلہ میں سوال نمبر ۵۴۸ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲۔ سعید احمد پالن پوری

(۱) وفي القهستاني: إذن الحاكم ببناء الجامع في الرستاق إذن بالجمعة اتفاقاً على ما قاله السرخسي: وإذا اتصل به الحكم صار مجمعاً عليه فليحفظ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوند ۶/۳ - ۷، کراچی ۱۳۸/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) نعم أمر الأمير متى صادف فصلاً مجتهداً فيه نفذ أمره كما في سير التاتارخانية وفي شرح السير الكبير فليحفظ (درمختار) وفي الشامية: إن كان المراد بالأمر الطلب بلا قضاء فظاهر، وعليه فالمراد بالنفاد وجوب الامتثال، وهذا الذي رأيته في سير التاتارخانية، في الفصل العاشر فيما يجب فيه طاعة الأمير وما لا يجب ونصه، قال محمد: وإذا أمر الأمير العسكر بشيء كان على العسكر ←

مصر کی تعریف میں اختلافات سے متعلق سوال و جواب

سوال (۶۲۳): قدیم ۶۹۲/۱ - ایک چھوٹا گاؤں ہے جس کو ہر شخص گاؤں کہتا ہے کوئی بھی شہر یا قصبہ نہیں کہتا ہے اس میں تین مسجدیں ہیں اور اگر وہاں کے رہنے والے وہاں کی بڑی مسجد میں نہ سما سکیں تو وہاں جمعہ قائم کرنا بحسب روایت ذیل کے صحیح ہوگا یا نہیں؟ درمختار میں ہے:

المصر وهو مالایسع أكبر مساجد أهله الخ (۱)

یا علاوہ اس تعریف کے کوئی اور قید بھی ہے تو بیان فرمادیں تہہ سوال قول قول البدیع ص: ۳/۱ اس میں ہے کہ یہ اختلاف عنوان ہے نہ مضمون اور علامہ شامیؒ نے تحت قول درمختار یہ لکھا ہے:

(قوله مالایسع الخ) هذا یصدق علی كثير من قری. (۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری تعریفیں ان اکثر قریٰ پر صادق نہیں آتیں تو اگر مابین اس تعریف اور دوسرے تعریفوں کے تباہ نہیں ہے تو عموم و خصوص ضرور ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ اختلاف معنوں میں بھی ہے نہ فقط عنوان، اس کا تصفیہ فرمادیں؟

← أن يطبعوه في ذلك إلا أن يكون المأمور به معصية بيقين. (الدر المختار مع الشامي،

مقدمة، قبيل مطلب في طبقات الفقهاء، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۱۷۹، كراچی ۱/۷۶)

وفي القهستاني: إذن الحاكم ببناء الجامع في الرستاق إذن بالجمعة اتفاقاً علی ما قاله السرخسي: وإذا اتصل به الحكم صار مجمعاً عليه (در مختار) وفي الشامية: قال أبو القاسم: هذا بلا خلاف إذا أذن الوالي أو القاضي ببناء المسجد الجامع وأداء الجمعة لأن هذا تجتهد فيه فإذا اتصل به الحكم صار مجمعاً عليه. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۶-۷، كراچی ۲/۱۳۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند

۳/۵، كراچی ۲/۱۳۷

(۲) شامي مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۵،

كراچی ۲/۱۳۷ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: ان تعریفات میں احتمال دونوں ہیں اختلاف عنوان و اختلاف معنوں تو شامیؒ

یا طحاویؒ کا اختلاف معنوں سمجھنا دوسروں پر حجت نہیں کیونکہ یہ ایک توجیہ ہے فتویٰ اور حکم نہیں ہے پس وہ تطبیق کے قائل نہ ہونگے ہم تطبیق کے قائل ہیں۔ رہا یہ کہ عدم قول بالتطبیق کے بعد ان کا فتویٰ کیا ہے یہ الگ بات ہے اور بعد السلیا والتسی خلاصہ یہ ہے کہ احقر کی توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ مصر کی تعریف فقہائے حنفیہ میں مختلف نہیں ہے سو اگر کسی مصنف و محشی کے نزدیک مختلف فیہ ہو تو ہم کو کیا مضر ہوا ہم اس مختلف فیہ میں بدلیل ایک کو ترجیح دیں گے۔

۱۳/زیقعدہ ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۷۲)

ایک سوال مع جواب آیا تھا اور یہاں اس پر تصحیح کی گئی تھی

بوجہ مفید ہونے کے سب نقل کیا جاتا ہے

سوال (۶۲۴): قدیم ۱/۶۹۲ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جن مقاموں پر اسلامی آبادی کو اتنی وسعت ہو کہ وہاں کی بڑی مسجد میں سب مسلمان سمانہ سکیں (عام اس سے کہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد دوسرے مقاموں کی چھوٹی سے چھوٹی مسجد ہو اور اس مقام پر لفظ گاؤں ہی کیوں نہ اطلاق کیا جاتا ہے) ایسے مقام کو بقول أصح المصنوع ما لا یسع أكبر مساجد اہلہ کے مصر شرعی کہا جاوے گا اور جمعہ وہاں درست ہوگا یا نہیں؟ فناء مصر کی تعریف اور اس کی مسافت کیا ہے اور مصر اور فناء مصر کے خارج باشندوں پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبروا؟

الجواب من مخلص الرحمن موضع حافظ پور ڈاکخانہ منہروی ضلع ڈھاکہ

حامداً و مصلیاً، مصر کی تعریف میں جو اقوال مذکور ہیں ان میں سے کوئی حد مصر نہیں جو اس شان کی ہو کہ: کل ما صدق علیہ الحد صدق علیہ المحدود و بالعکس أي کل ما صدق علیہ المحدود صدق علیہ الحد.

بلکہ وہ سب تعریفیں رسوم ہیں کیونکہ حد کا تعدد محال ہے اور رسوم کا جائز۔ مصر کی تفسیر میں جو فقہاء نے

مختلف تعریفیں بیان فرمائی ہیں (۱) اس میں بغور ملاحظہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اختلافات اختلاف عنوان ہے نہ اختلاف معنوں یعنی الفاظ کا بیان جدا جدا ہے اور مصداق سب کا ایک ہے سب لوگوں نے اپنے اپنے زمانہ کے اعتبار سے جو علامات کہ مصری پائی جاتی تھیں بیان کردی ہیں زمانہ اول میں امصار میں اکثر اوقات حدود اور قصاص ہوتا تھا اور فیصل خصوصیات کیلئے قاضی ہوتا تھا دیہات میں یہ امور نہ تھے جیسے آجکل کچہری فوجداری منصفی وغیرہ دیہاتوں میں نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے اگلے لوگوں نے یہی علامات بیان کیں، پھر جب زمانہ میں تغیر ہوا تو وہ علامات زائل ہو گئیں اور مختلف تعریفیں لوگوں نے کیں بلکہ ایک نہ ایک شخص سے کئی کئی تعریفیں فقہ کی کتابوں میں مروی ہیں

(۱) وأما المصمر الجامع فقد اختلفت الأقاويل في تحديده. ذكر الكرخي: أن المصمر الجامع ما أقيمت فيه الحدود ونفذت فيه الأحكام. وعن أبي يوسف روايات: ذكر في الإملاء، كل مصر فيه منبر وقاضٍ ينفذ الأحكام ويقيم الحدود فهو مصر جامع تجب على أهلها الجمعة، وفي رواية قال: إذا اجتمع في قرية من لا يسعهم مسجد واحد بني لهم الإمام جامعاً ونصب لهم من يصلي بهم الجمعة، وفي رواية: لو كان في القرية عشرة آلاف أو أكثر أمرتهم بإقامة الجمعة فيها، وقال بعض أصحابنا المصمر الجامع ما يتعیش فيه كل محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يحتاج إلى الانتقال أي حرفة أخرى، وعن أبي عبد الله البلخي أنه قال: أحسن ما قيل فيه إذا كانوا بحال لو اجتمعوا في أكبر مساجد هم لم يسعهم ذلك حتى احتاجوا إلى بناء مسجد الجمعة، فهذا مصر تقام فيه الجمعة، وقال سفيان الثوري: المصمر الجامع ما يعده الناس مصرًا عند ذكر الأمصار المطلقة، وسئل أبو قاسم الصفار، عن حد المصمر الذي تجوز فيه الجمعة فقال: أن تكون لهم منعة لوجاءهم عدو قدروا على دفعه، فحينئذٍ جاز أن يمصر، وتمصره أن ينصب فيه حاكم عدل يجري فيه حكمًا من الأحكام وهو أن يتقدم إليه خصمان فيحكم بينهما، وروي عن أبي حنيفة: أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحكمه وعلمه أو علم غيره، والناس يرجعون إليه في الحوادث، وهو الأصح.

اور یہ تعریف: المصمر ما لا یسع أكبر مساجده أهله. (۱) بھی اسی بناء پر صحیح ہے؛ جبکہ اس کو رسم ناقص اور علامت کہا جاوے اور اگر حد کہا جاوے تو اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ مکہ اور مدینہ مصر نہ رہے اور ان دونوں جگہ میں جمعہ درست نہ ہو کیونکہ موسم حج میں تمام دنیا کے حجاج جمع ہوتے ہیں پھر بھی مسجد خالی رہتی ہے تو لا یسع کہاں ہوا بلکہ یسع صادق آگیا اور جو تعریف مکہ مدینہ پر صادق نہ آوے وہ صحیح نہیں جیسا کہ کبیری میں ہے۔

اختلفوا في تفسير المصمر اختلافاً كثيراً والفصل في ذلك أن مكة والمدينة مصر أن تقام بهما الجمعة من زمانه عليه الصلوة والسلام إلى اليوم فكل موضع كان مثل أحدهما فهو مصر وكل تفسير لا يصدق على أحدهما فهو غير معتبر حتى التعريف الذي اختاره جماعة من المتأخرين كصاحب المختار: والوقاية: وغيرهما وهو ما لو اجتمع أهله في أكبر مساجده لا يسعهم فإنه منقوض بهما إذ مسجد كل منهما يسع أهله وزيادته ولم يعلم أن مكة والمدينة كانت في زمان النبي ﷺ والصحابه أكبر مما هي الآن ولا أن مسجد هما كان اصغر مما هو الآن فلا يعتبر هذا التعريف. اس کے بعد فرماتے ہیں: والحد الصحيح ما اختاره صاحب الهداية أنه الذي له أمير وقاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود وتزييف صدر الشريعة له عند اعتذاره عن صاحب الوقاية حيث اختار الحد المتقدم ذكره لظهور التواني في أحكام الشرع سيما في إقامة الحدود في الأمصار مزيف. (۲)

اور جو اس تعریف میں اقامت حدود کی قید لگائی ہے ان کی مراد قدرت اقامت حدود ہے نہ اجراء حدود بالفعل کما فی الشامی بان المراد القدرة على إقامة الحدود. (۳)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا

دیوبند ۶/۳، کراچی ۲/۱۶۷۔

(۲) حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجمعة، مکتبہ اشرفیہ

دیوبند ص: ۵۵۰۔

(۳) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا

دیوبند ۶/۳، کراچی ۲/۳۸۔

ہاں تعریف مذکور یعنی المصر ما لایسع الخ کی صحت کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جب اس کو رسم ناقص اور علامات مصر کہا جاوے کیونکہ مصر میں اکثر متعدد مساجد ہوا کرتی ہیں اور ایک اکبر مساجد بھی ایسی ہوتی ہے وہاں کے لوگ اس میں سامنے سکیں یہ علامات و عارض سے ہیں نہ حقیقت مصر تا کہ لازم آوے کہ ان کے ارتفاع سے وہ بلاد مصر نہ رہے بلکہ مصر اور قریہ ہونے کا مدار عرف پر ہے کہ عرف میں جو آبادی بڑی ہو اس قدر کہ لوگ اسے شہر یا قصبہ کہتے ہوں اور وہ بڑا قریہ جو مشابہ قصبہ کے ہو اور وہاں بازار اور دوکانیں اور مسلمان کثرت سے ہوں اور اس شان کی ہو کہ اطلاق کے وقت اگر چہ فلاں گاؤں یا بازار سے موسوم کرتے ہیں لیکن اگر کوئی اس کو شہر کہدے تو اس کو تسلیم کرتے ہیں اور کوئی اس کو رداور تکذیب نہیں کرتے ہیں۔ (۱)

خلاصہ یہ کہ آبادی کے علاوہ جہاں بازار اور دوکانیں ہوں اور خرید و فروخت کیلئے کہیں باہر دوسری جگہ نہ جانا پڑتا ہو ایسی آبادی کو قریہ کبیرہ اور مصر شرعی کہتے ہیں عرف بھی اس کے مصر ہونے کا انکار نہیں کرتا ہے ایسی آبادی میں جمعہ جائز ہے:

کما فی الشامی وتقع فرضاً فی القصبات والقری التي فیها أسواق. (۲)

(۱) واعلم القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحالٍ وإن نص ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف. (فيض الباري، باب الجمعة في القرى والمدن، مكتبة خضر دیوبند ۳۲۹/۲)

ولیس هذا كله تحديداً له بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عددهم المعمورة مصرًا، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه وماليس بمصر لم يحز فيه إلا أن يكون فناء المصر. (الكوكب الدر، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر، مكتبة يحيوية سهارن پور ۱۹۹/۱)

وأيضاً فإن المصر والقرية كلاهما حقيقة عرفية قد تميز بمصادق كل منهما عن الآخر عند أهل العرف في كل زمان. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب عدم جواز الجمعة في القرى، دار الكتب العلمية بيروت ۱۱/۸)

(۲) شامی مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا دیوبند ۶/۳،

اور جو گاؤں اس شان کا نہ ہو اس پر لفظ شہر اطلاق کرنے سے ہر خاص و عام رد کرتے ہوں اور وہ قائل اگر اس پر اصرار کرے تو کذاب اشرا و مجنون فیداوی کہہ کر دفع کرتا ہو ایسی آبادی کو عرفاً و شرعاً گاؤں کہتے ہیں ایسے گاؤں میں اگر اکبر مساجد ہو تو اتفاقی امر ہے کہ اس کا کچھ اعتبار نہیں از روئے مذہب حنفیہ نماز جمعہ اور عیدین ایسے گاؤں میں ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے۔

كما في القنية صلوة العيد في القرى تكره تحريماً، اور شامی میں ہے قوله صلوة العيد الخ ومثله الجمعة. (۱)

یعنی عیدین کی طرح نماز جمعہ بھی مکروہ تحریمی ہے۔ فناء مصر کی تعریف یہ ہے کہ جس موضع سے مصر کے باشندوں کے مصالح و اغراض متعلق ہوں کسی مقدار اور مسافت کی تحدید نہیں ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والتعريف أحسن من التحديد لأنه لا يوجد ذلك في كل مصر وإنما هو بحسب كبر المصر وصغره ببيان أن التقدير بغلوة أو ميل لا يصح في مثل مصر لأن القرافة والترب التسي يلي باب النصر يزيد كل منهما على فراسخ من كل جانب نعم هو ممكن لمثل بولاق فالقول بالتحديد بمسافة يخالف التعريف المتفق على ما صدق عليه بأنه السعد لمصالح مصر فقد نص أئمة على أن الفناء ما أعد لدفن الموتى وحوائج المصر كركض الخيل والدواب وجمع العساكر والخروج للرمي وغير ذلك. (۲)

مصر اور فناء مصر کے باہر کے باشندوں پر جمعہ واجب ہیں جیسا کہ فتاویٰ خانہ میں ہے۔

ومن كان مقيماً عمران أطرافه وليس بين ذلك الموضع وبين المصر فرجة فعليه الجمعة ولو كان بين ذلك الموضع وبين عمران المصر فرجة من المزارع والمراعي نحو القلع ببخارا لاجمعة على أهل ذلك الموضع، وإن كان النداء يبلغهم والغلوة والميل والأميال ليس بشيء.

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند

۴/۶، کراچی ۲/۱۶۷۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۸/۳، کراچی ۲/۱۳۹۔

هكذا روى الفقيه أبو جعفر عن أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهم الله تعالى:
وهو اختيار شمس الأئمة الحلواني. (١) والله أعلم وعلمه اتم.

تصحیح الجواب من صاحب الفتاوى

نعم التحقيق ونعم التطبيق في الجزء الأول يعنى ما يتعلق بتعريف المصمر
واما الجزء الثانى اى وجوب الجمعة او عدم وجوبها على أهل الفناء فمختلف فيه ونقل
هذا الاختلاف مع تصحيح بعضها في ردالمحتار ص ٨٥٢ ج ١. (٢) ولم يحضرنى الى
الآن التنقيح فيه لكن يلتصق بالقلب وجوبها عليهم، والله اعلم

١٢/شوال ١٣٣٣هـ (تمتة خامسة ص ٩٦)

(١) خانية على الهندية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، قديم زكريا
١٧٤/١، جديد زكريا ١٠٩/١ -

وفناء المصمر هو الموضع المعد لمصالح المصمر متصل به ومن كان مقيما في عمران
المصمر وأطرافه وليس بين ذلك الموضع وبين المصمر فرجة فعليه الجمعة، ولو كان بين ذلك
الموضع وبين عمران المصمر فرجة من مزارع ومزارع كالقلع ببخاري لاجمعة على أهل ذلك
الموضع وإن سمعوا النداء والغلوة والميل والأميال ليس بشروط روى الفقيه أبو جعفر، هذا عن
أبي حنيفة، وأبي يوسف وهو اختيار شمس الأئمة الحلواني. (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة،
الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ٢٠٧/١)

البحر الرائق كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ٢٤٧/٢، كوئته ١٤١/٢ -

هندية، كاب الصلاة، الباب السادس عشر في الصلاة الجمعة قديم زكريا ١٤٥/١، جديد ٢٠٥/١ -

(٢) أو فناءؤه وهو ماحوله اتصل به أولا كما حرره ابن كمال وغيره لأجل مصالحه كدفن
الموتى وركض الخيل (ردالمختار) وفي الشامية: قوله كما حرره ابن الكمال: حيث قال: واعتبر
بعضهم قيد الاتصال وقد خطأه صاحب الذخيرة قائلًا، فعلى قول هذا القائل
لا تجوز إقامة الجمعة ببخاري في مصلى العيد؛ لأن بين المصلى وبين المصمر مزارع، ووقعت هذه
المسئلة مرة، وأفتى بعض مشايخ زماننا بعدم الجواز؛ ولكن هذا ليس بصواب، فإن أحداً لم ينكر
جواز صلاة العيد في مصلى العيد ببخاري لا من المتقدمين ولا من المتأخرين، وكما أن المصمر
أو فناءؤه ←

مصر کی تعریف میں اختلافات سے متعلق سوالات کے جواب

سوال (۶۲۵): قدیم ۱/۶۹۶ - ایک شرذمہ قلیلہ اور فتنہ شاذہ کا دعویٰ یہ ہے کہ عملداری نصاریٰ میں جیسے بھارت کے ہندوستان و بنگالہ میں خواہ عربی شہر ہو یا قصبہ و قریہ کبیرہ کہیں جمعہ کی نماز صحیح نہیں اور پڑھنے والے لکھنؤ اور مغالہ میں ہیں اور ان کا مستدل یہ ہے کہ صحت جمعہ کیلئے مصر شرط ہے اور مصر کی تعریف ظاہر الروایۃ میں یہ ہے۔

المصر کل موضع له أمير وقاض . ۱۵ (۱)

جس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ امیر و قاضی کے بغیر مصر نہیں ہو سکتا خواہ کتنی بڑی آبادی ہو چنانچہ قاضی خان کی عبارت ہمارے دعوے کو صاف طور سے واضح کر دیتی ہے کیونکہ قاضی خان میں حصر کے ساتھ لکھا گیا۔

ولا يكون الموضع مصرا في ظاهر الرواية الا أن يكون فيه مفتي وقاض . ۱۵ (۲)

اور نیز مالا بدمنہ کی عبارت بھی اس مدعا پر صاف دلیل ہے حیث قال یکے مصر یعنی شہر یکہ در آن امیر وقاضی باشد۔ اور اکبر مساجد والاقول اولاً اس کا مصداق مکہ معظمہ بھی نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ وہاں کے سب مصلیٰ حرم شریف میں سما جاتے ہیں علاوہ بریں اکبر مساجد کی کوئی تعیین نہیں۔ سو بعض چھوٹی بستی باعتبار صغر مسجد مصر کہلا سکتی ہے اور بعض بڑی بستی بھی کبر مسجد کی تقدیر پر گاؤں کہلائے گی۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ظاہر الروایۃ کے مقابلہ میں اس کی کوئی ہستی ہی نہیں کیونکہ بنا بر قواعد فقہیہ ظاہر روایت ہمیشہ مطلقاً مخوذ بہا ہوتی ہے اور اس کی مخالف جانب مرجوح۔ اور عمل بالمرجوح خرق الاجماع ہے اور نیز اکبر مساجد کے قول پر جن فقہیوں نے فتویٰ دیا ان میں سے ایک تن بھی اصحاب ترجیح اور ارباب تصحیح میں سے نہیں ہے۔ لہذا ساقط عن الاعتبار ہے اور صاحب ہدایہ جو اصحاب ترجیح میں ہیں، انہوں نے بھی ظاہر روایت والے قول ہی کو ترجیح دی۔

← شرط جواز الجمعة فهو شرط جواز صلاة العيد الخ (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۷/۳، کراچی ۱۳۸-۱۳۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۳/۵-۶، کراچی ۱۳۷-۱۳۸

(۲) خانیۃ علی الہندیۃ، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، قدیم زکریا ۱/۱۷۴،

جدید زکریا ۱/۱۰۹۔

حيث قال والأول اختيار الكرخي والثاني اختيار الثلجي. (۱)

اس لئے کہ نقل اقوال میں ماہو المذکور أولاً ان کا مختار ہوتا ہے چنانچہ ان کے مصطلحات سے واقف کار بخوبی واقف ہیں اور مختار کرخی مختار ثلجی سے یوں بھی بدرجہا مختار ہونا چاہئے اس لئے کہ بینہما تفاوت فی المراتب بسیار ہے۔ اور بلاد کفر میں جمعہ پڑھنے کی جو صورت معراج الدرایہ میں بیان کی گئی ہے اس میں بھی شرط یہ ہے کہ مسلمان والی مسلم کا التماس کر کے والی مسلم مقرر کریں اور پھر بتراضی مسلمین ایک قاضی بھی معین ہو اور ہمارے دیار میں یہ بھی نہیں۔ بہر حال شہر یا قصبہ یا قریہ کبیرہ میں جواز جمعہ کی بابت اذن حاکم ضروری ٹھہر اور نیز جمعہ کی صحت کیلئے سلطان ایک جداگانہ مستقل شرط ہے یہ بھی نہیں۔ علاوہ بریں اذن عام جو ایک تیسری شرط ہے صحت جمعہ کیلئے اس کا وجود بھی متعلقات سلطان میں سے تھا۔ واذلیس فلیس لہذا بھارت میں جمعہ قائم کرنا شرط ثلاثہ کے خلاف پرکرباندھنا ہے بلکہ فقہ حنفیہ کی سخت مخالفت کرنی ہے۔ پس بحسب فقہ حنفیہ عملداری نصاریٰ میں جو کہ اکثر کی رائے کے بموجب دارالحرب ہے جواز جمعہ کی صحیح دلیلیں بیان فرما کر ناعین کے شبہات کے کافی وشفافی جواب عنایت فرماویں؟

الجواب: فی النہایۃ شرح الہدایۃ للعینی: قولہ: والمصر الجامع الخ قد اختلفوا فیہ فعن أبی حنیفۃؒ ہوما یجمع فیہ مرافق اہلہ وعن أبی یوسفؒ کل موضع فیہ أمیر وقاض ینفذ الأحکام ویقیم الحدود. وهکذا روی الحسن عن أبی حنیفۃؒ فی کتاب صلاتہ وفیہ. ایضاً قال سفیان الثوری: المصر الجامع ما یعد الناس مصرّاً عند ذکر الأمصار المطلقة کبخاری وسمرقند وقال الکرخي: هو ما أقيمت فیہ الحدود ونفذت فیہ الأحکام وهو اختیار الزمخشري، وعن أبی عبد اللہ البلخي: أنه قال أحسن ما سمعت أنه إذا اجتمعوا فی أكبر مساجدہم لم یسعوا فیہ فہو مصر جامع وعن أبی حنیفۃؒ: هو بلدة کبيرة فیہا سکک وأسواق ولہا رساتیق ويرجع الناس إلیہ فی ما وقعت لہم من الحوادث. ۵ (۲)

(۱) ہدایۃ، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعة، مکتبہ زکریا اشرفیۃ دیوبند ۱/ ۱۶۸۔

(۲) البنایۃ، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعة، مکتبہ اشرفیۃ دیوبند ۳/ ۴۵۔ ←

وفي الهداية: في علة اشتراط السلطان لأنها تقام بجمع عظيم وقد تقع المنازعة في التقديم وقد تقع في غيره فلا بد منه تتميماً لأمرها. (١)

← وأما المصير الجامع فقد اختلفت الأقاويل في تحديده. ذكر الكرخي: أن المصير الجامع ما أقيمت فيه الحدود ونفذت فيه الأحكام. وعن أبي يوسف روايات: ذكر في الإملاء، كل مصر فيه منبر وقاضٍ ينفذ الأحكام ويقيم الحدود فهو مصر جامع تجب على أهله الجمعة، وفي رواية قال: إذا اجتمع في قرية من لا يسعهم مسجد واحد بني لهم الإمام جامعاً ونصب لهم من يصلي بهم الجمعة، وفي رواية: لو كان في القرية عشرة آلاف أو أكثر أمرتهم بإقامة الجمعة فيها، وقال بعض أصحابنا المصير الجامع ما يتعيش فيه كل محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يحتاج إلى الانتقال أي حرفة أخرى، وعن أبي عبد الله البليخي أنه قال: أحسن ما قيل فيه إذا كانوا بحال لو اجتمعوا في أكبر مساجد هم لم يسعهم ذلك حتى احتاجوا إلى بناء مسجد الجمعة، فهذا مصر تقام فيه الجمعة، وقال سفيان الثوري: المصير الجامع ما يعده الناس مصراً عند ذكر الأمصار المطلقة، وسئل أبو قاسم الصفار، عن حد المصير الذي تجوز فيه الجمعة فقال: أن تكون لهم منعة لوجاءهم عدو قلدروا على دفعه، فحينئذٍ جاز أن يمصر، وتمصره أن ينصب فيه حاكم عدل يجري فيه حكماً من الأحكام وهو أن يتقدم إليه خصمان فيحكم بينهما، وروي عن أبي حنيفة: أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحكمه وعلمه أو علم غيره، والناس يرجعون إليه في الحوادث، وهو الأصح. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة، مكتبته زكريا ديوبند ٥٨٤/١-٥٨٥)

(١) هداية، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة، مكتبته زكريا ديوبند ٥٨٤/١-٥٨٥

و(من شرائط أدائها) السلطان أو نائبه لأنها تقام بجمع عظيم، فيقع الاختلاف في التقديم والتقدم ويرتفع ذلك بحضور من ذكر. (النهر الفائق،

كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبته زكريا ديوبند ٣٥٥/١) ←

وفي رد المحتار عن التحفة: بعد نقل تعريف أبي حنيفة وهذا هو الأصح اه إلا ان صاحب الهداية ترك ذكر السكك والرساتيق لأن الغالب أن الأمير والقاضي الذي شأنه القدرة على تنفيذ الأحكام وإقامة الحدود لا يكون إلا في بلد كذلك. اه (۱) وفي الدر المختار: ونصب العامة الخطيب غير معتبر مع وجود من ذكر اما مع عدمهم فيجوز للضرورة (۲) وفيه السابع الإذن العام من الإمام وفي رد المحتار قوله من الإمام قيد به بالنظر إلى المشال الأتسى (من قوله دخل أمير حصنا الخ) وإلا فالمراد الإذن من مقيمها لما في البرجندي: من أنه لو أغلق جماعة باب الجامع وصلوا فيه الجمعة لا يجوز اسمعيل اه. (۳) مجموع روايات بالاسم اموزيل مستفاد هو:

اول: مصر کی تعریف ائمہ سے مختلف عبارات میں منقول ہے اور اصل کلام ائمہ میں عدم تعارض ہے إلا أن يتعذر پس اس کی صورت یہی ہے کہ ان سب تعریفات کو معنون واحد کے عنوانات کہا جاوے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ جو عرفاً شہر کہا جاوے وہ شہر ہے اور وجود قضاة وغیرہ سب امارات ہیں بس اس بناء پر

← والسلطان أو نائبه معطوف على المصر، وإنما كان شرطاً للصحة لأنها تقام بجمع عظيم، وقد تقع المنازعة في التقديم والتقدم، وقد تقع في غيره فلا بد منه تسميماً لأمره. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۵۲، كوئته ۲/۱۴۳)

تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۵۲۸، امدادیہ ملتان ۱/۲۱۹ -

(۱) شامی مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۵۶ - کراچی ۲/۱۳۷ -

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۱۴، کراچی ۲/۱۴۳ -

(۳) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۲۵، کراچی ۲/۱۵۱ - ۱۵۲ -

ہندوستان میں صد ہا مصار ہیں اور قصابات بھی امصار میں داخل ہیں کیونکہ عوام اپنے محاورات میں ان کو بھی شہر کہتے ہیں، محاورہ میں فرق کرنا یہ عادت خواص کی ہے۔

دوم: سلطان کا اشتراط معلل ہے قطع تنازع کے ساتھ پس اگر عامہ مسلمین ملکر کسی پر اتفاق کر لیں گو وہ حاکم نہ ہو تو کافی ہے؛ البتہ امام کے ہوتے ہوئے عامہ کا مقرر کر لینا کافی نہیں۔

سوم: اذن عام میں امام شرط نہیں پس ہندوستان میں بہت سے مواقع میں تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں اسلئے بلاشبہ جمعہ صحیح ہے یہ تو رفع ہے سلب کلی کا جو کہتے ہیں کہ جمعہ کہیں جائز نہیں۔ باقی رفع سلب کلی سے تحقیق ایجاب کلی کا لازم نہیں کہ ہر جگہ جمعہ کو صحیح کہیں بلکہ صرف ایجاب جزئی لازم ہے کہ جہاں یہ شرائط مع دیگر شرائط کے پائے جاویں گے وہاں جمعہ صحیح ہے۔ والا فلا

۱۱/ رجب المرجب ۱۳۵۲ھ (النور ص ۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۳ھ)

منبر کے سامنے امام کے محاذ میں اذان کا مسئلہ

سوال (۶۲۶): قدیم ۱/۶۹۹ کیا تحقیق ہے علماء کی اس باب میں کہ اذان ثانی جمعہ کا فعل جو عند المنبر یا مابین یدی خطیب لکھا ہے آیا مراد اس سے مطلق قرب ہے خواہ بالمعنی المتبادر یا عام اس سے اور خواہ مع الحاذقہ یا عام اس سے افید و ناظم مفیدین؟

الجواب: اکثر کتب کی عبارت تو محتمل و جہین کو ہے (۱) مگر جامع الرموز کی عبارت صریح ہے قرب متبادر و محاذات میں۔

(۱) وکان الحسن بن زیاد یقول: المعتبر هو الأذان علی المنارة لأنه لو انتظر الأذان عند المنبر یفوتہ أداء السنة وسماع الخطبة وربما تفوتہ الجمعة إذا کان بیتہ بعیڈاً من الجامع، وکان الطحاوی یقول: المعتبر هو الأذان عند المنبر بعد خروج الإمام، فإنه هو الأصل الذی کان للجمعة علی عهد رسول الله صلی الله علیہ وسلم، وکذلک فی عهد أبی بکرؓ، وعمرؓ، وهو اختیار شیخ الإسلام. (عناية مع فتح القدیر،

وہو ہذا بین یدی ائی بین الجہتین المسامتین لیمین المنبر أو الإمام ویسارہ قریباً
منہ ووسطہما بالسکون فیشتمل ما إذا أذن فی زاویة قائمة أو حادة أو منفرجة الحادثة
من خطین خارجین من ہاتین الجہتین اہ، قلت: تحدث القائمة إذا کان المؤذن حذاء
وسط المنبر بالحركة والمنفرجة والحادة إذا کان فی غیر حذائہ وصورتهما هكذا
وقلت دلیل ذلک کلہ التوارث. (۱) قرب ۳۳۷ھ (تمتہ خامستہ ص ۷۷)

خلاصۃ الکلام فی اذان الجمعة بین یدی الإمام

سوال (۶۲۷): قدیم ۱/۷۰۰- یہ امر تو متحقق ہے کہ اذان ثانی یوم الجمعة کی داخل مسجد جائز ہے
بلکہ یہی متوارث ہے؟

إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ الْآيَةُ. (۲)

النداء الأذان اہ تفسیر نسفی ائی إذا أذن لها اہ بیضاوی أطلقہ ولہ أذانان أذان
خارج المسجد وأذان بعده بین یدی المنبر إذا جلس الخطيب على المنبر اہ تبصرة
الرحمن والمعتبر أول أذان بعد زوال الشمس سواء كان على المنبر أو على الزوراء
.....

← ذکر فی باب الأذان من المبسوط: واختلفوا فی الأذان المعتبر الذي يحرم عنده
البيع ويجب السعي إلى الجمعة، فكان الطحاوي يقول: هو الأذان عند المنبر بعد خروج
الإمام، فإنه هو الأصل الذي كان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكذا في عهد
أبي بكرؓ، وعمرؓ وري الحسن عن أبي حنيفةؒ أن المعتبر في وجوب السعي وحرمة البيع
الأذان على المنارة لأنه لو انتظر الأذان عند المنبر يفوته أداء السنة واستماع الخطبة وربما
تفوته الجمعة إذا كان بيته بعيداً من الجامع. (كفاية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة
الجمعة، مكتبه زكريا ۱۹/۲، كوئٹہ ۳۸/۲)

(۱) جامع الرموز للقهستاني، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبه نول
كشور لكهنؤ ۱۱۷/۱. شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

يجب السعى وترك البيع بالأذان الأول لقوله تعالى: فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع، واختلف المراد بالأذان الأول قيل الأول باعتبار المشروعية وهو الذى بين يدي المنبر لأنه كان أولاً في زمنه عليه السلام وزمن أبي بكرؓ، وعمروؓ، حتى أحدث عثمانؓ الأذان الثاني على الزوراء حين كثر الناس والأصح أن الأول باعتبار الوقت وهو الذى يكون على المنارة بعد الزوال انتهى مستملى. (١) وكذلك في الهداية وحاشية الكفاية (٢) والعناية (٣) وغيرها من المتون والشروح والحواشي والفتاوى. وفي حاشية الشيخ: وجيه الدين على شرح الوقاية أذن ثانياً بذلك جرى التوارث من لدن رسول الله ﷺ إلى هذا الزمان الأذان أمام المنبر. اه وفي العناية شرح الهداية:

(١) حلبى كبيرى، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية

ديوبند ص: ٥٦٠ -

وإذا أذن المؤذنون الأذان الأول ترك الناس البيع والشراء، وتوجهوا إلى الجمعة. لقوله تعالى: فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ١/١٧١)

(٢) وري الحسن عن أبي حنيفة أن المعتبر في وجوب السعي وحرمة البيع الأذان على المنارة لأنه لو انتظر الأذان عند المنبر يفوته أداء السنة واستماع الخطبة وربما تفوته الجمعة إذا كان بيته بعيداً من الجامع. (كفاية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ١٩/٢، كوثه ٣٨/٢)

(٣) الأصح أن المعتبر هو الأول أي الأذان الأول، إذا كان ذلك بعد الزوال لحصول الإعلام به (هداية) وفي البناية: أي بالأذان الأول وهو اختيار شمس الأئمة السرخسيؒ، وإسحاق بن زيادؒ. وفي المبسوط: الأصح أن كل أذان يكون قبل الزوال فذلك غير معتبر، والمعتبر أول الأذان بعد زوال الشمس، سواء كان على المنبر أو على النور. قلت: هذا الذى ذكره موافق رواية الهداية وهذا أوفق وأحوط. (بنائة، كتاب الصلاة،

باب صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ٣/٩١)

وكان الحسن بن زياد يقول المعتبر هو الأذان على المنارة لأنه لو انتظر الأذان عند المنبر تفوته أداء السنة وسماع الخطبة، (۱) كذا في تنشيط الأذان (ص ۱۰) وفيه أيضاً عن مبسوط السرخسي والمعتبر اول اذان بعد زوال الشمس سواء كان على المنبر او على الزوراء. ۵ (۲)

ان عبارات میں علی المنبر، عند المنبر، امام المنبر، بین یدی المنبر۔ یہ سب الفاظ اس کو ظاہر کرتے ہیں کہ اذان ثانی منبر کے سامنے اور اس کے نزدیک ہونا چاہئے۔ باقی اس قرب کو صف اول کے ساتھ محدود کرنا صحیح نہیں۔

قال في جامع الرموز: إذا جلس الإمام على المنبر أذن أذاناً ثانياً بين يديه أي بين الجهتين المسامتين ليمين المنبر أو الإمام ويساره قريباً منه ووسطهما بالسكون فيشتمل ما إذا أذن في زاوية قائمة أو حادة أو منفرجة. ۵ من التنشيط (ص ۱۰) (۳)

اس میں قریباً منہ کی قید تو ہے لیکن صف اول کی قید نہیں اور جس عبارات خلاصہ سے بعض مفتیان رامپور نے صف اول کی قید کو ثابت کیا ہے اس سے استدلال نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ خلاصہ کی صحیح عبارت یہ ہے:

ويكره البيع والشراء يوم الجمعة إذا أذن المؤذن والبيع جائز والأذان المعتبر أذان الخطبة الصف الأول في المقصورة ومنهم من قال ما يلي المقصورة وبه أخذ الفقيه ۵ (ص ۲۱۳ ج ۱) (۴)

(۱) عنایة مع فتح القدير، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۶۶/۲، کوئٹہ ۳۸/۲۔

(۲) المبسوط للسرخسي، باب الأذان، دار الكتب العلمية بيروت ۱۳۴/۱۔

(۳) جامع الرموز للقهستاني، کتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مکتبہ نول کشور لکھنؤ ۱۱۷/۱۔

(۴) خلاصة الفتاوى، کتاب الصلاة، قبيل الفصل الرابع والعشرون في صلاة العيدین، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱۱۳/۱۔

اور بعض نسخوں میں جو یہ عبارت زیادة لفظ فی کے ساتھ اس طرح ہے۔

والأذان المعتبر أذان الخطبة في الصف الأول في المقصورة الخ

سو یہ زیادة فی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اذان خطبہ صف اول میں ہو اور مقصورہ میں ہو۔ حالانکہ مقصورہ میں اذان ہونے سے امام اور منبر کی مسامتت بالکل فوت ہو جائے گی اور فقہاء کے الفاظ مذکورہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اذان امام اور منبر کے سامنے ہو۔

كما صرح به في جامع الرموز: وقد مر. قال الشامي: أقول والظاهر ان المقصورة في زمانهم اسم لبيت في داخل الجدار القبلي من المسجد كان يصلى فيها الأمراء الجمعة ويمنعون الناس من دخولها خوفا من العدو فعلى هذا يختلف في الصف الأول هل هو مايلى الإمام من داخلها أم مايلى المقصورة من خارجها فأخذ الفقيه بالثاني توسعه على العامة كى لا تفوتهم الفضيلة اه (ص ۵۹۵ ج ۱) (۱)

اور ظاہر ہے کہ منبر خارج مقصورہ ہوتا ہے پس اذان اگر داخل مقصورہ ہوگی تو اس پر بین یدى الإمام، و بین یدى المنبر، وعند المنبر، وغیرہ کا اطلاق صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ عبارت صحیح وہی ہے جو بدون لفظ فی کے اول لکھی گئی ہے اور الصف الاول في المقصورة یہ کلام مستقل ہے جس میں صاحب خلاصہ نے اول صف جمعہ کی بحث کو بیان کرنا چاہا ہے کیونکہ یہ مسئلہ اس وقت متکلم فیہ تھا چنانچہ بحر میں بھی اس بحث کو لکھا ہے۔

قال ثم تكلموا في الصف الأول قيل هو خلف الإمام في المقصورة وقيل ما يلى المقصورة وبه اخذ الفقيه ابو الليث لأنه يمنع العامة عن الدخول في المقصورة فلا تتوصل العامة الى نيل فضيلة الصف الاول اه (ص ۵۷۷ ج ۲) (۲)

اس بحث کو دیکھتے ہوئے کوئی عاقل ہرگز الصف الاول في المقصورة کو اذان خطبہ سے متعلق نہیں کہہ سکتا بلکہ یقیناً اس کو کلام مستقل مانا جائے گا۔

(۱) شامی مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند

۳۱۱/۲، کراچی ۵۶۹/۱

(۲) البحر الرائق، کتاب الصلاة، قبیل باب صلاة العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند

۲۷۴/۲ - ۲۷۵، کوئٹہ ۱۵۷/۲

اب رہی یہ بات کہ خطبہ جمعہ کی اذان کے سوا دیگر اذانیں مسجد میں بلا کراہت جائز ہیں یا اس میں کچھ کراہت ہے، اس کے متعلق روایات ذیل ہیں:

قال في الدر المختار: لأنه صلی اللہ علیہ وسلم صلى آخر صلواته قاعداً وهم قيام وأبو بكر يبلغهم تكبيره وبه علم جواز رفع المؤذنين اصواتهم في جمعة وغيرها (أي في تبليغ تكبير الإمام) يعنى أصل الرفع أما ما تعارفه في زماننا فلا يبعد أنه مفسد إذا الصياح ملحق بالكلام. اه من التنشيط (ص: ۸) (۱)

وفيه أيضاً من السعاية شرح شرح الوقاية. لغز أي أذان لا يستحب رفع الصوت فيه قل هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذي يكون بين يدي الخطيب لأنه كالإقامة لإعلام الحاضرين. ۵۱ (ص: ۹) (۲)

وفيه أيضاً عن فتح القدير، فالأولى ما عينه في الكافي جامعاً وهو ذكر الله في المسجد أي في حدوده لكرهية الأذان في داخله. ويزاد أيضاً فيقال: ذكر في المسجد يشترط لها الوقت فيستحب الطهارة، وفيه تعاد استحباباً إذا كان جنباً كالأذان. انتهى ص: ۲۴. (۳)

وفيه أيضاً عن جامع الرموز وفيه إيذان بوجوب الجهر بالأذان لإعلام الناس فلو أذن لنفسه خافت لأنه الأصل في الشرع كما في كشف المنار وبأنه يؤذن في موضع عال وهو سنة كما في القنية وبأنه لا يؤذن في المسجد فإنه مكروه كما في النظم لكن في الجلالی أنه يؤذن في المسجد أو ما في حكمه لا في البعيد منه. ۵۱ (ص: ۲۵)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في رفع المبلغ صوته

زيادة على الحاجة، مكتبته زكريا ديوبند ۲/۳۳۶-۳۳۷، کراچی ۱/۵۸۸-۵۸۹۔

(۲) السعاية، كتاب الصلاة، باب الأذان، المقام الثاني في ذكر أحوال المؤذن، مكتبته

أشرفية ديوبند ۲/۳۸۔

(۳) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبته زكريا ديوبند ۲/۵۶،

وفي العالمگیرية: وينبغي أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد كذا في فتاوى قاضی خان والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع لجيرانه ويرفع بها صوته. كذا في البحر الرائق. اه (ص ۳۴ جلد ۱). (۱)

ان سب میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ اذانیں مسجد میں کہنا کراہت تنزیہیہ یعنی خلاف اولیٰ ہونے سے خالی نہیں اور علت غالباً یہ ہو کہ اذان میں رفع صوت زائد اور صیاح ہوتا ہے اور صیاح خود ملحق بالکلام ہے گو صیاح بالذکر ہی ہو نیز صیاح ادب مسجد کے بھی خلاف ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: لا ترفعوا أصواتكم فوق صوت النبی ولا تجهروا له بالقول كجهر بعضهم لبعض أن تحبط أعمالكم. (۲) والمسجد محل مناجاة الحق ويكون الحق فيه تجاه العبد فلا ينبغي الصیاح فيه وروی عن واثلة بن الأسقع مر فوعاً جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وقال ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم الخ من الترغيب (رواه البيهقي والطبراني وغيرهما ص: ۲۵). (۳)

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة قديم زكريا ۵۵/۱، جديد زكريا ۱۱۲/۱ -

خانية على الهندية، باب الأذان، مسائل الأذان قديم زكريا ۷۸/۱، جديد زكريا ۵۱/۱ -

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان، مكتبته زكريا ديوبند ۴۴۴/۱، كوئٹہ ۲۵۵/۱ -

(۲) سورة الحجرات آيت: ۲ -

(۳) وروي عن واثلة بن الأسقع أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراءكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيفكم واتخذوا على أبوابها المظاهر. (الترغيب والترهيب، كتاب الصلاة، الترغيب في تنظيف المساجد وتطهيرها، دار الكتب العلمية بيروت ۱۲۳/۱)

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب أدب القاضي، باب ما يستحب للقاضي من أن لا يكون

قضاء في المسجد، دار الفكر بيروت ۶۹/۱۵، رقم: ۲۰۸۴۹ -

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۵۷/۲۲، رقم: ۱۳۶ -

اور اذان جمعہ وقت خطبہ میں اس قدر جہر و صیاح نہیں ہوتا بلکہ وہ تو مثل اقامت کے ہوتی ہے؛ اسلئے وہ مسجد میں جائز ہے علاوہ ازیں وہ مسجد ہی میں متواتر ہے۔ رہا یہ کہ حدیث زید بن ثابت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بلالؓ سقف مسجد پر اذان دیتے تھے (۱) تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کیلئے سقف مسجد پر کچھ حصہ بلند بنادیا گیا تھا جو منہ نہ تھا اور منہ نہ پر اذان دینا داخل مسجد بھی بلا کراہت جائز ہے۔

كما يشعربه ما مرفي عبارة العالم كيرية: ينبغي أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد. الخ (۲) من التقابل بين المئذنة وخارج المسجد والله أعلم ولعل السرفيه كون المئذنة خارجاً عن المسجد في نية الباني أو الواقف فلا يكون لها حكم المسجد نقل في السعاية عن طبقات ابن سعد حدثني محمد بن عمر قال حدثني معاذ بن محمد عن يحيى بن عبد الله بن عبد الرحمن بن سعد بن زرارة قال أخبرني من سمع النوار أم زيد بن ثابت تقول كان بيتي حول المسجد فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما يؤذن إلى أن بنى رسول الله ﷺ المسجد، فكان يؤذن بعد على سقف المسجد وقد رفع له شيء فوق ظهره. ۵۱ (۳) من التشييط (ص: ۱۹) ومافي حديث عبد الله بن زيد أنه ﷺ قال له: فأخرج مع بلال إلى المسجد

(۱) عن معاذ بن محمد قال: أخبرني من سمع النوار أم زيد بن ثابت تقول: كان بيتي حول المسجد فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما يؤذن إلى أن بنى رسول الله صلى الله عليه وسلم المسجد فكان يؤذن بعد على سقف المسجد وقد رفع له شيء فوق ظهره. (الطبقات الكبرى لابن سعد، دار الكتب العلمية بيروت ۳۰۹/۸)

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان قديم زكريا ۵/۱، جديد زكريا ۱۱۲/۱۔

(۳) سعاية، كتاب الصلاة، باب الأذان، مكتبه أشرفية ديوبند ۱۹/۲۔

الطبقات الكبرى لابن سعد، دار الكتب العلمية بيروت ۳۰۹/۸۔

فالقها عليه وليناد بلال فإنه أندى صوتا منك قال: فخرجت مع بلال إلى المسجد فجعلت القيها عليه وهو ينادى بها. اه (۱)

فيحمل على ما في حدود المسجد أو يراد به سقف المسجد وما رفع له فوقه. واللہ تعالیٰ اعلم. قلت وقال: في رد المحتار: في تعريف المكروه وهو ضد المحبوب قد يطلق على الحرام وعلى المكروه تحريما وعلى المكروه تنزيها وهو ما تركه أولى من فعله ويرادف خلاف الأولى. اه (۲) من التنسيط (ص ۲۰)

اور عذر کی حالت میں یہ کراہت مرتفع ہو جائے گی۔ مثلاً مسجد کے سوا اذان کیلئے قریب مسجد کے کوئی جگہ نہ ہو۔

قال في الدر بعد بيان كراهة قيام الإمام في المحراب وانفراده على الدكان وعكسه أن هذا كله عند عدم العذر (وأما عند العذر) كجمعة وعيد فلو قاموا على الرفوف والإمام على الأرض أو في المحراب لضيق المكان لم يكره. اه قال الشامي: حكى الحلواني عن أبي الليث لا يكره قيام الإمام في الطاق عند الضرورة بأن ضاق المسجد على القوم. اه (۳) (ص ۶۷۶ جلد ۱) حرره الاحقر ظفر احمد عفا الله عنه ۲۷ شعبان ۱۳۴۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۴۲۵)

جمعہ کی اذان ثانی کا مسجد میں ہونا

سوال (۶۲۸): قدیم ۱/۷۰۴۔ حضرت اقدس مرشدی و مولائی ادام اللہ ظلہ الہم، بعد اذانے

(۱) ابن ماجہ شریف، کتاب الصلاة، أبواب الأذان والسنة فيها، النسخة الهندية ص: ۵۱، دار السلام رقم: ۷۰۶۔

(۲) شامي مع الدر المختار، کتاب الصلاة، مطلب في تعريف المكروه، وأنه قد يطلق على الحرام والمكروه تحريماً وتنزيهاً، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۲۵۷-۲۵۸، کراچی ۱/۱۳۱۔

(۳) الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۱۵، کراچی ۱/۶۴۶-۶۴۷۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنه

آداب فدویانہ التماس ہے مدرسہ ہذا میں پہلے یہ استفتاء (۱) آیا تھا جس کا جواب مندرجہ پر چہ (*) ہذا لکھ کر بھیج دیا تھا اب دوبارہ اس پر چند شکوک لکھ کر سائل نے بھیجے ہیں اصل استفتاء کی نقل اور وہ شکوک بعینہ مرسل خدمت خدام عالی ہیں۔ نیز سنن ابی داؤد پر جو حاشیہ غیر مقلدین کا عون المعبود نام سے ہے اس کی عبارت کی نقل بھی بھیجی جاتی ہے انہوں نے خارج مسجد ہونے پر بہت زور دیا ہے (۲) عنایہ اور کفایہ (۳)

(*) وہ استفتاء اور پرچہ یہاں منقول نہیں، مگر اصل مضمون جواب ذیل سے معلوم ہو جائے گا۔ منہ

(۱) وهذا الحديث أخرجه أيضًا الطبراني من طريق محمد بن إسحاق بلفظ "إن بلالا كان يؤذن على باب المسجد، والحاصل أن بين يديه يستعمل لكل شيء يكون قدامه وأمامه، سواء كان قريبه أو بعيد، والمعنى أن بلالا كان يؤذن قدام النبي صلى الله عليه وسلم وأمامه إذا جلس النبي صلى الله عليه وسلم على المنبر يوم الجمعة؛ لكن لا يؤذن قدامه عند المنبر متصلاً به كما هو المتعارف الآن في أكثر بلاد الهند إلا ما عصمه الله تعالى؛ لأن هذا ليس موضع الأذان، وتفوت منه فائدة الأذان؛ بل كان يؤذن على باب المسجد. (عون المعبود، تفریع أبواب الجمعة، باب النداء يوم الجمعة، مكتبه أشرفیہ دیوبند ۳/ ۴۰۴)

(۲) وكان الحسن بن زياد يقول: المعتبر هو الأذان على المنارة لأنه لو انتظر الأذان عند المنبر يفوته أداء السنة وسماع الخطبة وربما تفوته الجمعة إذا كان بيته بعيداً من الجامع، وكان الطحاوي يقول: المعتبر هو الأذان عند المنبر بعد خروج الإمام، فإنه هو الأصل الذي كان للجمعة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكذلك في عهد أبي بكر، وعمر، وهو اختيار شيخ الإسلام. (عنایہ مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا دیوبند ۲/ ۶۶، كوئٹہ ۲/ ۳۸)

(۳) ذكر في باب الأذان من المبسوط: واختلفوا في الأذان المعتبر الذي يحرم عنده البيع ويجب السعي إلى الجمعة، فكان الطحاوي يقول: هو الأذان عند المنبر بعد خروج الإمام، فإنه هو الأصل الذي كان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكذا في عهد أبي بكر، وعمر وري الحسن عن أبي حنيفة أن المعتبر في وجوب السعي وحرمة البيع الأذان على المنارة لأنه لو انتظر الأذان عند المنبر يفوته أداء السنة واستماع الخطبة وربما تفوته الجمعة إذا كان بيته بعيداً من الجامع. (كفاية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ۲/ ۹۱، كوئٹہ ۲/ ۳۸)

کی عبارت سے بظاہر قریب منبر کے معلوم ہوتا ہے اس میں تاویل خارج مسجد کی مشکل ہے اس کی عبارت بھی منضم ہے نیز مولوی احمد رضا خان صاحب کا ایک استفتاء مطبوعہ بھی منسلک ہے اگر اس موقع پر آثار السنن جلد دوم صفحہ ۹۴ و ۹۵ کو ملاحظہ فرمایا جاوے تو مناسب ہے۔ انہوں نے مسجد کے اندر قریب منبر کے ہونے کی تائید کی ہے اور حدیث ابی داؤد پر جرح کیا ہے۔ فقہاء سے یہ تعجب ہے کہ جہاں اذان سے مسجد کے اندر ممانعت کرتے ہیں وہاں اگر اذان ثانی مسجد میں ہوتی تھی تو اس کا استفتاء کیوں نہیں کرتے اگرچہ ان تمام طویل تحریروں کا دیکھنا حضرت اقدس کا وقت عزیز ضائع کریگا لیکن چونکہ آجکل اس کی نسبت اختلاف پھیل رہا ہے اس لئے توجہ از بس ضرور ہے مولوی عبدالحی صاحب مرحوم نے حاشیہ شرح وقایہ میں خارج مسجد ہونے کی نسبت ترجیح دی ہے (۱) اس کو بھی ملاحظہ فرمایا جائے سب کی نقل موجب تطویل تھی؛ اس لئے اس پر اختصار کیا گیا بین ید یہ میں تو خیر تاویل بھی ہو سکتی ہے لیکن عند المنبر کے الفاظ جو عنایہ و کفایہ میں مذکور ہیں اس کی تاویل از بس دشوار ہے؟

الجواب: عزیزم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ، میں نے سب تحریرات کو گونگور سے تو نہیں مگر سرسری نظر سے کسی قدر زیادہ دیکھا آثار السنن کو بھی دیکھا مجموعہ کو دیکھ کر بشہادت ذوق میرے ذہن میں جو بات آئی ہے وہ یہ ہے کہ اذان ثانی جمعہ کی افضل و اولیٰ مسجد ہی کے اندر ہے اور ابوداؤد کی روایت اگر مجروح بھی نہ ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت یہی اذان اعلان عام کیلئے تھی؛ لہذا مسجد سے خارج ہونا مناسب تھا کہ بہ نسبت داخل مسجد کے اس میں اعلان زیادہ ہو سکتا تھا جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں باتفاق صحابہؓ اذان اول بڑھائی گئی (۲) تو اب جو علت خارج مسجد ہونے کی اس ثانی میں تھی وہ اول میں متحقق ہو گئی۔

(۱) قولہ: بین یدیہ أي مستقبل الإمام فی المسجد کان أو خارجہ والمسنون وهو الثاني .

(عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة بلال

ديوبند ۱/ ۲۰۲، رقم الحاشية: ۱)

(۲) عن السائب بن يزيد قال: كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على

المنبر على عهد النبي صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر، وعمر، فلما كان عثمان، وكثر الناس ←

اس لئے اس کا خارج مسجد ہونا مناسب ہوگا اور وہ علت خارج مسجد ہونے کی اس ثانی سے منتهی ہوگی؛ اسلئے خارج مسجد ہونے کا حکم بھی اس سے منتهی ہو جائے گا اور بجائے حکمت اعلان عام کے اب حکمت اس میں صرف توجہ الحاضرين الى الخطبة ہے تو جو لوگ محل خطبہ یعنی مسجد میں موجود ہیں ان کو متوجہ کرنے کی مصلحت زیادہ مقتضی اس کی ترجیح کو ہے کہ داخل مسجد ہو جس طرح اقامت کہ متوجہ الی الصلوٰۃ کرنے کیلئے بالا جماع مسجد کے اندر ہی ہوتی ہے (۱) اور فقہاء نے جواز ان کو داخل مسجد کے منع فرمایا ہے وہ بھی محمول ہے خلاف اولیٰ پر اور حکمت اس میں وہی اعلان کا مبلغ ہونا ہے (۲) اور گو فقہاء نے تصریحاً اذان ثانی جمعہ کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا لیکن لفظ یسن یدی بالمعنی المتبادر اور عند المنبر اور علت اعلان کا اس میں نہ پایا جانا یہ دلیل استثناء کی کافی ہے۔

هذا ما اطمأن إليه قلبي ولعل الله يحدث بعد ذلك أمراً. فقط واللہ اعلم

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۱)

← زاد النداء الثالث على الزوراء. (بخاري شريف، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۴، رقم: ۹۰۲، ف: ۹۱۲)
أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۵، دارالسلام رقم: ۱۰۸۸۔

(۱) أي أذان لا يستحب رفع الصوت فيه؟ قال هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذي يكون بين يدي الخطيب؛ لأنه كالإقامة لإعلام الحاضرين صرح به جماعة من الفقهاء.
(سعاية، باب الأذان، المقام الثاني في ذكر أحوال المؤذن، مكتبته أشرفية ديوبند ۲/ ۳۸)

(۲) واعلم أن الأذان لا يكره في المسجد مطلقاً كما فهم بعضهم من بعض العبارات الفقهية، وعمومه هذا الأذان؛ بل مقيداً بما إذا كان المقصود إعلام ناس غير حاضرين كما في رد المحتار، وفي السراج، ينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران ويرفع صوته ولا يجهد نفسه لأنه يتضرر قال الشيخ: فقوله: في المسجد صريح في عدم كراهة الأذان في داخل المسجد، وإنما هو خلاف الأولى إذا مست الحاجة إلى الإعلان البالغ، وهو المراد بالكراهة المنقولة ←

سوال (۶۲۹): قدیم ۷۰۶/۱- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ جواذان حضرت عثمانؓ نے مروج کیا ہے وہ اذان مسجد کے باہر سامنے یا بغل میں ہوتی ہے اور مسجد سے کتنے فاصلے پر ہوتی ہے اور اذان کا مقام جو حضرت عثمانؓ نے مقرر کیا ہے وہ صحن سے کتنے فاصلہ پر ہے فاصلہ کا حساب شرعی گز سے لکھنا؟

الجواب: وہ مقام زوراء ہے، جیسا صحیح بخاری وغیرہ میں ہے (۱) مجمع البحار میں اس کے متعلق یہ اقوال لکھے ہیں:

← فی بعض الكتب فافهم. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة كراچی ۶۹/۸، دار الكتب العلمية بیروت ۸/۸۷)

منها أن يجهر بالأذان، فيرفع به صوته لأن المقصود وهو الإعلام يحصل به؛ ولهذا كان الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران كالمئذنة ونحوها ولأن الأذان لإعلام الغائبين بهجوم الوقت. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأذان بيروت ۶۴۲/۱-۶۴۳، زكريا ۳۶۹/۱، كراچی ۱۴۹/۱)

وينبغي أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد، والسنة أن يؤذن في موضع عالٍ يكون أسمع لجيرانه ويرفع صوته. (هندية، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان قديم زكريا ۵۵/۱، جديد زكريا ۱۱۲/۱)

البنائية، كتاب الصلاة، باب الأذان، مكتبه أشرقية ديوبند ۹۵/۲-

شامي، كتاب الصلاة، باب الأذان، مكتبه زكريا ديوبند ۴۸/۲، كراچی ۳۸۴/۱-

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان، مكتبه زكريا ديوبند ۴۴/۱، كوئٹہ ۲۵۵/۱-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) عن السائب بن يزيد قال: كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد النبي صلى الله عليه وسلم، وأبي بكرؓ، وعمرؓ، فلما كان عثمانؓ، وكثر الناس زاد النداء الثالث على الزوراء. (بخاري شريف، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱۲۴/۱، رقم: ۹۰۲، ف: ۹۱۲) ←

(۱) موضع بسوق المدينة. (۲) وقيل: أنه مكان مرتفع كالمنارة. (۳) وقيل حجرة كبيرة عند باب المسجد. (۴) الزوراء هو دار في سوق المدينة يقف المؤذن على سطحه للنداء الثالث (۱) (أي باعتبار الشرعية وهو الأول باعتبار الوقوع)

باقی سامنے ہونا یا بغل میں ہونا اور فاصلہ کی مقدار اور صحن سے اس کی سمت اور بعد خصوص گزروں سے یہ نظر سے نہیں گزرانہ اس تحقیق کی کوئی ضرورت شاید سائل کا یہ خیال ہو کہ اب جو مسجد میں ہوتی ہے یہ خلاف سنت ہو سواس کا جواب یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ نداء سے جس مقام کی طرف بلایا جاتا ہے اسی مقام پر ہو مگر اس اصل سے عدول اس لئے کیا گیا تھا کہ نئی چیز تھی لوگوں کو اطلاع ہو جاوے کہ نماز جمعہ کے بہت قبل بھی اذان ہوتی ہے جس سے جمعہ کی تیاری شروع کر دیں اس لئے ایسے مقام پر اس کا ہونا مناسب تھا کہ سب متوجہ ہو جاویں پھر جب اس کا معمول ہو گیا اب لوگ خود بخود اس کے استماع کی کوشش کرنے لگے پھر اصل کے موافق تعامل ہو گیا جو ایک قسم کا اجماع ہے اب اس کی مخالفت جائز نہیں۔

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ (النور ماہ محرم ص: ۷۲۵ھ)

← عن السائب بن يزيد قال: ما كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم إلا مؤذن واحد، إذا خرج أذن وإذا نزل أقام وأبو بكر، وعمر كذاك، فلما كان عثمان، وكثر الناس زاد النداء الثالث على دار في السوق يقال لها الزوراء، فإذا خرج أذن وإذا نزل أقام. (ابن مساجه شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الأذان يوم الجمعة، النسخة الهندية ص: ۷۹، دار السلام رقم: ۱۱۳۵)

أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۵، دار السلام رقم: ۱۰۸۸۔

(۱) مجمع بحار الأنوار، مكتبه دار الإيمان المدينة المنورة ۲/ ۴۴۸-۴۴۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حدیث میں قصر خطبہ اور طول صلاۃ کا مطلب

سوال (۶۳۰): قدیم ۱/۶۰۶- خطبات الاحکام جو حضور والا نے تصنیف فرمائے ہیں اول تو وہ سب مختصر ہیں جب ضعفاء کی رعایت سے قراءت مختصر کی جاوے اور دو چار سطر خطبہ کی بڑھ جاویں تو اس میں کوئی کراہت وغیرہ تو نہیں ہے اور تعمیلاً خطبہ میں اختصار کیا جاوے گا آئندہ جو ارشاد ہو خادم تو یہی خطبہ پڑھتا ہے؟

الجواب: حدیث میں جو قصر خطبہ و طول صلاۃ وارد ہے کما رواہ مسلم عن عمار. (۱) اس میں صلوٰۃ سے مراد پوری نماز ہے نہ کہ صرف قراءۃ۔ سو میرے خطبات جن میں کوئی خطبہ سورۃٴ مرسلات سے بڑا نہیں مسنون قراءت اور مسنون اذکار کی حالت میں اگرچہ چھوٹی ہی سورتیں ہوں مجموعی نماز سے عادتہ بڑھ نہیں سکتے البتہ صرف عیدین کے خطبہ کی مقدار بہ نسبت دوسرے سات آٹھ تکبیر کی قدر زیادہ ہے مگر مسنون قراءت و اذکار کی حالت میں وہ بھی مجموعی نماز سے نہیں بڑھ سکتے اس لئے قراءت وغیرہا کے اختصار کی حالت میں بھی جبکہ سنت کے موافق ہو خطبات مذکورہ میں تصرف اختصار کی حاجت نہیں۔ واللہ اعلم،

۸ صفر ۱۳۵۵ھ (النور ص ۲۶ یقعدہ ۱۳۵۵ھ)

(۱) عن واصل بن حیان قال: قال أبو وائل: خطبنا عمار فأوجز وأبلغ، فلما نزل قلنا: يا أبا اليقظان! لقد أبلغت وأوجزت، فلو كنت تنفست! فقال: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن طول صلاة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه، فأطيلوا الصلاة، واقصروا الخطبة، وإن من البيان سحراً. (مسلم شريف، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۶، بيت الأفكار رقم: ۸۶۹)

عن يحيى بن عقیل قال: سمعت عبد الله بن أبي أوفى يقول: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكسر الذكر، ويقل اللغو ويطيل الصلاة، ويقصر الخطبة، ولا يأنف أن يمشي مع الأرملة والمسكين فيقضي له الحاجة. (نسائي شريف، أبواب الجمعة، باب ما يستحب من تقصير الخطبة، النسخة الهندية ص: ۱۵۹، دار السلام رقم: ۱۴۱۵)

أخرج البزار في مسنده عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن قصر الخطبة ←

جمعہ کی اذان ثانی کے مسجد کے اندر ہونے پر شبہ اور اس کا جواب

سوال (۶۳۱): قدیم ۱/۷۰۷ - فی زماننا اکثر مقامات میں اذان ثانی جمعہ کی جو بین ید یہ کہی جاتی تھی اب مسجد کے دروازہ کے قریب یا کسی دوسرے مقام پر امام کے محاذی کہی جاتی ہے اور اس کی تائید ابوداؤد کی روایت:

كان يؤذن بين يدي رسول الله ﷺ إذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد الخ (۱)

نیز طبرانی کی روایت بھی جسے عینی نے شرح بخاری میں نقل کی ہے۔ (۲)

« و طول الصلاة مئنة من فقه الرجل فأطيلوا الصلاة واقصروا الخطب، وإن من البيان لسحراً، وإنه سيأتي بعدكم قوم يطيلون الخطب ويقصرون الصلاة. (البحر الزخار المعروف بمسند البزار، مكتبة العلوم والحكم المدينة المنورة ۵/ ۲۸۹، رقم: ۱۹۰۸)

وأخرج البيهقي عن عمرو بن شرجيل قال: قال عبد الله: إن طول الصلاة، وقصر الصلاة مئنة من فقه الرجل يقول علامة. (السنن الكبير للمبيهقي، باب ما يستحب من القصد في الكلام وترك التطويل، دار الفكر ۴/ ۴۵۱، رقم: ۵۸۵۹)

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۹/ ۲۹۸، رقم: ۹۴۹۳ -

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) عن السائب بن يزيد قال: كان يؤذن بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد، وأبي بكر، وعمر، ثم ساق نحو حديث يونس. (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۵، دار السلام رقم: ۱۰۸۸)

(۲) وفي رواية أبي داؤد: كان يؤذن بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم على باب المسجد، وأبي بكر، وعمر، وكذا في رواية الطبراني. (عمدة القاري، كتاب الجمعة، باب

وہکذا فی فتح الباری پورے طور سے کرتی ہے (۱) اور اس کے جواز و ثبوت کیلئے کافی شاہد ہے لیکن روایات فقہیہ متناً و ثراً ایک ہی پکار پکار کہہ رہی ہے۔

وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذن المؤذنون بين يدي المنبر انتهى، هداية (۲)
و يؤذن ثانياً بين يديه أي الخطيب در مختار. (۳)

اگر صرف بین یدِ پر اکتفاء کیا جاتا تو بالفرض ہو بھی سکتا تھا مگر جبکہ بین یدِ المنبر کہا جا رہا ہے اور مؤذنون لفظ جمع لایا گیا ہے اس سے اعلام بھی کافی ہو جاتا ہے پھر باب مسجد یا اور کسی مقام پر اذان کرنے کی ضرورت بھی نہیں معلوم ہوتی اور کلام کو مؤول بھی نہیں کر سکتے مشکل ہے، حاشیہ عون المعبود جو ابوداؤد پر غیر مقلدین کا ہے اس میں بہت زور دیا گیا ہے کہ اذان خارج مسجد ہونی چاہئے۔ (۴)

(۱) فإن في سياق ابن إسحاق عند الطبراني وغيره عن الزهري في هذا الحديث "إن بلاً لا كان يؤذن على باب المسجد". (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة، مكتبة أشرفية ديوبند ۵۰۰/۲، رقم: ۹۱۲)

(۲) هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة أشرفية ديوبند ۱۷۱/۱۔

(۳) الدر المختار مع الشامسي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳۸/۳، کراچی ۲/۱۶۱۔

(۴) وهذا الحديث أخرجه أيضاً الطبراني من طريق محمد بن اسحاق بلفظ "إن بلاً لا كان يؤذن على باب المسجد، والحاصل أن بين يديه يستعمل لكل شيء يكون قدامه وأمامه، سواء كان قريبه أو بعيد، والمعنى أن بلاً لا كان يؤذن قدام النبي صلى الله عليه وسلم وأمامه إذا جلس النبي صلى الله عليه وسلم على المنبر يوم الجمعة؛ لكن لا يؤذن قدامه عند المنبر متصلاً به كما هو المتعارف الآن في أكثر بلاد الهند إلا ما عصمه الله تعالى؛ لأن هذا ليس موضع الأذان، وتفوت منه فائدة الأذان؛ بل كان يؤذن على باب المسجد. (عون المعبود، تفريع أبواب الجمعة، باب النداء يوم الجمعة، مكتبة أشرفية ديوبند ۳۰۴/۳)

مولانا عبدالحی صاحب نے بھی حاشیہ شرح وقایہ میں اسی کی تائید کی ہے (۱) اور روایت کا لکھنا خدام کے وقت عزیر کو ضائع کرتا ہے اس لئے اسی پر اکتفاء کرتا ہوں گو یہ بھی تطویل محل سے خالی نہیں مگر مجبوراً عرض کیا؟

الجواب: فقہاء پر شبہ جب ہوتا جبکہ حضور پر نور ﷺ کے زمانہ میں اذان بین یدی الإمام اذان ثانی ہوتی مگر اس وقت تو یہ اذان اول تھی تو خارج مسجد ہونا اس کا ضروری تھا اور جب باجماع صحابہ اس کے قبل ایک اذان اور بڑھادی گئی اور اذان بین یدی الإمام کا کام اس سے لیا گیا تو صرف اس کا خارج عن المسجد ہونا کافی ہوا اب ثانی کا خارج عن المسجد ہونا کیا ضرور۔ (۲) پس اس تبدل حالت کے سبب جس کا ماخذ اجماع ہے اذان ثانی کی ہیئت منقولہ فی عہد النبی ﷺ اس کی ہیئت متاخرہ کا مقیس علیہ نہیں بن سکتا اگر اب بھی کوئی شبہ باقی ہو تو بلحاظ تقریر مذکور مکرر لکھئے۔

۲۸ / محرم ۱۳۳۰ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۲۷)

(۱) قوله: بین یدیه أي مستقبل الإمام في المسجد كان او خارجه، والمسنون هو الثاني ففی سنن أبي داؤد بسنده عن السائب بن يزيد أن الأذان كان أوله حين يجلس الإمام على المنبر يوم الجمعة في عهد النبي صلى الله عليه وسلم، وأبي بكرؓ، وعمرؓ، فلما كان خلافة عثمانؓ وكثر الناس أمر بالأذان الثالث وأذن به على الزوراء فثبت الأمر على ذلك الخ. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه بلال ديوبند ۱/ ۲۰۲، رقم: ۱)

(۲) عن السائب بن يزيد قال: كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد النبي صلى الله عليه وسلم، وأبي بكرؓ، وعمرؓ، فلما كان عثمانؓ، وكثر الناس زاد النداء الثالث على الزوراء. (بخاري شريف، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۴، رقم: ۹۰۲، ف: ۹۱۲)

أبو داؤد شريف، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۵، دار السلام رقم: ۱۰۸۸۔

نماز عیدین کے بعد مصافحہ کے رواج کا حکم

سوال (۶۳۲): قدیم ۱/۷۰۸ - عیدین میں مصافحہ و معانقہ روا ہے یا نہیں؟

الجواب: قاعدہ کلیہ ہے کہ عبادات میں حضرت شارع علیہ السلام نے جو ہیئت و کیفیت معین فرمادی ہے اس میں تغیر و تبدل جائز نہیں (۱) اور مصافحہ چونکہ سنت ہے اسلئے عبادات میں سے ہے تو حسب قاعدہ مذکورہ اس میں ہیئت و کیفیت منقولہ سے تجاوز جائز نہ ہوگا اور شارع علیہ السلام سے صرف اول لقاء کے وقت بالاجماع یا واداع کے وقت بھی علی الاختلاف منقول ہے و بس اب اس کیلئے ان دو وقتوں کے سوا اور کوئی محل و موقع تجویز کرنا تغیر عبادت کرنا ہے جو ممنوع ہے لہذا مصافحہ بعد عیدین یا بعد نماز پنجگانہ مکروہ و بدعت ہے شامی میں اس کی تصریح موجود ہے۔ فقط واللہ اعلم

۲ شعبان ۱۳۲۰ھ (امداد ص ۸۰ ج ۲)

(۱) عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ سے متعلق حضرت والا تھانویؒ کا زیر نظر فتویٰ قاعدہ کلیہ پر محمول ہے، جس کو حضرت نے خود اپنی تحریر میں فرمایا ہے، جزئیات پر مبنی نہیں ہے اور عیدین کے نمازوں کے بعد مصافحہ سے متعلق احقر نے ایک تحقیقی فتویٰ لکھا تھا جو فتاویٰ قاسمیہ میں شامل ہے، اس کو یہاں حاشیہ میں مکمل سوال و جواب کے ساتھ نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے؛ تاکہ مسئلہ کا ہر گوشہ ناظرین کے سامنے آجائے۔ ملاحظہ فرمائیے:

نماز عیدین کے بعد مصافحہ سے متعلق جامع فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عیدین کی نماز کے بعد لوگوں میں مصافحہ کا معمول ہے، خاص طور پر عید کی نماز پڑھانے والے امام صاحب سے مصافحہ کے لئے لوگوں کی بھیڑ لگتی ہے؛ اس لئے مفتی صاحب سے صحیح مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے کہ عیدین کی نمازوں کے بعد عید گاہ میں یا عید گاہ سے نکل کر باہر لوگوں کا آپس میں مصافحہ کرنا کیسا ہے؟ اور مصافحہ کے ساتھ عید کی مبارک باد بھی پیش کرتے ہیں، اسی طرح اگر عید کی نماز مسجدوں میں ہوتی ہے، تو وہاں بھی یہ منظر دیکھنے میں آتا ہے، اس کا شرعی حکم واضح فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: عید کی نماز کے بعد مصافحہ سے متعلق تفصیلی بات دلائل کے

ساتھ ضروری معلوم ہوتی ہے، اس مسئلہ میں احقر نے بعض بڑوں اور بعض اہل فتاویٰ کی تحریروں کو دیکھ کر نمازوں کے بعد کے مصافحہ کو کہیں مکروہ اور کہیں بدعت لکھا ہے، اسی طرح عید کی نمازوں کے بعد کے مصافحہ کو بھی مطلقاً مکروہ لکھ دیا اور اردو کے فتاویٰ کے حوالہ کو بھی پیش کر دیا اور شامی کا حسب ذیل جزئیہ بھی دلیل کے طور پر لکھ دیا۔

ونقل في تبیین المحارم عن الملتقط: أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلوة بكل حال؛ لأن الصحابة رضي الله عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلوة؛ ولأنها من سنن الروافض، ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية أنها بدعة مكروهة لا أصل لها في الشرع، وإنه ينبه فاعلها أولاً ويعزر ثانياً، ثم قال وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل: إنها من البدع، وموضع المصافحة في الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه، لا في أدبار الصلوات، فحيث وضعها الشرع يضعها فينبه عن ذلك، ويزجر فاعله لما أتى به من خلاف السنة. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، كراچی ۶/۳۸۱، زکریا دیوبند ۵۴۷/۹)

مگر اس موضوع سے متعلق مختلف کتب فقہ، کتب حدیث کی مراجعت اور شیعوں اور روافض کے عمل اور محل مصافحہ کو دیکھنے کے بعد ضرورت محسوس ہوئی کہ اس مسئلہ سے متعلق ہر گوشہ کو پیش نظر رکھ کر مسئلہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے، یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ جو مسئلہ اب لکھا جا رہا ہے احقر نے جتنے بھی فتاویٰ اس موضوع سے متعلق اس سے قبل لکھے ہیں، ان میں سے جو بھی فتویٰ اس تحریر کے خلاف ہوگا اس کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ یہی تحریر صحیح ہے اور اس کے خلاف دیئے گئے فتوؤں سے اس تحریر کے ذریعہ رجوع کیا جا رہا ہے؛ لہذا مختلف کتابوں کی مراجعت کے بعد جو کچھ بھی اس نا اہل نے سمجھا ہے وہ پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱) نماز کا سلام پھیرتے ہی فوراً دائیں بائیں جانب کے لوگوں سے بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا جائے، جیسا کہ حرمین شریفین میں ایران سے آئے ہوئے شیعہ و رافضی اور اسی طرح انڈونیشیا اور ملیشیا سے آئے ہوئے بعض لوگ اس طرح سلام کے معاً بعد مصافحہ کرتے ہوئے کثرت کے ساتھ دیکھنے میں آتے ہیں، یہی شیعوں اور رافضیوں کا شعار ہے اور اسی کو علماء نے من سنن الروافض کہہ کر بدعت

اور مکروہ قرار دیا ہے، جیسا کہ شامی کی مذکورہ عبارت میں موجود ہے؛ لہذا شیعوں اور رافضیوں کا شعار صرف یہی ایک شکل قرار دی جاسکتی ہے، دیگر شکلوں کو ان کا شعار نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

وذكر أن منهم من كرهها؛ لأنها من سنن الروافض. (الموسوعة الفقهية

الكويتية ۳۷/۳۶۳)

(۲) چند افراد نماز کے لئے مسجد جارہے ہوں اور انہوں نے آپس میں ملاقات کے وقت مصافحہ نہیں کیا اور اسی طرح گفتگو کرتے ہوئے مسجد پہنچ جائیں، پھر نماز سے فراغت کے بعد آپس میں مصافحہ کرنے لگیں، تو اس کو بھی علماء نے مکروہ اور بدعت مذمومہ قرار دیا ہے؛ اس لئے کہ اس صورت میں یہ بات لازم آتی ہے کہ ان لوگوں نے نمازوں کے بعد ہی مصافحہ کو لازم اور مسنون سمجھا ہے؛ اس لئے علماء نے اس طرح کے مصافحہ کو مکروہ اور بدعت قرار دیا ہے۔

جو ذیل کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة ويتصاحبون بالكلام و مذاكرة العلم وغيره مدة مديدة، ثم إذا صلوا يتصافحون، فأين هذا من السنة المشروعة ولذا صرح بعض علمائنا بأنها مكروهة حينئذٍ وأنها من البدع المذمومة. (مراجعة المفاتيح، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، مكتبه امداديه ملتان ۷۴/۹)

عون المعبود، باب المصافحة، دار الكتاب العربي ۵۲۱/۴، رقم: ۵۲۱۱۔

حاشیہ سنن أبی داؤد ہندی ۲/۷۰۸۔

(۳) نمازوں کے سلام کے بعد مہضلاً بیٹھے بیٹھے دائیں بائیں کے لوگوں سے مصافحہ نہیں کیا جاتا ہے اور نہ ہی نمازوں کے بعد اسے مسنون سمجھا جاتا ہے، اسی طرح نماز سے قبل ملاقات پر مصافحہ نہیں ہوا اور گفتگو کرتے ہوئے مسجد پہنچ کر نماز ادا کرنے کے بعد مصافحہ نہیں ہوا اور نہ ہی نمازوں کے بعد مصافحہ کی مواظبت اور پابندی کا اہتمام ہے؛ بلکہ کبھی کبھار نماز کے بعد امام صاحب سے مصافحہ کا اہتمام ہے جیسا کہ ہماری مغربی یوپی کی عام مساجد کا یہی حال ہے، تو ایسی صورت میں کبھی کبھار کسی سے محبت میں مصافحہ کر لیا جائے یا کسی سے چند دنوں کے بعد ملاقات ہوئی ہے، اس سے نماز کے بعد مصافحہ کر لیا جائے، چاہے عصر یا فجر کی نماز کے بعد ہی کیوں نہ ہو، تو اس طرح کا مصافحہ شرعاً مسنون اور مستحب ہے۔ صاحب درمختار نے اپنی عبارت کے ذریعہ سے اسی شکل کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

در مختار کی عبارت ملاحظہ ہو۔

تجاوز المصافحة؛ لأنها سنة قديمة متواترة، بقوله عليه الصلاة والسلام: من صافح أخاه المسلم وحرك يده.....تسائرت ذنوبه، وإطلاق المصنف تبعاً للدرر والكنز والوقاية والنقاية والمجمع والملتقى وغيرها يفيد جوازها مطلقاً ولو بعد العصر. (در مختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، كراچی ۳۸۱/۶، زکریا ۵۴۷/۹) اور یہ حکم مرقاة کی اس عبارت سے بھی مستفاد ہوتا ہے۔

نعم لو دخل أحد في المسجد والناس في الصلاة، أو على إرادة الشروع فيها، فبعد الفراغ لو صافحهم؛ لكن بشرط سبق الكلام على المصافحة، فهذا من جملة المصافحة المسنونة بلا شبهة. (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الأدب، باب المصافحة والمعانقة، مکتبہ امدادیہ ملتان ۷۴/۹)

اور بلا مواظبت نماز عصر کے بعد بھی مصافحہ کا ثبوت اس حدیث شریف سے ہوتا ہے۔
حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن الحكم قال سمعت أبا حنيفة قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم بالهاجرة إلى البطحاء، فتوضأ، ثم صلى الظهر ركعتين والعصر ركعتين، وبين يديه عنزة، قال شعبة: وزاد فيه عون عن أبيه عن أبي حنيفة قال: كان تمر من ورائها المرأة وقام الناس فجعلوا يأخذون يديه فيمسحون بهما وجوههم، قال: فأخذت بيده فوضعتها على وجهي، فإذا هي أبرد من الثلج، وأطيب رائحة من المسك. (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ۵۰۲/۱، رقم: ۳۴۲۸، ف: ۳۵۵۳) مسند أحمد بن حنبل ۳۰۹/۴، رقم: ۱۸۹۷۴۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۱۵/۲۲، رقم: ۲۹۴۔

(۴) عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ کے بارے میں غور کرنا ہے؛ چنانچہ عید کی نماز کو جاتے ہوئے آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات ہو جائے اور اس میں سلام و مصافحہ نہ ہو پھر عید کی نماز کے بعد وہی لوگ جو ساتھ میں گفتگو کرتے ہوئے آتے ہیں آپس میں مصافحہ کرنے لگیں تو یہ محض رسمی مصافحہ ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

وقديكون جماعة..... إلى..... من البدع المذمومة. (مراجعة المفاتيح ملتان ۷/۹، عون

المعبود ۵۲۱/۴، حاشية أبوداؤد ۷۰۸/۲)

لیکن اگر عید کو جاتے وقت راستہ میں ملاقات پر سلام مصافحہ ہو چکا ہے، پھر عید کی نماز کے بعد عید کی مبارک باد پیش کرنے کے ساتھ ساتھ مصافحہ بھی ہو جائے تو یہ شکل نماز کے بعد کی خصوصیت اور اہتمام کے دائرہ میں شامل نہ ہوگی؛ بلکہ ہر ملاقات پر مصافحہ کے حکم میں شامل ہوگی؛ اس لئے کہ نماز سے پہلے کی ملاقات میں بھی مصافحہ ہوا ہے اور بعد کی ملاقات میں بھی مصافحہ ہوا ہے؛ لہذا اس کو بدعت یا مکروہ کہنا درست نہیں اور درمختار کی ذیل کی عبارت کے حکم میں شامل ہو جائے گا۔
عبارت ملاحظہ فرمائیے:

تجوز المصافحة؛ لأنها سنة قديمة متواترة لقوله عليه السلام من صافح أخاه المسلم وحرک يده تناثر ذنوبه . (در مختار مع الرد، کتاب الحظرو الإباحة، باب الاستبراء وغيره کراچی ۳۸۱/۶، زکریا ۵۴۷/۹)

عید کی مبارک باد پیش کرنے کا جواز ذیل کی احادیث اور جزئیات سے ہوتا ہے۔
احادیث شریفہ ملاحظہ فرمائیں:

حدثني حبيب بن عمر الأنصاري، أخبرني أبي قال: لقيت وائلة يوم عيد فقلت: تقبل الله منا و منك فقال: نعم! تقبل الله منا و منك . (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۵۲/۲۲، رقم: ۱۲۳)

عن خالد بن معدان قال: لقيت وائلة بن الأسقع في يوم عيد، فقلت: تقبل الله منك، فقال: نعم! تقبل الله منا و منك ، قال وائلة: لقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم عيد فقلت: تقبل الله منا و منك، قال: نعم! تقبل الله منا و منك . (السنن الكبرى للبيهقي، باب ما روي في قول الناس يوم العيد بعضهم لبعض: تقبل الله منا و منك ۱۱۱/۵، رقم: ۶۳۸۷، دار الفکر بیروت، کتاب صلاة العیدین)

عن أدهم مولى عمر بن عبد العزيز[ؓ]، قال: كنا نقول لعمر بن عبد العزيز في العیدین: تقبل الله منا و منك یا أمیر المؤمنین، فیرد علينا و لا ینکر ذلک علينا . (شعب الإيمان للبيهقي، باب في الصيام، في ليلة العیدین، و يومها ۳/۳۴۵، رقم: ۳۷۲۰)

المعجم الكبير للطبراني، ۲۲/۵۳، رقم: ۱۲۳۔

السنن الكبرى لبيهقي، كتاب صلاة العيدين، باب ما روي في قول الناس يوم العيدين بعضهم لبعض: تقبل الله منا و منك، جديد ۵/۱۱۱، رقم: ۶۳۸۹، دار الفكر بيروت۔

اور شامی وغیرہ میں اس حکم کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

والمتعامل في البلاد الشامية، والمصرية عيد مبارك عليك ونحوه، وقال: يمكن أن يلحق بذلك في المشروعية والاستحباب لما بينهما من التلازم، فإن من قبلت طاعته في زمان كان ذلك الزمان عليه مباركاً على أنه قد ورد الدعاء بالبركة في أمور شتى فيؤخذ منه استحباب الدعاء بها هنا أيضاً. (شامي، كتاب الصلاة، باب العيدين مطلب يطلق المستحب على السنة و بالعكس، زكريا ۳/۵۰، كراچی ۱۶۹/۲)

ومثله في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، دار الكتاب ديوبند ۵۳۰۔

حلبی کبیر، صلاة العید، فروع خروج إلى المصلی، مطبع لاهور ۵۷۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ۹۹/۱۴۔

(۵) عید کی نماز کے بعد لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا؛ جبکہ اس میں کسی کی کسی سے مہینہ بھر کے بعد ملاقات ہو رہی ہے، کسی کی ہفتوں اور کسی کی ایک دو دن کے بعد ملاقات ہو رہی ہے، تو ایسی صورت میں عید کی نماز اور خطبہ کے بعد واپسی کے موقع پر ایک دوسرے سے ملاقات پر مصافحہ کرنا نہ صرف جائز اور درست ہے؛ بلکہ ایک دوسرے سے فرط محبت میں اس موقع پر مصافحہ کرنا باعث اجر و ثواب اور گناہوں کے جھڑنے اور معاف ہونے کا سبب بنے گا۔

عن أنس قال: كان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم إذا تلاقوا تصافحوا. الحديث (المعجم الأوسط، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۴۱، رقم: ۹۷)

عن أيوب بن بشير عن رجل من عنزة أنه قال: قلت لأبي ذر..... هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصافحكم إذا لقيتموه؟ قال: ما لقيته قط إلا صافحني. (سنن أبي داود،

كتاب الأدب، باب في المعانقة، النسخة الهندية ۲/۷۰۸، دار السلام رقم: ۵۲۱۴)

مسند أحمد بن حنبل ۵/۱۶۳، رقم: ۲۱۷۷۴، ۲۱۷۷۵۔

عن حذيفة بن اليمان عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن المؤمن إذا لقي المؤمن فسلم عليه، وأخذ بيده، فصافحه، تناثرت خطاياهما كما يتناثر ورق الشجر. (المعجم الأوسط للطبراني، دار الفكر بيروت ۸۵/۱، رقم: ۲۴۵)

عن البراء قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، ما من مسلمين يلتقيان، فيتصافحان إلا غفر لهما قبل أن يفترقا. (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في المصافحة، النسخة الهندية ۷۰۸/۲، دار السلام رقم: ۵۲۱۲)

جامع الترمذي، كتاب الاستئذان، باب ما جاء في المصافحة، النسخة الهندية ۱۰۲/۲، دار السلام رقم: ۲۷۲۷۔

(۶) عید کی نماز کے بعد امام صاحب سے مصافحہ کرنا، یہاں یہ بات واضح رہے کہ امام صاحب سے کسی شخص کی ملاقات سال بھر کے بعد کسی کی مہینہ، کسی کی ہفتہ اور کسی کی چند دنوں کے بعد ہوتی ہے، اب اگر محض امام صاحب سے محبت اور امام صاحب کے مصافحہ سے برکت حاصل کرنے کے ارادہ سے عید کی نماز کے بعد امام صاحب سے مصافحہ کریں تو اس میں کوئی قباحت اور کراہت نہیں ہے؛ بلکہ بلا کراہت و بلاشبہ جائز ہے اور یہ مصافحہ اول ملاقات پر مصافحہ کے حکم میں ہے؛ اس لئے امام صاحب سے عید کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا ہر حال میں بلا کراہت جائز ہے۔

عن الحكم قال: سمعت أبا جحيفة قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم بالهاجرة إلى البطحاء فتوضأ، ثم صلى الظهر ركعتين، والعصر ركعتين، وبين يديه عنزة، قال شعبة: وزاد فيه عون عن أبيه عن أبي جحيفة قال: كان تمر من ورائها المرأة، وقام الناس فجعلوا يأخذون يديه فيمسحون بهما وجوههم، قال: فأخذت بيده فوضعتها على وجهي، فإذا هي أبرد من الثلج، وأطيب رائحة من المسك.

(صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ۵۰۲/۱، رقم: ۳۴۲۸، ف: ۳۵۵۳)

مسند أحمد بن حنبل ۳۰۹/۴، رقم: ۱۸۹۷۴۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۱۵/۲۲، رقم: ۲۹۴۔

عن البراء بن عازبؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا التقى المسلمان، فتصافحا وحمدا الله واستغفراه غفر لهما. (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في المصافحة، النسخة الهندية ۷۰۸/۲، دار السلام رقم: ۵۲۱۱)

عن أنسؓ أن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصافح بعضهم بعضاً. (سنن الترمذي، كتاب الاستئذان والأدب، النسخة الهندية ۱۰۳/۲، دار السلام رقم: ۲۷۲۹)

مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن جديد ۱۸۵/۱۳، رقم: ۲۶۲۳۳۔
صحيح البخاري، كتاب الاستئذان، باب في المصافحة، النسخة الهندية ۹۲۶/۲، رقم: ۶۰۲۲، ف: ۶۲۶۳۔

عن أنسؓ قال: كان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم إذا تلاقوا تصافحوا. الحديث (المعجم الأوسط للطبراني، دار الفكر بيروت ۴/۱، رقم: ۹۲)
ومثله في شرح معاني الآثار، كتاب الكراهة، باب المعانقة، دار الكتب العلمية بيروت ۹۲/۴، رقم: ۶۷۶۶۔

مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن جديد تحقيق شيخ محمد عوامه ۱۸۵/۱۳، رقم: ۲۶۲۳۴۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۷ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۵/۱۱/۱۷ھ

عید کے دن معافۃ کی شرعی حیثیت

حضرت والا تھانویؒ سے سائل نے عیدین کی نمازوں کے بعد معافۃ سے حکم بھی معلوم کیا تھا، مگر حضرتؒ کے جواب میں اس کا حکم لکھنے سے رہ گیا ہے؛ اس لئے معافۃ سے متعلق ایک تحقیقی جواب فتاویٰ قاسمیہ میں ہے، اس کو بھی یہاں حاشیہ میں شامل کر دینا مناسب سمجھا گیا۔ ملاحظہ فرمائیے:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عوام الناس میں عید کے دن عید کی نماز کے بعد اور پھر پورے دن آنے جانے والے ملاقات کرنے والوں کے ساتھ معافۃ کا باز ارگرم رہتا ہے، راستہ میں گھروں میں، ہوٹلوں میں، چوراہوں پر، غرضیکہ عید کے دن جہاں کہیں ایک دوسرے سے ملاقات ہو رہی ہے، تو لوگ معافۃ کرتے نظر آ رہے ہیں، مفتی صاحب! دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس طرح عید کے دن معافۃ کا التزام و اہتمام شریعت سے ثابت بھی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس معافۃ کا شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عبید اللہ بھگل پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: عید کے دن معافۃ کرنا محض رسمی معافۃ ہے، شریعت میں کہیں سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اور اس رسمی معافۃ کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو خواہ مخواہ بہ تکلف مشقت اٹھانی پڑتی ہے کہ ہر آنے جانے والے سے گلے ملنے کے لئے کھڑے ہونا پڑتا ہے۔ اور راستوں میں بھی رسمی معافۃ کا عجیب و غریب سلسلہ دیکھنے میں آتا ہے، خاص طور پر نوجوان طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ معافۃ کے بغیر عید کے دن کی ملاقات مکمل نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے یہ معافۃ مکروہ اور بدعت ہے؛ لہذا اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ یہ رسمی معافۃ لوگوں کے درمیان سے ختم ہو جائے، ہاں البتہ عید کے دن اگر کوئی رشتہ دار یا دوست و احباب دوسری جگہ سے یا دور دراز سفر سے آجائیں، تو ان کے ساتھ معافۃ کرنا نہ صرف بلا کراہت جائز بلکہ مسنون ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

والمعافاة بعد صلوة العیدین من البدع المذمومة المخالفة للشرع،

واللہ اعلم۔ (عون المعبود، کتاب الأدب، باب فی المصافحة تحت رقم الحدیث: ۵۲۱۱،

حدیث پاک کے اندر موجود ہے کہ صحابہ کرام جب دور دراز سے سفر سے آتے یا دیرینہ ملاقات ہوتی تو آپس میں معانقہ کرتے تھے، اسی طرح حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کی آمد پر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور معانقہ کیا اور حضرت جعفرؓ جب حبشہ سے تشریف لائے تو ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور ان سے معانقہ فرمایا؛ لہذا اس طرح دور دراز سفر سے آمد پر یا دیرینہ ملاقات پر معانقہ مسنون ہے، مگر خاص طور پر عید کے دن معانقہ کو لازم سمجھ کر کرنا بدعت ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أنس قال: كان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم إذا تلاقوا تصافحوا، وإذا قدموا من سفر تعانقوا. (المعجم الأوسط للطبراني، دار الكتب العلمية بيروت ١/٤١، رقم: ٩٧، اسنادہ صحیح انظر مجمع الزوائد ٣٩/٨)

عن عائشة قالت: قدم زيد بن حارثةؓ المدينة ورسول الله صلى الله عليه وسلم في بيتي، فأتاه، ففرع الباب، فقام إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم عرياناً يجترُّ ثوبه، والله ما رأيتُه عرياناً قبله ولا بعده، فاعتنقه وقبله. (سنن الترمذي، كتاب الآداب، باب ماجاء في المعانقة والقبلة، ١٠٢/٢، رقم: ٢٧٣٢)

عن عون بن أبي جحيفة عن أبيه، قال: لما قدم جعفر من هجرة الحبشة تلقاء النبي صلى الله عليه وسلم فعانقه وقبل ما بين عينيه. (المعجم الكبير للطبراني ١٠٨/٢، رقم: ١٤٧٠)

مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ١٨٨/١٣، رقم: ٢٦٢٤٣۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۵/۱۱/۱۹ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۹ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ

خطبہ جمعہ سے قبل وعظ کا جائز ہونا

سوال (۶۴۰): قدیم ۱/۷۰۸ - کسی شہر کی جامع مسجد میں جو ایسی وسیع ہے کہ جس کی نصف تک نمازی نماز جمعہ میں جمع ہوتے ہیں اس کے علاوہ مسجد کے متصل دالان وغیرہ موجود ہیں کہ جس میں سنت پڑھنے والے سنت پڑھ سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ قبل جمعہ وعظ ہونے سے کسی کی نماز میں خلل نہیں پڑتا۔ مبتدعین نے اپنا برا اثر عام مسلمانوں پر ڈال رکھا ہے یہ ضرورت ہے وعظ کی اس پر کوئی واعظ یا مولوی مبتدعین کی تردید یا دینی فوائد کی ضروری باتیں مسلمانوں کو قبل نماز جمعہ وعظ میں بیان کرتا ہے عام مسلمانوں بوجہ پیشہ ور ہونے کے بعد نماز جمعہ نہیں ٹھہر سکتے پس ایسی حالت میں واعظ یا مولوی صاحب کا وعظ بیان کرنا اور ضروری عقائد سے واقف کرنا اور اسلام کے فوائد بیان کرنا قبل خطبہ جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ وعظ ہمیشہ اور ہر جمعہ میں نہیں ہوتا بلکہ گاہ بگاہ؟

الجواب: في الدر المختار: أحكام المسجد ويحرم فيه السؤال الى قوله ورفع صوت بذكر إلا للمتفقهة. وفي رد المحتار قوله ورفع صوت بذكر الى قوله اجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها الا ان يشوش جهرهم على نائم أو مصلٍ أو قارئ الخ (ج ۱ ص ۶۹۰) (۱) استثناء إلا للمتفقهة واستثناء الا ان يشوش الخ سے معلوم ہوا کہ جب در صورت عدم تشویش مصلین ذکر جائز ہے تو مسائل دین کا بیان کرنا عدم تشویش کی صورت میں بدرجہ اولیٰ جائز ہے (۲) اور صورت مسئلہ میں عدم تشویش ظاہر ہے کہ مسجد بھی وسیع ہے اور دالان وغیرہ بھی موجود ہیں خصوص جبکہ کبھی ہو کبھی نہ ہو۔

۶/رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۷۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکرہ فیہا، مکتبہ

زکریا دیوبند ۲/۴۳۳ - ۴۳۴، کراچی ۱/۶۵۹

(۲) عن عاصم بن محمد عن أبيه قال: رأيت أبا هريرة رضي الله تعالى عنه يخرج يوم

الجمعة فيقبض على رمانتي المنبر قائماً ويقول: حدثنا أبو القاسم رسول الله الصادق

جمعہ میں عورت کا خطبہ دینا کیسا ہے؟

سوال (۶۴۱): قدیم/۰۹-۷۰۔ جمعہ میں خطبہ اگر عورت مردوں کے بیچ میں مسجد میں عام مسلمانوں کے سامنے منبر پر بیٹھ کر پڑھے تو یہ کیسا ہے۔ عورت گنہگار ہوگی یا نہیں؟ اور خطبہ دوبارہ پڑھا جاوے یا کہ وہی خطبہ کافی ہے اور نماز میں کچھ نقص ہوا یا نہیں کیونکہ نماز جمعہ عورت نے نہیں پڑھائی مرد نے پڑھایا۔ یہ معاملہ ایسا ہوا ہے یہاں پر کیونکہ اس دن جمعہ کے روز کوئی شخص خطبہ کا پڑھانے والا نہ تھا۔ مجبوری درجہ عورت کو خطبہ پڑھانا پڑھا۔ یہ معاملہ غیر مقلد کے ہاں ہوا ہے؟

← المصندوق صلی اللہ علیہ وسلم فلا يزال يحدث حتى إذا سمع فتح باب المقصورة لخروج الإمام للصلاة جلس . (المستدرک للحاكم، كتاب معرفة الصحابة قديم ۵۱۲/۳، مكتبة نزار مصطفى الباز جديد ۶/۲۲۲۲، رقم: ۶۱۷۳)

عن السائب بن يزيد قال: لم يقص علي عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا أبي بكر، وعمر حتى كان أول من قص تميم الداري، واستأذن عمر رضي الله عنه، فأذن له، فقص قائمًا. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۷/۱۴۹، رقم: ۶۶۵۶)

عن السائب بن زيد أنه لم يكن علي عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا أبي بكر وكان أول من قص تميم الداري استأذن عمر بن الخطاب أن يقص علي الناس قائمًا، فأذن له عمر. (مسند أحمد بن حنبل ۳/۴۴۹، رقم: ۱۵۸۰۷)

مصنف عبد الرزاق، باب ذكر القصص، المجلس العلمي ۳/۲۱۹، رقم: ۵۴۰۰۔

وأخرج ابن عساكر، عن حميد بن عبد الرحمن أن تميم الداري رضي الله عنه استأذن عمر في القصص سنين فأبى أن يأذن له فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثر عليه قال له: ماتقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن وأمرهم بالخير، وأنها هم عن الشر، قال عمر رضي الله عنه: ذلك الذبح، ثم قال: عظ قبل أن أخرج في الجمعة، فكان يفعل ذلك يومًا واحدًا في الجمعة. (الموضوعات الكبرى لملا علي قاري، مقدمة، فصل ولما كان أكثر القصص والوعاظ، مكتبة نور محمد أصح المطابع كراچی ص: ۱۰، بحواله فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۸/۲۵۴)

الجواب: فی العالمگیریہ: وأما الخطیب فیشرط فیہ أن يتأهل للإمامة فی

الجمعة کذا فی الزاهدی وفيها فی شرائط صلوة الجمعة ومنها الخطبة قبلها حتی لو صلوا بلا خطبة أو خطب قبل الوقت لم یجز. کذا فی الکافی: وفيها فرائض الخطبة والشانی ذکر اللہ تعالیٰ کذا فی البحر الرائق: وکفت تحميدة أو تهلیلة أو تسبیحة کذا فی المتون ج ۱ ص ۹۴۔ (۱)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ عورت کا خطبہ صحیح نہیں ہوا۔ اور جب خطبہ شرائط صحت جمعہ سے ہے تو جمعہ بھی صحیح نہیں ہوا۔ ان سب لوگوں کو ظہر کی نماز قضا پڑھنی چاہئے۔ اگر کوئی خطبہ پڑھنے والا نہ تھا تو جس نے نماز پڑھائی ہے وہی کچھ ذکر اللہ یا کچھ قرآن پڑھ دیتا۔ حتیٰ کہ سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر ہی کہہ لیتا تو فرض خطبہ کا ادا ہو جاتا جس سے فرض نماز ادا ہو جاتی۔

۲۱/رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ (تمہ خامسہ ص ۳۰۴)

لوگوں کے بیچ میں کھڑے ہو کر خطبہ جمعہ پڑھنا

سوال (۶۳۵): قدیم/۱/۷۰۹۔ اب کے جامع مسجد میں امام صاحب نے یہ جدت کی کہ بجائے منبر کے باہر کے درجہ میں خطبہ جمعۃ الوداع پڑھا اور عذر یہ کیا کہ تاکہ لوگ سن سکیں۔ اگر یہ دلیل خطبہ کیلئے ہے تو نماز کیلئے بھی کہ بجائے آگے کھڑے ہونے کے امام بیچ میں کھڑا ہو بہر حال یہ کہاں تک جائز ہے اس کے متعلق اطلاع فرمائی جاوے تو مناسب ہوگا؟

(۱) الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعة، قدیم زکریا

۱/۱۴۶-۱۴۷، جدید زکریا ۱/۲۰۵-۲۰۶۔

(ومن شرط صحتها) الخطبة قبلها وسن خطبتان بجلسة بينهما وطهارة قائماً وکفت

تحميدة أو تهلیلة أو تسبیحة (کنز) وفي البحر: وأما الخطیب فیشرط فیہ أن يتأهل للإمامة فی الجمعة. (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۲/۲۵۸-۲۶۰، کوئٹہ ۲/۱۴۶-۱۴۹)

الجواب: في العالمگیریة: أحكام الخطبة وأما سننها فخمسة عشر وثالثها

استقبال القوم بوجهه ج ۱ ص ۹۴ (۱)

اس میں تصریح ہے کہ تمام قوم کا خطیب کے سامنے ہونا سنت ہے پس بعض کا پشت پر ہونا بدعت ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا اتفاقاً نہیں کیا گیا بلکہ اس کو سنت استقبال پر ترجیح دی گئی اور اس کے مقابلہ میں مستحسن سمجھا گیا تو بدعت عملیہ کے ساتھ بدعت اعتقادیہ منضم ہو کر کراہت و شناعہ میں اشد واقع ہو گیا۔ خطیب پر واجب ہے کہ اس بدعت کی ترک کے ساتھ اپنی غلطی کا اعلان بھی کرے؛ (۲) تا کہ آئندہ اس کا بالکلیہ انسداد ہو جاوے۔

۱۱/شوال ۱۳۴۲ھ (نتمہ خامسہ ص ۳۱۳)

(۱) الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، قديم زكريا

۱/۱۴۶، جديد زكريا ۱/۲۰۷.

ويسن استقبال القوم بوجهه كما استقبال الصحابة النبي صلى الله عليه وسلم.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه دارالكتاب

ديوبند ص: ۵۱۵)

وأما سننها (الخطبة) فخمسة عشر: وثالثها: استقبال القوم بوجهه. (البحر الرائق،

كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۵۸، كوئٹہ ۲/۱۴۷)

وسن خطبتان بجلسة بينهما وطهارة قائماً مستقبلاً للقوم بوجهه الخ. (النهر الفائق،

كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ۱/۳۵۹)

وسننها أن يخطب قائماً على طهارة خطبتين خفيفتين بقدر سورة من طوال المفصل،

وزيادة التطويل مكروهة، مستقبلاً للقوم بوجهه فيهما الخ. (مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر،

كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۹)

والسنة أن يخطب قائماً على المنبر مقبلاً بوجهه إلى الناس. (خلاصة الفتاوى،

كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة، مكتبه أشرفية ديوبند ۱/۲۰۵)

(۲) عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ←

معذور شخص کے لئے جمعہ میں حاضری لازم نہیں

سوال (۶۳۶): قدیم ۱۰/۷۱- اگر کوئی نمازی آدمی بوجہ ضعیفی یا بیماری کے جامع مسجد میں پیادہ پا جانے سے مجبور ہو۔ مگر اس کو اس قدر مقدرت ہے کہ وہ کرایہ کی سواری پر جاسکتا ہے، پس ایسی حالت میں اگر نہ جائے تو کیا گنہگار ہوگا اور فرض نماز ترک کر دینا سمجھا جائے گا؟

الجواب: فی الدر المختار: شروط الجمعة صحة وألحق بالمریض الممرض والشیخ الفانی وفی رد المحتار فلو وجد المریض ما یرکبه ففی القیة هو کالاعمی علی الخلاف إذا وجد قائدًا وقیل لایجب علیه اتفاقًا کالمقعد وقیل هو کالقادر علی المشی فتجب فی قولهم وتعقبه السروجی بانه ینبغی تصحیح عدمه لأن فی التزامه الركوب والحضور زیادة المرض قلت فینبغی تصحیح عدم الوجوب إن کان الأمر فی حقه. کذلک حلیة ج ۱ ص ۸۵۲ (۱)

وفی الدر المختار: أيضًا باب الجماعة ولا تجب علی المریض إلی قوله: وشیخ کبیر

← من عمل عملاً لیس علیہ أمرنا فهو رد، عنها أنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد. (مسلم شریف، کتاب الأفضیة، باب نقض الأحکام الباطلة ورد محدثات الأمور، النسخة الهندیة، ۷۷/۲، بیت الأفكار رقم: ۱۷۱۸)

عن عبد الله بن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إنما هما اثنتان الكلام والهدي، فأحسن الكلام كلام الله، وأحسن الهدي هدي محمد صلى الله عليه وسلم، ألا وإياكم ومحدثات الأمور، فإن شر الأمور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة الحديث. (سنن ابن ماجه، مقدمة، باب اجتناب البدع والجدل، النسخة الهندیة ص: ۶، دار السلام رقم: ۴۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

عاجز و اعمیٰ وان وجد قاعداً. وفي رد المحتار وكذا الزمن لو كان غنيا وله مركب وخادم فلا تجب عليهما عنده خلافاً لهما حلية عن المحيط وذكر في الفتح أن الظاهر أنه اتفاق والخلاف في الجمعة لا في الجماعة اهـ، ولكن السطور في الكتب المشهورة خلافه حلية ج ۱ ص ۵۸۰ (۱)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اس میں اقوال مختلفہ ہیں قواعد سے تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی کلفت نہ ہو تو حاضر ہونا چاہئے ورنہ معذور ہے۔ واللہ اعلم
۲/ صفر ۱۳۳۳ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۲۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإقامة، مکتبہ زکریا دیوبند کراچی ۱/ ۵۵۵۔

وشرط وجوبها: الإقامة والذكورة والصحة فلا تجب على مريض ساء مزاجه وأمكن في الأغلب علاجه فخرج المقعد والأعمى ولذا عطفه عليه فلا تكرر في كلامه كما توهمه في البحر: وأما الشيخ الفاني فملحق بالمريض واختلفوا فيما إذا وجد مايركبه كالأعمى يجد القائد، قيل: لا تجب عليه اتفاقاً، وقيل: تجب في قولهم وهو الصحيح، كذا في القنية: وسيأتي خلافه. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۳۶۱)

والرابع الصحة: خرج به الذي لا يقدر على الذهاب إلى الجامع أو يقدر ولكن يخاف زيادة مرضه أو ببطء برئه بسبب جلي لما روينا، والشيخ الكبير الذي ضعف ملحق بالمريض. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ دار الكتاب دیوبند ص: ۵۰۵)

وتسقط بالأعذار كالريح في الليلة المظلمة لا بالنهار كما في السراج والمطر والطين والبرد الشديد، والظلمة الشديدة في الأصح، والخوف من غريم أو ظالم وكونه مقطوع اليد أو الرجل من خلاف أو شيخاً عاجزاً وكونه أعمى عند الإمام، قال في الفتح: والظاهر أنه اتفاق وأن الخلاف في الجمعة لا الجماعة، ففي الدراية: قال محمد: لا تجب على الأعمى انتهى. وأقول: الذي رأيته في الدراية ما لفظه: قال محمد: لا تجب الجماعة والجمعة على الأعمى. وفي البدائع: وأما الأعمى فاجمعوا على أنه إذا لم يجد قائداً لا تجب عليه وإن وجد قائداً فكذلك عند أبي حنيفة وعندهما تجب انتهى. (النهر الفائق،

تکبیر تشریق ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا کیسا ہے؟

سوال (۶۳۷): قدیم ۱/۷۱- ہمارے یہاں تکبیر تشریق کے متعلق دو فریق ہو گئے بعض کہتے ہیں کہ تکبیر تشریق نماز کے بعد صرف ایک مرتبہ اللہ اکبر لا إله إلا الله الخ کہنا ہے اس سے زیادہ کہنا خلاف سنت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کہنا واجب ہے اگر اس پر زیادہ کیا تو مستحب ہوگا۔ اب دونوں فریق حضرت والا کے دستخط شدہ جواب کے منتظر ہیں اس لئے امید ہے کہ براہ کرم صورت مسئلہ کا مدلل جواب باصواب سے ممنون فرماویں؟

الجواب: في الدر المختار: بعد قوله: مرة وإن زاد عليها يكون فضلا قاله العيني: وفي رد المحتار: تحت قوله زاد الخ أفاد أن قوله مرة بيان للواجب لكن ذكر أبو السعود الحموي نقل عن القراحصاري أن الاتيان به مرتين خلاف السنة اه قلت وفي الأحكام عن البرجندي: ثم المشهور من قول علمائنا أنه يكبر مرة وقيل ثلاث مرات. (۱)

← فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۳۵۳، کوئٹہ ۱/۳۰۰۔ خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجماعة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/۲۱۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۶۱-۶۲، کراچی ۱۸۷/۲

و یجب تکبیر التشریق من بعد فجر عرفة إلى عقب صلاة العصر مرة بشرط أن يكون فور كل فرضٍ أدي بجماعة (مراقی الفلاح) وفي حاشیة الطحطاوی: قوله: ویأتی به مرة وما زاد فهو مستحب، قال البدر العینی فی شرح التحفة: وأقره فی الدر: وفي الحموي: عن المقر احصاري الإتيان به مرتين خلاف السنة. وفي مجمع الأنهر: إن زاد فقد خالف السنة، ولعل محله ما إذا أتى به على أنه سنة، وأما إذا أتى به على أنه ذكر مطلق فلا. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ دارالکتاب

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مشہور قول مرتہ ہی کا ہے۔ اور قول مقابل ضعیف ہے۔ اور قطع نظر ضعف سے مرتہ والے زیادت کو خلاف سنت کہتے ہیں اور اہل زیادت مرتہ کے سنت ہونے پر متفق ہیں پس احتیاط مرتہ ہی میں ہوئی۔

۱۵/محرم الحرام ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۶۲۹)

عیدین کے خطبہ کے دوران وعظ کہنا

سوال (۶۳۸): قدیم ۱۱/۷- عیدین میں ضروری مسائل اور وعظ کہنا ہو تو بعد ختم خطبہ کہے یا وسط خطبہ میں؟

الجواب: وسط میں اگر ہو لیل ہو نا چاہئے۔

لأنه تكلم في اثناء الخطبة ولو أمرا بالمعروف فلا يعتاده ولا يكثره. (۱)
اور بعد میں ہو تو کوئی قید نہیں۔

۱۵/رمضان ۱۳۳۲ھ

← ويجب تكبير التشريق من فجر عرفة إلى عصر يوم العيد على المقيم بالمصر عقيب فرض أدى بجماعة مستحبة وبالإقتداء يجب على المرأة والمسافر، وعندهما إلى عصر آخر أيام التشريق على من يصلي الفرض وعليه العمل، وصفته أن يقول مرة الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر والله الحمد (ملتقى الأبحر) وفي المجمع: حتى لو زاد لقد خالف السنة، وفي سكب الأنهر، وإن زاد عليها يكون نفلاً. قاله العيني. (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب الصلاة باب صلاة العیدین، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۲۵۹-۲۶۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) ویکرہ للخطیب أن يتكلم في حال الخطبة إلا أن يكون أمراً بمعروف، كذا في فتح القدير. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، قدیم زکریا ۱/۱۴۷، جدید زکریا ۱/۲۰۸)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زکریا دیوبند ۲/۵۸، کوئٹہ ۲/۳۰-۳۱.

← ويكره للخطيب أن يتكلم في حالة الخطبة، ولو فعل لا تفسد الخطبة لأنها ليست بصلاة، فلا يفسدها كلام الناس؛ لكنه يكره لأنها شرعت منظومة كالأذان والكلام يقطع النظم إلا إذا كان الكلام أمراً بالمعروف فلا يكره. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، محظورات الخطبة، مكتبه زكريا ديوبند ١/٥٩٥)

ولا ينبغي للخطيب أن يتكلم في خطبته بما هو من كلام الناس؛ لأن الخطبة كلمات منظومة شرعت قبل الصلاة، فأشبهت الأذان ولا ينبغي للمؤذن أن يتكلم في أذانه بما يشبه كلام الناس، ولا بأس بأن يتكلم بما يشبه الأمر بالمعروف، فقد صح أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخطب فدخل سليك الغطفاني وجلس، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أركعت ركعتين؟ قال سليك: لا، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: قم واركع ركعتين، ثم اجلس، وعن عمر^{رضي} أنه كان يخطب يوم الجمعة، فدخل عثمان^{رضي}، فقال عمر^{رضي}: أية ساعة المجيء هذه؟ فقال عثمان^{رضي}: ما زدت حين سمعت النداء علي أن توضأت، فقال عمر^{رضي}: والوضوء أيضاً، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر بالاغتسال يوم الجمعة - ولأن ما يشبه الأمر بالمعروف خطبة من حيث المعنى وإن لم يكن خطبة من حيث النظم، لأن الخطبة في الحقيقة وعظ وأمر بالمعروف. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون صلاة الجمعة، شرائط الجمعة، المجلس العلمي ٢/٤٥٩، رقم: ٢١٨٨)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون: شرائط الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٧٣، رقم: ٣٣٢٩.

أخرج حديث سليك الغطفاني. (مسلم في صحيحه، النسخة الهندية ١/٢٨٧، بيت الأفكار رقم: ٨٧٥)

وأبو داود شريف، النسخة الهندية ١/١٥٩، دار السلام رقم: ١١١٥ -

وابن ماجه، النسخة الهندية ص: ٧٨، دار السلام رقم: ١١١٤ -

شبير احمد قاسمي عفا الله عنه



۱۸ / فصل في الاستسقاء

نماز استسقاء میں تحویل رداء کب کی جائے؟

سوال (۶۳۹): قدیم ۱/۱۱۷- نماز استسقاء میں قلب رداء کا وقت کون ہے دعاء کے قبل یا بعد؟
الجواب: یاد پڑتا ہے کہ بالکل اخیر میں ہے (*) یعنی بعد دعاء کے۔

إشارة إلى التفاول لقبول الدعاء. (۱)

۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ (تمتہ خامسہ ص ۹۶)

(*) شامی میں حضرت امام محمد سے قلب رداء کا مکمل خطبہ کا شروع حصہ گزر جانے کے بعد نقل کیا ہے۔
خلافًا لمحمد فإنه يقول: يقلب الإمام رداءه إذا مضى صدر من خطبته. (شامی
۱/۷۹۱، کتاب الصلاة، باب الاستسقاء، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۷۱، کراچی ۲/۱۸۴)
وفي العالم مكيبة: فإذا مضى صدر من خطبته قلب رداءه. (هندية، كتاب الصلاة،
الباب التاسع عشر في الاستسقاء قديم زكريا ۱/۱۵۴، جديد زكريا ۱/۲۱۴)
اور خطبہ دعاء سے پہلے ہوتا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) عن عبد الله بن زيد الأنصاري، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج إلى المصلى يصلي، وأنه لما دعا أو أراد أن يدعو استقبال القبلة وحول رداءه. (بخاري شريف، كتاب الاستسقاء، باب استقبال القبلة في الاستسقاء، النسخة الهندية ۱/۱۴۰، رقم: ۱۰۱۸، ف: ۱۰۲۸)

عن عباد بن تميم المازني أنه سمع عمه، وكان من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً يستسقي، فجعل إلى الناس ظهره، يدعو الله واستقبل القبلة وحول رداءه ثم صلى ركعتين. وعن عبد الله بن زيد الأنصاري أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج إلى المصلى يستسقي، وأنه لما أراد أن يدعو استقبال القبلة وحول رداءه.

(مسلم شريف، كتاب صلاة الاستسقاء، النسخة الهندية ۱/۲۹۳، بيت الأفكار رقم: ۸۹۴)

«أخرج أبو داود عن عبد الله بن زيد المازني، يقول: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى المصلي فاستسقى، وحول رداءه حين استقبل القبلة. (أبو داود شريف، صلاة الاستسقاء، باب في أي وقت يحول رداءه إذا استسقى، النسخة الهندية ١/ ١٦٤، دار السلام رقم: ١١٦٧)

عن أبي هريرة قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً يستسقي، فصلى بنا ركعتين بلا أذان ولا إقامة، ثم خطبنا ودعا الله، ثم حول وجهه نحو القبلة رافعاً يديه، ثم قلب رداءه فجعل الأيمن على الأيسر والأيسر على الأيمن. (ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في صلاة الاستسقاء، النسخة الهندية ص: ٩٠، دار السلام رقم: ١٢٦٨)

وفي التحفة: وإذا فرغ الإمام من الخطبة يجعل ظهره إلى الناس ووجهه إلى القبلة ويقلب رداءه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثلاثون، صلاة الاستسقاء، مكتبة زكريا ديوبند ٢/ ٦٦٢، رقم: ٣٥٣٠)

شبير احمد قاسم عفا الله عنه



۱۹/باب مسائل منثورۃ

متعلقۃ بکتاب الصلوة

عمداً نماز چھوڑنے والے کا حکم

سوال (۶۴۰): قدیم ۸۴/۷- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس شخص کے حق میں جو بلا عذر شرعی فرض نماز کو ترک کرے شرعاً (۱) اس کا کیا حکم ہے اور (۲) اس کے ساتھ اختلاف اور ساتھ کھانا پینا اور بولنا کیسا ہے؟ اور (۳) اگر زوجین میں ایک ایسا ہو تو نکاح باقی رہے گا یا نہیں اور صحبت حلال ہوگی یا حرام اور اولاد کیسی ہوگی اور (۴) اگر بعد مرنے اس شخص کے زجر اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں تو کیسا ہے؟ (۵) اگر نصیحت نماز سے برامانے یا کوئی کلمہ استخفاف و انکار کا کہے تو کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا فقط

الجواب: تارک الصلوة عمداً کے باب میں علماء کے دو اقوال مختلف ہیں صحابہ میں سے

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ و (۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ و (۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۴) حضرت معاذ بن جبلؓ (۵) حضرت جابر بن عبداللہؓ (۶) حضرت ابوالدرداءؓ (۷) حضرت ابو ہریرہؓ (۸) حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور غیر صحابہ میں سے (۱) امام احمد بن حنبل (۲) اسحاق بن راہویہؒ (۳) نخعی (۴) ایوب السختیانی (۵) ابو داؤد الطیالسیؒ (۶) ابوبکر بن ابی شیبہؒ کا قول ہے کہ وہ شخص کافر ہو جاتا ہے۔

(۱) حماد بن زیدؒ (۲) مکحول و (۳) امام شافعی (۴) امام مالکؒ کے نزدیک کافر تو نہیں ہوتا مگر قتل کیا جاوے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کفر اور قتل کا حکم نہیں کیا جاتا مگر (۱) قید شدید میں رکھنا چاہیے اور خوب سزا دینا چاہیے اور اس قدر ماریں کہ بدن سے خون بہنے لگے یہاں تک کہ توبہ کرے یا اسی حالت میں مر جاوے (تفسیر مظہری (۱) و نفع المفتی و در مختار)

(۲) اس سے اختلاط و خوردنوش و گفتگو ترک کر دینا چاہیے کہ اس وقت بجائے جس اس قدر ممکن ہے اور جس کی غرض بھی یہی ہے کہ تنگ ہو کر توبہ کرے (حدیث کعب بن مالک کی اس باب میں دلیل ہے) (۱) اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بنی اسرائیل معاصی میں واقع ہوئے عالموں نے منع کیا وہ باز نہ آئے پس ان کے پاس بیٹھنے لگے اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے

← وهو رواية عن أحمد أنه لا يكفر؛ لكن يستتاب فإن تاب وإلا قتل، وقال أبو حنيفة:

لا يقتل لكن يحبس أبداً حتى يموت أو يتوب الخ. (تفسير مظہری، سورة البقرة: ۲۳۸)

وتارکھا عمدًا مجاناً أي تكاسلاً فاسق يحبس حتى يصلي لأنه يحبس لحق العبد فحق الحق أحق، قيل يضرب حتى يسيل منه الدم قائله الإمام المحبوبي ح، عن المنح: وظاهر الحلية أنه المذهب فإنه قال: وقال أصحابنا في جماعة منهم الزاهدي لا يقتل؛ بل يعذر ويحبس حتى يموت أو يتوب. وعند الشافعي يقتل بصلاة واحدة حدًا وقيل كفرًا وكذا عند مالك، وأحمد. وفي رواية عن أحمد وهي المختارة عند جمهور أصحابه أنه يقتل كفرًا ويسقط ذلك في الحلية. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، مكتبة زكريا دیوبند ۶-۵/۲، کراچی ۳۵۲-۳۵۳)

وأما الحالة الثانية: فقد اختلف الفقهاء فيها وهي ترك الصلاة تهاونًا وكسلًا لا جهودًا، فذهب المالكية والشافعية إلى أنه يقتل حدًا أي أن حكمه بعد الموت حكم المسلم فيغسل، ويصلى عليه ويدفن مع المسلمين وذهب الحنفية إلى أن تارك الصلاة تكاسلاً عمدًا فاسق لا يقتل بل يعزر ويحبس حتى يموت أو يتوب، وذهب الحنابلة: إلى أن تارك الصلاة تكاسلاً يدعى إلى فعلها ويقال له: إن صليت وإلا قتلناك، فإن صلى وإلا وجب قتله. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/۵۳-۵۴)

(۱) حدیث کعب بن مالک أخرجه البخاري في صحيحه بطوله - وفيه - ونهى رسول الله صلى الله عليه وسلم المسلمين عن كلامنا أيها الثلاثة من بين من تخلف عنه فاجتنبنا الناس وتغير والنا، حتى تنكرت في نفسي الأرض فما هي التي أعرف، فلبثنا على ذلك خمسين ليلة الحديث. (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب حديث كعب بن مالك،

پس ان کے دلوں کا ان کے دلوں پر اثر پڑ گیا پس لعنت کی ان پر اور پر زبان داؤد اور عیسیٰ بن مریم کے یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ تکبیر لگائے بیٹھے تھے اُٹھ بیٹھے فرمایا کبھی تم کو نجات نہ ہوگی جب تک اہل معاصی کو مجبور نہ کرو گے (رواہ الترمذی وابوداؤد) (۱) اور جن علماء نے اس شخص کو کافر کہا ہے ان کے نزدیک نکاح باقی نہ رہے گا اور صحبت حرام ہوگی اور اولاد و ولد حرام ہوگی معاذ اللہ منہ اور زجر کے لئے اگر اہل علم و فضل (*) اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں تو جائز ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدیون و قاتل نفس پر نماز نہ پڑھی تھی (۲)

(*) مگر اور کسی شخص سے نماز پڑھو ادیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) عن عبد الله بن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن أول ما دخل النقص على بني إسرائيل كان الرجل يلقي الرجل، فيقول: يا هذا! اتق الله ودع ما تصنع فإنه لا يحل لك، ثم يلقاه من الغد فلا يمنعه ذلك أن يكون أكيله وشريبه وقعيده، فلما فعلوا ذلك ضرب الله قلوب بعضهم ببعض، ثم قال: لعن الذين كفروا من بني إسرائيل على لسان داؤد، وعيسى ابن مريم، ثم قال: كلا والله! لتأمرن بالمعروف وتتنهون عن المنكر ولتأخذن على يدي الظالم ولتأطرنه على الحق أطراً، ولتقصرن على الحق قصراً. (أبو داؤد شريف، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، النسخة الهندية ۲/ ۵۹۶، دار السلام رقم: ۴۳۳۶)

ترمذی شریف، کتاب التفسیر، ومن سورة المائدة، النسخة الهندية ۲/ ۱۳۵، دار السلام رقم: ۳۰۴۷۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) عن جابر بن سمرة أن رجلاً قتل نفسه، فلم يصل عليه النبي صلى الله عليه وسلم. (ترمذی شریف، کتاب الجنائز، باب ما جاء فيمن يقتل نفسه لم يصل عليه، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۵، دار السلام رقم: ۱۰۶۸)

عن عثمان بن عبد الله بن موهب قال: سمعت عبد الله بن أبي قتادة يحدث عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم أتى برجل ليصلى عليه، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: صلوا علي صاحبكم فإن عليه ديناً. (ترمذی شریف، کتاب الجنائز، باب ما جاء في المديون، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۵، دار السلام رقم: ۱۰۶۹)

اور جیسا فقہاء حنفیہ نے قاطع طریق و مکابرو باغی و قاتل اُحد الا بوین پر نماز پڑھنے سے بغرض ان کی اہانت کے منع کیا ہے۔ درمختار (۱)

اور امام مالکؒ سے منقول ہے کہ اہل فضل فساق پر (جیسے بے نماز) نماز نہ پڑھیں تاکہ اُن کو عبرت ہو۔ نووی شرح مسلم شریف (۲)

اور اگر نماز سے تنفیر یا اعراض ظاہر کیا یا تحقیر و استہزاء سے پیش آیا کافر ہو جائے گا کیونکہ اہانت حکم شرعی کی کفر ہے۔ (۳) واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم

کتبہ اشرف علی عفی عنہ ہوا لعلم الخیر۔

صد آفریں مجیب مصیب کو کہ امر حق نوک زیر قلم فرمایا:

جزاه اللہ سبحانہ خیرا لجزاء حرره العبد الخامل محمد عادل عاملہ اللہ تعالیٰ بفعلة الشامل و اصلح حاله ملطفه الكامل في العاجل والآجل.

محمد عادل حاکم محکمہ شرعیہ

(۱) وھی فرض علی کل مسلم مات، خلا أربعة: بغاة وقطاع طریق فلا یغسلوا ولا یصلی علیہم إذا قتلوا فی الحرب، وکذا مکابر فی مصر لیلا بسلاح وخناق..... ولا یصلی علی قاتل أحد أبویہ إهانة له وألحقه فی النهر بالبغاة. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة، مكتبة زکریا دیوبند ۱۰۷/۳ تا ۱۰۹، کراچی ۲/۲۱۰-۲۱۲)

(۲) وعن مالک وغيره أن الإمام یجتنب الصلاة علی مقتول في حد وأن أهل الفضل لا یصلون علی الفساق زجراً لهم. (شرح النووي علی المسلم، النسخة الهندیة ۱/۳۱۴)

(۳) اتفق الفقهاء علی کفر من استخف بالأحكام الشرعیة من حیث کونها أحكاماً شرعیة مثل الاستخفاف بالصلاة أو الزکاة أو الحج أو الصیام أو الاستخفاف بحدود الله کحد السرقة والزنی. (الموسوعة الفقہیة الكويتیة ۳/۲۵۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

صح الجواب: حررہ سید محمد احسان الحق عفی عنہ۔ سید محمد احسان الحق

ہوا لمصیب واقعی نماز کا ترک کرنے والا بحیثیت ترک صلوٰۃ ایسی ہی زجرو تو بیخ کا مستحق ہے جو مجیب مصیب نے تحریر فرمایا ہے۔ کتبہ العبد الضعیف محمد علی عفی عنہ۔ محمد علی عفا اللہ

ذلک الجواب لاریب فیہ حررہ العبد الرّاجی غفران اللہ القوی محمد عبد الغفار اللکھنوی عفی عنہ۔

الجواب صحیح: والمجیب صحیح احمد حسن عفی عنہ
مدرس مدرسہ دارالعلوم کانپور۔ (امداد ص ۲۷ ج ۱)

تارک جماعت کا حکم

سوال (۶۴۱): قدیم ۱/۸۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص آزاد و خود مختار نہ کسی کا تابع ہے بلکہ متبوع ہے دس بارہ برس سے اس ملک جنوبی افریقہ میں پیری مریدی اور تالیف و تصنیف کا مشغل رکھتا ہے اور اکثر ایک ہی جگہ پر برس ڈیڑھ برس سے زائد قیام رکھتا ہے سال دو سال کے بعد اپنے مریدوں میں ایک دو ماہ کے لئے دورہ کرتا ہے پھر وہیں اپنی جگہ پر آکر وہی تالیفات کے کام میں مشغول رہتا ہے یہ شخص اپنے محلہ کی مسجد میں نہ نماز پنج گانہ کے لئے آتا ہے نہ جمعہ و تراویح بلکہ عیدین میں بھی نہیں آتا گھر پر ہی نماز پنج گانہ پڑھ لیا کرتا ہے اور جمعہ کے بجائے ظہر اپنے گھر پڑھ لیتا ہے ان سے جب دریافت کیا جاتا ہے کہ آپ نماز جماعت اور جمعہ مسجد میں کیوں نہیں آتے جواب یہ دیتے ہیں کہ میں تو مسافر ہوں مجھ پر مسجد میں جا کر جماعت سے نماز ادا کرنا لازم نہیں ہے میں تو بوجہ مسافر ہونے کے قصر ادا کر لیا کرتا ہوں لہذا کیا یہ جواب اس شخص کا موافق کتاب و سنت کے ہے یا برخلاف؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: فی الدر المختار: اعذار ترک الجماعة: وأرادة سفر. وفي رد المحتار: أي وأقيمت الصلوة ويخشى أن تفوته القافلة. وأما السفر نفسه فليس بعذر كما في القنية ص ۵۸۱ ج ۱. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسافر ہونا ترک جماعت کے لئے عذر نہیں۔ (۱)

البتہ جمعہ وعیدین مسافر پر واجب نہیں؛ لیکن منجملہ احکام شرعیہ کے ایک حکم یہ بھی ہے۔

اتقوا مواضع التهم۔ (۲)

چنانچہ حدیث میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قصہ وارد ہے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے اعتکاف کی حالت میں مسجد میں آپ کی زیارت کے لئے تشریف لائی تھیں سامنے سے دو شخص گزرنے لگے آپ نے ان کو پردہ کیوجہ سے اول روک دیا اس کے بعد فرمایا کہ یہ میری بی بی صفیہ تھیں۔ (۳)

← وتسقط الجماعة بعذر البرد الشديد والظلمة الشديدة (إلى قوله) أو يريد سفراً وأقيمت الصلاة، فيخشي أن تفوته القافلة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۱، ۶۰، كوثنة ۱/۳۴)

ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة، قديم زكريا / ۸۳، جديد زكريا ۱/۴۰.

(۱) وشرط وجوبها ستة: الإقامة بمصر فلا تجب على المسافر وإن عزم أن يمكث فيه يوم الجمعة. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب لجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۵۰) وشرائط العيد كشرائط الجمعة وجوباً وأداء، تمييز أي كشرائط وجوب الجمعة، ووجوب أدائها من نحو الإقامة والمصر الخ. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۵۵)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ۱/۳۶۱، باب صلاة العيدين ۱/۳۶۶.

(۲) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۳) عن علي بن الحسن رضي الله عنهما أن صفية زوج النبي صلى الله عليه وسلم أخبرته: أنها جاءت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم تنزوره في اعتكافه في المسجد في العشر الآواخر من رمضان، فحدثت عنده ساعة، ثم قامت تنقلب، فقام النبي صلى الله عليه وسلم معها يقلبها، حتى إذا بلغت باب المسجد عند باب أم سلمة، مر رجلان من الأنصار فسلما على رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال لهما النبي صلى الله عليه وسلم ←

یعنی کوئی شبہ نہ کرنا اس سے معلوم ہوا کہ مقتدا کو شبہات سے بھی بچنا واجب ہے پس جب اس شخص کی ظاہری حالت مسافرت کی نہیں ہے تو اس شخص کے تخلف عن الجماعة سے لوگوں کو دین کا ضرر ہوتا ہے معتقدین کو جماعت کی سستی کا اور غیر معتقدین کو طعن و غیبت کا لہذا اس شخص کو جمعہ و عیدین میں بھی حاضر ہونا ضروری ہے کیونکہ ایسی حالت قیام مقیمانہ میں اس شخص کی نیت سفر کی تصدیق نہایت مستبعد ہے۔

۳/شوال ۱۳۴۵ھ ہجری (تمہ خامسہ ص ۵۳۲)

نابالغ کے طلوع فجر کے بعد منی کا اثر دیکھنے سے اعادہ صلوٰۃ کا حکم

سوال (۶۴۲): قدیم ۱/۸۷- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بہشتی گوہر مطبوعہ امداد المطالع ص ۶۱ پر یہ مسئلہ چھپا ہوا ہے کہ اگر کوئی لڑکا عشاء کی نماز پڑھ کر سوئے اور بعد طلوع فجر کے بیدار ہو کر منی کا اثر دیکھے جس سے معلوم ہو کہ اس کو احتلام ہو گیا ہے تو اس کو چاہیے کہ عشاء کی نماز کا پھر اعادہ کرے (۱)۔ (فتاویٰ قاضی خان)

← ”علیٰ رسالکمما إنما ہی صفیة بنت حبی“ فقالا: سبحان الله یا رسول الله صلی الله علیہ وسلم، وکبر علیہما، فقال النبی صلی الله علیہ وسلم: إن الشیطان یبلغ من الإنسان مبلغ الدم وإنی خشیت أن یقذف فی قلوبکمما شیئاً. (بخاری شریف، کتاب الاعتکاف، باب هل یرج المعتکف لحوائجہ إلی باب المسجد، النسخة الهندیة ۱/۲۷۲، رقم: ۱۹۸۹، ف: ۲۰۳۵) مسلم شریف، کتاب السلام، باب بیان أنه یرتد لمن رئی خالیاً بامرأة و كانت زوجته أو محرماً له أن یقول: هذه فلانة لیدفع ظن السوء به، النسخة الهندیة ۲/۲۱۶، بیت الأفكار رقم: ۲۱۷۵. شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) غلام احتلام بعد ما صلی العشاء ولم یرتد حتی طلع الفجر اختلوا فیہ، قال بعضهم: لیس علیہ قضاء العشاء، وقال بعضهم: علیہ إعادة العشاء وهو المختار، وإن استیقظ قبل طلوع الفجر علیہ قضاء العشاء اجماعاً وهذه واقعة محمدؐ سألها أبا حنیفةؒ فأجابہ بما ذکرنا فأعاد العشاء. (خانیة علی الهندیة، فصل فی الترتیب وقضاء المتروکات، قبیل فصل فی

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس جگہ لڑکے سے مراد نابالغ لڑکا ہے یا بالغ؟

الجواب: ہاں نابالغ لڑکا مراد ہے اگر یہ قید الفاظ میں بھی ہوتی تو بہتر ہوتا غالباً محاورہ و مقام کے قرینہ سے ضرورت نہ سمجھی یہ تو سوال کا جواب ہو اب تبرعاً خود مسئلہ کی بھی ضروری تفصیل لکھتا ہوں بحر الرائق میں خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ اگر طلوع صبح کے قبل ایسا واقعہ ہوا تب تو بالاتفاق عشاء کی قضا واجب ہے اور اگر بعد طلوع صبح صادق ایسا ہوا تو ایک روایت یہ ہے کہ اس پر قضاء عشاء واجب نہیں۔

لأن الحادث يضاف إلى 'أقرب الأوقات'. اور ایک روایت یہ ہے کہ یہ بھی عشاء کی قضا کرے اور اس کو مختار کہا ہے (۲)۔ (وعل بناه الاحتياط) ص ۹۰ واللہ اعلم۔

کتبہ اشرف علیؒ

۷/ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ (ترجیح الرائج خامس ص ۱۱۱)

(۲) وفي الخلاصة: غلام احتلم بعد ما صلى العشاء ولم يستيقظ حتى طلع الفجر ليس عليه قضاء العشاء، والمختار أن عليه قضاء العشاء، وإذا استيقظ قبل الطلوع عليه قضاء العشاء بالإجماع، وهي واقعة محمد بن الحسن[ؒ] سألها أبا حنيفة فأجابته بما ذكرنا فأعاد العشاء. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، قبيل باب سجود السهو، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۱۵۹-۱۶۰، كوئٹہ ۲/ ۹۰)

غلام احتلم بعد ما صلى العشاء ولم يستيقظ حتى طلع الفجر، قال بعضهم: ليس عليه قضاء العشاء، والمختار أن عليه قضاء العشاء، وإن استيقظ قبل طلوع الفجر عليه قضاء العشاء بالإجماع، وهي واقعة محمد بن الحسن[ؒ] سألها أبا حنيفة فأجابته بما ذكرنا وأعاد العشاء وعبارة شرح الطحاوي: نام صبي فاحتلم بالليل إن انتبه قبل طلوع الفجر أو مع طلوع الفجر يلزمه قضاء العشاء، ولو انتبه بعد طلوع الفجر اختلف المشايخ فيه. (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل التاسع عشر في قضاء الفوائت، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۱۹۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جامع مسجد دہلی میں جواز نماز پر شبہ اور اس کا جواب

سوال (۶۴۳): قدیم ۱/۷۸- سنا ہے دہلی کی جامع مسجد میں تمام پتھر وغیرہ اجاؤں کے شاہی نذرانہ کا مال لگایا گیا ہے؛ لہذا دہلی جامع مسجد میں نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر وہ لوگ حربی تھے تب تو یہ لینا جائز ہی تھا اور ایسے ہی مواقع اس کے مصارف ہیں۔
فی رد المحتار: باب المغنم وما أخذ منهم بلا حرب ولا قهر كالهدية والصلح فهو لا غنیمة ولا فئى وحكمه حكم الفئى لا یخمس ویو ضعیف فی بیت المال. (۱)
اور اگر وہ ذمی تھے تو یہ ہدیہ جائز نہیں ہو سکتا لیکن خود اسی کا کیا ثبوت ہے کہ ایسا ہوا تھا شہرت عوام کا اعتبار نہیں اور اس وقت کے علماء سے نکیر کا منقول نہ ہونا موید ہے اس روایت کے غلط ہونے کو اس لئے ہر حال میں جامع مسجد دہلی میں نماز درست ہے۔

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۱ ج ۱)

فجر وعصر میں امام کا دائیں بائیں مڑنا

سوال (۶۴۴): قدیم ۱/۷۸- قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤمننا فيصرف على جانبيه جميعا على يمينه وعلى شماله كذا في الترمذی ص: ۷۰ مطبوعه أصح المطابع صغيری. (۲)
شرح منیہ میں انصراف نماز عصر و فجر میں قرار دیا ہے اس تخصیص کی کیا دلیل ہے۔

(۱) شامی، کتاب الجہاد، باب المغنم وقسمته، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۲۲۴،

کراچی ۴/۱۳۸.

(۲) ترمذی شریف، أبواب الصلاة، باب ماجاء في الإنصراف عن يمين وعن يساره،

النسخة الهندية ۱/۶۶، دار السلام رقم: ۳۰۱.

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في رد المحتار: عن البدائع أن المقصود من الانحراف هو زوال

الإشتباه أي اشتباه أنه في الصلوة ج ۱ ص ۷۵۴. (۱)

قلت ويؤيده ما رواه مسلم عن الصائب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم امر أن لا نوصل بصلوة حتى نتكلم أو نخرج مشكوة باب السنن. (۲)

وما رواه أبو داود عن أبي رزمة في حديث طويل أنه قام الرجل الذي أدرك معه أي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم التكبيرة الأولى من الصلوة يشفع فوثب عمر فأخذ بمنكبيه فهزه ثم قال اجلس فإنه لم يهلك أهل الكتاب إلا أنه لم يكن بين صلواتهم فصل فرفع النبي صلى الله عليه وسلم بصره، فقال أصاب الله بك يا ابن الخطاب مشكوة باب الذكر بعد الصلوة. (۳)

اس روایت سے حکمت انحراف کی معلوم ہوئی کہ زوال اشتباه ہے اور جن نمازوں کے بعد تطوع مشروع ہے وہاں زوال اشتباه تبدیل مکان کر کے تطوع مشروع کرنے سے ہو سکتا ہے اور جس نماز کے بعد تطوع نہیں جیسے فجر اور عصر وہاں ازالہ اشتباه انحراف سے سہل ہے اس لئے ان دو نمازوں کی تخصیص کی گئی لیکن تخصیص بایں معنی نہیں کہ ان میں مؤکد ہو اوروں میں مشروع نہ ہو۔

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۴۸،

کراچی ۱/ ۵۳۱۔

بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل في بيان ما يستحب للإمام أن يفعل عقيب الفراغ

من الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۹۳-۳۹۴۔

(۲) مشكوة شريف، کتاب الصلاة، باب السنن وقضاءها، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۱۰۵۔

مسلم شريف، کتاب الجمعة، قبيل كتاب صلاة العيدين، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۸،

بيت الأفكار رقم: ۸۸۳۔

(۳) مشكوة شريف، کتاب الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۸۹۔

أبو داود شريف، کتاب الصلاة، باب في الرجل يتطوع في مكانه الذي يصلي فيه المكتوبة،

النسخة الهندية ۱/ ۱۴۴، دار السلام رقم: ۱۰۰۷۔

في رد المحتار: عن المنية إن كان في صلاة لا تطوع بعدها فإن شاء انحرف عن يمينه أو يساره أو ذهب إلى حوائجه أو استقبل الناس بوجهه وإن كان بعد ما تطوع وقام يصلي به يتقدم أو يتأخر أو ينحرف يمينا أو شمالا أو يذهب إلى بيته فيتطوع ثمه الخ ج ۱ ص ۵۵۴. (۱)

۱۵/ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۷ ج ۱)

نماز فجر وعصر کے بعد دوعائیں

سوال (۶۴۵): قدیم ۱/۸۹- ایک صورت تو یہ کہ فجر اور عصر کی نمازوں سے فارغ ہوتے ہی سلام پھیرنے کے معاً قبلہ رو بیٹھے بیٹھے امام اور مقتدی دونوں ہاتھ اٹھا کر مختصری مثلاً اللہم أنت السلام الخ دعاء کر کے ہاتھوں کو منہ پر پھیر کر امام بائیں یا دائیں طرف مڑ کر بیٹھے۔ اور پھر امام اور مقتدی تسبیح فاطمہ وغیرہ پڑھ کر پھر دونوں امام و مقتدی ہاتھوں کو اٹھا کر طول طویل دعاء کر کے مسجد سے رخصت ہوں جیسا کہ تمام

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب في الرجل يتطوع في مكانه الذي صلى فيه المكتوبة،

النسخة الهندية ۱/۱۴۴، دار السلام رقم: ۱۰۰۷

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، صفة الصلاة، مكتبة اشرفية دیوبند ص: ۳۴۰

ولم يذكر المصنف ما يفعله بعد السلام وقد قالوا: إن كان إماماً وكانت الصلاة يتنفل بعدها فإنه يقوم ويتحول عن مكانه إما يميناً أو يسرة وخلفه، والجلوس مستقبلاً ببدعة، وإن كان لا يتنفل بعدها يقعد مكانه وإن شاء انحرف يميناً أو شمالاً، وإن شاء استقبلهم بوجهه إلا أن يكون بحذاء مصل، سواء كان في الصف الأول أو الأخير، والاستقبال إلى المصلي مكروه هذا ما صححه في البدائع، واختار في الخانية والمحيط استحباب أن ينحرف عن يمين القبلة وأن يصلي فيها، ويمين القبلة ما بحذاء يسار المستقبل، ويشهد له ما في صحيح مسلم من حديث البراء كذا إذا صلينا خلف النبي صلى الله عليه وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا

دیوبند ۱/۵۸۵، کوئٹہ ۱/۳۳۵) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ملکِ گجرات میں مروج ہے دوسری صورت یہ کہ مذکورہ نمازوں سے فارغ ہو کر سلام پھیرنے کے ساتھ ہی بغیر دعاء مانگے ہوئے امام صاحب دائیں یا بائیں مڑ کر تسبیح و تہلیل کر کے طویل دعاء ہاتھوں کو اٹھا کر امام و مقتدی مانگیں۔ جیسا کہ تمام ہندوستان دہلی، سہارنپور، دیوبند، مروہ، مراد آباد، کانپور، لکھنؤ، لاہ آباد، پٹنہ، بہار، لاہور، پانی پت، وغیرہ میں دستور ہے۔

اب عرض یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں کونسا طریقہ موافق سنت کے ہے۔ پہلی صورت میں اول و آخر دعائیں ہیں، اور یہ دو دعائیں ہوئیں۔ اور ان کے بیچ میں تسبیح وغیرہ۔

دوسری صورت میں اول تسبیح وغیرہ پھر دعا اس میں ایک ہی دفعہ دعاء ہوئی بینوا عند اللہ تو جروا؟

الجواب: کوئی خاص ہیئت خصوص اس کا التزام تو منقول نہیں۔ لیکن خصوصیت مقصود ہی نہیں۔ اصل فرق کہ وہی مقصود بھی ہے۔ دعاء کا تو حد و تعدد ہے۔ سو کسی نماز کے بعد تعدد ثابت نہیں اور مطلق دعاء ثابت ہے کہ ادنیٰ اس کا توحد ہے (۱)

(۱) عن أبي أمامة قال: قيل يا رسول الله! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۱۸۷/۲، دار السلام رقم: ۳۴۹۹)

السنن الكبرى للنسائي، باب ما يستحب من الدعاء دبر الصلوات المكتوبات، دار الكتب العلمية بيروت ۳۲/۶، رقم: ۹۹۳۶

عن فضالة بن عبيد قال: بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم قاعد إذ دخل رجل فصلی، فقال: اللهم اغفر لي وارحمي فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عجلت أيها المصلي، إذا صليت فقمعت فاحمد الله بما هو أهله وصل علي ثم أدعه: قال: ثم صلى رجل آخر بعد ذلك فحمد الله وصلى على النبي صلى الله عليه وسلم، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: أيها المصلي أدع تجب. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۱۸۵/۲، دار السلام رقم: ۳۴۷۶)

عن معاذ بن جبل أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيده وقال: يامعاذ! والله إنني لأحبك، فقال: أو صيكت يامعاذ! لا تدعن في دبر كل صلاة تقول: ←

اس لئے اقرب إلى السنة دوسری صورت ہے اور پہلی صورت کے ترک پر اگر طعن و ملامت ہو تو وہ بدعت ہے۔ (۲)

۶ جمادی الاول ۱۳۳۹ھ (النور ۷ شعبان ۱۳۳۹ھ)

قنوت نازلہ میں رفع یدین اور جہر و اخفاء و ارسال کے احکام

سوال (۶۴۶): قدیم ۱/۸۹۔ ایام نازلہ میں دعاء قنوت کا پڑھنا نماز فجر میں بعد الركوع عند الخفیفہ عام فتاویٰ فقہ مشل در مختار فتح القدیر و شامی وغیرہا میں ثابت ہے لیکن ہاتھوں کا اٹھانا بطور دعاء کے ثابت ہے یا نہیں اور حدیث ابی ہریرہؓ کی جس کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔

«اللّٰهُمَّ اَعْنِيْ ذِكْرَكَ وَشُكْرَكَ وَحَسَنَ عِبَادَتِكَ». (أبو داؤد شریف، كتاب الصلاة، باب في الاستغفار، النسخة الهندية ۱/۲۱۳، دار السلام رقم: ۱۵۲۲)

عن أنس بن مالك عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلاة ثم يقول: اللّٰهُمَّ اِهْني، وإله إبراهيم، وإسحاق، ويعقوب، وإله جبريل، وميكائيل، وإسرافيل عليهم الصلاة والسلام، أسئلك أن تستجيب دعوتي فإني مضطر، وتعصمني في ديني فإني مبتلى وتغالي برحمتك فإني مذنب، وتنفي عني الفقر فإني متمسك إلا كان حقاً على الله عز وجل أن لا يرد يديهِ خائبتين. عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، مؤسسة علوم القرآن بيروت ص: ۱۲۱، رقم: ۱۳۸)

(۲) من أصر على مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر على بدعة أو منكر. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، مكتبة امدادية ملتان ۲/۳۵۳)

فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروهاً. (مجموعة رسائل اللكهنوي، سباحة الفكر في الجهر بالذكر ۳/۳۴، بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ذابھیل ۱۱/۲۰۳)

كل مباح يؤدي إلى زعم الجهال سنية أمر أو وجوبه فهو مكروه. (تنقيح الفتاوى الحامدية ۲/۳۶۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عن أبي هريرة رضي الله عنه كان النبي ﷺ إذا رفع رأسه من الركوع من صلوة الصبح في الركعة الثانية يرفع يديه فيدعو. (۱)

آیہ ہاتھوں کا اٹھانا کانوں تک ہے واسطے تکبیر قنوت کے، یا ہاتھوں کا پھیلا نا واسطے دعا کے اور نیز ہاتھوں کو بعدہ سینہ یا منہ پر پھیرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: حدیث دونوں کو محتمل ہے اور حنفیہ میں سے صرف ابو یوسفؒ کے نزدیک قنوت پڑھنے کی حالت میں رفع یدین مشروع ہے جمہور اس کے قائل نہیں کمافی ردالمحتار۔ (۲)

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ (تمتہ اول ص ۳۰)

(۱) زاد المعاد في هدي خير العباد، كتاب الصلاة، فصل في قنوته صلى الله عليه وسلم في الصلاة، دار الفكر ص: ۱۰۰.

(۲) قوله: (قيل كالداعي) أي عن أبي يوسف أنه يرفعهما إلي صدره وبطنهما إلى السماء، امداد، والظاهر أنه يقيهما كذلك إلى تمام الدعاء على هذه الرواية. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۴/۲، ۴۴۲، كراچی ۶/۲)

فقلنا بأن الوضع سنة قيام فيه ذكر مسنون طويل فيضع يديه في القنوت النازلة أيضًا لكونه ذكرًا طويلًا، ولا يرفعهما حذاء الوجه..... فما ورد عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه رفع يديه يدعو في القنوت للنازلة، وما ورد عن عمر مثله محمول على الرفع القصير الذي يكون قبل القنوت وهذا هو الأمر التاسع، وقال الطحاوي: حدثنا ابن أبي عمران حدثنا فرج مولیٰ أبي یوسف قال: رأیت مولایٰ أبا یوسف إذا دخل في القنوت للوتر رفع يديه في الدعاء، قال الطحاوي: قال لنا ابن أبي عمران لم يحدثنا بهذا عن أبي يوسف غير فرج وكان ثقة كذا في الجوهره المضیئة، وهذا یفید الرفع في دعاء القنوت كمثل الرفع في الدعاء خارج الصلاة، كما يشعر به قول ابن أبي عمران لم يحدثنا بهذا عن أبي یوسف غير فرج ولا يخفي أن رفع اليدين قبل القنوت حيال الأذنين مشهور عن أئمتنا في ظاهر الرواية فالرفع الذي ذكره فرج غير هذا الرفع وقد تفرد بذكره والمشهور عن أبي یوسف إنما هو وضع اليدين فيه كقول أبي حنيفة..... قلت وفي هذه الرواية الشاذة عن أبي یوسف يجوز رفع اليدين ←

طاعون کے زمانہ میں قنوت نازلہ

سوال (۶۲۷): قدیم ۱/۷۹۰- طاعون کے زمانہ میں حنفیہ کے نزدیک قنوت ہے باقی جہر سے پڑھے یا آہستہ ہاتھ اٹھاوے یا نہیں قبل رکوع کے یا بعد رکوع کے اولیٰ ہے؟

الجواب: جہر و اخفاء میں اختیار ہے (۱) اور رکوع کے بعد ہے۔

← حذاء الوجه في القنوت للنازلة أيضًا عنده لكونه دعاءً وعليه عمل الشافعية. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب إخفاء القنوت في الوتر الخ، تمة في بقية أحكام قنوت على النازلة، دار الكتب العلمية بيروت ۸/ ۱۲۴)

وعند الإمام يضع يمينه على يساره وعن أبي يوسف يرفعهما كما كان ابن مسعود يرفعهما إلى صدره، وبطونهما إلى السماء وروي فرج مولى أبي يوسف قال: رأيت مولاي أبا يوسف إذا دخل في القنوت للوتر رفع يديه في الدعاء، قال ابن أبي عمير: كان فرج ثقة، قال الكمال: ووجه عموم دليل الرفع للدعاء ويجاب بأنه مخصوص بما ليس في الصلاة للإجماع على أنه لا رفع في دعاء التشهد. (مراقبي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۷۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) قلت: وإنما كان الراجح عندنا في قنوت النازلة الجهر بحديث أبي هريرة عند البخاري أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أن يدعو على أحد أو يدعو لأحد قننت بعد الركوع الحديث وفيه يجهر بذلك كما ذكرنا في المتن، وقال الحافظ في التلخيص الحبير بعد ذكره ذلك مانصه ويمكن الفرق بين القنوت الذي في النوازل فيستحب الجهر فيه كما ورد وبين الذي هو راتب إن صح فليس في شيء من الأخبار ما يدل على أنه جهر به بل القياس أنه يسريه كباقي الأذكار التي تقال في الأذكار، قلت وأيضاً فإن قنوت النوازل لا يعلمه العوام؛ بل كثير من الخواص أيضاً فالأفضل الجهر به كما هو مقتضى تفصيل البعض من فقهاءنا، وهو تفصيل حسن، وقد ذكر القاضی فی شرح مختصر الطحاوی، ←

على الأرجح كذا في رد المحتار. (١) اورنچ يدين نيس لعدم الرواية. (٢) (تتمرألى ص ٣٣)

← أن الإمام يجهر به قولاً واحداً كما مر فرجحنا من الروايات في المذهب ما وافقت الحديث المرفوع وهي رواية الجهر للإمام؛ ولكن لا مطلقاً بل في قنوت النازلة لليلة التي ذكرناها وهي كون الحديث وارداً فيها. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، قبيل تنمة في بقية أحكام قنوت النازلة، دار الكتب العلمية بيروت ١٤/١١)

(١) وهل القنوت هنا قبل الركوع أو بعده؟ لم أره والذي يظهر لي أن المقتدي يتابع إمامه إلا إذا ظهر فيؤمن وأنه يقنت بعد الركوع لا قبله بدليل أن ما استدلل به الشافعي على قنوت الفجر وفيه التصريح بالقنوت بعد الركوع حملة علماءنا على القنوت للنازلة ثم رأيت الشرنبلالي في مراقي الفلاح صرح بأنه بعده، واستظهر الحموي أنه قبله، والأظهر ما قلناه والله أعلم. (شامي، كتاب الصلاة، باب وتر ووالنوافل، مطلب في القنوت للنازلة، مكتبة زكريا ديوبند ١٤٩/٢، كراچی ١١/٢)

وقال الإمام أبو جعفر الطحاوي: إنما لا يقنت عندنا في الفجر من غير بلية فإن وقعت بلية أو فتنة فلا بأس به فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم أي بعد الركوع كما تقدم. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ٣٧٧)

إعلاء السنن، كتاب الصلاة، تنمة في بقية أحكام قنوت النازلة، دار الكتب العلمية بيروت ١٢٠/٦

قال البيهقي؛ صرح أنه عليه السلام قنت قبل الركوع لكن رواة القنوت بعده أكثر وأحفظ فهو أولى وعليه درج الفقهاء الراشدون في أشهر الروايات عنهم وأكثرها. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب القنوت، مكتبة امدادية ملتان ١٧٨/٣)

(٢) فقلنا بأن الوضع سنة قيام فيه ذكر مسنون طويل، فيضع يديه في القنوت للنازلة أيضاً لكونه ذكراً طويلاً، ولا يرفعهما هذاء الوجه، فقد روي مسلم عن حصين عن عمارة بن ربيعة رأيت بشر بن مروان على المنبر رافعاً يديه، فقال: قبح الله هاتين اليدين، لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ما يزيد على أن يقول بيده هكذا وأشار بإصبعه المسبحة، ←

قنوت نازلہ میں ہاتھ اٹھانے میں تحقیق طلب

سوال (۶۲۸): قدیم ۱/۹۰- میرے موضع کے ایک شخص نے حضور سے چند مسائل دریافت کئے تھے اور حضور نے اُس کا جواب بھی تحریر فرمایا تھا۔ خادم نے جواب دیکھا تھا ایک امر اس میں اور بھی دریافت طلب ہے جو فہم ناقص میں نہیں آیا جو درج ذیل ہے۔

سوال (۱): نماز فجر کے قنوت میں ہاتھ اٹھانے چاہئے یا نہیں؟ حضور کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اٹھانا آیا نہیں۔ (۱)

← فلما أنكر على الرفع في حال الخطبة التي هي مشابهة بالصلاة، فكيف في عين الصلاة؟ فما ورد عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه رفع يديه يدعو في القنوت للنازلة، وما ورد عن عمر مثله محمول على الرفع القصير الذي يكون قبل القنوت وهذا هو الأمر التاسع فافهم. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، تنمة في بقية أحكام قنوت النازلة، دار الكتب العلمية بيروت ۱۲۴/۶)

وعند الإمام يضع يمينه على يساره، وعن أبي يوسف يرفعهما كما كان ابن مسعود يرفعهما إلى صدره وبطنيهما إلى السماء روي فرج مولیٰ أبي يوسف قال: رأيت مولاي أبا يوسف إذا دخل في القنوت للوتر رفع يديه في الدعاء، قال ابن أبي عمران كان فرج ثقة، قال الكمال: ووجهه عموم دليل الرفع للدعاء، ويجاب بأنه مخصوص بما ليس في الصلاة للإجماع على أنه لا رفع في دعاء التشهد. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۷۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) فقلنا بأن الوضع سنة قيام فيه ذكر مسنون طويل، فيضع يديه في القنوت للنازلة أيضاً لكونه ذكراً طويلاً، ولا يرفعهما حذاء الوجه، فقد روي مسلم عن حصين عن عمارة بن ربيعة رأي بشر بن مروان على المنبر رافعاً يديه، فقال: قبح الله هاتين اليدين، لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ما يزيد على أن يقول بيده هكذا وأشار بإصبعه الممسوحة، فلما أنكر على الرفع في حال الخطبة التي هي مشابهة بالصلاة، فكيف في عين الصلاة؟ ←

سوال (۲): قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی جائز ہے یا نہیں۔

(جواب): ہاتھ اٹھا جائز ہے اس لئے کہ حدیث میں مطلق دعا میں ہاتھ اٹھانا آیا ہے۔ (۱)

← فما ورد عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه رفع يديه يدعو في القنوت للنازلة، وما ورد عن عمر مثله محمول على الرفع القصير الذي يكون قبل القنوت. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، تنمة في بقية أحكام قنوت النازلة، دار الكتب العلمية بيروت ۱۲۴/۶)

وعند الإمام يضع يمينه على يساره، وعن أبي يوسف يرفعهما كما كان ابن مسعود يرفعهما إلى صدره وبطنونهما إلى السماء روي فرج مولیٰ أبي يوسف قال: رأيت مولاي أبا يوسف إذا دخل في القنوت للوتر رفع يديه في الدعاء، قال ابن أبي عمران كان فرج ثقة، قال الكمال: ووجهه عموم دليل الرفع للدعاء، ويجاب بأنه مخصوص بما ليس في الصلاة للإجماع على أنه لا رفع في دعاء التشهد. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۷۶)

(۱) عن سلمان رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن ربكم حي كريم يستحي من عبده إذا رفع يديه إليه أن يردهما صفراً. (أبو داود شريف، كتاب الصلاة، باب الدعاء، النسخة الهندية ۱/۲۰۹، دار السلام رقم: ۱۴۸۸)

ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/۱۹۶، دار السلام رقم: ۳۵۵۶

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۲/۹۲-۹۳، رقم: ۸۷۳-۸۷۷

عن الزهري قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفع يديه عند صدره في الدعاء، ثم يمسح بهما وجهه. (مصنف ابن عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ۲/۲۴۷، رقم: ۳۲۳۴، ۱۲۲/۳، رقم: ۵۰۰۳)

عن أنس بن مالك عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلاة ثم يقول: اللهم إلهي، وإله إبراهيم، وإسحاق، ويعقوب، وإله جبريل، وميكائيل، وإسرافيل عليهم الصلاة والسلام، أسئلك أن تستجيب دعوتي فأني مضطر، وتعصمني في ديني فأني مبتلى وتنانني برحمتك فأني مذنب، وتنفي عني الفقر ←

شبه یہ ہوتا ہے کہ جب حدیث شریف میں مطلق ہاتھ اٹھانا آیا ہے تو سوال نمبر ۱ کے جواب میں عدم جواز اور سوال نمبر ۲ کے جواب میں جواز کی صورت بتائی گئی ہے تو دونوں میں تطبیق کیونکر ہوگی۔ فقط

الجواب: نماز میں رفع یدین محتاج دلیل مستقل ہے خارج نماز کے اطلاق کافی دلیل ہے دیکھئے آخر صلوٰۃ میں جو دعا پڑھی جاتی ہے بالا جماع اُس میں رفع یدین مشروع نہیں۔ (۱)

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ حوالہ بالا

قنوت نازلہ صلوٰۃ فجر کے ساتھ خاص ہے

سوال (۶۴۹): قدیم ۱/۷۹۰۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خفیوں کے صحیح مذہب کے اعتبار اور رائج قول کے لحاظ سے قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز میں پڑھنی چاہئے یا تمام جہری نمازوں میں پڑھنا ضروری ہے اگر کوئی امام صرف فجر کی نماز میں قنوت پڑھے اور دوسری جہری نمازوں میں نہ پڑھے تو کیا باعتبار صحیح و رائج مذہب خفی کے اس پر جبر کر کے تمام جہری نمازوں میں قنوت پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ قنوت نازلہ علاوہ فجر کی نماز کے اور نمازوں میں خفیوں کے یہاں منسوخ ہے یا نہیں طحاوی بردر مختار اور تحریر مختار وغیرہ کتابوں میں جو خفی مذہب کی کتابیں ہیں یہ لکھا ہے کہ صرف فجر کی نماز میں قنوت نازلہ خفیوں کے مذہب میں ہے اور کسی نماز میں نہیں یہ قول صحیح ہے یا نہیں۔

← فإني متمسك إلا كان حقا على الله عز وجل أن لا يرد يديه خائبتين. (عمل اليوم والليلة، دار الكتب العلمية بيروت ص: ۱۲۱، رقم: ۱۳۸)

(۱) ويجاب بأنه مخصوص بما ليس في الصلاة للإجماع على أنه لا رفع في دعاء التشهد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۷۶)

فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۴۶، کوئٹہ ۱/ ۳۷۵

إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب إخفاء القنوت في الوتر الخ، تمتة في بقية أحكام قنوت على النازلة، دار الكتب العلمية بيروت ۶/ ۱۲۴

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

آنحضرت ﷺ نے جو قنوت نازلہ پڑھی ہے کیا اس وقت تک آپ پڑھتے رہے جب تک وہ کام پورا نہیں ہوا جس کے واسطے شروع کی تھی یا اس سے پہلے ترک کر دی حنفی مذہب کی معتبر کتابوں سے جواب تحریر فرمانا چاہیئے۔ بینوا تو جروا۔

الجواب: مراجعت کتب مذہب سے اصل مذہب حنفیہ کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ قنوت نازلہ صرف صلوٰۃ فجر کے ساتھ مخصوص ہے دوسری نمازوں میں مطلقاً یا صرف جہریات میں پڑھنے کا قول ضعیف ہے (۱) اور اصل مذہب کے خلاف ہے اور اس قنوت کے پڑھنے کا منتهی کہیں روایت حدیث یا فقہیہ میں نظر سے نہیں گزرا (اور میرے پاس سامان تتبع کا کم ہے) لیکن اصول درایت سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ منتهی اس کا حصول مقصود یا قنوط من حصول المقصود ہے۔ واللہ اعلم

۲۰ شعبان ۱۳۳۹ھ (تمہ خامسہ ص ۱۶۴)

(۱) عن محمد قال: قلت لأنس هل قنت رسول الله صلى الله عليه وسلم في صلاة الصبح؟ قال: نعم! بعد الركوع يسيراً. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب إخفاء القنوت في الوتر، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۹/۶)

عن أنس بن مالك قال: قنت رسول الله صلى الله عليه وسلم شهراً بعد الركوع في صلاة الصبح يدعو على رعل وذكوان ويقول: عصية عصت الله ورسوله. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب إخفاء القنوت في الوتر، دار الكتب العلمية بيروت ۹/۶)

ولا يقنت لغيره إلا لنازلة، فيقنت الإمام في الجهرية (در مختار) وفي الشامية: قوله (فيقنت الإمام في الجهرية) يوافقه ما في البحر والشرنبلالي عن شرح النقاية عن الغاية: وإن نزل بالمسلمين نازلة قنت الإمام في الصلاة الجهرية: وهو قول الثوري وأحمد: وكذا ما في شرح الشيخ إسماعيل عن البنانية: إذا وقعت نازلة قنت الإمام في الصلاة الجهرية؛ لكن في الإشباه عن الغاية: قنت في صلاة الفجر، ويؤيده ما في شرح المنية حيث قال بعد كلام فتكون شرعيته: أي شرعية القنوت في النوازل مستمرة، وهو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته عليه الصلاة والسلام وهو مذهبنا وعليه الجمهور، وقال حافظ أبو جعفر الطحاوي: إنما لا يقنت عندنا في صلاة الفجر من غير بلية، فإن وقعت قننة أو بلية فلا بأس به، ←

مشغول بالذکر کو سلام کی ممانعت

سوال (۶۵۰): قدیم ۱/۹۱- اگر کچھ لوگ مسجد میں ذکر اذکار میں مشغول ہوں ایسے وقت میں مسجد میں آنے والے کو یا جانے والے کو السلام علیکم کہنا سنت ہے یا نہیں؟

الجواب: نہیں۔

← فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وأما القنوت في الصلوات كلها للنوازل فلم يقل به إلا الشافعي..... وهو صريح في أن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر دون غيرها من الصلوات الجهرية والسرية. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۷۷-۷۸، كوثہ ۲/۴۴)

الدر المختار مع الشامسي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۹، كراچی ۱۱/۲

وأجاب أصحابنا الحنفية عن تلك الروايات بما في شرح المنية: ونصه: وأما القنوت في الصلوات كلها عند النوازل فلم يقل به إلا الشافعي، وكأنهم حملوا ما روي عنه عليه الصلاة والسلام، أنه قننت في الظهر والعشاء على ما في مسلم، وأنه قننت في المغرب أيضاً على ما في البخاري على النسخ لعدم ورود المواظبة والتكرار الواردين في الفجر عنه عليه الصلاة والسلام، وقال ابن عابدين في رد المحتار بعد ذكره قول الشارح "المنية" هذا هو صريح في أن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر دون غيرها من الصلوات الجهرية والسرية. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، تنمة في بقية أحكام قنوت النازلة، دار الكتب العلمية بيروت ۶/۱۱۸)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۷۷۔

في الدر المختار: مفسدات الصلوة: سلامك مكروه إلى قوله مصل
وتال وذاكر ومحدث آه. (١) (تمه اول ص ٣٢)

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب
المواضع التي يكره فيها الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ٣٧٣/٢، كراچی ١/١١٦
مر على من يقرأ القرآن أو يؤذن أو يقيم أو يخطب في الجمعة أو العيدين أو على
جماعة يشتغلون بالصلاة لا يسلم إلا إذا كان فيهم من لا يصلي، وكذا في الدرس والاشتغال
بفصل القضايا. (بزازية على الهندية، كتاب الكراهية، نوع في السلام، قديم زكريا ٦/٣٥٤،
جديد زكريا ٣/٢٠٠)

السلام تحية الزائرين والذين جلسوا في المسجد للقراءة والتسبيح أو لانتظار
الصلاة ما جلسوا فيه لدخول الزائرين عليهم، فليس هذا وأن السلام فلا يسلم عليهم، ولهذا
قالوا: لو سلم عليهم المداخل وسعهم أن لا يجيبوه كذا في القنية، ويكره السلام عند قراءة
القرآن جهراً، وكذا عند مذاكرة العلم وعند الأذان والإقامة والصحيح أنه لا يرد في هذه
المواضع أيضاً كذا في الغياثية. (هندية، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام، قديم زكريا
٥/٣٣٥، جديد زكريا ٥/٣٧٧)

أما السلام على المنشغل بالذكر من دعاء وتدبر فهو كالسلام على المنشغل
بالقراءة والأظهر كما ذكر النووي أنه إن كان مستغرفاً بالدعاء مجمع القلب عليه
فالسلام عليه مكروه للمشقة التي تلحقه من الرد والتي تقطعه عن الاستغراق
بالدعاء وهي أكثر من المشقة التي تلحق الآكل إذا سلم عليه ورد في حال أكله.
(الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٥/١٦٤)

ويكره السلام عند قراءة القرآن جهراً وكذلك عند مذاكرة العلم ولا يسلم على
قوم هم في مذاكرة العلم أو أحدهم وهم يسمعون وإن سلم فهو آثم وكذا عند الأذان
والإقامة والصحيح أنه لا يرد أيضاً في هذه المواضع. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية،
الفصل الثامن في السلام، مكتبة زكريا ديوبند ١٨/٨٢، رقم: ٢٨١٠٤)

حالت ذکر میں جواب

سوال (۶۵۱): قدیم ۱/۷۹۱ - ایسے سلام کرنے والوں کو جواب سلام کا دینا بعد فارغ ہونے کے چاہئے یا نہیں؟

الجواب: واجب نہیں۔

في رد المحتار ولو سلم عليهم لا يجب عليهم الرد ص ۶۲۵ ج ۱ ص ۳۴ (۱)۔ (تتمناول)

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مطلب المواضع التي یکره فیها السلام، مكتبة زکریا دیوبند ۲/۳۷۶، کراچی ۱/۱۱۸

وفي شرح الشريعة: صرح الفقهاء بعدم وجوب الرد في بعض المواضع، القاضي إذا سلم عليه الخصمان والأستاذ الفقيه إذا سلم عليه تلميذه أو غيره أو ان الدرس، وسلام السائل، والمشتغل بقراءة القرآن والدعاء حال شغله، والجالسين في المسجد لتسبيح أو قراءة أو ذكر حال التذكير الخ. (شامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مطلب المواضع التي لا یجب فیها رد السلام، مكتبة زکریا دیوبند ۲/۳۷۶، کراچی ۱/۶۱۸)

ویکره السلام عند قراءة القرآن جهراً وكذا عند مذاكرة العلم وعند الأذان والإقامة والصحيح أنه لا يرد أيضاً في هذه المواضع، أيضاً كذا في الغيائية حکي عن الشيخ الإمام الجليل أبي بكر محمد بن الفضل البخاري أنه كان يقول فيمن جلس للذكر أي ذكر كان فدخل عليه داخل وسلم عليه وسعه أن لا يرد كذا في المحيط. (هندي، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام، قديم زکریا ۵/۳۲۵-۳۲۶، جديد زکریا ۵/۳۷۷)

ولا يجب رد السلام في الخطبة: ويكره السلام عند قراءة القرآن جهراً وكذلك عند مذاكرة العلم ولا يسلم على قوم هم في مذاكرة العلم أو أحدهم وهم يسمعون وإن سلم فهو آثم، وكذا عند الأذان والإقامة والصحيح أنه لا يرد أيضاً في هذه المواضع. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الثامن في السلام،

سجدہ دعاء

سوال (۶۵۲): قدیم ۱/۹۱-۷۰ - مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

أقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد فأكثر والدعاء. (۱)

حالانکہ سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ تین بار پانچ بار یا زیادہ کہا جاتا ہے اس کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کون سا سجدہ ہے اور کیا دعا کرے اور محض دعا کے لئے جدا گانہ سجدہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نفل نماز کے سجدہ میں دعا درست ہے مگر عربی زبان میں ہو اور آخرت کی ہو جیسے رحمت مغفرت اور ایک معنی بعض نے یہ کہے ہیں کہ تسبیح کو دعا اس لئے فرمایا کہ کریم کی مدح کرنا گویا سوال کی غرض سے ہوتا ہے۔ (۲)

ثم أعلم أنه يكره السلام على المصلي والقارئ والجالس للقضاء أو البحث في الفقه أو التخلي ولو سلم عليهم لا يجب عليهم الرد لأنه في غير محله. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۱۶، كوثته ۲/۹)

حكى عن الشيخ الإمام الجليل أبي بكر محمد بن الفضل البخاري أنه كان يقول: من جلس لتعليم تلامذته فدخل عليهم داخل وسلم وسعه أن لا يرد لأنه جلس للتعليم لا لرد السلام فلا يكون السلام في أوانه، وكذلك كان يقول فيمن جلس للذكر أي ذكر كان فدخل عليه داخل وسلم عليه وسعه أن لا يرد لأنه جلس للذكر لا لرد السلام فلا يكون السلام في أوانه. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل الثامن في السلام، المجلس العلمي ۲۲/۸، رقم: ۹۵۰۳)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) مسلم شریف، کتاب الصلاة، باب ما يقال في الركوع والسجود، النسخة

الهندية ۱/۱۹۱، بيت الأفكار رقم: ۴۸۲

(۲) عن عائشة ؓ قالت: فقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة فلمست

المسجد، فإذا هو ساجد وقدماه منصوبتان وهو يقول: أعوذ برضاك من سخطك

وأعوذ بمعافاتك من عقوبتك وأعوذ بك منك لا أحصي ثناء عليك أنت كما

← أثنيت على نفسيك. (أبو داؤد شريف، كتاب الصلاة، باب الدعاء في الركوع والسجود،
النسخة الهندية ١/ ١٢٨، دار السلام رقم: ٨٧٩)

عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن أبيه قال: صليت إلى جنب رسول الله صلى الله عليه وسلم في صلاة تطوع فسمعت، يقول: أعوذ بالله من النار ويل لأهل النار. (أبو داؤد شريف،
كتاب الصلاة، باب الدعاء في الصلاة، النسخة الهندية ١/ ١٢٨، دار السلام رقم: ٨٨١)

واعلم أنه قد تقدم من حديث عقبة بن عامر قال: لما نزلت فسيح باسم ربك العظيم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اجعلوها في ركوعكم، فلما نزلت سبح اسم ربك الأعلى قال اجعلوها في سجودكم؛ فهذا بظاهره يخالف الأحاديث التي وردت في الدعاء في السجود فالجواب عنه أنه لو كان معنى الدعاء عاماً للاستغاثة والسؤال وإظهار التذلل بذكر أسمائه ونعوته فليس فيها معارضة أصلاً، فإن التسيبحات أيضاً من الدعاء ولو كان المراد بالدعاء السؤال الصريح كما في الأحاديث الواردة في الباب فعلى هذا، الجواب عنه أن الأمر بالدعاء في التطوعات والأمر بالتسيبحات عام في الفرائض والتطوعات فإن أمر التطوعات واسع والله أعلم. (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الدعاء في الركوع والسجود، مكتبة يحيوي سهارن پور قديم ٨٠/٢)

ودعا بما يشبه ألفاظ القرآن لفظاً ومعنى بكونه فيه نحو "ربنا آتنا في الدنيا حسنة" وليس منه لأنه إنما أراد به الدعاء لا القراءة. والسنة: أي بما يشبه ألفاظ السنة نحو ما في المسلم "اللهم إني أعوذ بك الخ" لا يدعو بما يشبه كلام الناس، قال في الدراية: فسر أصحابنا بما لا يستحيل سؤاله من غير الله تعالى كأعطني كذا وزوجني امرأة وبما لا يشبه كلام الناس بما يستحيل سؤاله منهم كقوله: اللهم اغفر لي كذا في الإيضاح. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ١/ ٢٢٤-٢٢٥)

ولا يجوز أن يدعو في صلاته بما يشبه كلام الناس لأنه يبطلها إن وجد قبل القعود وقدر التشهد ويفوت الواجب لوجوده بعده قبل السلام بخروجه به دون السلام وهو مثل قوله: اللهم زوجني فلانة أعطني كذا من الذهب والفضة لأنه لا يستحيل حصوله ←

اور جدا گانہ سجدہ کہیں منقول نہیں دیکھا گیا لیکن ظاہراً کچھ حرج بھی نہیں کیونکہ صورت تذلل کی ہے مگر عادت نہ کرے اور سنت نہ سمجھے۔ (۱) فقط

۱۲/ شعبان ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولی ص ۳۷)

قیدیوں کی تیار کردہ جانماز کا حکم

سوال (۶۵۳): قدیم ۱/۹۲- جیل خانہ میں درمی وغیرہ اور اکثر چیزیں قیدیوں سے تیار کرائی جاتی ہیں جس کی اُجرت و معاوضہ کچھ نہیں مقرر ہے بلکہ سزائے جرم میں یہ امر مفہوم ہوتا ہے اس صورت میں جیل خانہ کی بنی ہوئی جائے نماز یا کبل وغیرہ پر نماز درست ہوگی یا نہیں؟

← من العباد وما يستحيل مثل العفو والعافية. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی، کتاب الصلاة، سنن الصلاة، دارالکتاب ص: ۲۷۳)

الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في الدعاء بغير العريضة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۳۴، کراچی ۱/۵۲۱

(۱) عن علي رضي الله تعالى عنه قال: لما كان يوم بدرٍ قاتلت شيئاً من قتال، ثم جئت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أنظر ما صنع، فجئت فإذا هو ساجد يقول: يا حي يا قيوم، يا حيي يا قيوم، ثم رجعت إلى القتال، ثم جئت فإذا هو ساجد لا يزيد على ذلك، ثم ذهبت إلى القتال، ثم جئت، فإذا هو ساجد لا يزيد على ذلك، ففتح الله عليه. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب عمل اليوم والليلة، الانصار عند اللقاء، دار الكتب العلمية بيروت ۶/۱۵۶-۱۵۷، رقم: ۱۰۴۷)

مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۲/۲۵۴، رقم: ۶۶۲

عن علي بن أبي طالب قال: لما كان يوم بدرٍ قاتلت شيئاً من قتال، ثم جئت مسرعاً إلى النبي صلى الله عليه وسلم لأنظر ما فعل، فإذا هو ساجد يقول: يا حي يا قيوم، يا حي يا قيوم، لا يزيد عليهما، ثم رجعت إلى القتال، ثم جئت هو ساجد يقول ذلك، ففتح الله عليه. (الطبقات الكبرى، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۱۹)

البداية والنهاية، دار الفكر بيروت ۳/۲۷۳

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: استیلاء سے سرکار مالک ہو جاتی ہے لہذا اس کا خریدنا اور برتناسب جائز ہے۔ (۱)

۱۳ رمضان ۱۳۳۱ھ (حوادث ص ۱۲۰ ج ۲)

(۱) إن الكفار يملكون أموال المسلمين بالاستيلاء عليها شرطا حرازها بدارهم وهو مذهب الحنفية والمالكية، ورواية عن أحمد ودليله قول النبي صلى الله عليه وسلم يوم فتح مكة، وهل ترك لنا عقيل من ربا ع ولأن العصمة تزول بالاحراز بدار الحرب إذ المالك لا يمكنه الانتفاع به إلا بعد الدخول لما فيه من مخاطرة إذا الدار دارهم فإذا زال معنى الملك أو ما شرع له الملك بزوال الملك ضرورة فباسترداد المسلمين لذلك يكون غنيمة الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۴/ ۱۶۱)

وإن غلبوا على أموالنا ولو عبدًا مؤمنًا وأحرزوها بدارهم ملكوها، وفي الشامية: هو قول مالك وأحمد، أيضًا فيحل الأكل والوطء لمن اشتراه منهم الخ. (در مختار مع الشامی، کتاب الجہاد، باب استیلاء الکفار، مکتبۃ زکریا دیوبند ۶/ ۲۶۷، کراچی ۴/ ۱۶۰)

عن اسامة بن زيد أنه قال زمن الفتح يارسول الله! أين تنزل غدا قال النبي صلى الله عليه وسلم وهل ترك لنا عقيل من منزل ثم قال لا يرث المؤمن الكافر ولا يرث الكافر المؤمن، قيل للزهري ومن ورث أبا طالب قال ورثه عقيل وطالب الحديث. (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب غزوة الفتح، النسخة الهندية ۲/ ۶۱۴، رقم: ۴۱۱۷، ف: ۴۲۲۸)

دوسری روایت الفاظ کے فرق کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے:

عن اسامة بن زيد أنه قال يارسول الله! أين تنزل في دارك بمكة، فقال: وهل ترك عقيل من ربا ع أو دور، وكان عقيل ورث أبا طالب وهو طالب ولم يرثه جعفر ولا علي شيئا لأنهما كانا مسلمين وكان عقيل وطالب كافرين فكان عمر بن الخطاب يقول لا يرث المؤمن الكافر. الحديث (بخاري شريف، كتاب المناسك، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۶، رقم: ۱۵۶۴، ف: ۱۵۸۸)

تصورِ دارِ مصلیٰ پر نماز کا حکم

سوال (۶۵۴): قدیم ۱/۹۲- جس کپڑے پر تصویر چوسریا شطرنج یا شوالہ کی ہو اس کو مصلیٰ بنانا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: یہ اشیاء چونکہ شعائر کفر و فسق سے ہیں اس لئے شرعاً قابلِ اہانت ہیں اور مصلیٰ پر ہونا موجب تعظیم ہے اس لئے نماز میں کراہت ہوگی چنانچہ تصویر سے کراہت صلوٰۃ کی علت بھی مشابہت عبادت یا تعظیم ہے اور وجوب اہانت میں تصویرِ ذی روح کی اور ان اشیاء کی صورت مساوی ہے۔

في رد المحتار: وقد ظهر من هذا ان علّة الكراهة في المسائل كلها أما التعظيم أو التشبه الخ. (۱)

۲۷/۲ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۶۷ ج ۲)

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند

۶۴۸/۱، کراچی ۱۷/۴

وإن علل بالتشبه بعبادة الأصنام فممنوع فإنهم لا يسجدون عليها وإنما ينصبونها ويتوجهون إليها إلا أن يقال: إن فيها صورة التشبه بعبادتها حال القيام والركوع وفيه تعظيم لها إن سجد عليها، ولهذا أطلق الكراهة في الأصل فيما إذا كان على البساط المصلى عليه صورة لأن الذي يصلي عليه معظم فوضع الصورة فيه تعظيم لها بخلاف البساط الذي ليس بمصلى. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۹۴، کوئٹہ ۲/۲۸)

ولو صلى على هذا البساط فإن كانت الصورة في موضع سجوده يكره لما فيه من التشبه بعبادة الصور والأصنام، وكذا إذا كانت أمامه في موضع لأن معنى التعظيم يحصل بتقريب الوجه من الصورة، فأما إذا كانت في موضع قدميه فلا بأس به لما فيه من الإهانة دون التعظيم. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط أركان الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۳۰۵)

والوجه أن يقال: لما فيه من التعظيم لها، والتشبه بعبادتها فلذا قالوا: وأشدّها كراهة ←

نمازی کے سامنے بیٹھے ہوئے کا اٹھ کر چلا جانا مرو نہیں

سوال (۶۵۵): قدیم ۱/۹۲- ایک شخص کے پیچھے کسی نے نماز کی نیت باندھ لی تو کیا وہ اس کے سامنے سے اُٹھ سکتا ہے ایک مولوی صاحب فرماتے تھے کہ حدیث میں تو مرور کی ممانعت آئی ہے اور یہ مرور نہیں تو کیا ان کا یہ فرمانا صحیح ہے؟

الجواب: في رد المحتار: أراد المر ور بين يدي المصلي فإن كان معه شئ يضعه بين يديه، ثم يمرر ويأخذه ولو مرر إثنان يقوم أحدهما امامه ويمر الآخر ويفعل الآخر هكذا يمران وان معه دابة فمرر راكبا أثم وإن نزل وتستر بالدابة ومر لم يأثم ولو مر رجلان متحاذيين فالذي يلي المصلي هو الآثم فنية اقول وإذا كان معه عصا لا تقف على الأرض بنفسها فأمسكها بيده ومر من خلفها هل يكفي ذلك لم أره ج اص ۲۶۵. (۱)

← أن تكون أمام المصلي، ثم فوق رأسه، ثم عن يمينه ثم عن يساره ثم خلفه، فلا يكره إن كانت تحت قدميه لعدم التعظيم تأمل. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۸۸)

قوله: (وأطلق الكراهة في الأصل) أي لم يفصل في المبسوط في حق الكراهة بين أن يسجد على الصورة أو لا يسجد، والمذكور في الجامع الصغير أنه إن كان في موضع سجوده يكره لما فيه من التعظيم له، وإذا كان في موضع جلوسه وقيامه لا يكره لما فيه من الإهانة، وجه ما في الأصل ما ذكره أن المصلي إليه معظم بلفظ المفعول فيهما، ومعناه أن البساط الذي أعد للصلاة معظم من بين سائر البسط، فإذا كان فيه صورة كان نوع تعظيم لها ونحن أمرنا بإهانتها، فلا ينبغي أن يكون في المصلي مطلقاً سجدة عليها أو لم يسجد. (عناية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۴۲۸، كوئٹہ ۱/ ۳۶۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب إذا قرأ تعالى جذك

بدون ألف لانتفسد، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۴۰۱، کراچی ۱/ ۳۶۲ ←

ان مجموعی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کا قول صحیح ہے مگر مجھ کو اس میں شرح صدر نہیں ہوا لیکن عمل کرنے والے پر ملامت بھی نہیں کرتا۔

۱۳ صفر ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۸)

مصلیٰ کے سامنے سے نماز کی ضرورت سے گزرنا

سوال (۶۵۶): قدیم ۱/۹۳- ایک شخص مسجد کے اندر نماز پڑھ رہا ہے اور صحن مسجد میں جماعت ہونے لگی، اب جس وقت وہ بغرض شرکت جماعت باہر نکلا کسی نمازی کے سامنے ہو کر گزرنا پڑا تو کیا وہ ایسا کرنے سے گنہگار ہوگا اور ضرورت شرکت جماعت اُس کے اس فعل کا غدر نہیں ہو سکتی؟

الجواب: فی رد المحتار: الرابعة أن لا يتعرض المصلي ولا يكون للمار مندوحة فلا يأتهم واحد منها الخ ج ۱ ص ۲۶۲. (۱)

← ولو مر رجلان متحاذيان فالكرهية تلحق الذي يلي المصلي، وكذا في السراج والوهاج. قالوا: حيلة الراكب إذا أراد أن يمر أن يصير وراء الدابة، ويمر فتصير الدابة سترة ولا يأتهم، وكذا في النهاية: ولو مر اثنان يقوم أحدهما أمامه ويمر الآخر ويفعل الآخر هكذا ويمران كذا في القنية. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع، فيما يفسد الصلاة، الفصل الأول قديم زكريا ۱/۱۰۴، جديد زكريا ۱/۱۶۳)

ولو مر رجلان بين يدي المصلي متحاذيين فالذي يليه هو المار بين يديه، ولو مر بين يدي المصلي خلف الدابة، فليس بمار بين يديه. وفي الفتاوى العتابية: ولو كان المار اثنين يقوم أحدهما أمامه، فيمر الآخر، ويفعل الآخر هكذا. وفي السفناقي: وإن استتر بدابة فلا بأس به. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل التاسع في مسائل السترة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۸۶، رقم: ۲۴۳۸)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل التاسع اتخاذ السترة ومسائلها، المجلس العلمي

۲/۲۱۶، رقم: ۱۵۹۶

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند

۲/۳۹۹، کراچی ۱/۶۳۵ ←

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت میں گزر جانا درست ہے اور یہاں ادراک جماعت کی ضرورت ظاہر ہے۔ (۱)

۸/ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالث ص ۷۲)

التحیات میں لفظ سیدنا کا اضافہ

سوال (۶۵۷): قدیم ۱/۹۳- نماز کے درود میں بھی قعدہ میں لفظ سیدنا کا اضافہ مستحب ہے؟

الجواب: في الدر المختار: و ندب السيادة (إلى قوله) ذكره الرملي الشافعي وغيره. وفي رد المحتار: وان تردد في أفضليته الإسنوي (إلى قوله) نعم ينبغي على هذا عدم ذكرها في واشهد أن محمداً عبده ورسوله وأنه يأتي بها مع إبراهيم عليه السلام ج ۱ ص ۵۳۵ و ۵۳۶. (۲)

اس عبارت سے یہ امور معلوم ہوئے بعض علماء نے اس اضافہ کے افضل ہونے میں تردد کیا ہے اور اکثر نے افضل کہا ہے اور تشہد میں یہ اضافہ نہ کیا جاوے اور ابراہیم علیہ السلام کے نام کے ساتھ اضافہ کا یہی حکم ہے۔
۱۹/ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالث ص ۱۰۱)

(۱) عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم من نظر إلى فرجة في صف فليسدّها بنفسه، فإن لم يفعل فمرّ مار فليخط على رقبتة فإنه لا حرمة له. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۸۵/۱، رقم: ۱۱۱۸۴)

مجمع الزوائد، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۹۵، رقم: ۲۵۳۰

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من نظر إلى فرجة في صف فليسترها بنفسه، فإن لم يفعل فمرّ مار عليه فليطأه على رقبتة فإنه لا حرمة له. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۱/۹۳، رقم: ۱۱۲۱۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في جواز الترحم

علی البنی ابتداء، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۲۳-۲۲۴، کراچی ۱/۵۱۳

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کپڑا یا چھتری کو سترہ بنانا

سوال (۶۵۸): قدیم ۱/۹۳- مصلیٰ اگر اپنے آگے کپڑا یا چھتری کھول کر رکھ دے تو بجائے سترہ کے کافی ہوگا یا نہ اور غلط انگشت کی قید سے نفی کپڑے کے سترہ کی ہو سکتی ہے یا نہ؟

الجواب: کپڑا چونکہ مرتفع نہیں ہوتا اس لئے وہ سترہ سترہ نہ ہوگا اور چھتری کھلنے کے بعد اگر ایک ہاتھ اونچی ہو جاوے تو وہ سترہ ہو جاوے گی اسی طرح اگر کپڑا پردہ کے طور پر سامنے لٹکا دیا جاوے تو وہ بھی سترہ ہو جاوے گا اور اشتراط غلط اصبح خود مقصود نہیں بلکہ امتیاز و استبانت کے لئے مقصود ہے اور پردہ میں استبانت ظاہر ہے۔ (۱)

۸/محرم ۱۳۳۴ھ (حوادث رابعہ ص ۶۰)

(۱) ویغرز الإمام وكذا المتفرد في الصحراء ونحوها سترة بقدر ذراع طولاً وغلظ إصبع لتبدو للناس بقربه على أحد حاجبيه ولا يكفي الوضع ولا الخط (در مختار) وفي الشامية: وقوله: (وغلظ إصبع) كذا في الهداية: لكن جعل في البدائع بيان الغلط قولاً ضعيفاً وأنه لا اعتبار بالعرض. وظاهره أنه المذهب "بحر" ويؤيده ما رواه الحاكم، وقال علي شرط مسلم أنه صلى الله عليه وسلم قال: يجزئ من السترة قدر مؤخرة الرجل ولو بدقة شعرة، مؤخرة بضم الميم وهمزة ساكنة وكسر الخاء المعجمة، العود الذي في آخر رجل البعير كما في الحلية. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۰۱-۴۰۲، كراچی ۱/۶۳۷)

ويستحب له أن يغرز سترة تكون طول ذراع فصاعداً في غلظ الإصبع وذلك أدناه لأن مادونه ربما لا يظهر للناس فلا يحصل المقصود منها (مراقی الفلاح) وفي الطحطاوي: وقوله: في غلظ الإصبع خلاف المذهب، فلا حد لما روي الحاكم عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعاً، يجزئ من السترة قدر مؤخرة الرجل ولو بدقة شعرة كذا في البحر عن البدائع. (حاشية الطحطاوي على مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في اتخاذ السترة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۶۶) ←

محمل کی جائے نماز پر نماز جائز ہے

سوال (۶۵۹): قدیم ۱/۹۴- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ محمل کی جائے نماز پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدر المختار (*): ويحل تو سده (ای الحریر) وافتراشه والنوم عليه وقالوا والشافعي ومالك: حرام وهي الصحيح كما في المواهب قلت فليحفظ هذا لكنه خلاف المشهور. في رد المحتار وقال في الشر نبالية قلت هذا التصحيح خلاف ما عليه المتون المعتبرة المشهورة والشروح- (***) (۱)

(*) رد المحتار ۵/۵۱۱، کتاب الحظر والإباحة في فصل اللبس. ۱۲ سعید احمد پالن پوری
(**) یہ حکم اس محمل کا ہے جو خالص ریشم کا ہو یا اس میں ریشم غالب ہو ورنہ یہ حکم نہیں؛ بلکہ جائز ہے۔
واللہ اعلم ۱۲ محمد رفیع عثمانی

← الخامس: أن المستحب أن يكون مقدارها ذراعاً فصاعداً لحديث مسلم عن عائشة رضي الله عنها سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن سترة المصلي، فقال: بقدر مؤخرة الرجل..... وفسرها عطاء بأنها ذراع فما فوقه كما أخرجه أبو داود.

السادس: اختلفوا في مقدار غلظها ففي الهداية: وينبغي أن تكون في غلظ الإصبع لأن مادونه لا يبدو للناظر وكأن مستنده مارواه الحاكم مرفوعاً "استتروا في صلاتكم ولوبسهم" ويشكل عليه مارواه الحاكم.

عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعاً "يجزئ من السترة قدر مؤخرة الرجل ولوبدقة شعرة" ولهذا جعل بيان الغلظ في البدائع قولاً ضعيفاً وأنه لا اعتبار بالعرض وظاهره أنه المذهب. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۳۰-۳۱، كوئٹہ ۱۷/۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبة زكريا ديوبند

اس سے معلوم ہوا کہ اسمیں اختلاف ہے؛ لیکن ترجیح جواز کو ہے (۱) اور احتیاط ترک میں ہے۔

۱۰ شوال ۱۳۴۹ھ (النور جمادی الاخریٰ ص: ۶۰۵۱۳ھ)

چیل پہن کر نماز پڑھنا

سوال (۶۶۰): قدیم/۹۴-۷ درمختار میں ہے ”و صلوتہ فیہما افضل“ تو اس میں کیا تحقیق ہے؟

الجواب: ردالمحتار میں ہے۔

(قوله و صلاته فیہما) أي فی النعل والخف الطاہرین افضل مخالفة لليهود. تاتارخانیة

(۱) ولا بأس للرجال والنساء بتوسده أي باتخاذ الحرير وسادة وافتراشه أي اتخاذه فراشاً والنوم عليه، وكذا تعليق الحرير والأستار على الجدر والأبواب عنده خلافًا لهما، وبقولهما أخذ أكثر المشايخ كما في القهستاني عن الكرمانی وهو الصحيح كما في البرهانی، قلنا النهي ورد في اللبس وهذا دونه فلا يتحقق به، وعليه السمتون والشروح فليحفظ وفيه إشارة إلى أنه لا يكره الاستناد إلى وسادة من ديباج وهو منقش من الحرير، وكذا وضع مائة الحرير على سرير الصبي، وكذا الجلوس على بساط الحرير والصلاة على سجادة من أبريسم لأن الحرام هو اللبس، أما الانتفاع بسائر الوجوه فليس بحرام كما في صلاة الجواهر وأقره القهستاني وغيره. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، دار الكتب العلمية بيروت ۱۹۴/۴)

والثوب الحرير والمغصوب وأرض الغير تصح فيها الصلاة مع الكراهة (مراقی الفلاح) وفي الطحطاوي: قوله: (والثوب الحرير الخ) جعل الكلام فيما إذا صلى فيه، وأما إذا صلى عليه، فقال القهستاني: من كتاب الحظر معزيا بالصلاة الجواهر مانصه: وتجاوز الصلاة على السجادة من الأبريسم لأن الحرام هو اللبس، أما الانتفاع بسائر الوجوه فليس بحرام. (حاشية الطحطاوي على مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبة دار الكتاب

وفي الحديث صلوا في نعالكم ولا تشبهوا باليهود. رواه الطبرانی كما في الجامع الصغير: رامزاً لصحته وأخذ منه جمع من الحنابلة أنه سنة ولو كان يمشى بها في الشوارع لأن النبي ﷺ وصحبه كانوا يمشون بها في طرق المدينة ثم يصلون بها قلت لكن إذا خشي تلويث فرش المسجد بها ينبغي عدمه وإن كانت طاهرة وأما المسجد النبوي فقد كان مفروشا بالحصى في زمنه ﷺ بخلافه في زماننا ولعل ذلك محمل ما في عمدة المفتي من أن دخول المسجد متنعلا من سوء الأدب تأمل.

ج ۱ ص: ۲۸۷، مطلب في أحكام المسجد. (۱)

اس عبارت سے چند امور مستفاد ہوئے۔

نمبر ۱: یہ حکم مقصود بالذات نہیں بلکہ معلل ہے مخالفت یہود کے ساتھ (۲) اور اب مخالفت عدم نعل میں ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ وہ لوگ کنائس میں مع نعلین جاتے ہیں۔ (۳)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، وما یکره فیها، مطلب

فی أحكام المسجد، مکتبۃ زکریا دیوبند ۴/۲۹، کراچی ۱/۶۵۷

(۲) عن یعلی بن شداد بن أوس عن أبیه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:

خالقوا اليهود فإنهم لا یصلون فی نعالهم ولا خفافهم. (أبو داؤد شریف، کتاب الصلاة، فی النعل،

النسخة الهندیة ۱/۹۵، دار السلام رقم: ۶۵۲)

أخرج الطبرانی عن یعلی بن شداد عن أبیه أو غیره من أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم

-شک ہلال- قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم صلوا فی نعالکم ولا تشبهوا بالیهود.

وأخرج أيضاً عن هلال بن میمون عن یعلی بن شداد بن أوس عن أبیه قال: قال رسول الله

صلی الله علیه وسلم صلوا فی نعالکم خالقوا الیهود. (المعجم الكبير للطبرانی، دار احیاء

التراث العربی ۷/۲۹۰، رقم: ۷۱۶۴-۷۱۶۵)

(۳) قلت دل هذا الحديث على أن الصلاة في النعال كانت مأمورة لمخالفة اليهود،

وأما في زماننا فينبغي أن تكون الصلاة مأمورة بها حافيا لمخالفة النصارى فإنهم يصلون

متنعلين لا يخلعونها عن أرجلهم. (بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، قديم

۱/۳۵۸، جدید دار البشائر الإسلامية ۳/۵۹۹)

نمبر ۲: علّتِ مذکورہ کے تحقق کے وقت بھی مقید ہے عدمِ تلویثِ فرش کے ساتھ اور یہاں اس قید کا انقضاء ظاہر ہے اور مسجدِ نبویٰ ملوث نہ ہوتی تھی فلا یصح القیاس مع الفارق۔

نمبر ۳: مثل لزومِ تشبہ بابل الکتاب وخوفِ تلویثِ مسجد کے سوءِ ادب بھی مانعِ مستقل ہے اور معیارِ ادب و سوءِ ادب کا محض عرف و عادت ہے اور اس ہیئت کا سوءِ ادب ہونا ظاہر و مشاہد ہے بس ہمارے دیار میں اس فعل سے تین امر مانع ہیں لزومِ تشبہ و تلویثِ مسجد و سوءِ ادب لہذا ہر گز اس کی اجازت نہیں ہو سکتی۔

۲۴ رجب الاول ۱۳۳۵ھ (تمہ خامسہ ص ۸)

بعدِ فرائض کے اور ادو وظائف

سوال (۶۶۱): قدیم ۱/۹۵- اور ادو وظائف مسنونہ بعدِ مکتوبہ پڑھنے کو فقہاء نے مکروہ فرمایا: **کما فی الکبیری وغیرہ من الکتاب الفقہیہ (۱) اور احادیث میں تصریحِ فرائض کی مذکور ہے**

(۱) فإن کان بعدہا أي بعد المکتوبۃ تطوع یقوم إلی التطوع بلا فصل إلا مقدار ما یقول: اللہم أنت السلام ومنک السلام تبارک یا ذی الجلال والإکرام، ویکرہ تأخیر السنۃ عن حال أداء الفریضۃ بأکثر من نحو ذلک القدر لما روی مسلم والترمذی عن عائشۃ قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا سلم لم یقعد إلا مقدار ما یقول اللہم أنت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذی الجلال والإکرام. (حلیٰ کبیری، کتاب الصلاۃ، وأما بیان صفة الصلاۃ، مکتبۃ اشرافیۃ دیوبند ص: ۳۴۱-۳۴۲)

ویکرہ تأخیر السنۃ إلا بمقدار اللہم أنت السلام الخ. قال الحلوانی: لا بأس بالفصل بالأوراد، واختارہ الکمال، قال الحلبی: إن أرید بالکراہۃ التنزیہۃ ارتفع الخلاف، قلت وفي حفظی حملہ علی القلیلۃ (در مختار) وفي الشامیۃ: قوله: (ارتفع الخلاف) لأنه إذا كانت الزیادۃ مکروہۃ تنزیہاً كانت خلاف الأولى الذی هو معنی لا بأس وقوله: وفي الحفظی الخ. توفیق آخر بین القولین المذکورین، وذلك بأن المراد فی قول الحلوانی لا بأس بالفصل بالأوراد أي القلیلۃ التي بمقدار اللہم أنت السلام الخ. لما علمت من أنه لیس المراد خصوص ذلک بل هو أو ما قاربہ فی المقدار بلا زیادۃ کثیرۃ فتأمل وعلیہ ←

بالخصوص حدیث عمرؓ وال علیؓ النذب ہے (۱) رفع تعارض کیسے ہوگا؟

الجواب: یا تو حدیث میں تاویل ہو کہ احیاناً ایسا ہوا ہو یا فقہاء کا قول ماوّل ہو کہ منقول سے زیادہ فصل مکروہ ہے۔

فقط ۱۹/۱۹ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۴۰)

← فالکراهة على الزيادة تنزيهية لما علمت من عدم دليل التحريم. (الدر المختار مع الشامي، كتاب لصلاة، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد لشروع، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۴۶-۲۴۷، کراچی ۱/۵۳۰) حاشیة الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار والواردة بعد صلاة الفرض، مكتبة دارالكتاب ص: ۳۱۱ تا ۳۱۳

(۱) عن الأزرق بن قيس قال: صلى بنا إمام لنا يكنى أبا رمثة فقال: صليت هذه الصلاة أو مثل هذه الصلاة مع النبي صلى الله عليه وسلم قال: وكان أبوبكرؓ، وعمرؓ يقومان في الصف المقدم عن يمينه وكان رجل قد شهد التكبيرة الأولى من الصلاة، فصلى نبي الله صلى الله عليه وسلم ثم سلم عن يمينه وعن يساره حتى رأينا بياض خديه، ثم انتقل كانتقال أبي رمثة يعني نفسه، فقام الرجل الذي أدرك معه التكبيرة الأولى من الصلاة يشفع، فوثب إليه عمرؓ، فأخذ بمنكبه فهزه ثم قال: إجلس فإنه لم يهلك أهل الكتاب إلا أنهم لم يكن بين صلواتهم فصل فرفع النبي صلى الله عليه وسلم بصره فقال: أصاب الله بك يا ابن الخطاب. (أبو داود شريف، كتاب الصلاة، باب في الرجل يتطوع في مكانه الذي صلى فيه المكتوبة، النسخة الهندية ۱/۴۴، دار السلام رقم: ۱۰۰۷)

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب الإمام يتحول عن مكانه إذا أراد أن يتطوع في المسجد، دار الفكر ۳/۲۱، رقم: ۳۱۲۹۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۲۲/۲۸۴، رقم: ۷۲۸۔

عن ورّاد مولى السغيرة بن شعبة قال: كتب مغيرة بن شعبة إلى معاوية أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا فرغ من الصلاة وسلم قال: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت، ولا معطي لما منعت، ←

← ولا ينفع ذا الجدم منك الجدم. (مسلم شريف، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، النسخة الهندية ٢١٨/١، بيت الأفكار رقم: ٥٩٣)
بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، النسخة الهندية ١١٧/١،
رقم: ٨٣٦، ف: ٨٤٤ -

عمل اليوم والليلة لابن السني باب ما يقول في دبر صلاة الصبح - (مؤسسة علوم القرآن
بيروت ص: ١٢١، رقم: ١٣٨ -

مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الدعاء، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٧٥/١٥، رقم: ٢٩٧٤٨ -
شبير احمد قاسمي عفا الله عنه



رسالة استحباب الدعوات عقيب الصلوات

نمازوں کے بعد دعاء مانگنے کے استحباب کا بیان

سوال (۶۶۲): قدیم ۱/۹۵- بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۵ ونحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، وبعدُ فهذا بعض من أجزاء کتاب مسلك السادات إلى سبيل الدعوات، الذي ألفه الفاضل الشيخ محمد علي بن المرحوم الشيخ حسين مفتي المالكية بمكة المحممية سابقا في تحقيق أحكام الدعاء عموما واستحبابه أثر الصلوات للغد ولأئمة المساجد والجماعات خصوصاً في عام الألف والثلاث مائة والإحدى والعشرين من الهجرة كما صرح في آخر الكتاب لخصتها منه سداً لنكير بعض المتهورين وحكمهم بالبدعة عليه ولقبتها باستحباب الدعوات عقيب الصلوات نفع الله تعالى بها المسلمين وجعلها لي ذخراً ليوم الدين وأنا اشرف على التهانوي عفى عنه وحررتها في أوائل رجب الا صم ۱۳۵۴هـ من الهجرة النبوية على صاحبها الف الف سلام وتحية.

دعا و نیاز بعد انواع نماز

بسم الله الرحمن الرحيم. الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى! اما بعد.

یہ رسالہ ترجمہ ہے۔

رسالہ استحباب الدعوات عقيب الصلوات کا جس کو بقية السلف حجة الخلف اية من ايات الله من الذين اذاروا ذكر الله مجدداً الملة حكيم الامة سيدي وسندي كهفي ومعتدى حضرت مولانا اشرف علي صاحب تهانوي متعنا الله تعالى وسائر المسلمين بطول بقائه بالخير نے۔

مفتی مالکیہ علامہ شیخ محمد علی ملی کے رسالہ مسلک السادات سے انتخاب و تلخیص کر کے تالیف فرمایا ہے

مکرمی مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے حسب ایماء حضرت والا اس کا اردو ترجمہ نفع عوام کے لئے لکھ دیا ترجمہ میں بغرض سہولت عوام تحت اللفظ کی رعایت چھوڑ کر خلاصہ مطلب لیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ اس کو بھی مسلمانوں کے لئے مفید اور سب کے لئے ذخیرہ آخرت بنادے۔ واللہ ولی التوفیق وهو حسبی ونعم الوکیل۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

بعد حمد و صلوة کے واضح ہو کہ یہ رسالہ کتاب مسلک السادات الی سبیل الدعوات کا خلاصہ ہے جس کو علامہ فاضل شیخ محمد علی بن حسین مرحوم مفتی مالکیہ مقیم مکہ مکرمہ نے ۱۳۲۱ھ میں تالیف فرمایا ہے اور اس میں عموماً احکام دُعاء کی تحقیق اور بالخصوص دُعاء کا مستحب ہونا ہر منفرد اور امام اور جماعت کے لئے (احادیث معتبرہ اور مذاہب اربعہ کی روایات فقہیہ سے) ثابت فرمایا ہے میں نے اس رسالہ کا خلاصہ لکھ دیا تاکہ اُن پیماک لوگوں کی زبان بند ہو جو دُعاء بعد نماز پر بدعت ہونے کا حکم کرتے ہیں اور اس تلخیص کا نام استنباب الدعوات عقیب الصلوات رکھ دیا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے نفع دے اور میرے لئے اس کو روز قیامت کے واسطے ذخیرہ بنادے اور میرا نام اشرف علی تھانوی ہے اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرمادے اور میں نے یہ رسالہ اوائل رجب ۱۳۵۲ھ میں تحریر کیا ہے و صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد وآلہ و صحبہ أجمعین ألف ألف سلام و تحیہ۔

الجزء الأول: روى الحافظ أبو بكر

أحمد بن اسحاق المعروف بابن السني

في كتابه عمل اليوم والليلة (حدثنا)

أحمد بن الحسن (حدثنا) أبو اسحاق

يعقوب بن خالد بن يزيد البالسي (حدثنا)

عبد العزيز بن عبد الرحمن القرشي

(عن) خصيف (عن) أنس رضي الله

عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال

ما من عبد يبسط كفيه من دبر كل صلوة

ترجمہ: پہلا جز: (امام نسائی کے شاگرد) ابن سنی نے اپنی کتاب عمل اليوم والليلہ میں اسناد مندرجہ متن کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی اللہ کا بندہ ہر نماز کے بعد ہاتھ پھیلا کر یہ دعا مانگتا ہے تو حق تعالیٰ اپنے ذمہ لازم کر لیتے ہیں کہ اس کے ہاتھوں کو محروم کر کے نہ لوٹائیں (بلکہ اس کی دُعا قبول فرماتے ہیں اور ترجمہ دعا کا یہ ہے)

یا اللہ میرے معبود اور حضرت ابراہیم و اِحق و یعقوب کے معبود اور جبرئیل و میکائیل و اسرافیل کے معبود میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری دعا قبول فرما اسلئے کہ میں مضطر (مجبور) ہوں اور دین کے معاملہ میں میری حفاظت فرما کیونکہ بتلا معاصی ہوں اور مجھے اپنی رحمت کے اندر لے لیجئے کیونکہ میں گناہ گار ہوں اور مجھ سے فقر و محتاجی کو دور کر دیجئے کیونکہ میں مسکین ہوں اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی عبدالعزیز بن عبدالرحمن بھی ہیں جن کے بارہ میں علماء کو کلام (اختلاف) ہے اور میزان الاعتدال وغیرہ میں اس کی تصریح کی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جاوے گا جیسا کہ ہر اہل علم جانتا ہے اور اس حدیث کی تقویت اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں بروایت اسود عامری عن ابیہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی جب آپ نے سلام پھیرا تو جانب قبلہ سے ہٹ کر دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی (آگے دعاء وہی ذکر کی ہے جو اوپر والی حدیث میں گزری) اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ائمہ حدیث نے ذکر فرمایا ہے کہ ایک ضعیف روایت کے ساتھ جب دوسری ضعیف روایت (اس کی موید) مل جاتی ہے تو وہ ساقط وغیرہ معتبر ہونے کے درجہ سے ترقی کر کے درجہ اعتبار و اعتماد پر پہنچ جاتی ہے۔

يقول السَّلم الهی وَاله ابراهيم
وإسحاق ويعقوب وَاله جبرئيل
وميكائيل وإسرافيل استألك أن
تستجيب دعوتی فإنی مضطر
وتعصمني فی دینی فإنی مبتلى
وتسالنی برحمتک فإنی مذنب
وتنفی عني الفقر فإنی متمسک
إلا کأن حقاً علی الله أن لا یرد
یدیه خائبین (۱) وفي اسنادہ
عبدالعزیز بن عبدالرحمن فیہ
مقال وصرح فی میزان الاعتدال
وغیرہ، بأنه حدیث ضعیف لکنہ
یعمل بہ فی الفضائل کما عرفت
ویقویہ ما أخرجه الحافظ أبو بکر
بن أبی شیبہ فی مصنفہ عن الأسود
العامری عن أبیہ قال صلیت مع
رسول الله صلی الله علیه وسلم الفجر
فلما سلم انحرف ورفع یدیه ودعا (۲)
الحدیث ولا یخفی أن أئمة
الحدیث ذکر وأن رواية الضعیف مع
الضعیف توجب الارتفاع من
درجة السقوط الی درجة اعتبار .

(۱) عمل اليوم واللیلة لابن السنی، باب ما یقول فی دبر صلاة الصبح، دارالکتب العلمیة

بیروت ص: ۱۲۱، رقم: ۱۳۸

(۲) مصنف ابن أبی شیبہ، کتاب الصلاة، من کان یتسحب إذا سلم أن یقوم أو ینحرف،

وقال الحافظ السيوطي: في فض الوعاء في أحاديث رفع اليدين في الدعاء أخرجه ابن أبي شيبة قال حدثنا محمد يحيى الأُسَلَمي قال رأيت عبد الله بن الزبير ورأى رجلاً رافعاً يديه يدعو قبل أن يفرغ من صلوته فلم يفرغ منها قال له أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلاته رجاله ثقات اهـ.

هكذا في الأصل ۱۲ أفاده العلامة السيّد محمد بن عبد الرحمن بن سليمان يحيى بن عمر بن مقبول الأهدل الزبيدي رحمه الله تعالى وفي المعيار أخرجه عبد الرزاق عن النسبي صلى الله عليه وسلم أي الدعاء أسمع أي أقرب إلى الإجابة قال شطر الدليل الأخير أدبار المكتوبة (۱)

اور حافظ (جلال الدین) سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ”فض الوعاء في أحاديث رفع اليدين في الدعاء“ میں بحوالہ ابن ابی شیبہ محمد یحییٰ اسلمی سے نقل کیا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ کو اس طرح دیکھا کہ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز سے فارغ ہوئے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگ رہا ہے جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو اس سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک نماز سے فارغ نہ ہو جاتے تھے دعاء کے لئے ہاتھ نہ اٹھاتے اور سب راوی اس روایت کے ثقہ ہیں اہ یہ تحقیق علامہ سیّد محمد بن عبد الرحمن بن سلیمان بن یحییٰ بن عمر بن مقبول اہل زبیدی رحمۃ اللہ نے بیان فرمائی ہے اور کتاب المعیار میں ہے کہ (امام حدیث) عبد الرزاق نے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے (یعنی زیادہ قبولیت کے قریب ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آخری نصف رات کے وقت اور فرض نمازوں کے بعد روایت کے ثقہ ہیں اہ

(۱) عن أمانة قال: قيل: يا رسول الله! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۱۸۷/۲، دار السلام رقم: ۳۴۹۹)

السنن الكبرى للنسائي، باب ما يستحب من الدعاء دبر الصلوات المكتوبات، دار الكتب العلمية بيروت ۳۲/۶، رقم: ۹۹۳۶۔

وصححه عبدالحق وابن القطان وذكر الإمام المحدث أبو الربيع في كتاب مصباح الظلام عن النبي عليه الصلوة والسلام أنه قال من كانت له إلى الله حاجة فليسا لها دبر صلاة مكتوبة. اه (۱)

الجزء الثاني : وروی ابن

السني أيساعن أبي أمانة مادنوت من رسول الله صلى الله عليه وسلم في دبر صلاة مكتوبة ولا تطوع الا سمعته يقول اللهم اغفر لي ذنوبي وخطاياي كلها اللهم انعشني واجبرني واهدني لصالح الاعمال والا خلاق إنه لا يهدي لصالحها ولا يصرف سيئها إلا أنت (۲) وروی النسائي وغيره

اس حدیث کو محدث عبدالحق اور ابن قطان نے صحیح کہا ہے اور امام محدث ابوالربیع نے اپنی کتاب مصباح الظلام میں نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت مانگنا ہو وہ نماز فرض کے بعد مانگے اھ۔

جزو دوم : امام ابن سنی نے حضرت ابوامامہؓ

سے روایت کیا ہے کہ میں جب کبھی نماز فرض یا نفل کے بعد آں حضرت ﷺ سے قریب ہوا تو ہمیشہ یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ یا اللہ میری سب گناہ اور خطائیں معاف فرما دیجئے یا اللہ مجھے بلند کیجئے اور میرا جبر نقصان کر دیجئے اور مجھے عمدہ اخلاق و اعمال کی طرف ہدایت فرمائیے کیونکہ اچھے اعمال و اخلاق کی طرف آپ کے سوا کوئی ہدایت نہیں کر سکتا اور نہ بُرے اعمال و اخلاق سے آپ کے سوا کوئی ہٹا سکتا ہے۔ اور امام نسائی (*) نے حضرت کعب (احمد) سے روایت کیا ہے

(*) اصل رسالہ میں چونکہ نسائی کی حدیث نا تمام لکھی تھی، جس کو تلخیص میں بعنوان فائدہ مکمل لکھا گیا ہے؛ اس لئے ترجمہ میں مکمل حدیث کا ترجمہ لے لیا گیا، پھر اصل رسالہ میں جس قدر جزو لیا گیا ہے، اس کے ترجمہ کی حاجت نہ رہی۔ ۱۲ منہ

(۱) عن أبي بردة رضي الله عنه عن أبي موسى قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كانت له إلى الله حاجة فليدع بها في دبر الصلاة مفروضة. (البداية والنهاية، دار الفكر بيروت ۹/ ۱۱۷)

(۲) عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر الصلاة الصبح۔ دار الكتب العلمية بيروت

اللّٰهُم اِصْلِحْ لِيْ دِيْنِي الَّذِيْ جَعَلْتَهُ لِيْ عَصْمَةً وَاِصْلِحْ لِيْ دِيْنَايَ الَّذِيْ جَعَلْتَ فِيْهَا مَعَاشِيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ نَقْمَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مَعْطٰى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (۱)
 وَاَبُو دَاوُدَ اِذَا اِنْصَرَفَتْ مِنَ الْمَغْرِبِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اَجْرْنِيْ مِنَ النَّارِ سَبْعَ مَرَّاتٍ اِذَا قُلْتَ ذَاكَ ثُمَّ مَتَّ مِنْ لَيْلَتِكَ كَتَبَ لَكَ جَوَّازَ مِنْهَا وَاِذَا صَلَّيْتَ الصُّبْحَ فَقُلْ كَذَلِكَ اِنْ مَتَّ مِنْ يَوْمِكَ كَتَبَ لَكَ جَوَّازَ مِنْهَا (۲)
 (ف) قَالَ الْجَامِعُ وَحَدَّثَ النَّسَائِيُّ اَخْرَجَهُ فِيْ كِتَابِ الصَّلَاةِ بَابُ نَوْعِ اٰخِرٍ مِنَ الدَّعَاءِ عِنْدَ الْاِنْصِرَافِ مِنَ الصَّلَاةِ وَتَمَامِهِ عَنْ عَطَّابِ بْنِ مَرْوَانَ عَنْ اَبِيْهِ اَنْ كَعْبًا حَلَفَ لَهُ بِاللّٰهِ الَّذِيْ فَلَاحَ الْبَحْرِ لِمُوسٰى اَنَا لَنَجِدَ فِيْ التَّوْرَةِ اَنْ دَاوُدَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اِنْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ

کہ اُنھوں نے فرمایا کہ قسم ہے اللہ کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا کو شق کر دیا تھا کہ ہم تورات میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ نبی اللہ حضرت داؤد علیہ السلام جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تھے تو یہ دُعا کرتے تھے اے اللہ میرے دین کو درست فرما دے جس کو آپ نے میرے لئے پناہ بنایا ہے اور میری دنیا کو درست کر دیجئے جس میں آپ نے میرا گزارہ رکھا ہے یا اللہ میں آپ کے غصہ سے آپ کی رضا کے ساتھ پناہ لیتا ہوں اور آپ کے عذاب سے آپ کی معافی کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں اور میں آپ سے آپ ہی کے ساتھ پناہ لیتا ہوں جو کچھ آپ عطا فرمادیں اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو آپ روکیں اس کو کوئی عطا کرنے والا نہیں اور آپ کے مقابلہ میں کسی کوشش کرنے والے کی کوشش نہیں چلتی۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت کعبؓ نے حضرت صہیبؓ سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ بھی نماز ختم کرنے کے بعد یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

(۱) نسائی شریف، کتاب الصلاة، نوع آخر من الدعاء عند الإنصراف من الصلاة،

النسخة الهندية ۱/۱۵، دار السلام رقم: ۱۳۴۷۔

(۲) أبو داؤد شریف، کتاب الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، النسخة الهندية ۲/۶۹۳،

دار السلام رقم: ۵۰۷۹۔

اور تخصیص رسالہ میں بضمن فائدہ مستدرک حاکم باب الدعاء بعد الصلوٰۃ سے اس روایت کا بھی اضافہ کیا گیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اے معاذ خدا کی قسم میں تم سے محبت رکھتا ہوں معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان خدا کی قسم میں بھی آپ سے محبت رکھتا ہوں پھر فرمایا اے معاذ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد اس دعاء کو کبھی نہ چھوڑنا (دعا یہ ہے) یا اللہ اپنے ذکر اور شکر اور اچھی طرح عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔ راوی کہتا ہے کہ پھر حضرت معاذؓ نے یہی وصیت ضابحی کو فرمائی اور ضابحی نے ابو عبد الرحمن کو اور ابو عبد الرحمن نے عقیقہ بن مسلم کو حاکم نے اس حدیث کو علی شرط البخاری و مسلم صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبیؒ نے بھی تخصیص میں اس کو تسلیم کیا ہے (تمت الفائدة) اور ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے کہ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا)

قال اللهم اصلح لي ديني الذي جعلته لي عاصمة واصلح لي دنياي التي جعلت فيها معاشي اللهم اني أعوذ برضاك من سخطك وأعوذ بعني بغفوك من نقمتك وأعوذ بك منك لا مانع لما أعطيت ولا معطى لما منعت ولا يستفعل ذا الجدة منك الجدة، قال وحدثني كعب أن صهيباً حدثه أن محمد صلى الله عليه وسلم كان يقولهن عند انصرافه من صلاته. (۱) قال الجامع وأخرج الحاكم في باب الدعاء بعد الصلوٰۃ عن معاذ بن جبلؓ أنه قال إن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيدي يوماً ثم قال يا معاذ والله إنني لا أحبك، فقال معاذ بأبي أنت وأمي يا رسول الله (صلى الله عليه وسلم) وأنا والله أحبك فقال أو صييك يا معاذ لا تدعن في دبر كل صلوٰۃ أن تقول اللهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك

(۱) نسائی شریف، کتاب الصلاة، نوع آخر من الدعاء عند الإنصراف من الصلاة،

جب تم مغرب کی نماز سے فارغ ہو تو سات مرتبہ یہ دعاء پڑھو یا اللہ مجھے آگ سے نجات دیجئے اگر تم نے یہ دعاء پڑھ لی اور پھر اسی رات میں تمہیں موت آگئی تو تمہارے لئے جہنم کی آگ سے نجات لکھ دی جاوے گی اور جب صبح کی نماز پڑھ چکو جب بھی یہی دعا اسی طرح پڑھو اگر اس دن میں تمہیں موت آگئی تو تمہارے لئے جہنم سے نجات لکھ دی جاوے گی۔

تیسرا اجزو: خوب سمجھ لیجئے کہ مذاہب اربعہ (یعنی حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ) میں اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ (نماز کے بعد) آہستہ دعاء مانگنا امام اور منفرد کے لئے مستحب ہے اور مالکیہ اور شافعیہ امام کے لئے اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ دعاء جہراً پڑھے تاکہ مقتدیوں کو تعلیم ہو یا وہ اس کی دعاء پرائین کہہ سکیں، مالکیہ کی روایات فقہیہ اس بارے میں یہ ہیں، معیار میں ہے کہ ابن عرفہ نے کہا ہے کہ علم اور دین میں جن ائمہ کی اقتداء کی جاتی ہے ان کا عمل اس پر رہا ہے کہ نماز ختم کرنے کے بعد ادعیہ ماثورہ پڑھتے تھے اور میں نے کسی کو نہیں سنا جو اس سے انکار کرتا ہو بجز اس جاہل کے جس کا اتباع نہیں کیا جاسکتا اور اللہ تعالیٰ رحم فرمائے بعض علماء اندلس پر کہ

قال: وأوصی بذلك معاذ الصنابحي وأوصی الصنابحي أبا عبد الرحمن الحبلي وأوصی أبو عبد الرحمن عقبة بن مسلم هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه (وقال الذهبي في التلخيص على شرطهما) مستدرک ص ۲۷۳ ج ۱. (۱)

الجزء الثالث: أعلم أنه لا خلاف بان المذاهب الأربعة في ندب الدعاء سر الإلزام والمنفرد وأجاز المالكية والشافعية جهرًا لإمام به لتعليم المأمومين أو تأمينهم على دعائه فاما نصوص المالكية ففي السمعيار، قال ابن عرفة مضي عمل من يقتدى به في العلم والدين من الأئمة على الدعاء بأثر الذکر الوارد إثر تمام الصلاة وما سمعت من ينكره إلا جاهل غير مقتدى به ورحم الله بعض الأندلسيين

(۲) المستدرک علی الصحیحین، کتاب الصلاة، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز ۱/۳۹۹، رقم: ۱۰۱۰۔

أبو داؤد شریف، کتاب الصلاة، باب فی الاستغفار، النسخة الهندية ۱/۲۱۳، دار السلام رقم: ۱۵۲۲۔

السنن الكبرى للنسائي، کتاب عمل اليوم والليلة، دار الكتب العلمية بيروت ۶/۳۲، رقم: ۹۹۳۷۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۲۰/۶۰، رقم: ۱۱۰۔

صحيح ابن حبان، دار الفكر بيروت ۳/۱۸۳، رقم: ۲۰۱۷۔

فإنه لما انتهی إليه ذلک ألف جزءً
ردّ اعلیٰ منکره. اه وفي نوازل
الصلاة منه أيضا من الأمور التي هي
كال معلوم بالضرورة استمرار عمل
الائمة في جميع الاقطار على الدعاء
أدبار الصلوات في مساجد
الجماعات واستصحاب الحال حجة
واجتماع الناس عليه في المشارق
والمغرب منذ الأزمنة المتقدمة من
غير تكبير إلى هذه المدة من الأدلة على
جوازه واستحسان الأخذ به وتأكده
عند علماء الملة. اه باختصار.

وقال القاضی محمد بن
العربی: والدعاء بعد المكتوبة
أفضل من الدعاء بعد النافلة. وفي
الاكمال ذکر عبدالحق اماکن قبول
الدعاء وان منها الدعاء أثر الصلاة
وانكر الإمام ابن عرفة وجود
الخلافا في ذلک وقال: لا، اعر ف
فيه كراهة، قلت إن عني بقوله: لا
اعرف فيه كراهة أي لمقدم
فصحيح وان عني به مطلقا ففيه شيء
لأن الشيخ شهاب الدين القرافي
رحمه الله تعالى ذكره في آخر قواعده.

جب انھوں نے یہ سنا کہ بعض لوگ اس کا انکار کرتے
ہیں تو ایک رسالہ اس کی تردید میں تصنیف فرمایا۔ الخ
اور (کتاب معیار کے) نوازل الصلوٰۃ میں مرقوم ہے
ان امور میں سے جن کا ثبوت مثل ضروریات و بدیہیات
کے ہے تمام اطراف دنیا میں ائمہ کرام کا یہ عمل بھی ہے کہ
نمازوں کے بعد مساجد اور جماعات میں دعا مانگتے تھے
اور استصحاب حال ایک حجتہ شرعیہ ہے اور مشرق
و مغرب میں تمام مسلمانوں کا اس پر قدیم زمانہ سے مجتمع
اور متفق ہو جانا اور کسی کا انکار نہ کرنا اس عمل کے جائز
اور اس کو اختیار کرنے کے مستحب و مستحسن ہونے اور علماء
مذہب کے نزدیک اس کے مؤکد ہونے کے دلائل میں
سے ہے۔ انہی باختصار۔

اور قاضی محمد ابن العربی فرماتے ہیں کہ دعاء بعد
نماز فرض کے افضل ہے دعاء بعد النفل سے۔ اور اکمال
میں ہے کہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے ان مواضع کو جمع کیا
ہے جن میں دُعا قبول ہوتی ہے اُن میں سے ایک دعاء
بعد نماز بھی ہے اور امام ابن عرفت نے اس بارہ میں کسی کا
خلاف ہونے کا انکار فرمایا ہے اور کہا ہے کہ میں اس
میں کسی قسم کی کراہت نہیں سمجھتا میں کہتا ہوں کہ امام ابن
عرفت نے اگر اپنے قول میں کسی قسم کی کراہت نہ سمجھنے سے
یہ مراد لی ہے کہ کسی مقدم بزرگ نے اس کو مکروہ نہیں کہا
تو صحیح ہے اور اگر مطلقاً مکروہ نہ کہنا مراد ہے تو اس میں
ایک تردد ہے وہ یہ ہے کہ شیخ شہاب الدین القرافي رحمۃ
اللہ علیہ نے اپنے قواعد کے آخر میں کراہت ذکر کی ہے

وعللها بما يقع بذلك في نفس الإمام من التعاضل. اه

وأقول مقتضاه ان القرافي كرهه مطلقا سرا أو جهر أو ليس كذلك ففي أبي الحسن علي الرسالة مانصه القرافي كره مالک رضى الله عنه وجماعة من العلماء لائمة المساجد والجماعات الدعاء عقيب الصلوات المكتوبة جهرًا للحاضرين فيجتمع لهذا الإمام التقدم وشرف كونه نصب نفسه واسطة بين الله تعالى وعباده في تحصيل مصالحهم على يديه في الدعاء فيوشك ان تعظم نفسه ويفسد قلبه ويعصى ربه في هذه الحالة أكثر مما يطيعه ف قال الجامع الكراهة لوجود العارض الغير الغالب لاينفي الإباحة إذا انعدم العارض.

الجزء الرابع: وقد أكثر الناس في هذه المسئلة اعنى دعاء الإمام عقب الصلاة وتأمين الحاضرين على دعائه وحاصل ما انفصل عنه الإمام ابن عرفة والغبريني

اور علت کراہت کی یہ بیان کی ہے کہ امام کے نفس میں اس کی وجہ سے تعاضل و تکبر پیدا ہوتا ہے انہی۔

اور میں کہتا ہوں کہ مقتضا اس کا یہ ہے کہ علامہ قرانی نے اس کو مطلقاً مکروہ کہا ہے خواہ سرّاً ہو یا جہراً حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ابوالحسن کے حاشیہ رسالہ میں یہ الفاظ ہیں قرانی کہتے ہیں کہ امام مالک اور علماء کی ایک جماعت نے ائمہ مساجد و جماعات کے لئے فرض نمازوں کے بعد حاضرین کو سُنّا نے کے لئے جہراً دعائیں مانگنا مکروہ سمجھا ہے کیونکہ اس صورت میں اس کے لئے دو چیزیں بڑائی اور سیادت کی جمع ہو جائیں گی بوجہ امامت کے سب کے آگے ہونا دوسرے یہ کہ اس نے آپ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان دعائیں ایک واسطہ بنا کر قائم کر دیا ہے تو عجب نہیں کہ اس کے نفس میں تکبر پیدا ہو جاوے اور اس کا قلب فاسد ہو جاوے اور اس حالت میں حق تعالیٰ کی جتنی عبادت کر رہا ہے اس سے زیادہ گناہ میں مبتلا ہو جاوے۔ (ف) حضرت جامع (رسالہ استخباب الدعوات میں) فرماتے ہیں کہ جو کراہت کسی ایسے عارض کی وجہ سے ہو کہ اس کا وجود اکثر اور غالب نہ ہو وہ کراہت عارض کے معدوم ہونے کے وقت اباحت فی نفسہ کی معارض و مخالف نہیں۔

چوتھا جزو: لوگوں نے اس مسئلہ میں بہت بحث و گفتگو کی ہے یعنی نماز کے بعد امام کا دُعاء کرنا اور حاضرین کا اس پر آمین کہتے رہنا اور خلاصہ اس تحقیق کا جو امام ابن عرفہ اور غبرینی نے فرمائی ہے۔

یہ ہے کہ ایسی دعاء اگر اس نیت سے ہو کہ یہ نماز کی سنتوں اور مستحبات میں سے ایک سنت و مستحب ہے تب تو ناجائز ہے اور اگر اس عقیدہ سے سلامتی کے ساتھ (محض ایک دعاء مستجاب ہونے کی حیثیت سے) ہے تو وہ اصل دعاء کے حکم میں ہے اور دعاء ایک عبادت شرعیہ ہے جس کی فضیلت نصوص شریعت سے معروف و مشہور ہے آھ۔ یہاں تک عدوی کا کلام ختم ہوا کسی قدر تصرف و زیادت کے ساتھ۔

پانچواں جزو: اور مذہب شافعیہ کی روایات فقہیہ (اس مسئلہ میں) یہ ہیں فتح المعین اور اس کے متن میں ہے اور مسنون ہے ذکر اور دعاء بعد نماز کے آہستہ یعنی دُعا کا آہستہ پڑھنا مسنون ہے منفرد کے لئے بھی اور امام اور مقتدی کے لئے بھی اور اس امام کے لئے بھی جو اس کا ارادہ نہ رکھے کہ حاضرین کو تعلیم ہو یا حاضرین اس کی دُعا سُنکر پھر آمین کہیں اھ

اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی شرح عباب میں اور ان کے فتاویٰ کبریٰ میں ہے مسنون ہے نمازی کے لئے جبکہ وہ منفرد یا مقتدی ہو (جیسا کہ کتاب مجموع میں بحوالہ نص مذکور ہے) یہ کہ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد کثرت سے ذکر اللہ کرے اور پست آواز سے دعاء مانگے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے لیکن امام اسنوی فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ امام کے لئے مسنون یہ ہے کہ مقتدیوں کے ساتھ ذکر و دعاء میں اختصار کرے جب وہ چلے جائیں (یا منتشر ہو جائیں) پھر طویل ذکر و دعاء کر سکتا ہے۔

ان ذلک ان کان علی نية أنه من سنن الصلاة وفضائلها فهو غير جائز وإن كان مع السلامة من ذلك فهو باق على حكم أصل الدعاء والدعاء عبادة شرعية فضلهما من الشريعة معلوم عظمه

الجزء الخامس: وأما نصوص الشافعية ففي فتح المعين مع المتن وسن ذكر و دعاء سرا عقبها أي الصلاة أي يسن الا سرار بهما لمنفرد و مأ موم وإمام لم يرد تعليم الحاضرين ولا تامينهم لدعائه بسماعه . اه

وفي شرح العباب لابن حجر وفتاويه الكبرى ويسن للمصلي إذا كان منفرداً أو مأ موماً كما في المجموع عن النص بعد السلام عن الصلوة إكثار ذكر الله تعالى والدعاء سر الأخبار الصحيحة؛ لكن قال الاسنوي الحق أنه يسن للإمام أن يختصر في الذكر والدعاء بحضرة المأمومين فإذا انصرفوا طول .

الجزء السادس: بعد قوله
 وأما نص الحنابلة باسطر فيؤخذ
 من مجموع ذلك ان الدعاء
 إثر الصلوات مسنون عند
 الحنابلة؛ لأنه من ساعات الإجابة
 كما دلت عليه الأحاديث المارة،
 بل قال الشيخ منصور بن إدریس
 الحنبلي: في شرح الاقناع مع
 المتن يسن ذكر الله والدعاء
 والاستغفار عقب الصلوة المكتوبة
 الى ان قال ويدعو الإمام بعد
 فجر وعصر لحضور الملكة فيهما
 فيؤمنون على الدعاء فيكون أقرب
 للإجابة وكذا يدعو بعد غيرهما من
 الصلوة لأن من اوقات الإجابة أدبار
 المكتوبات ويبدأ الدعاء بالحمد لله
 والثناء عليه ويختم به ويصلي على
 النبي صلى الله عليه وسلم أوله وآخره
 ووسطه ويستقبل الداعي غير
 الإمام هنا القبلة لأن خير
 المجالس ما استقبل به القبلة
 ويكره للإمام استقبال القبلة. بل
 يستقبل لمامومين لما تقدم أنه
 ينحرف اليهم إذا سلم ويلح
 الداعي في الدعاء.

چھٹا جزو: اور مذہب حنابلہ کی روایات فقہیہ
 کے متعلق کچھ عبارات صاحب رسالہ نے نقل کرنے
 کے بعد فرمایا ہے کہ ان عبارات کے مجموعہ سے یہ سمجھا
 جاتا ہے کہ دعاء بعد تمام نمازوں کے حنابلہ کے نزدیک
 مسنون ہے اس لئے کہ یہ وقت ساعات اجابت میں
 سے ہے جیسا کہ احادیث مذکورہ اس پر دلالت کرتی ہیں؛
 بلکہ شیخ منصور ابن ادریس حنبلیؒ نے شرح اقناع میں
 فرمایا ہے کہ مسنون ہے ذکر اللہ اور دعاء واستغفار بعد
 نماز فرض کے یہاں تک فرمایا اور دعاء کرے امام بعد
 نماز فجر وعصر کیونکہ ان دونوں نمازوں میں فرشتے
 حاضر ہوتے ہیں تو وہ اس کی دعا پر آمین کہیں گے جس
 سے وہ أقرب الی القبول ہو جاوے گی اور اسی طرح
 ان دونوں نمازوں کے علاوہ اور نمازوں میں
 دعا کرے کیونکہ اوقات اجابت میں سے ایک وقت
 فرض نمازوں کے بعد بھی ہے اور چاہئے کہ دعا کو حمد و ثنا
 سے شروع کرے اور اسی پر ختم کرے اور نبی کریم صلی
 اللہ علیہ وسلم پر دو رد بھیجے دُعا کے اوّل و آخر میں بھی
 اور وسط میں بھی اور سب دُعا کرنے والے اس وقت
 قبلہ کی طرف کو منہ کریں علاوہ امام کے کیونکہ بہترین
 مجلس وہ ہے جس میں استقبال قبلہ ہو لیکن امام کے لئے
 استقبال قبلہ (بعد ختم نماز کے) مکروہ ہے بلکہ متقدیوں
 کی طرف توجہ کر کے بیٹھے کیونکہ اوپر گزر چکا ہے کہ امام
 کو بعد سلام کے متقدیوں کی طرف پھر جانا چاہئے
 اور چاہئے کہ دُعا کرنے والا دعاء میں الحاح و اصرار کرے

ویکررہ ثلاثاً لأنه نوع من الالاحاح والدعاء سرا أفضل منه جهراً لقوله تعالى: 'أدعوا ربكم تضرعاً وخفية' (۱) لأنه أقرب إلى الإخلاص .

قال ويكره رفع الصوت به في الصلاة وغيرها الالاحاح فإن رفع الصوت له أفضل لحديث أفضل الحج العج والشج. ۵۱ (۲) المراد والظاهر أنهم لا يكرهون الجهر بالدعاء لقصد التعليم والتأمين فتدبر -

الجزء السابع: وأمانص
الأحناف ففی شرح نور الإيضاح
لشیخ حسن الشرنبلالی الحنفی
مع المتن يستحب للإمام بعدہ

اور دعا کو تین مرتبہ مکرر کرے کیونکہ مکرر کرنا بھی صورت الحاح کی ہے اور دعا پست آواز سے بہ نسبت جہر کے افضل ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة یعنی اپنے رب کو پکارو الحاح و زاری کے ساتھ خفی آواز سے کیونکہ خفیہ اور سر آدعا کرنا اخلاص کی طرف اقرب ہے۔

فرمایا (یعنی شیخ منصور نے) اور دعا میں جہر اور بلند آوازی نماز اور غیر نماز میں مکروہ ہے مگر حج کرنے والا اس سے مستثنیٰ ہے کہ اسکے لئے آواز بلند کرنا ہی افضل ہے بوجہ اس حدیث کے کہ افضل حج وہ ہے جس میں آوازیں (دعا و تلبیہ کی) بلند ہوں اور خون (قربانیوں کے) بہائے جائیں مراد بظاہر یہ ہے کہ اگر دعا کا جہر تعلیم حاضرین اور ان کے آمین کہنے کے قصد سے ہو تو علماء اس کو مکروہ نہیں کہتے۔

ساتواں جزو: اور مذہب حنفیہ کی روایات فقہیہ یہ ہیں علامہ شرنبلانی کی شرح نور الایضاح اور اس کے متن میں ہے مستحب ہے امام کے لئے بعد نفل کے

(۱) سورة الأعراف: الآية: ۵۵۔

(۲) عن عبد الله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أفضل الحج العج والشج، فأما العج: فالتلبية، وأما الشج فنحر البدن. (مسند أحمد أبو يعلى الموصلي، دار الكتب العلمية بيروت ۴/ ۳۶۳، رقم: ۵۰۶۴۔

مجمع الزوائد، كتاب الحج، باب الالهلال والتلبية، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۲۴۔
ترمذي شريف، كتاب الحج، باب في فضل التلبية والنحر، النسخة الهندية ۱/ ۱۷۰،
دارالسلام رقم: ۸۲۷۰۔

أي بعد التطوع وعقب الفرض إن لم يكن بعده نافلة أن يستقبل الناس إن شاء إن لم يكن في مقابله مصل لمافي الصحيحين كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صلى اقبل علينا بوجهه وإن شاء الإمام إنحرف عن يساره وجعل القبلة عن يمينه وإن شاء إنحرف عن يمينه وجعل القبلة عن يساره وهذا أولى لمافي مسلم كذا إذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم احببنا أن نكون عن يمينه حتى يقبل علينا بوجهه وإن ذهب لحوائجه، قال تعالى: فإذا قضيت الصلوة فانثيروا في الأرض وابتغوا من فضل الله والأمر للاباحة إلى قوله: رافعي أيديهم حذاء الصدور وبطنونها مماليى الوجه بخشوع وسكون الخ- (۱)

الجزء الثامن: فتحصل من هذا كله ان الدعاء دبر الصلوات

اور بعد فرض کے اگر بعد اس فرض کے کوئی نفل نہ ہو یہ کہ اگر چاہے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائے بشرطیکہ اس کے مواجہہ میں کوئی شخص نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ کیونکہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز پڑھ لیتے تھے تو ہماری طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور اگر چاہے تو امام یہ بھی کر سکتا ہے کہ اپنی بائیں جانب کی طرف پھر جائے اور قبلہ کو اپنی دائیں جانب کرے اور اگر چاہے تو اپنی دائیں جانب پھر جائے اور قبلہ گواپنی بائیں جانب کرے اور یہ اخیر صورت اولیٰ و بہتر ہے اسلئے کہ مسلم کی حدیث میں ہے جب ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو یہ چاہتے تھے کہ ہم آپ کی دائیں جانب میں کھڑے ہوں تاکہ آپ کا چہرہ مبارک ہماری طرف ہو اور امام کو یہ بھی اختیار ہے کہ بعد نماز کے نہ بیٹھے بلکہ اپنی حاجات کے لئے اٹھ کھڑا ہو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب نماز پوری ہو جائے تو اطراف زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے رزق و روزی کو طلب کرو اور یہ حکم (منتشر ہو جانے کا) اباحت و جواز کے لئے ہے (الی قولہ) دعا کے وقت ہاتھ اٹھائے ہوئے ہوں اپنے سینوں کے برابر اور ہاتھ کی اندرونی جانب یعنی پتھیلی کی طرف اپنے چہرہ کی جانب ہو اور یہ تمام افعال خشوع و سکون کے ساتھ ہونا چاہئیں۔

آٹھواں جزو: پس ان تمام احادیث اور عبارات مذاہب سے یہ حاصل ہوا کہ تمام نمازوں کے بعد

(۱) مراقی الفلاح مع الطحطاوی، کتاب الصلاة، فصل فی صفة الأذکار الواردة بعد

مسنون و مشروع في المذاهب مسنون و مشروع في المذاهب
الأربعة لم ينكره الا ناعق مجنون قد انكار سوا اس جابل مجنون کے کسی نے نہیں کیا جو اپنی
ضل في سبيل هواه و وسوس له هوائے نفسانی کے راستہ میں گمراہ ہو گیا اور شیطان نے
الشیطان فاغواه۔ اس کے دل میں وسوسہ ڈال کر اس کو بہکا دیا۔

ظن الجھول بان مطلق عقله
یہدیہ یوما للسبیل المستوی
فاضله حتی الشریعة ردھا
بمجر دالبہتان والسفہ القوی
یارب سلمنا وسلم دیننا
واهد العباد لمنہج الحق السوی

ترجمہ فظم: جابل نے یہ سمجھ لیا کہ محض اس کی عقل کسی وقت اس کو سیدھے راستہ کی ہدایت کر دے گی۔
اُس کے اس گمان نے اسے گمراہ کر دیا یہاں تک کہ شریعت پر محض بہتان اور اپنی انتہائی بیوقوفی سے رد کرنے لگا،
اے ہمارے پروردگار! ہمیں اور ہمارے دین کو سلامت رکھ اور اپنے بندوں کو صحیح اور سیدھے راستہ کی ہدایت فرما۔

الجزء التاسع: فیما يتعلق برفع

الیدین عند الدعاء قال السید محمد
بن عبد الرحمن الا هدل اعلم وفقنی
اللہ وایاک لمرضاتہ أن رفع الیدین
فی الدعاء أي دعاء کان فی أي وقت کان
بعد الصلوات الخمس وغیرھا دلت
علیہ الأحادیث خصوصاً وعموماً
فمن العموم ما أخرجه أبو داؤد
والترمذی وحسنه وابن ماجه
وابن حبان فی صحیحہ والمحاکم
وقال صحیح علی شرط
الشیخین من حدیث سلمان قال:

نواں جزو: دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کے
متعلق سید محمد ابن عبد الرحمن اہل فرماتے ہیں سمجھ لو حق
تعالیٰ مجھے اور تمہیں اپنی رضا کی توفیق عطا فرمائے کہ
دُعاء کے وقت خواہ وہ کوئی دعا ہو، اور کسی وقت ہو
نمازوں کے بعد ہو یا ان کے سوا دوسرے اوقات میں
ہاتھ اٹھانے پر احادیث نبویہ دلالت کرتی ہیں خاص
خاص اوقات کے لئے بھی اور عام اوقات کے لئے بھی
الفاظ عموم کی روایات تو یہ ہیں: أبوداؤد و ترمذی وابن ماجه
نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے
اور حبان نے اس روایت کو اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور حاکم
نے مستدرک میں اس کو صحیح علی شرط الشیخین لکھا ہے وہ
حدیث یہ ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ حَيِيٌّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي إِذَا رَفَعَ الرَّجُلُ إِلَيْهِ يَدِيهِ أَنْ يَرُدَّ هُمَا صَفْرًا خَائِبَتَيْنِ. (۱)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ بہت حیا کرنے والے اور کریم ہیں وہ اس سے حیا کرتے ہیں کہ کوئی شخص اس کی طرف دعاء کے لئے ہاتھ اٹھائے اور وہ انھیں خالی اور محروم لوٹا دے

وَأَخْرَجَ الْحَاكِمُ وَقَالَ صَحِيحُ الْأَسْنَادِ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ ﷺ إِنَّ اللَّهَ رَحِيمٌ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ أَنْ يَرْفَعَ إِلَيْهِ يَدِيهِ ثُمَّ لَا يَضَعُ فِيهِمَا خَيْرًا (۲)

اور حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح الاسناد کہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے اس بندہ سے حیا کرتا ہے جو اس کی طرف ہاتھ اٹھائے کہ اس کے ہاتھوں پر کوئی خیر و عطا نہ رکھے

وَأَخْرَجَ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ مَالِكِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَاسْأَلُوهُ بِطُوبَى أَكْفَكُم وَلَا تَسْأَلُوهُ بظهورها. (۳)

اور امام احمد اور ابو داؤد نے حضرت مالک بن یسارؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو ہاتھوں کے باطنی جانب سے سوال کرو ظاہری طرف سے نہ کرو (یعنی ہتھیلیاں چہرہ کی طرف ہوں اور پشت دست نیچے کی طرف)

(۱) أبوداؤد شریف، کتاب الصلاة، باب الدعاء، للنسخة الهندية ۲۰۹/۱، دار السلام رقم: ۱۴۸۶۔

ترمذی شریف، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمه، للنسخة الهندية ۱۹۶/۲، دار السلام رقم: ۳۵۵۶۔

صحيح ابن حبان، دار الفكر بيروت ۹۲/۲-۹۳۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۲۵۶/۶، رقم: ۶۱۴۸۔

مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ۲۵۱/۲، رقم: ۳۲۵۰۔

المستدرک علی الصحیحین، کتاب الدعاء والتکبیر، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز ۶۹۹/۲، رقم: ۱۸۳۱۔

(۲) المستدرک علی الصحیحین، کتاب الدعاء والتکبیر، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز

۶۹۹/۲، رقم: ۱۸۳۲۔

(۳) أبوداؤد شریف، کتاب الصلاة، باب الدعاء، للنسخة الهندية ۲۰۹/۱، دار السلام رقم: ۱۴۸۶۔

وَأَخْرَجَ أَيْضًا مِنْ حَدِيثِ
ابْنِ عَبَّاسٍ نَحْوَهُ وَزَادَ فِيهِ فَإِذَا
فَرَعْتُمْ فَاْمَسَحُوا بِهَا وَجْوهَكُمْ. (۱)
وَأَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ مِنْ حَدِيثِ عُمَرَ
بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ
يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ لَمْ يَحْطِهُمَا حَتَّى
يَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ (۲)

اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی ایسی ہی
روایت نقل کی ہے اور اس میں یہ زیادہ کیا ہے کہ
جب دعا سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھ اپنے منہ پر پھیر لو۔
اور ترمذی نے حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت
کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعاء کے
لئے ہاتھ اٹھاتے تھے تو ان کو نہ ڈالتے تھے جب تک کہ
ان سے چہرہ مبارک پر مسح نہ فرمالیں۔

وَقَالَ فِي فَتْحِ الْبَارِي فِي كِتَابِ
الدُّعَوَاتِ فِي بَابِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الدُّعَاءِ
وَقَدْ وَرَدَتْ الْأَخْبَارُ فِي مَشْرُوعِيَةِ
الرَّفْعِ، وَقَدْ أَخْرَجَ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ
وَحَسَنَهُ وَغَيْرُهُمَا مِنْ حَدِيثِ سَلْمَانَ
رَفَعَهُ أَنْ رُبَّكُمْ حَيَّيْ كَرِيمِ يَسْتَحْيِي
مَنْ عَسَدَهُ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا
صَفَرًا ابْكَسِرَ الْمَهْمَلَةُ وَسَكُونُ الْفَاءِ
أَي خَالِيَةٍ وَسَنَدُهُ جَيِّدٌ ۵۱. (۳) وَ مِنْ
الْخُصُوصِ مَا مَرَفِيَ الْفَصْلُ الْأَوَّلُ.

اور فتح الباری کتاب الدعوات باب رفع
الیدین فی الدعاء میں ہے کہ وارد ہوئی ہیں بہت سی
احادیث ہاتھ اٹھانے کی مشروعیت میں اور حضرت ابو داؤد
نے حضرت سلمانؓ سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے
روایت کر کے حسن کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ تمھارا رب، حیا کرنے والا کریم ہے اپنے
بندہ سے حیا کرتا ہے کہ جب وہ ہاتھ اٹھائے ان کو خالی
لوٹا دے اور سند اس حدیث کی عمدہ ہے اور وہ روایات
جن میں خاص خاص اوقات کی دُعاؤں میں ہاتھ اٹھانے
کا ارشاد ہے وہ اس رسالہ کی فصل اوّل میں گزر گئی ہیں۔

(۱) أبو داؤد شریف، کتاب الصلاة، باب الدعاء، النسخة الهندية ۲۰۹/۱، دار السلام رقم: ۱۴۸۵۔

(۲) ترمذی شریف، أبواب الدعوات، باب ما جاء في رفع الأيدي عند الدعاء، النسخة الهندية

۱۷۶/۲، دار السلام رقم: ۳۳۸۶۔

(۳) فتح الباري، کتاب الدعوات، باب رفع الیدین فی الدعاء، مكتبة اشرفية ديوبند

۱۷۲/۱، رقم: ۶۳۴۱، دار إحياء التراث العربي ۱۴۷/۱۔

ف ۱: قال جامع: أي من أصل الكتاب وهو ما سبق في الجزء الأول من هذا الانتخاب.

ف ۲: قال الجامع: أما استحباب رفع الأيدي للدعاء على كل حال فمراده إذا قرء الفاظ الدعاء وبنية الدعاء وطلب الحاجة كما هو دأب الداعي وأما إذا ذكر بعض الأدعية الماثورة بنية الذكر والاستئذان بسنة النبي صلى الله عليه وسلم كما في أدعية الصباح والمساء والنوم واليقظة ودخول الخلاء والخروج عنه ودخول المسجد والخروج عنه والدعاء عند الوضوء والقيام من المجلس ودخول السوق وامثال ذلك على ما بسطه علماء هذا الفن كما في عمل اليوم واليلة لابن السني والأذكار للنووي والحصن الحصين وغيرها

فلم يسمع بمن قال بسنية رفع اليدين في هذه المواضع ولم يسمع في السلف والخلف بمن يفعل ذلك كيف ولو كان كذلك لرأيت الناس في عامة أحيانهم وأحوالهم رافعي أيديهم

ف ۱: اس رسالہ کی تلخیص کرنے والے حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ فصل اوّل سے اصل رسالہ مسلک السادات کی فصل اول مراد ہے اور اس تلخیص رسالہ میں یہ روایات جز اوّل کے زیر عنوان گزری ہیں۔

ف ۲: حضرت جامع فرماتے ہیں کہ مصنف کا یہ فرمانا کہ دُعا کے وقت ہاتھ اٹھانا ہر حال اور ہر وقت میں بعد نماز ہو یا دوسرے اوقات میں بہر حال مستحب ہے یہ اس وقت ہے جبکہ الفاظ دُعا کو طلب حاجت کے قصد و نیت سے پڑھے لیکن جب یہ قصد نہ ہو بلکہ بطور ذکر مسنون کے پڑھنا ہو جیسے صبح و شام اور خواب و بیداری کے اوقات کی دُعا ئیں یا بیت الخلاء میں جانے اور نکلنے کی اور مسجد میں جانے اور نکلنے کی اور وضو کی دُعا ئیں اور مجلس سے اُٹھنے اور بازار میں داخل ہونے وغیرہ کی دُعا ئیں جیسا کہ کتاب عمل الیوم واللیة اور اذکار نووی اور حصن حصین میں دُعا ئیں مفصل مذکور ہیں

تو ان دُعاؤں میں ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں اور سلف و خلف میں کسی عالم یا فقیہ کو نہیں سنا گیا کہ وہ ان میں ہاتھ اٹھانے کے مستحب یا مسنون ہونے کا قائل ہو اور کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو مسلمان کا کوئی وقت بھی ہاتھ اٹھانے سے خالی نہ رہتا کیونکہ یہ دُعا ئیں تو انسان کی ہر نقل و حرکت پر مسنون ہیں۔

اور یہ فرق جو مذکور ہوا حضرات فقہا نے اس کی رعایت دوسرے موقع پر بھی فرمائی ہی مثلاً جنبی کیلئے حکم ہے کہ اگر تلاوت قرآن بہ نیت تلاوت کرے تو جائز نہیں اور اگر بہ نیت ذکر ماثور یا طلب حاجت کرے تو جائز ہے جیسا کہ عام کتب فقہ میں موجود ہے۔

دسواں جزو : رفع یدین فی الدعاء کے متعلق مذاہب اربعہ کی تصریحات (حضرات مالکیہ کی روایات تو یہ ہیں عتبیہ میں ہے کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عامر بن عبداللہؒ کو دیکھا کہ نماز کے بعد بیٹھے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہے ہیں امام مالکؒ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ اس میں کچھ کراہت سمجھتے ہیں فرمایا کہ میں اس میں کوئی کراہت نہیں سمجھتا البتہ ہاتھوں کو بہت زیادہ نہ اٹھائے

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ اٹھانا بوقت رغبت کے اظہار عاجزی و طلب کے طور پر محمود و مستحسن ہے اور قاضی ابو محمد ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ رفع یدین کس حد تک ہونا چاہیے بعض نے فرمایا ہے کہ سینہ تک اور بعض نے چہرہ تک اور نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ دُعا میں اس حد تک ہاتھ اٹھاتے تھے کہ آپ کی بغل مبارک کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔

وهذا الفرق في ذكر الفاظ الأدعية قدر عاه الفقهاء حق الرعاية حيث قالوا في الجنب أنه لا يجوز له قراءة الأدعية إذا كان بنية التلاوة وأما إذا ذكرها بنية الدعاء فيجوز كما في عامة كتب الحنفية انتهى.

الجزء العاشر: في حكم رفع اليدين على المذاهب الأربعة
أما عند المالكية ففي عتبية قال مالك: رأيت عامر بن عبد الله يرفع يديه وهو جالس بعد الصلاة يدعوه فقل لمالك أترى بهذا بأساً، قال: لا، أرى به بأساً ولا يرفعهما جداً.

وقال أيضاً رفع اليدين إلى الله تعالى عند الرغبة على وجه الاستكانة والطلب محمود. وقال القاضي أبو محمد ابن العربي: اختلفوا في الرفع إلى أين يكون فقل إلى الصدر وقل إلى الوجه وجاء عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يرفع يديه في الدعاء حتى يبدو بياض ابطيه. (۱)

(۱) مشکوٰۃ شریف، کتاب الدعوات، باب ذکر اللہ، مکتبۃ اشرفیۃ دیوبند ۱/۹۶-۱۰۰

مسلم شریف، کتاب صلاۃ الاستسقاء باب رفع یدین فی الدعاء فی الاستسقاء النسخۃ الہندیۃ

الجزء الحادى عشر: واما عند

الشافعية ففي فتح المبين على الأربعين لابن حجر ورفع اليدين في الدعاء سنة في غير الصلوة وفيها في القنوت اتباعا له صلى الله عليه وسلم۔

الجزء الثانى عشر: واما عند

الا حناف فقد مر عن الشر نبلاي طلب رفعهما في الدعاء دبر الصلوة حذاء الصدر وبطنيهما مما يلي الوجه بخشوع وسكون. (۱)

ف: قال الجامع وسبق ماعن الشر نبلاي في الجزء السابع.

الجزء الثالث عشر: وأما

عند الحنابلة فمقتضى قول الشيخ البهوتى في شرح المقنع في باب الاستسقاء ويرفع يديه استحبابا في الدعاء لقول أنس كان النبى صلى الله عليه وسلم لا يرفع يديه في شئ من دعائه إلا في الاستسقاء وكان يرفع حتى يرى بياض ابطه متفق عليه

گیار ہواں جزو: اور مذاہب شوافع

کی روایت فقہی یہ ہے کہ فتح المبین حاشیہ اربعین ابن حجر میں ہے اور اٹھانا ہاتھوں کا دعائیں سنت ہے غیر نماز میں اور نماز میں صرف قنوت کے وقت حسب اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

بارہواں جزو: اور مذاہب حنفیہ کی روایات

فقہی بحوالہ شرح نور الایضاح شرنبلالی اوپر گزر چکی ہے جس میں تمام نمازوں کے بعد خشوع و خضوع کے ساتھ سینہ تک ہاتھ اٹھانے اور ان کے اندرونی حصہ کو چہرہ کی طرف کرنے کا مطلوب و مستحب ہونا مذکور ہے۔

ف: حضرت جامع مدظلہم فرماتے ہیں کہ شرنبلالی کی یہ عبارت ساتویں جزو میں مذکور ہوئی ہے۔

تیسر ہواں جزو: اور حنابلہ کی روایات

مذہب یہ ہیں شرح مقنع باب الاستسقاء میں شیخ بہوتی کا قول ہے کہ اٹھائے اپنے دونوں ہاتھ دعائیں استجاباً بوجہ ارشاد حضرت انس رضی اللہ عنہ کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں اٹھاتے تھے ہاتھ کسی دعائیں سوائے استسقاء کے اور آپ (استسقاء میں) اس حد تک ہاتھ اٹھاتے تھے کہ بغل مبارک کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔

(۱) مراقی الفلاح مع الحاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار الواردة

(۱) وظهور هما نحو السماء حدیث رواہ مسلم۔ ۱۵ (۲) ان رفعہما مکروہ فی غیر الاستسقاء لکن مرعہ رفعہما فی القنوت؛ بل قال الشیخ منصور بن إدریس الحنبلی: فی شرح الاقناع مع المتن ومن أداب الدعاء بسط یدیه و رفعہما إلی صدرہ لحدیث مالک بن یسار مرفوعاً إذا سألت الله فاسئلوه ببطون اكفکم ولا تسألوها بظهورها۔ رواہ أبوداؤد بإسناد حسن (۳) وتكون یدہ مضمومتین لماروی الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباسؓ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا دعا ضم کفیه وجعل بطونہما ممایلی وجہہ وضعفه فی المواہب۔

یہ روایت بخاری و مسلم میں ہے اور (استسقاء میں) پشت ہاتھوں کی آسمان کی طرف رہنا چاہئے روایت کیا اس کو مسلم نے، اور مقتضی اس قول کا یہ ہے کہ اٹھانا ہاتھوں کا نماز استسقاء کے سوا دوسرے مواقع میں مکروہ ہے لیکن خود شیخ بہوٹی کا قول یہ بھی گزر چکا ہے کہ قنوت میں بھی ہاتھ اٹھائے جاویں بلکہ شیخ منصور بن ادریس حنبلی شرح اقناع میں فرماتے ہیں کہ آداب دعائیں سے ہے پھیلانا ہاتھوں کا اور اٹھانا ان کا اپنے سینہ تک بوجہ حدیث حضرت مالک بن یسار رضی اللہ عنہ کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو ہاتھوں کی باطنی جانب سے سوال کرو ظاہری جانب سے نہ کرو روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اسناد حسن سے اور ہاتھ ملے ہوئے ہونے چاہئیں اس لئے کہ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا فرماتے تھے تو دونوں ہتھیلیوں کو ملاتے تھے اور ہاتھوں کی اندرونی جانب اپنے چہرہ کی طرف کرتے تھے اور مواہب میں اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

(۱) بخاری شریف، کتاب المناقب، باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ۵۰۳/۱، رقم: ۳۴۴۰، ف: ۳۵۶۵۔

مسلم شریف، کتاب صلاة الاستسقاء، باب رفع اليدين بالدعاء في الاستسقاء، النسخة الهندية ۲۹۳/۱، بيت الأفكار رقم: ۸۹۵۔

(۲) عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم استسقى فأشار بظهور كفيه إلى السماء. (مسلم شریف، کتاب صلاة الاستسقاء، باب رفع اليدين بالدعاء في الاستسقاء، النسخة الهندية ۲۹۳/۱، بيت الأفكار رقم: ۸۹۴)

(۳) أبوداؤد شریف، کتاب الصلاة، باب الدعاء، النسخة الهندية ۲۰۹/۱، دار السلام رقم: ۱۴۸۶۔

الجزء الرابع عشر: فيما

يتعلق بمسح الوجه باليدين بعد الدعاء قد مر ما يدل على طلبه من الأحاديث وأما حكمه على المذاهب الأربعة فعند المالكية قال في المعيار: قال ابن زرقون: ورد الخبر بمسح الوجه باليدين عند انقضاء الدعاء واتصل به عمل الناس والعلماء.

وقال ابن رشد أنكر مالك مسح الوجه بالكفين لكونه لم يرد به أثر وإنما أخذ من فعله عليه الصلوة والسلام للحديث الذي جاء عن عمر رضي الله تعالى عنه (۱)

قلت قال بجواز مسح الوجه باليدين عند ختم الدعاء، الإمام الأستاذ أبو سعيد بن لب وأبو عبد الله بن علاق وأبو القاسم بن سراج من متأخري أئمة غرناطة وابن عرفة والبرزلي والعبريني من أئمة تونس والسيد أبي يحيى الشريف وأبو الفضل العقباني من أئمة تلمسان وعليه مضي عمل أئمة فاس. اهـ

چودھواں جزو: دُعاء کے بعد چہرہ پر ہاتھ پھیرنے کے متعلق وہ احادیث و روایات اوپر گزر چکی ہیں جن سے دعا کے بعد چہرہ پر ہاتھ پھیرنے کا مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے اب رہا چاروں مذاہب میں اس کا حکم سوما لکیہ کے مذہب کی روایت تو یہ ہے کہ معیار میں ابن زرقون کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث میں آیا ہے مسح کرنا اپنے چہرہ کا دونوں ہاتھوں سے بوقت اختتام دعاء کے اور اس کے ساتھ تمام عوام و خواص اور علماء کا عمل مل گیا جس سے اس روایت کی تقویت ہوگئی اور ابن رشد فرماتے ہیں کہ: امام مالک نے دونوں ہاتھوں کے چہرہ پر پھیرنے کا، بایں وجہ انکار کیا ہے کہ اس کے لئے کوئی حدیث نہیں آئی؛ البتہ اس حدیث سے اس کو لیا جاتا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام استاد ابوسعید بن لب اور ابوعبد اللہ بن علاق اور ابوالقاسم بن سراج جو متاخرین علماء غرناطہ میں سے ہیں اور ابن عرفہ اور برزلی اور غیر بی جو ائمہ تونس میں سے ہیں اور سید ابویحییٰ شریف اور ابو الفضل عقبا بی جو ائمہ تلمسان میں سے ہیں یہ سب حضرات دعاء کے بعد چہرہ پر دونوں ہاتھ پھیرنے کے جواز کے قائل ہیں اور اسی پر ائمہ فاس کا عمل رہا ہے۔

(۱) عن عمر بن الخطاب قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا رفع يديه في الدعاء لم يحطهما حتى يمسح بهما وجهه، قال محمد بن المثنى في حديثه، لم يردهما حتى يمسح بهما وجهه. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب ما جاء في رفع الأيدي عند الدعاء،

والمراد بالحديث الذي جاء عن عمر رضي الله عنه ما أخرجه الترمذی عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا رفع يديه في الدعاء لم يحطهما حتى يمسح بهما وجهه. (۱)

نقل ذلك المارزی وغيره كذا في شرح الشيخ محمد بن أبي القاسم المالکی علی نظمه للمسائل التي جرى بها عمل الائمة قال الشيخ أبو القاسم البرزلی وهذا يرد انكار عز الدين بن عبد السلام المسح اه وعند الشافعية والأحناف أنه سنة في كل دعاء الا في القنوت كما في كتبهم. ومرو عن الحنابلة أنه سنة في كل دعاء حتى في القنوت وقد عده ابن حجر في شرح العباب كما مر من آداب الدعاء وقال قال الحليمي والمعنى فيه التفاؤل بان كفيه قد ملئتا خيراً فيفيض منه على وجهه. والله اعلم

ف: قال الجامع وهذا القول من مسح الوجه في القنوت مذكور في أصل الكتاب في آخر المطلب الثاني

اور مراد اس حدیث سے جو حضرت عمرؓ سے منقول ہوئی ہے وہ ہے جو ترمذی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اٹھاتے اپنے ہاتھوں کو دُعا میں تو نہ ڈالتے تھے جب تک کہ نہ پھیر لیتے تھے ان کو اپنے چہرہ مبارک پر۔ اہ

اس کو مارزیؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے ذکر کیا اس کو شیخ محمد بن ابی القاسم مالکیؒ نے شرح نظم میں جس میں وہ مسائل جمع کئے ہیں جن پر ائمہ امت کا عمل رہا ہے شیخ ابو القاسم برزلیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت عزالدین بن عبدالسلامؒ کے انکار مسح وجہ کی تغلیط ہوتی ہے اور مذہب شافعیہؒ کا اس میں یہ ہے کہ وہ سنت ہے ہر دعا میں سوائے دعائے قنوت کے جیسا کہ شوافع کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے اور مذہب حنابلہ کی نقل گزر چکی ہے کہ وہ سنت ہر دعا میں بجز دعائے قنوت کے اور ابن حجر نے شرح عباب میں اس کو آداب دعا میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ حلیمیؒ فرماتے ہیں کہ راز اس فعل کے مستحب ہونے میں نیک فال لینا ہے کہ گویا اس کے ہاتھ خیر سے بھر گئے ہیں اس کو اپنے چہرہ پر ڈالتا ہے۔ اھ واللہ اعلم۔

ف: حضرت جامع دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ قول مسح وجہ فی القنوت کا اصل کتاب میں مطلب ثانی

من الفصل الأول تحت عنوان نص
الحنابلہ بهذه العبارة وفيه أيضاً في
مبحث صلوٰۃ الوتر و يقنت فيهما ای
في الثالثة الى قوله ويمسح وجهه
بيديه إذا فرغ من دعائه هنا وخارج
الصلوة اه..... الرسالة تمّت

فصل اوّل میں زیر عنوان نص الحنابلہ اسی عبارت مذکورہ
کے ساتھ منقول ہے اور اس میں صلوٰۃ وتر کی بحث میں
بھی یہ مذکور ہے کہ تیسری رکعت میں دُعا قنوت کرے
(الی قولہ) اور مسح کرے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے
چہرہ پر جبکہ اپنی دعا سے فارغ ہو اس موقعہ (قنوت)
میں بھی اور خارج نماز بھی اھ۔

رساله استحباب الدعوات عقيب الصلوات والحمد لله الذي لعزته وجلاله
تتم الصالحات.

(النور ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ تا النور ۴ شعبان ۱۳۵۵ھ)



مرد کے سن بلوغ کا بیان

سوال (۶۶۳): قدیم ۱/۸۱۶- سن بلوغ شریعت نے کیا مقرر کیا ہے؟

الجواب: بارہ برس کے بعد جب علامات بلوغ کی ظاہر ہو جائیں بلوغ کا حکم کر دیا جائیگا اگر کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو بقول مفتی بہ پندرہ سال کی عمر میں بلوغ کا حکم کر دیا جائے گا۔ (۱) واللہ اعلم، اشرف علی علی سلخ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ والمسئلۃ مشہورۃ فی کتب الفقہ مذکورۃ۔ (النور ربیع الاول ص ۱۵/۱۵۷ھ)

(۱) بلوغ الغلام بالاحتلام..... والجارية بالاحتلام والحیض والحبل، فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم بكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، مكتبة زكريا ديوبند ۲۲۵/۹، كراچی ۱۵۳/۶)

لمن بلغ بالسن وهو خمس عشرة سنة على المفتي به في الغلام والجارية وهو قولهما ورواية عن الإمام إذا العلامة تظهر في هذه المدة غالباً، فجعلوا المدة علامة في حق من لم تظهر له العلامة الخ. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل يسن الاغتسال لأربعة أشياء، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۱۰۸)

والبلوغ بالسن: يكون عند عدم وجود علامة من علامات البلوغ قبل ذاك، واختلف الفقهاء في سن البلوغ فيرى الشافعية، والحنابلة، وأبو يوسف، ومحمد من الحنفية أن البلوغ بالسن يكون بتمام خمس عشرة سنة قمرية للذكر والأنثى. (الموسوعة الفقهية الكويتية بيروت ۱۹۲/۸)

وأما بلوغهما بالسن: فعلى قول أبي يوسف، ومحمد، والشافعي في الغلام والجارية يتقدر بخمس عشرة سنة لحديث ابن عمر قال عرضت على رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أحد وأنا ابن أربع عشر سنة فردني ثم عرضت عليه يوم الخندق وأنا ابن خمس عشر سنة فأجازني، لما سمع عمر بن عبد العزيز هذا الحديث قال هذا هو الفصل بين البالغ وغير البالغ. (مبسوط سرخسي، كتاب الطلاق، باب العدة، وخروج المرأة من بيتها، دار الكتب العلمية بيروت ۵۳/۶)

ترک صلوٰۃ پر جرمانہ

سوال (۶۶۴): قدیم ۱/۸۱۷- خادم جس موضع میں رہتا ہے لوگوں نے بے نمازی مسلمانوں پر جرمانہ مقرر کر رکھا ہے ابھی چند روز سے اہتمام بعض نمازیوں نے یہ کیا ہے جس کی وجہ سے اور لوگ جو بے نمازی تھے نماز پڑھنے لگے اور جرمانہ کے متعلق آنحضور نے کانپور میں وعظ میں کچھ تحقیقات بیان فرمائی تھی جو یاد نہیں رہا یعنی وہ حدیثیں جن سے جرمانہ مقرر کرنا اپنے نفس پر جو کہ جائز ہے اور دوسرے لوگ کسی پر مقرر کریں اس کا ناجائز ہونا پھر اس مال جرمانہ کا وصول کر کے کسی نیک کام میں صرف کرنا اس کا ناجائز ہونا غرض اس کے متعلق جو حدیثیں یا دلائل فقہیہ ہیں آنحضور ان دلائل کو تحریر فرما دیں تاکہ صورت جواز و عدم جواز سے لوگ مطلع کر دیئے جائیں اور دلائل کی خادم نے اپنی یاد کے لئے تکلیف دی ہے کہ تحریر فرمادیوں؟

الجواب: جرمانے کے مسئلہ کو فقہاء نے تعزیر کے باب میں لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حنفیہ اس کے قائل نہیں ہیں اور جو آثار صحابہ کے اس بارہ میں ہیں یا اجتہاد ہے یا اگر مرفوع حکمی ہیں تو منسوخ ہیں (۱)

(۱) لا بأخذ مال في المذهب بحر وفيه عن البرازية: وقيل يجوز ومعناه أن يمسكه مدة لينزجر ثم يعيده له، فإن أيس من توبته صرفه إلى ما يرى، وفي المجتبى أنه كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ (درمختار) وفي الشامية: قوله: لا بأخذ مال في المذهب، قال في الفتح: وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز. اهـ ومثله في المعراج: وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف قال في الشربلية: لا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه. اهـ ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان وقوله: وفيه الخ. أي في البحر: حيث قال: وأفاد في البرازية أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شيء من ماله عند مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. وفي المجتبى لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى، وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ اهـ ←

اور ناسخ یہ حدیث ہے: لا یحل مال امرء إلا بطیب نفسه. (۱)

اور یہ آیت: لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل. (۲)

(تمتہ اولیٰ ص ۲۰۰)

← والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال، مكتبة زكريا ديوبند ۱۰۵/۶-۱۰۶، کراچی ۶۱/۴)

ذهب جمهور الفقهاء إلى أنه لا يجوز أخذ مال المسلم أو إتلافه أو إخراجة عن ملكه بالبيع عقوبة بلا سبب شرعي، لأن الشرع لم يرد بشيء من ذلك عن أحد يقتدى به ولأن المقصود بالعقوبة التأديب، والأدب لا يكون بالإتلاف، أما النصوص الواردة في العقوبة بالمال إنما كان في أول الإسلام ثم نسخ وروي عن النبي صلى الله عليه وسلم "ليس في المال حق سوى الزكاة" وقال بعض مشايخ الحنفية: إن ماروى عن أبي يوسف من جواز التعزير بمصادرة الأموال فمعهنا: إمساك شيء من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده له الحاكم، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة، إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد من المسلمين بغير سبب شرعي، قال ابن عابدين: أرى أن يأخذها الحاكم فيمسكها، فإن يئس من توبته يصرفها على ما يراه، وقال: والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۷/۳۵۴)

ہندیہ، کتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف والتعزير، قديم زكريا ۱۶۷/۲، جديد

زكريا ۱۸۱/۲

البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير، مكتبة زكريا ديوبند ۶۷/۵، كوئٹہ ۴۱/۵

(۱) عن علي بن زيد عن أبي حرة الرقاشي عن عمه: أن رسول الله صلى الله عليه

وسلم قال: ألا ! لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في

قبض اليد عن الأموال المحرمة، دار الكتب العلمية بيروت ۳۸۷/۴، رقم: ۵۴۹۲)

(۲) سورة النساء: ۲۹.

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

صبح کے فرض اور سنن کے درمیان لیٹنے کا حکم

سوال (۶۶۵): قدیم ۱/ ۸۱۷- صبح کی فرضوں اور سنتوں کے درمیان قدرے دہنی کروٹ پر لیٹنا اس کے مسنون وغیرہ ہونی کی کیا اصل ہے؟

الجواب: منسون بایں معنی تو ہے نہیں کہ شرع میں مقصود ہو اور بایں معنی کہ آپ ﷺ سے منقول ہے گویا طور عادت ہی سہی۔ (۱)

۹ رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۰۱)

(۱) عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صلى ركعتي الفجر اضطجع على شقه الأيمن. (بخاري شريف، أبواب التهجد، باب الضجعة على الشق الأيمن بعد ركعتي الأيمن، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۵، رقم: ۱۱۴۷، ف: ۱۱۶۰)

وأخرج المسلم في صحيحه عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم حديثاً طويلاً - وفيه - فإذا سكت المؤذن من صلاة الفجر، وتبين له الفجر وجاءه المؤذن، قام فركع ركعتين خفيفتين، ثم اضطجع على شقه الأيمن حتى يأتيه المؤذن للإقامة. (مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب صلاة الليل الخ، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۳، بيت الأفكار رقم: ۷۳۶)

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا صلى أحدكم ركعتي الفجر، فليضطجع على يمينه، وقد روي عن عائشة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا صلى ركعتي الفجر في بيته اضطجع على يمينه. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الاضطجاع بعد ركعتي الفجر، النسخة الهندية ۱/ ۹۶، دار السلام رقم: ۴۲۰)

أبو داود شريف، كتاب الصلاة، باب الاضطجاع بعدها، النسخة الهندية ۱/ ۱۷۹، دار السلام رقم: ۱۲۶۳ -

ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الضجعة بعد الوتر وبعد ركعتي الوتر، النسخة الهندية ص: ۸۳، دار السلام رقم: ۱۱۹۸ - شبير احمد قاسمی عفا الله عنه

بعد الصلوٰۃ کے وظیفہ کو قبل الصلوٰۃ پڑھنا

الجواب (۶۶۶): قدیم ۱/۹۷۸ - اکثر مسجدوں میں نماز کا وقت مقرر نہیں جب چار آدمی ہوئے جماعت ہوگئی اگر دیر سے جاوے تو جماعت نہیں ملتی اور اگر پہلے چلا جاوے تو بیٹھے بیٹھے تھکن سی معلوم ہوتی ہے تو اس بیٹھنے میں جو اپنا وظیفہ پڑھے جو بعد نماز پڑھا کرتا ہے تو کیا نہیں ہو سکتا؟

الجواب: ہو سکتا ہے۔ (۱)

۱۰/۱۱ رجب ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۹)

بے نمازی کی تکفیر میں اختلاف

سوال (۶۶۷): قدیم ۱/۸۱۷ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مقدمہ میں کہ جس شخص کی زوجہ نماز نہ پڑھتی ہوگی تو اس کی اولاد حرامی ہوگی یا کیا؟

(۱) مسجد میں آکر نماز کے انتظار میں بیٹھے رہنے میں بڑی فضیلت آئی ہے کہ جب تک بیٹھے بیٹھے نماز کا انتظار کرتا رہے گا ملائکہ رحمت حق کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں، اے اللہ اس کا گناہ معاف فرما، اے اللہ اس کی مغفرت کا فیصلہ فرما دے اور جتنی دیر بیٹھا رہے گا اتنی دیر کا وقت نماز ہی میں شمار کیا جائے گا۔

حدیث شریف ملا حظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يزال العبد في صلوٰۃ ما كان في المسجد ينتظر الصلاة ما لم يحدث. (بخاري شريف، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين، النسخة الهندية ۱/۳۰، رقم: ۱۷۶)

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الملائكة تصلي على أحدكم مادام في مصلاه ما لم يحدث اللهم اغفر له اللهم ارحمه لا يزال أحدكم في صلوٰۃ ما كانت الصلاة تحبسه لا يمنعه أن ينقلب إلى أهله إلا الصلاة. الحديث. (بخاري شريف، كتاب الاذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة، النسخة الهندية ۱/۹۰، رقم: ۶۵۰، ف: ۶۵۹)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: صحابہ و تابعین و تبع تابعین نے تارک صلوٰۃ کے کفر میں اختلاف کیا ہے۔

في التفسير المظهری تحت قوله تعالى: حافظوا على الصلوات وأما تارك الصلوة عمداً، فقال أحمد يكفر. وقال مالك والشافعي: وهو رواية عن أحمد أنه لا يكفر لكن يستتاب، فإن تاب وإلا قتل. وقال أبو حنيفة: لا يقتل لكن يحبس أبداً حتى يموت أو يتوب. آه (۱) وفي نفع المفتی والسائل: وقد اختلف الصحابة والتابعون في كفر من ترك الصلوة متعمداً وجزائه، فقال من الصحابة سيدنا عمر وعبد الله بن مسعود وعبد الله بن عباس ومعاذ بن جبل وجابر بن عبد الله وأبو الدرداء وأبو هريرة وعبد الرحمن بن عوف رضي الله عنهم ومن غير الصحابة أحمد بن حنبل وإسحاق بن راهويه والنخعي وأيوب السختياني وأبو داود الطيالسي وأبو بكر بن أبي شيبة أن من ترك الصلوة في وقت عمداً بلا عذر يكفر. وقال حماد بن زيد ومكحول والشافعي ومالك: لا يكفر ولكن يقتل وعندنا لا يكفر ولا يقتل ويعزر تعزيراً (۲).

(۱) تفسير مظهری، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۶۹، سورة البقرة: ۲۳۸

(۲) وتارکھا عمداً مجانۃً أي تکاسلاً فاسق یمحس حتی یصلی لأنه یمحس لحق العبد فحق الحق أحق، قيل یضرب حتی یسبل منه الدم قاله الإمام المحبوبي عن المنح: وظاهر الحلیۃ أنه المذهب فإنه قال: وقال أصحابنا في جماعة منهم الزاهدي: لا یقتل بل یعزر ویمحس حتی یموت أو یتوب. وعند الشافعي یقتل بصلوة واحدة حداً، وقيل كفراً وكذا عند مالک وأحمد وهي المختارة عند جمهور أصحابه أنه یقتل كفراً وبسط ذاک في الحلیۃ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۵-۶، کراچی ۱/ ۳۵۲-۳۵۳) وأما الحالۃ الثانیۃ: فقد اختلف الفقهاء فیها، وهي ترک الصلاة تهاونا وكسلاً لاجحوداً، فذهب المالکیۃ والشافعیۃ إلى أنه یقتل حداً أي أن حکمه بعد الموت حکم المسلم فیغسل ویصلی علیه ویدفن مع المسلمین وذهب الحنفیۃ إلى أن تارک الصلاة تکاسلاً عمداً فاسق لا یقتل بل یعزر ویمحس حتی یموت أو یتوب، وذهب الحنابلۃ إلى أن تارک الصلاة تکاسلاً یدعی إلى فعلها ویقال له: إن صلیت وإلا قتلناک، فإن صلی وإلا وجب قتله. (الموسوعة الفقھیۃ الكويتیۃ ۲۷/ ۵۳-۵۴)

پس جنہوں نے تارک صلوٰۃ کو کافر کہا ہے چونکہ ارتداد احدا الزوجین مبطل نکاح ہے (۱) ان کے نزدیک نکاح ٹوٹ جائے گا اس کے بعد جو وطی کرے گا حرام ہے اور جو اولاد ہو ولد الحرام ہے اور جمہور کہ ترک صلوٰۃ کو موجب کفر نہیں کہتے ان کے نزدیک نکاح باقی ہے اور وطی حلال اور اولاد ولد الحلال اور مذہب جمہور کا رائج ہے۔

لقوله عليه السلام في حديث طويل ومن لم يفعل أي احسان الوضوء والصلوة بوقتها واتمام الركوع والخشوع فليس على الله عهد إن شاء غفر له وإن شاء عذبه رواه أحمد وأبو داود والنسائي نحوه. تفسير مظهری. (۲)

پس ہمارا مذہب یہی ہے کہ صورت مسئلہ میں اولاد حرامی نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔ (امداد ص ۱۲۳ ج ۴)

(۱) وارتداد أحدهما أي الزوجين فسخ عاجل. (الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب في الصبي والمجنون، مكتبة زكريا ديوبند ۳۶۶/۴، کراچی ۹۳/۳)

وارتداد أحد الزوجين فسخ. (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، دار الكتب العلمية بيروت ۵۶۱/۱)

النهر الفائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مكتبة زكريا ديوبند ۲۹۰/۲۔

(۲) عن عبادة بن الصامت قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خمس صلوات افترضهن الله تعالى من أحسن وضوء هن وصلاتهن لوقتتهن وأتم ركوعهن وخشوعهن كان له على الله عهد أن يغفر له ومن لم يفعل فليس على الله عهد إن شاء غفر له وإن شاء عذبه. (أبو داود شريف، كتاب الصلاة، باب المحافظة على الصلوات، النسخة الهندية ۱/۶۱، دار السلام رقم: ۴۲۵)

نسائي شريف، كتاب الصلاة، باب المحافظة على الصلوات الخمس، النسخة الهندية ۵۴/۱، دار السلام رقم: ۴۶۲۔

تفسير مظهری، سورة البقرة: ۲۳۸، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۶۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نماز کے بعد مصافحہ کا حکم

سوال (۶۶۸): قدیم ۱/۸۱۸۔ بعض احباب نے کتاب طحاوی کی عبارت جو کہ مطبع مصر صفحہ ۳۰۸ میں واقع ہے۔

و کذا تطلب المصافحة فہی سنة عقیب الصلوٰۃ کلہا و عند کل لقی (۱)
مصافحہ بعد صلوٰۃ فجر و عید وغیرہ سنت ہونے کا دعویٰ کیا مگر میں چونکہ اس کو خلاف جانتا ہوں اور یقینی خلاف جانتا ہوں؛ لہذا جو کچھ بن پڑا اس کا جواب دیا مگر خود اپنے کو اس جواب سے اطمینان نہیں ہوا؛ لہذا خدام آستانہ سے خواستگار ہوں کہ کوئی تشفی بخش جواب مرحمت ہو؟

الجواب: میرے پاس طحاوی نہیں کہ اس میں دیکھتا؛ لیکن اگر اس میں یہ عبارت ہو تو یہ اس شخص کے حق میں ہے جو ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرتا ہو کیونکہ اس صورت میں تخصیص نہ رہے گی جو علت تھی بدعت ہونے کی عند کل لقی اس کا قرینہ ہے اس مصافحہ کا حکم سلام کا سا ہو جاوے گا؛ اس لئے کہ حسب حدیث:
إن من تحیاتکم المصافحة (۲) مصافحہ متمم ہے سلام کا اور سلام کا افشاء اس حد تک وارد ہے کہ سلام کے بعد اگر درمیان میں دیوار حائل ہو جاوے پھر سلام کر لے (۳)

(۱) حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب أحکام العیدین، مکتبۃ دارالکتاب دیوبند ص: ۵۳۰۔

(۲) عن أبي أمامة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من تمام عيادة المريض أن يضع أحدكم يده على جبهته أو قال على يده فيسأله كيف هو، وتمام تحيتكم بينكم المصافحة. (ترمذي شريف، كتاب الاستئذان، باب ما جاء في المصافحة، النسخة الهندية ۱۰۲/۲، دار السلام رقم: ۲۷۳۱)

مشکوٰۃ شریف، کتاب الآداب، باب المصافحة و المعانقة، مکتبۃ اشرفیۃ دیوبند ۲/۴۰۲۔

(۳) عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: إذا لقي أحدكم أخاه فليسلم عليه، فإن حالت بينهما شجرة أو جدار أو حجر ثم لقيه فليسلم عليه أيضاً قال معاوية وحدثني ←

اسی طرح اس کے متم میں عموم ہو جاوے گا اور جوان اوقات کی تخصیص کرتا ہو اس کے حق میں بدعت ہونا دوسرے محققین کی تصریحات سے ثابت ہے چنانچہ ثامی جلد ۵ میں ہے۔

في تبئين المحارم عن الملتقط انه تكره المصافحة بعد أداء الصلوة. بكل حال لأن الصحابة رضي الله تعالى عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلوة الخ. (۱)
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (تمت خامسہ ص ۳۶۳)

← عبد الوهاب بن بخت عن أبي الزناد عن الأعرج عن أبي هريرة ^{رض} مثله سواء. (أبو داؤد شریف، کتاب الأدب، أبواب السلام، باب في في الرجل يفارق الرجل ثم يلقاه أيسلم عليه، النسخة الهندية ۲/ ۷۰۷، دار السلام رقم: ۵۲۰۰)

(۱) شامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، مكتبة زكريا ديوبند ۵۴۷/۹، کراچی ۳۸۱/۶

وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة ويتصاحبون بالكلام ومذاكرة العلم وغيره مدة مديدة، ثم إذا صلوا يتصافحون فأين هذا من السنة المشروعة؛ ولذا صرح بعض علمائنا بأنها مكروهة حينئذ وأنها من البدع المذمومة. (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب المفاحة والمعانقة، مكتبة امدادية ملتان ۷۴/۹)

عون المعبود، باب المصافحة، بيروت ۴/ ۵۲۱، رقم: ۵۲۱۱

حاشیة سنن أبی داؤد، النسخة الهندية ۲/ ۷۰۸

قال الطيبي: من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكرو. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، مكتبة امدادية ملتان ۲/ ۳۵۳)

شرح الطيبي، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، مكتبة كراچی ۳/ ۳۷۴، رقم: ۹۴۲۔

الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها

في الشرع. (السعاية، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، مكتبة اشرفية ديوبند ۲/ ۲۶۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

آلہ مکبر الصوت کے استعمال کا حکم

سوال (۶۶۹): قدیم ۱/۸۱۹- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک مشین ایسی ایجاد ہوئی ہے کہ مقرر کی آواز کو بہت فاصلہ تک اسی طرح پہنچا دیتی ہے جس طرح پاس کے اشخاص کو پہنچتی ہے پس کیا یہ جائز ہے کہ ان مشینوں کے ذریعہ سے خطیب کی آواز کو تمام سامعین تک پہنچا دی جائے؟

الجواب: اول ایک قاعدہ سمجھ لیا جاوے جو کہ عقلی بھی ہے اور نقلی بھی اور فقہاء حنفیہ نے اس قاعدہ پر بہت احکام کو متفرع کیا ہے وہ یہ کہ جو مباح یا مندوب درجہ ضرورت و مقصودیت فی الشرع تک نہ پہنچا ہو اور اس میں کوئی مفسدہ باحتمال قریب محتمل ہو تو اس مباح یا مندوب کا ترک اور اس سے منع کرنا لازم ہے عقلی ہونا تو اس کا ظاہر ہے اور قول فقہاء کے بعد اس کے ماخذ نقلی کے نقل کی ضرورت نہ تھی مگر تبرعاً اس کو بھی نقل کرتا ہوں سو اس کے نقلی ہونے کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (۱)

ظاہر ہے کہ سب الہہ باطلہ مباح تو ضرور ہی ہے اور بعض حالات میں مندوب بھی مگر مقصود مستقل نہیں؛ کیونکہ اس کی غایت دوسرے طریق سے بھی حاصل ہو سکتی ہے یعنی حکمت و موعظت و مجادلہ حسنہ سے اور اس میں مفسدہ تھا ”سب مشرکین للہ الحق“ کا اس لئے اس سے نبی فرمادی گئی، اب اس قاعدے کی تمہید کے بعد جواب ظاہر ہے کہ تبلیغ صوت سامعین بعید تک شرعاً غیر ضروری ہے کیونکہ بعیدین کو دوسرے غیر مخدوش ذریعہ سے تبلیغ ممکن ہے اور اس میں یہ مفسدہ محتمل کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جاویں گے اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی یاد دوسرے آلات لہو کے استعمال کرنے کی لہذا ترک اور منع لازم ہوگا یہ تو اس وقت ہے جب خطیب سے مراد مطلق واعظ و لیکچرار ہو اور اگر اس سے مراد خطیب جمعہ و عیدین کا ہے تو اس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضروری ہونا ظاہر ہے اس لئے کہ خطبہ میں حضور مقصود ہے نہ کہ سماع صوت (۲)

اور مفسدہ اقویٰ ہے کیونکہ اس آلہ کو مسجد میں داخل کرنا ہوگا جو کہ اس کے احترام کے خلاف ہے نیز تشبہ ہے مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ اس تشبہ کی بنا پر فقہاء نے ”غرس اشجار فی المسجد“ کو منع فرمایا ہے اور ”تشبہ بالبیعة والکنیسة“ سے معلل کیا۔ (۱) واللہ اعلم

۱۳/ رمضان ۱۴۲۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۵۹۱)

﴿در مختار﴾ وفي الشامیة: قوله: (ولو كانوا صمًا أو نيامًا) أشار إلى أنه لا يشترط لصحتها كونها مسموعة لهم بل يكفي حضورهم حتى لو بعدوا عنه أو ناموا أجزأت. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۹/۳، كراچی ۱۴۷/۲)

حلبی کبیری، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبة اشرية ديوبند ص: ۵۵۵

(۱) قال في الخلاصة: غرس الأشجار في المسجد لأبأس به إذا كان فيه نفع

للمسجد بأن كان المسجد ذائزًا والأسطوانات لا تستقر بدونها، وبدون هذا لا يجوز اه

وفي الهندية عن الغرائب: إن كان لنفع الناس بظله، ولا يضييق على الناس، ولا يفرق الصفوف

لأبأس به، وإن كان لنفع نفسه بورقه أو ثمره أو يفرق الصفوف أو كان في موضع تقع به

مشابهة بين البيعة والمسجد يكره. اه. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره

فيها، مطلب في الغرس في المسجد، مكتبة زكريا ديوبند ۴۳۵/۲، كراچی ۶۶۱/۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



التحقیق الفرید. فی حکم آلۃ تقرب الصوت البعید

بسم اللہ الرحمن الرحیم
حامداً ومصلیاً

نماز اور خطبہ میں آلۃ مکبرات کے استعمال کا حکم

سوال (۶۷۰): قدیم ۱/۸۲۰- استفتاء، عالم و اشیاء عالم اور ان کے خالق اعظم کے علم و معرفت کا آخری اور کامل ذریعہ خاتم الانبیاء حضرت رسول اکرم رومی فداء اللہ نے جن ذوات علیہ کو انبیاء بنی اسرائیل کا ہم سنگ رتبہ عطا فرمایا ہے اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے ایک غلبہ عبادت میں فیلسوف ارسطاطالیس نے جن نفوس قدسیہ کو ”أولئک هم الفلاسفة حقاً“ کہا ہے ان کی خدمات عالیہ میں بلحاظ تحقیق حق و اطمینان اہل دین و دیانت عرض ہے۔

اول: یہ کہ آپ اور کسی شخص سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ نماز عیدین میں عموماً ہر جگہ اور خصوصاً بڑے بڑے شہروں میں مصلیوں کی تعداد اور ان کی جماعت کا سلسلہ اس قدر طول طویل ہوتا ہے (*) کہ امام کی آواز تو کل مصلیوں تک پہنچتی ہی نہیں لیکن بسا اوقات مکبرین کے متعین و مقرر کرنے کے بعد ان کی آواز سے تمام مصلیوں کو صحیح طور پر اس کا علم نہیں ہوتا کہ امام نے نیت کب باندھی؟ رکوع و سجدہ کب کیا؟ اور امام کس وقت کیا پڑھ رہا اور کیا کر رہا ہے؟ اور وہ محض اپنے آگے کے مصلیوں کی حرکات کو دیکھ کر یا اپنے خیال سے ایک اندازہ لگا کر ارکان نماز ادا کرتے ہیں۔

تاہم اس میں بھی غلطی ہوتی ہے اور اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ امام ابھی قرأت کر رہا ہے اور پچھلے مصلی رکوع میں چلے گئے یا امام رکوع میں گیا ہے اور آخری مصلی سجدہ میں چلے گئے اور اسی طرح اور غلطیاں بھی

(*) یہ کوئی نئی چیز نہیں جو ابھی پیش آئی ہو، عہد نبوت میں بھی عظیم الشان اجتماع ہوتے تھے اور مکبرین کے درمیان میں قائم کردینے کو کافی سمجھا جاتا تھا اور اس کے باوجود اگر کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو اتفاقی غلطی کے لئے انتظام نہیں بدلا جاسکتا۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

ہوتی ہیں بالخصوص تکبیرات واجبہ عیدین تو تقریباً ہمیشہ اور ہر جگہ دھوکہ ہوا ہی کرتا ہے۔ اور یہ حال بھی وہاں کا ہے جہاں امام اور منتظمین مصلے (عید گاہ) کو مسلمانوں کے اجتماع اور جماعت کی بڑائی کا پہلے سے اندازہ ہوتا ہے اور وہ اس کے لحاظ سے مکبرین کے تعیین و تقرر کا پیشتر سے انتظام کر سکتے ہیں اور جہاں آخر نماز تک مصلیوں کے آنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور نیت باندھنے کے بعد سے آخر نماز تک بمقابلہ ابتداء کے ہزاروں مصلیوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور امام اور منتظمین مصلے ان کے خیال سے مکبروں کے مزید تعیین و تقرر کا انتظام پہلے سے کر نہیں سکتے وہاں کا حال تو قابل ذکر ہی نہیں وہاں کوئی نظام (*) اور باقاعدگی ممکن ہی نہیں اسی طرح ایسے مواقع و مجامع میں اور بالخصوص عیدین (***) کے موقع پر خطیب کا خطبہ بھی بجز تھوڑے سے لوگوں کے کسی کو سنائی نہیں دیتا اور وہاں اس وقت لوگ اپنا بیٹھنا بیکار سمجھ کر وہاں سے اٹھ جاتے ہیں اور خطبہ سننے کے فوائد اور خطبہ ہونے تک بیٹھے رہنے کے ثواب سے محروم رہتے ہیں بلکہ اس سے زیادہ یہ کہ ایک امر شرعی مؤکد اور ضروری کے ترک کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔

(*) بعد میں مجمع کا بڑھ جانا اور پہلے سے اس کا اندازہ ہونا بھی کوئی جدید واقعہ نہیں قرون سلف میں بھی ایسے واقعات پیش آتے تھے، مگر اس کے باوجود انہوں نے کسی جدید انتظام کی ضرورت محسوس نہ فرمائی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کے زمانہ میں آلات مکبر الصوت نہ تھے؛ اس لئے توجہ نہ ہوئی؛ کیونکہ اول تو اس کے نظائر مثلاً مکبرین کا احتیاطی طور پر زیادہ مقرر کر دینا آخری صفوف میں دو چار آدمیوں کو اس کی ہدایت کر دینا کہ اگر صفوف بڑھ جاویں تو تم تکبیر باواز بلند کہہ دینا وغیرہ

دوسرے اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ اسلامی عبادات میں سے سب سے بڑی اور اہم عبادت اور اس کے انتظام کی تکمیل آلہ مکبر الصوت کی ایجاد پر موقوف تھی اور تمام قرون اسلامیہ اسی بدظمی و نقصان پر چلتے رہے تا آنکہ موجودہ زمانہ کے نصاریٰ یا دہریوں نے اسلام پر احسان کیا کہ ان کی عبادت کا انتظام صحیح کر دیا۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

(**) اس کا بھی یہی جواب ہے کہ یہ کوئی نئی ضرورت نہیں اور یہ اعتقاد رکھنا کہ ضرورت تو پہلے سے تھی اور بغیر اس آلہ کے ان عبادات کے انتظام میں نقص بھی تھا، مگر وہ قرون خیر میں پوری نہ ہو سکی عہد حاضر کے نصاریٰ نے پوری کی کسی مسلمان سے متصور نہیں؛ بلکہ اس سے کھلے طور پر یہ سمجھا جاوے گا کہ ضرورت ہی نہ تھی ورنہ حق تعالیٰ اس ایجاد کو اسی وقت ظاہر فرما دیتے۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

دوم: یہ کہ علامہ شیخ محمد نجیب المطہی رئیس مجلس علمی محکمہ شرعیہ اور مفتی دیار مصریہ کے قول کے مطابق افلاطون کے مخترعات قدیم میں سے اور مشاہدہ و رواج عام کے مطابق مخترعات جدیدہ میں سے ایک شے ایسی بھی موجود ہے جس کو آلہ مکبر الصوت کہتے ہیں اور جس کا ہم معنی انگریزی نام لاؤڈ اسپیکر ہے اور جو علم البرق اور علم الصوت کے اختلاط و ترکیب سے صوت و برق کے فلسفہ کو پیش نظر رکھ کر اس لئے اختراع کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ لاسکلی سے یا برقی تاروں سے وصول شدہ آواز کو دور و نزدیک دونوں جگہ نہایت صاف اور واضح طریق سے بلا کسی تغیر و تبدل کے اصلی حالت میں سنا جاسکے اس کی ظاہری صورت و شکل متوسط درجہ کے اس ٹائم پیس (گھڑی) سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے جس کے ڈائل پر سوئیں اور ہندسے نہ ہوں۔

اس کے نصب و استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو بولنے والے سے دو چار گز کے فاصلے پر بلار عایت تقابل و تواجدہ کے کسی ایسی جگہ رکھ دیا جاتا ہے کہ بولنے والے کے منہ سے الفاظ نکلتے وقت ہوا میں جواہریں پیدا ہوں وہ اس آلہ کی بیرونی سطح تک (جس کو ڈائل کہتے ہیں) پہنچ کر اس سے ٹکرائیں۔

پھر دور و نزدیک جہاں تک آواز کا پہنچنا مقصود ہوتا ہے اس کے وسط میں یا آخر میں یا کسی دوسرے مناسب مقام پر قد آدم سے تقریباً سہ چند بلند چند بلیاں حسب ضرورت نصب کی جاتی ہیں پھر اس آلہ کی پشت سے بجلی کے چند ایسے تار لگا دیئے جاتے ہیں جو متذکرہ بلیوں کے بالائی حصے سے بھی بندھے ہوئے ہوں، پھر ان تاروں کے اس آخری حصے میں جو بلیوں کے سرے سے بندھے ہوئے ہیں گاؤم یا سینک کے ساخت کے کہنے یا مخروطی شکل کے کہنے ہر چہار جانب یا جس جانب آواز پہنچنا مقصود ہو تو نہایت چوڑے منہ کے ایسے چونکے لگا دیئے جاتے ہیں جن کو عربی میں امبؤبہ اور انگریزی میں ہارن کہتے ہیں جس کے لفظی معنی ہی سینک ہیں۔

اس کے بعد اگر اس مقام پر بجلی کا کوئی اسباب کارخانہ ہوتا ہے جس سے بجلی کے پٹھے چلتے اور روشنی وغیرہ ہوتی ہے تو اس آلہ کو وہاں کے کارخانہ کے بجلی کے رول یعنی کرنٹ سے ورنہ بجلی کی ایسی مشین سے جو اپنے اندر اسی وقت بجلی پیدا کرنے کی قوت رکھتی ہو و ابستہ کر کے بجلی کو جاری کر دیا جاتا ہے۔ اب یہ سب ہو چکنے کے بعد جب بولنے والا کچھ بولتا ہے اور اس کی زبان کی حرکت سے ہوا میں تموج پیدا ہوتا ہے تو وہ اس آلہ کے بیرونی حصے یعنی ڈائل سے ٹکراتا ہے اور چونکہ وہ ڈائل نہایت درجہ سبک اور نازک ہوتا ہے اس لئے وہ اسے بہت زیادہ محسوس کرتا اور اس سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے اور اسی تاثر کی زیادتی و کمی پر

اُس میں قوت بلندی اور بڑائی پیدا ہوتی ہے مگر چونکہ واضح نے اس کی زیادتی و کمی کو بھی قانونِ فلسفہ کے ماتحت اختیاری بنا کر اس کے مدارج قائم کر دیئے ہیں اس لئے اس وقت آواز کو جس قدر بلند و بڑا کرنا منظور ہوتا ہے اس کے لحاظ سے اس کا ایک درجہ قائم کر دیا جاتا ہے۔ بالآخر یہ ٹکراہٹ مع فرط تاثر جس کا نام قرع قوی ہے جب برقی قوت کے ذریعہ اس ہوا تک منتقل ہوتی ہے جو متذکرہ مخروطی شکل کے چوٹوں سے خارج فضا میں پھیلی ہوئی ہے اور وہ انسانی قوت سماعت تک پہنچتی ہے تو وہ زیادہ بلند اور زیادہ بڑی ہو کر سُنی جاتی ہے۔ اور یہ تمام باتیں کتبِ فلسفہ میں اپنی اپنی جگہ قدیم سے ثابت ہیں اور تفسیرِ کبیر و شرح موافق میں بھی صوت و سماعت کی بحث کے ماتحت ان میں سے حسب ذیل امور پر روشنی پڑ سکتی ہے۔

- (۱) قارِع و مقروع کے درمیان کی رُک ہوئی ہوا کی لہروں سے پیدا شدہ کیفیت کا نام آواز ہے
- (۲) قارِع کے قرع میں جس قدر زیادہ قوت ہوگی اسی قدر زیادہ قوی اس سے تموج پیدا ہوگا اور اس تموج سے اس قدر زیادہ قوی وہ کیفیت بھی پیدا ہوگی جس کی حامل ہوا اور جس کا نام آواز ہے۔
- (۳) اس تموج میں جس قدر زیادہ قوت ہوگی اسی قدر اس کی موجیں زیادہ ضخیم و عریض ہوگی۔
- (۴) ان موجوں میں جس قدر زیادہ ضخامت و عرض ہوگا اسی قدر وہ زیادہ دور تک پھیلیں گی۔
- (۵) جہاں تک وہ پھیلیں گی چونکہ ان کے ساتھ وہ کیفیت جس کا نام آواز ہے وہ بھی ہوگی اس لئے وہاں تک وہ سُنی جائے گی۔

اور کتبِ فلسفہ کی اس تصریح سے یہ عیاں ہے کہ آلہ زیر بحث یعنی مکبر الصوت کے ذریعہ بولنے والے کی آواز کا بلند ہونا اور دور تک سُننا جانا ایک فلسفی و قدرتی امر ہے جسمیں بولنے والے کو کوئی تکلف و مشغولیت نہیں ہوتی اور اس کی طرف کسی قسم کی توجہ و تقابل کی بھی ضرورت نہیں پڑتی اور آلہ زیر بحث نہ آلہ سرور و غنا ہے اور نہ آلہ لہو و لعب الا یہ کہ کوئی شخص اس کو اس کام میں استعمال کرے مگر اس سے اس کا آلہ غنا و سرود اور آلہ لہو و لعب ہونا لازم نہیں آتا۔

سوم: یہ کہ اس موقع محل پر حسب ذیل چھ شرعی اصلیں بھی جاذب توجہ ہیں۔

اصل اوّل: آیت کریمہ۔ ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعاً۔ جس سے فقہائے اسلام نے اصلاً ہر شے کی اباحت پر استدلال کیا ہے۔ (*)

(*) یہ استدلال یہاں بھی صحیح ہے کہ فی نفسہ اس کا استعمال مباح ہے، مگر اس آیت سے یہ کس طرح لازم

آیا کہ نماز میں بھی مباح ہو؟ ۱۲۹ محمد شفیع عفی عنہ

اصل دوم: أصل كل شئى إباحة إلا أن ير دعليه المنع.

جو اصل فقہ کا ایک مشہور کلیہ ہے ان دونوں اصولوں سے یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ آلہ مکبر الصوت (*) اصلًا مباح ہے کیونکہ اس کے حق میں نہ راسًا کوئی منع وارد ہے اور نہ ضمناً وہ کسی امر ممنوع کے تحت میں شمار کیا جاتا ہے۔

اصل سوم: اذان دینا پھر اذان کا مینارہ پر چڑھ کر دینا امام کے پیچھے مکبرین کا باواز بلند تکبیرات کہنا پھر مکبرین کا بعض مواقع میں مکبرہ پر چڑھ کر تکبیرات کہنا میدان عرفات میں یوم النحر کو امیر الحج کا اونٹنی پر چڑھ کر خطبہ دینا پھر اس اونٹنی کا جبل رحمت پر چڑھ کر خطبہ دینا جمعہ اور عیدین کے خطبہ کے وقت خطیب کا ممبر پر چڑھ کر خطبہ دینا۔ پھر قبلہ کی طرف رخ پھیر کر قوم کی طرف منہ کر کے خطبہ دینا وغیرہ جیسے احکام شریعت میں موجود ہیں اور ان سب کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ اس وقت مصلیوں کو جو کچھ سنانا مطلوب ہے اس کو وہ سن سکیں اور آواز میں اتنی رفعت (***) پیدا ہو جائے کہ بلا تکلف وہ اُن تک پہنچ سکے۔

اس سے یہ مستفاد ہو سکتا ہے کہ جہاں اللہ کے ذکر کی طرف دوسروں کو متوجہ کرنا مقصود ہو وہاں اللہ کے ذکر کو بلند آواز سے کرنا چاہیئے اور اس بلندی آواز میں سوائے ان صورتوں کے جن کی ممانعت کی شریعت میں تصریح موجود ہے (***) ہر وہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے جس کی اصل کسی طرح بھی شریعت میں پائی جاتی ہو یا اس کی طرف سے سکوت کلی ہو۔ (***)

اصل چہارم: تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ ۳۴۳ میں ”وإذا قرى القرآن فاستمعوا له وانصتوا“ کے ماتحت عبارت ذیل مرقوم ہے۔

(*) صحیح ہے مگر گفتگو مطلق اباحت میں نہیں بلکہ عبادت اصلیہ کے اندر اباحت میں بحث ہے اور ان دونوں اصولوں سے کسی طرح عبادت میں اباحت پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

(**) (مگر اسی سادہ طریق پر آلات کے ذریعہ رفعت پیدا کرنے پر اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ ۱۲)

(***) تصریح کی قید قابل غور ہے کیا وہ احکام شرعیہ ماننے کے قابل نہیں جو قواعد شرعیہ سے مستنبط ہیں اور اگر وہ مانے جاسکتے ہیں تو اس کی ممانعت بھی ان سے مستفاد ہے جیسا اصل رسالہ میں موجود ہے۔ ۱۲

(****) صحیح مگر اس جگہ سکوت کلی نہیں ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

إعلم أن قارئاً يقرأ القرآن بصوت عال حتى يمكنهم استماع القرآن ومعلوم أن ذلك القارئ ليس إلا الرسول عليه الصلوة والسلام وكانت هذه الآية جارية مجرى أمر الله محمداً صلى الله عليه وسلم بأن يقرأ القرآن على القوم بصوت عال رفيع وإنما أمره بذلك ليحصل المقصود من تبليغ الوحي والرسالة.

اس سے متخرج یہ ہو سکتا ہے کہ قراۃ قرآن کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ دوسرے اسے سُنیں اور جہاں یہ غرض ہو وہاں اس کو بلند آواز سے ہی پڑھنا چاہئے (*) تاکہ سامعین اس کو فہم کریں اور اس کے سُننے کی اصل غرض حاصل ہو۔

اصل پنجم: فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ ۷۷ مطبوعہ مصر میں عبارت ذیل مسطور ہے۔

لأن الإمام إنما يجهر لا سيما للقوم ليدير وافي قرائته ليحصل احضار القلب.
اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ امام کو مقتدیوں کی ضرورت کے مطابق (**) اپنے قرات میں جہر کرنا چاہیے تاکہ قوم اس کے قراۃ پرتدبر و تفکر کر سکے اور قوم کو حضور قلب حاصل ہو۔

اصل ششم: آیہ کریمہ: ولا تجهر بصلا تك ولا تخافت بها وابتغ بين ذلك سبيلاً سے قراۃ میں جس اعتدال و توسط کا حکم دیا گیا ہے اور مفسرین نے اس کی جو علت بتائی ہے یعنی نماز میں خشیت و تدلل ہونا چاہئے اور اس کا اقتضاء یہ ہے کہ قرات میں کوئی تصنع و تکلف نہ پیدا ہو جو جرات و عدم خشیت کی جانب منجر ہے۔

اس کے امتثال کے باوجود اس سے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اگر اصل نمبر ۳، اصل نمبر ۴ اور اصل نمبر ۵ کے ماتحت مصلیوں تک قرات کی آواز پہنچانا، اس طرح سے ممکن ہو کہ امام کو اپنے قراءت میں کوئی تکلف و تصنع نہ کرنا پڑے اور اس کو کسی جانب مشغولیت بھی نہ ہو تو وہ جائز ہوگا (***)

(*) صحیح ہے مگر اس میں کلام ہی نہیں کلام اس میں ہے کہ بلند آوازی کا اس قدر اہتمام مزید کیا جاوے کہ آلات استعمال کرنے پڑے اس کے لئے دلیل مستقل کی ضرورت ہے جو موجود نہیں ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

(**) یہ صحیح مگر اپنی طاقت و مقدور کے مطابق اس سے زائد کے اہتمام کا مکلف نہیں بنایا گیا۔ ۱۲

(***) بشرطیکہ اس میں کوئی دوسرا محذور شرعی نہ ہو جیسا کہ مکبر الصوت میں ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ

جیسا کہ نماز میں پنکھا جھلوانا ناجائز و مکروہ ہے مگر برقی پنکھوں کا چلانا جائز سمجھا گیا ہے کیونکہ اس میں مصلیوں کو کوئی تکلیف و مشغولیت نہیں ہوتی۔

بناءً علیہ اگر نماز عیدین میں متذکرہ غلطیوں سے بچنے اور امام کی قرأت پورے طور پر سننے اور اس کے اعمال کی پوری پوری پیروی و اقتداء ہونے کے خیال سے موصوف الصدرا آلہ مکبر الصوت کو جو کسی نہج آلہ غنا و سرود اور آلہ لہو و لعب نہیں ہے نصب کیا جائے اور اس سے اس وقت فلسفی و قدرتی یہ فائدہ اٹھایا جائے کہ امام کی آواز بلند ہو جائے اور اس کو ہر مصلی چاہے وہ کتنی ہی دُور کیوں نہ ہو اپنی جگہ پر بلا دینی تعبیر کے سُن سکے تو تحقیق طلب امر یہ ہے کہ شریعت غراء مصطفوی کا اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ بینوا تو جروا۔
۱۵/ ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۲۰۲۸ء۔

کرمی و محترمی زاد مجدکم۔ سلام مسنون! یہ استفتاء ارسال خدمت شریف ہے جہاں تک ممکن ہو اس کے جواب سے جلد از جلد مشرف فرمائیے عید الضحیٰ سے دو تین روز پہلے یہاں اس کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی ہے جواب کے لئے ٹکٹ بھی مرسل ہے۔

الجواب: بمن اشرف علی۔ السلام علیکم۔ رمضان گزشتہ میں ایک ایسا ہی سوال آیا تھا مگر مجمل تھا اس کا جواب لکھا گیا اس کا نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں جو درج ذیل ہے۔

جواب (*): اول ایک قاعدہ سمجھ لیا جاوے جو کہ عقلی بھی ہے اور نقلی بھی اور فقہاء حنفیہ نے اس قاعدہ پر بہت احکام کو متفرع کیا ہے وہ یہ کہ جو مباح یا مندوب درجہ ضرورت و مقصودیت فی الشرع تک نہ پہنچا ہو اور اس میں کوئی مفسدہ با احتمال قریب محتمل ہو تو اس مباح یا مندوب کا ترک اور اس سے منع کرنا لازم ہے عقلی ہونا تو اس کا ظاہر ہے اور قبول فقہاء کے بعد اس کے ماخذ نقلی کے نقل کی ضرورت نہ تھی مگر تبرعاً اس کو بھی نقل کرتا ہوں سو اس کے نقلی ہونے کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تَسْبُوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسْبُوا اللَّهَ عَدُوًّا بِغَيْرِ عِلْمٍ. (۱)

ظاہر ہے کہ سب آلہیہ باطلہ مباح تو ضرور ہی ہے اور بعض حالات میں مندوب بھی مگر مقصود مستقل نہیں؛ کیونکہ اس کی غایت دوسرے طریق سے بھی حاصل ہو سکتی ہے یعنی حکمت و موعظت و مجادلہ حسنہ سے

(*) یہ جواب سوال نمبر ۶۵۷ پر گزرا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

اور اس میں مفسدہ تھا سب مشرکین لہذا لہ الحق کا اس لئے اس سے نہی فرمادی گئی اب اس قاعدے کی تمہید کے بعد جواب ظاہر ہے کہ تبلیغ صوت سامعین بعید تک شرعاً غیر ضروری ہے کیونکہ بعیدین کو دوسرے غیر مخدوش ذریعہ سے تبلیغ ممکن ہے اور اس میں یہ مفسدہ محتمل کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جاویں گے، اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنیکی یا دوسرے آلات لہو کے استعمال کرنیکی لہذا ترک اور منع لازم ہوگا یہ تو اس وقت ہے جب خطیب سے مراد مطلق واعظ و لیکچرار ہو اور اگر اس سے مراد خطیب جمعہ وعیدین کا ہے تو اس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضروری ہونا اظہر ہے اس لئے کہ خطبہ میں حضور مقصود ہے نہ کہ سماع صوت اور مفسدہ اقویٰ ہے کیونکہ اس آلہ کو مسجد میں داخل کرنا ہوگا جو کہ اس کے احترام کے خلاف ہے نیز تشبہ ہی مجالس غیر مشروع کیساتھ اس تشبہ کی بنا پر فقہاء نے غرس (۲) اشجار فی المسجد کو منع فرمایا ہے اور تشبہ بالبیعتہ والکنیسیۃ سے معلل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۳/ رمضان ۱۳۴۶ھ

الزیادة على الجواب المذكور: (حسب اقتضاء خصوصية السؤال)

الحاضر (وہی ہذہ) باقی سوال میں جن احکام کی مطلوبیت سے اس کی تقویت و تائید کی گئی ہے وہ مفید مدعا نہیں؛ کیونکہ یہ احکام گو مطلوب ہیں مگر شریعت نے انکی مطلوبیت کے درجات اور حدود مقرر کئے ہیں جو کتب مذہب میں مضبوط و مبسوط ہیں ان سے تجاوز کرنا تعمق و غلو فی الدین ہے جو شارع کی نظر میں غیر مرضی ہے؛ چنانچہ حدیث میں ایک نظیر وارد ہے۔

فی جمع الفوائد (۲) باب قضاء الحاجة. أبو وائل کان أبو موسیٰ یشدد فی البول ویبول فی قارورة ویقول إن بنی اسرائیل إذا أصاب جلد أحدہم بول قرصہ بالمقاریض،

(۱) غرس الأشجار فی المسجد لا بأس به إذا کان فیہ نفع للسجد وبدون هذا لا یجوز أو کان فی موضع تقع به المشابهة بین البیعة والمسجد یکره. (شامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیہا، مطلب فی غرس فی المسجد، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۴۳۵، کراچی ۱/ ۶۶۱)

(۲) جمع الفوائد، کتاب الطہارة، باب قضاء الحاجة، مکتبہ مجمع الشیخ محمد زکریا

فقال حذيفة: لو ددت أن صاحبكم لا يشدد هذا التشديد فلقد رأيتني أنا ورسول الله صلى الله عليه وسلم نتماشى فأتي سباطة قوم خلف حائط إلى قوله فبال (الحديث) دیکھئے تنزه عن البول شریعت میں اس درجہ مطلوب ہے کہ اس میں کوتاہی کرنے پر وعید شدید بھی وارد ہے۔ اور ایسا مبالغہ فی التنزه آسانی سے ممکن بھی ہے کیونکہ شیشی قارورہ کی ہر شخص کو میسر ہو سکتی ہے۔ مگر پھر بھی نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اہتمام فرمایا نہ حضرات صحابہ نے۔ اور اگر حضرت ابو موسیٰؓ نے غلبہ حال سے اس کا اہتمام کیا بھی تو حضرت حذیفہؓ نے ان پر نکیر فرمایا اور حضرت ابو موسیٰؓ نے نہ اس نکیر پر کچھ کلام فرمایا نہ دوسروں کو ایسا کرنے کی رائے دی۔ اور فروع مذکورہ فی السؤال کی تکمیل انتظام میں تساہل پر انھض صوت فی التکبیر یا فی القراءة پر نہ وعید ہے اور نہ اس تکمیل مخترع کا انتظام سہل ہے تو اس میں ایسا مبالغہ کرنا اور اس کی اشاعت کا اہتمام کرنا لیس فی الدین کے سراسر خلاف ہے۔

وفی هذا كفاية لمن طلب الحق.

۲۰ ذی القعدہ ۱۳۶۲ھ

جواب بالا پر ذیل کا خط آیا جو مع جواب منقول ہے

سوال: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. حامداً ومصلياً. مکرمی ومحترمی دام فضلكم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جواب استفتاء مرسلہ ۱۸ ذی القعدہ الحرام ۱۳۶۱ھ جناب کا گراں قدر فتویٰ مورخہ ۲۱ ذی القعدہ سنہ مذکور ۲۳ ذی القعدہ کو موصول ہوا۔

جناب اعلیٰ نے اپنے زرین فتوے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ سر و آنکھوں پر۔ لیکن جناب والا کے تحریر علمی وسعت نظری سے اس تحریر کے ماتحت گیارہ امور کے متعلق جو پانچ دفعات کے ماتحت ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں مزید استفادہ مطلوب ہے لہذا وہ معروض ہیں۔

دفعہ اول: جناب اقدس نے اپنے فتوے میں یہ عبارت جو تحریر فرمائی ہے۔

تبلیغ صوت سامعین بعید تک شرعاً غیر ضروری ہے کیونکہ بعیدین کو دوسرے غیر مخدوش ذریعہ سے

تبلیغ ممکن ہے۔ اور اس میں یہ مفہدہ محتمل کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جائیں گے۔ اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی یاد دوسرے آلات لہو کے استعمال کرنے کی الخ،

اس کے ماتحت یہ امور سمجھ میں نہیں آئے ضرورت ہے کہ اُن کی بھی تشریح فرمادی جائے۔
(امراؤل) دوسرے غیر مخدوش ذرائع تبلیغ کون سے ہیں۔

(امردوم) جس عبارت پر خط کھینچا ہوا ہے اُس کا مطلب کیا ہے۔

(امرسوم) خط کشیدہ عبارت میں اگر لفظ ”آلہ“ اور لفظ ”لہو“ کے درمیان لفظ ”کو“ غلط ہے اور لفظ ”لہو“ کے بعد لفظ ”کو“ ہونا چاہئے تھا۔ اصل عبارت یوں ہے، اس آلہ لہو کو استعمال کرنے الخ تو اس آلہ کے آلات ملاہی میں سے ہونے کی دلیل کیا ہے۔

دفعہ دوم: جناب امجد نے اپنے فتوے میں یہ عبارت جو قلمبند فرمائی ہے۔

اگر اس سے مُراد خطیب جمعہ وعیدین کا ہے تو اس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضروری ہونا اظہر ہے اس لئے کہ خطبہ میں حضور مقصود ہے نہ کہ سماع صوت اور مفہدہ اقویٰ ہے۔ کیونکہ اس آلہ کو مسجد میں داخل کرنا ہوگا جو کہ اُس کے احترام کے خلاف ہے۔ نیز تشبہ ہے مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ الخ،

اس کے ماتحت یہ خدشات پیدا ہیں۔ ضرورت ہے کہ جناب اعظم اُن کو رفع فرمادیں۔

(امر چہارم) اگر درحقیقت شریعت کا مقصود خطبہ میں حضور محض ہے تو جمعہ وعیدین کے خطبوں

میں خطیب کے صعود علی المنبر وادبار عن القبلة وإقبال إلى القوم اور میدان عرفات میں یوم النحر کے خطبہ کے وقت خطیب کے رکوب علی الناقۃ و تطلیعہا علی جبل الرحمة کا حکم کیوں ہے؟

کیونکہ ان تینوں امروں کے نہ ہونے کی حالت میں بھی خطیب کا خطبہ اور قوم کا حضور ممکن تھا۔ اور کیا اس سے یہ ظاہر ہونے میں کچھ شبہ ہے کہ اس وقت کے موجودہ اسباب کے ماتحت شریعت نے اپنی رخصت میں خطیب کی آواز کو قوم تک پہنچانے کی ہر ممکن طریق سے تعلیم دی ہے۔ اور حضور محض کو مقصد بنا لینا اس لئے ہوا کہ اس وقت کی طرح کوئی ذریعہ سماعت کل قوم کے لئے پیش نظر نہ تھا۔

(امر پنجم) جب تک آلہ زیر بحث کا آلات ملاہی میں سے ہونا ثابت نہ ہو جائے مسجد میں

اُس کے داخل کرنے سے کیا نقصان ہوگا۔ اور اس میں مفہدہ کیا ہے؟

(امر ششم) مجالس غیر مشروعہ سے وہ کوئی مجالس مراد ہیں؟ جن میں وہ آلہ نصب کیا جایا کرتا

ہے اور ان سے تشبیہ نہ ہونا ضروری ہے۔

دفعہ سوم: جناب محترم نے اپنے فتوے میں یہ عبارت جو حوالہ قلم فرمائی ہے۔ کیونکہ یہ احکام گو مطلوب ہیں۔ مگر شریعت نے اُن کی مطلوبیت کے درجات اور حدود مقرر کئے ہیں۔ جو کتب مذہب میں مضبوط و مبسوط ہیں اُن سے تجاوز کرنا تعق و غلو فی الدین ہے جو شارع کی نظر میں غیر مرضی ہے۔

اس کے ماتحت۔ مصرحہ ذیل وجوہ سے خلجان لاحق ہے۔ ضرور ہے کہ جناب مکرم اُس کو رفع فرماویں۔

(امر ہفتم) اس مقصد خاص کے لئے شریعت متعینہ و مقررہ درجات و حدود میں سے کیا کوئی درجہ و حد آیہ کریمہ ”و لا تجهر بصلاحتک ولا تخافت بها و ابتغ بین ذلک۔ (۱)“ سے زیادہ صریح بھی موجود ہے؟ اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یہ امر بہت زیادہ قابل لحاظ ہے کہ مفسرین نے اس کی علّت کے بیان میں جو یہ تصریح فرمادی ہے کہ عدم اعتدال جہر و اخفاء کی صورت میں خشیت و تذلل کے رفع کا احتمال ہے جو روح صلوٰۃ ہے کیا یہ تصریح اس امر صریح کا اظہار نہیں ہے؟ کہ جس جہر فی الصلوٰۃ میں یہ علّت نہ پائی جاتی ہو وہ حدود متعینہ شریعت سے باہر نہ ہوگا۔ اور وہ جائز ہوگا۔ اور یہ امر واقع ہے کہ اس آلہ کے ذریعہ جو جہر ہوتا ہے۔ اس میں علّت ممنوعہ نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ امام کا جہر بحالہ معتدل ہے۔ اور اس کا وصول ماموین تک امام سے بالکل غیر متعلق ہے۔ اور امام کے عمل کو اُس میں کوئی دخل نہیں۔

(امر ہشتم) شریعت نے جو حدود و درجات مقرر کئے ہیں کیا وہ توفیقی و مبنی بر حصر عقلی ہیں؟ اگر نہیں! اور یقیناً نہیں! تو جس طرح جمعہ کی اذان ثانیہ اور مکبرین کا مکبرہ پر سے تکبیرات کہنا نظم و ترتیب جماعت کے بقاء و تحفظ کی نیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاری ہوا اور جائز سمجھا گیا اسی طرح اس آلہ کا استعمال ”صیانت عن خطاء المصلین فی اقتداء الإمام اور حصول المقصد من خطبة الخطیب“ کے نیت و غرض سے کیوں نہ جاری ہو سکے؟ اور کیوں نہ جائز سمجھا جائے؟

دفعہ چہارم: حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما کے واقعہ کی جو نظیر

جناب معظم نے اپنے فتوے میں پیش فرمائی ہے اس پر یہ اعتراضات دماغ میں پیدا ہوتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ جناب مفتی اُن کا سد باب فرمادیں۔

(امر نہم) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا فعل ایک جلیل المرتبہ صحابی کا فعل تھا جس سے یہ ہوسکتا تھا کہ آئندہ کے لئے وہ ایک اساس بن جائے اور مسلمان اس کو ضروری قرار دے لیں اور دین میں بجائے یسر کے عُسر پیدا ہو جائے۔ اور اسی خیال سے حضرت حذیفہؓ نے اس پر بقول آپ کے تکیر فرمائی۔ مگر یہاں وہ صورت نہیں ہے۔ یہاں اگر کوئی شخص جہر صوت کیلئے آلہ مکبر الصوت کا استعمال کرے گا۔ اور وہ شخص بھی کیسا ہوگا؟ تو اس کا یہ فعل نہ تو کسی وقت اساس قرار پا سکتا ہے اور نہ اس کو مسلمان کبھی ضروری قرار دے سکتے ہیں۔ اور اس وجہ سے اس سے دین میں یُسْر و عُسر کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور اس موقع پر جو قیاس کیا گیا ہے وہ قیاس مع الفارق ہے۔

(امر دہم) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے فعل پر حضرت حذیفہؓ نے ”لوددت أن صاحبکم لا یشدد هذا التشدد“ سے محض اپنی ذاتی رائے بیان فرمائی ہے نہ یہ کہ اُن کو اُن کا فعل ایک امر ممنوع قرار دیکر منع فرمایا ہو۔ مگر جناب مقدس یہاں میرے سوال کو ایک امر ممنوع قرار دیکر مجھے منع فرما رہے ہیں۔

دفعہ پنجم: جناب معلیٰ نے بجواب استفتا اپنے فتوے میں مجموعی حیثیت سے جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے اُس کے متعلق یہ خیال پریشان کئے ہوئے ہے۔ ضرورت ہی کہ جناب عالی اپنے ارشادات کے ذریعہ اُس سے بھی مطمئن فرمائیں۔

(امریاز دہم) جناب گرامی کا تمام فتویٰ محض قیاس و اجتہاد پر مبنی ہے۔ اور اس میں کوئی بات بھی اوامر و نواہی صریحہ و مستقیمہ میں سے نہیں ہے۔ اور جب جناب سامی خود اس کو جائز رکھتے ہیں تو کیا یہی قیاس و اجتہاد کسی دوسرے کیلئے بھی اسکی عقل و فہم برعایت دین و دیانت کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو اس موقع پر استفتاء میں جن امور و قیاسات سے بقول آپ کے تقویت دی گئی اور تائید کی گئی ہے وہ مفید مدعا کیوں نہیں ہیں؟ اور ان میں کوئی قباحت ہے؟

اُمید کہ جناب مستغنی عن الالقباب بغیر کسی گرائی و انقباض طبع کے اپنے اخلاق عالیہ سے میرے ان معروضات و خدشات کا جواب باصواب مگر نمبر وار اور جُد اجد اضرور اور جلد مرحمت فرمائیں گے تاکہ طبیعت مطمئن ہو۔ اور مسئلہ زیر بحث کے متعلق مزید بصیرت و علم حاصل ہو۔

میرے دل میں آپ کے اوصاف و علوم مرتبت کا عرصہ سے سکہ جما ہوا ہے۔ اور مجھے اس کا یقین ہے کہ اگر میرے معروضات کا کوئی لفظ بھی صحیح نکل آئے گا تو جناب فضیلت مآب نہایت فراخی قلب سے اس کا حق ہونا بھی تسلیم فرمائیں گے۔

شریعت مصطفویہ نے ہر چیز کے متعلق صاف و کھلے ہوئے احکام بتائے ہیں۔ حرام یا حلال جائز یا ناجائز اور میرے نزدیک کسی چیز کو بین بین حالت میں نہیں چھوڑا۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ اس آلہ کے متعلق صاف صاف حکم معلوم ہو جائے۔ حرام ہو تو وہ ظاہر ہو جائے اور حلال ہو تو وہ معلوم ہو جائے۔ اور یہی امر مقتضائے زمانہ ہے۔ کیونکہ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ یہ آلہ ہو یا اسی قسم کے دوسرے آلات وغیرہ وہ عام طور پر استعمال کئے جائیں گے۔ اور اگر علماء کے فتاویٰ اسی طرح مذذب اور بین بین حالت میں رہے تو لوگ اُن کی پروا کئے بغیر اُن کو استعمال کریں گے۔ اور یہی وہ مواقع ہیں جن میں علماء کا احترام و وقار کھو رہا ہے۔ ایسی صورت میں جو شرعی صورت ہو اُس کو نہایت صاف صورت میں مگر بالذلل والبراہین ظاہر کر دینا ناگزیر ہے۔

وما علینا إلا البلاغ وما أريد إلا الإصلاح وما تو فيقي إلا باللہ.

۲۷ ذوالقعدہ ۱۳۴۶ھ ۱۸ مئی ۱۹۲۸ء۔

مزید آنکہ: مجھے اپنے مطبوعہ استفتاء کی ضرورت بالکل نہیں ہے۔ اُس کا خیال آپ نہ فرمائیے اور میرے پاس اس عریضہ کی نقل بھی موجود ہے اسلئے اس کو بھی رکھ لیجئے گا۔ اور جواب میں میری عبارات کی نقل کی بھی ضرورت نہیں حوالہ کافی ہے۔ میں نقل سے اُس کا پتہ چلا لوں گا۔ فقط۔

جواب مخدومی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ نے مشرف فرمایا گو بوجہ اس کے کہ سب اجزاء کا جواب میرے عریضہ سابقہ میں موجود ہے۔ احتیاج جواب نہیں سمجھتا مگر امتثالاً لمرتوضیح کے طور پر کچھ مختصراً عرض کرتا ہوں۔

تمہید: میرے جواب سابق کے شروع میں تصریح ہے کہ یہ جواب مستقلاً ایک دوسرے سوال کا ہے تو ممکن ہے کہ اس جواب کے بعض اجزاء اس سوال کی خصوصیت کی بناء پر لکھے گئے ہوں مگر سوال جدید کے جواب میں اُس کو نقل کرنا اس بناء پر تھا کہ جو اجزاء دونوں سوالوں میں مشترک ہیں۔ اُنکا جواب تو اس منقول سے ہو جاوے گا۔ اور جو اجزاء سوال جدید کے ساتھ مختص ہیں اُنکا جواب زیادت جدیدہ سے ہو جاوے گا۔ اس تمہید کے بعد اجزاء مسئول عنہا کے متعلق عرض کرتا ہوں۔

امراؤل: اس عبارت میں تبلیغ خطبہ وعیدین کی مراد نہیں بلکہ تبلیغ وعظ و لیکچر کی مراد ہے چنانچہ آئندہ کی قریب ہی عبارت میں اس کی تصریح ہے فی قولی یہ تو اس وقت ہے جب خطیب سے مراد مطلق واعظ و لیکچر ہوا الخ تو اس صورت میں وہ ذرائع دوسرے واعظین ہیں کہ بعیدین کو وہ سنا سکتے ہیں۔

امردوم: مطلب یہ ہے کہ اس کے استعمال سے عوام یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس آلہ کا استعمال مطلقاً جائز ہے گولہو ہی میں ہو یا یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس آلہ میں اور دوسرے آلات لہو میں مثلاً گراموفون میں کیا فرق ہے جب اس کا استعمال جائز ہے بقیہ کا بھی جائز ہے۔

امرسوم: لفظ ”کو“ اپنے مقام میں ہے۔ غلط نہیں لکھا گیا۔

امر چہارم: میری عبارت میں تبلیغ صوت سے مراد مطلق تبلیغ نہیں بلکہ تبلیغ الی الکل ہے۔ یعنی اگر مجموعہ حاضرین نہ سُنیں تو بعض کا سماع اور بقیہ کا حضور کافی ہے۔ اسی لئے میری عبارت میں لفظ حضور کے ساتھ لفظ محض نہیں ہے۔ اور مطلق سماع کی مقصودیت کی نفی مقصود نہیں۔ پس سماع بھی ضرور مقصود ہوا۔ اس لئے شریعت نے اس کا اہتمام بھی فرمایا۔ مگر اسی حد تک جو یُسّر کے ساتھ ہو۔ اس کی دلیل قواعد کلیہ شرعیہ اور ایسے واقعات کے متعلق احکام جزئیہ ہیں جو اس واقعہ کی نظیر ہیں۔ جس کی طرف میں نے حضرت ابو موسیٰؓ کی حدیث میں اشارہ کیا ہے۔

امر پنجم: اس کا جواب، جواب سابق کی اس عبارت میں مذکور ہے۔ اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی الخ اور افشاء الی المفسدہ حسب تصریح فقہاء مفسدہ میں داخل ہے۔

امر ششم: مثلاً مجلس رقص و سرور کہ اُس میں تبلیغ صوت الی البعید کے لئے اُس کا استعمال کیا جاوے اگر اس کا وقوع بھی نہ ہوا ہو تو قرب وقوع عادت یقینی ہے۔

امر ہفتم: ایک علت کے ارتفاع سے دوسرے علت موثرہ کا ارتفاع لازم نہیں۔ اور وہ علت موثرہ

احقر کے فتوے میں مذکور ہیں اور جو ان کے موثر ہونے میں خدشات ہیں ان کو اس وقت رفع کرتا ہوں۔

امر ہشتم: وہ حدود و کمالات تو قیفی نہیں مثلاً اسماع کی کوئی مقدار معین ہوتی لیکن کیفاً تو قیفی

ہیں۔ یعنی یہ کہ تعمق و تکلف کی حد تک نہ پہنچے۔ اور اذان ثانی وغیرہ تعمق کی حد تک نہیں پہنچی اور یہ آلہ تعمق کی

حد تک پہنچا ہے۔ اور مدار اس انطباق کا سلف کے ذوق و اجتہاد پر ہے۔ پس ان کا اذان ثانی کو تجویز کرنا

اور اس آلہ کے نظائر کو باوجود تیسیر ان نظائر کے تجویز نہ کرنا اس فرق کی دلیل ہے۔ ان ہی نظائر میں سے

حضرت ابو موسیٰؓ کا ایک واقعہ ہے۔

امر نہم: اگر یہ بات ہوتی تو فقہاء یہ قاعدہ مطلقاً خواص کیلئے مقرر نہ فرماتے کہ خواص کا فعل اگر

عوام کے لئے موہم ہو جاوے تو خواص کے لئے بھی اُس کی اجازت نہیں نیز عوام کی حالت کا اب بھی مشاہدہ

ہو رہا ہے کہ وہ اہل علم کے فعل کو متمسک قرار دے کر حدود سے نکل جاتے ہیں۔

امر دہم: رائے محض نہیں بلکہ رائے ”ماخوذ عن فعل الشارع“ ہونے کے سبب حکم

شرعی ہے اور صحابی کا ایسا قول حنفیہ کے نزدیک حجت اور مجتہد تک کے لئے واجب التقلید ہے۔ جس کے

ہوتے ہوئے اس کو اپنے اجتہاد پر عمل جائز نہیں مگر صرح بہ فی اصول الفقہ باقی عنوان لوددت الخ کا

اختیار کرنا یہ ادب فی التعبير ہے، منافی فتویٰ ہونے کا نہیں جیسے خود ہمارے مجتہدین مذہب مکروہ کو لا أحب

اور حرام کو اگرہ سے تعبیر فرماتے ہیں غرض بقاعدہ القیاس مظہر لا مثبت یہ فتویٰ نبوی ہے، مگر بواسطہ اجتہاد صحابی

کے اب تبرعاً ایک فتویٰ نبوی بلا واسطہ بھی نقل کرتا ہوں۔

(ابن عمر) قلت یا رسول اللہ! أنتوضاء من جر جدید مخمر أحب الیک ام من

المطاهر قال لا بل من المطاهر أن دین اللہ یسر الحنفیة السمحاء قال وکان النبی

صلی اللہ علیہ وسلم یبعث إلی المطاهر فیوتی بالماء فیشر به یرجو برکة أیدی

المسلمین للأوسط کذا فی جمع الفوائد أحكام المیاء۔ (۱)

اور اس کے نظیر ہونے کی ویسی ہی تقریر ہے جیسی نظیر سابق میں لکھی گئی۔

امریازدہم: مفید مدعا نہ ہونے کی دلیل خود فتوے میں مذکور ہے۔ باقی مقدمات دلیل میں کلام یہ آپکا اجتہاد ہے جس میں مجھ کو توافق نہیں۔ اور یہی فرمانے کا آپکو بھی حق ہے، آگے اپنے اپنے عمل کے سب ذمہ دار ہیں، جواب ختم ہوا۔

اس کے بعد آپ نے جو کلمات محبت سے ارشاد فرمائے ہیں اس کا صلہ بجز اس دعاء کے کیا کر سکتا ہوں کہ ”أحبکم اللہ کما تحبوننی“ اس کے بعد آپ نے دینی خیر خواہی سے جو مشورہ دیا ہے گو مجھ کو اس کے اجزاء میں کلام ہے، مگر آپ کی صدق نیت پر نظر کر کے اتنا ہی عرض کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ آپ اپنا حق ادا فرما چکے ”جزاکم اللہ تعالیٰ“ آگے اپنے اور آپ کیلئے یہ دعاء ہے اور اسی دُعا کی آپ سے بھی استدعا ہے۔

اللہم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه والباطل باطلا وارزقنا اجتنابه
سب سے اخیر میں کاغذات رکھ لینے کی اجازت عطا فرمانے پر خاص شکریہ عرض کرتا ہوں کہ مجھ کو صعوبت نقل سے بچالیا۔

فاللہ تعالیٰ یسہل صعبکم کما سہلتم صعبی والسلام خیر ختام۔
نیاز مندانہ گزارش؛ چونکہ مسئلہ ہذا کے متعلق میری معلومات ختم ہو چکی، آئندہ کیلئے مزید کلام سے معافی کی اور معافی کے ساتھ دعاء کی درخواست کرتا ہوں۔ فقط۔

کیم ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ

اس کے بعد سوال بالا کا ایک جواب مدرسہ دارالعلوم دیوبند سے بغرض

دریافت رائے آیا وہ مع رائے ذیل میں منقول ہے

الجواب : حواشی درمختار للعلامة ابن عابدین الدمشقی الشامی جلد اول بحث سنن صلوٰۃ میں ہے۔
ثم أعلم أن الإمام إذا كبر لئلا يفتاح فلا بد لصحة صلوته من قصدہ بالتكبير
الإحرام وإلا فلا صلوٰۃ له إذا قصد الإعلام فقط فإن جمع بين الأمرين بأن قصد الإحرام
والإعلان للإعلام، فذلك هو المطلوب منه شرعاً وكذلك المبلغ إذا قصد التبليغ
فقط خالياً عن قصد الإحرام فلا صلوٰۃ له ولا لمن يصلي بتبليغه في هذه الحالة لأنه
اقتدى بمن لم يدخل في الصلوٰۃ فان قصد بتكبيره الإحرام مع التبليغ المصلين
فذلك هو المقصود منه شرعاً كذا في فتاوى الشيخ محمد بن محمد الغزيرى
الملقب بشيخ الشيوخ اهـ (۱)

اور درمختار باب مفسدات نماز میں ہے۔

وفتحه على غير إمامه إلا إذا أراد التلاوة وكذا الأخذ. اهـ

حواشی ابن عابدین میں ہے

قوله: وكذا الأخذ أى أخذ المصلى غير الإمام بفتح من فتح عليه مفسدٌ أيضا كما
في البحر عن الخلاصة: لو أخذ الإمام بفتح من ليس في صلوته فيه عن القنية. اهـ (۲)
اور درمختار باب سجود التلاوة میں۔

لا يجب سماعه من الصدى والطير.

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في التبليغ خلف الإمام، مكتبة

زكريا ديوبند ۲/ ۱۷۱-۱۷۲، كراچي ۱/ ۴۷۴۔

(۲) شامی، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب المواضع التي

لا يجب فيه رد السلام، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۸۱، كراچي ۱/ ۲۲۲۔

حواشی میں ہے۔

قوله: من الصدى هو ما يجيبك مثل صوتك في الجبال والصحارى
ونحوهما كما في الصحاح. (۱)

مذکورہ بالا نصوص سے ظاہر ہو گیا کہ چونکہ آلہ مکبر الصوت اور انبویون (ہارن) آواز میں جو کہ
ڈائل وغیرہ سے آواز کے ٹکرانے سے مثل صدی (گنبد وغیرہ میں گونجنے اور ٹکر کھانے سے پیدا ہونے
والی آواز ایک یا چند واسطوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور چونکہ یہ آلات اور بلیوں کے پر کے بنوب
(ہارن) نہ خود مکلف ہیں اور نہ داخل نماز و جماعت بلکہ خارجی ایسی چیزیں ہیں جن کے ذریعہ سے
مقتدیوں کو تلقین اور تعلیم کی جاتی ہے۔ اور چونکہ ان تکبیروں میں محض تبلیغ کا قصد ہوتا ہے۔ یہ آلات نہ
نمازی ہیں اور نہ ان سے نماز پڑھنے کا ارادہ رکھا جاسکتا ہے۔ اس لئے جو لوگ فقط ان آلات کے
ذریعہ سے نمازیں ادا کریں گے۔ ان سمجھوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور غیر مصلیٰ سے تعلیم
اور استفادہ کا زہر یلا اثر ان کی تمام نمازوں کو معنوی موت کے گھاٹ اتار دے گا؛ لہذا اس سے بچنا
لازم ہے جو جو سوال میں جواز یا استحباب کے لئے دکھلائے گئے ہیں فقہی نقطہ نظر سے ایک جو کہ
براہر بھی قدر و منزلت نہیں رکھتے ہیں۔

(نگ اسلاف حسین احمد غفرلہ)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند

۵۸۳/۲، کراچی ۱۰۸/۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رائے الا حقرفی هذا الجواب: اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ اس آلہ سے عین صوت بلند نہیں ہو جاتی۔ بلکہ گونجنے اور ٹکرانے سے اُس کی حکایت پہنچ جاتی ہے تو صواب منحصر فی الجواب ہے۔ اور مظنون یہی ہے۔ اور کسی ماہر سائنس (*) کی تحقیق سے یہ ظن درجہ یتیقن تک پہنچ سکتا ہے اور اگر ثابت ہو (**) جائے کہ عین صوت بلند ہو جاتی ہے تو اس صورت میں حکم وہ ہے جو احقر نے اپنے جواب میں عرض کیا ہے، اور اگر دونوں احتمال ہوں تو پھر بھی جواب وہی ہے جو حضرت مصیب سلمہ اللہ الرقیب القریب نے تحریر فرمایا ہے، مگر توجیہ مختلف فیہ ہے اور وہ توجیہ یہ ہے کہ عین صوت کا ”عدم بلوغ الی البعید“ پہلے سے متیقن ہے اور اب اس میں شک واقع ہو گیا اور ”الیقین لا یزول بالشک“ اس لئے عدم بلوغ کا حکم کر کے اس صورت کو مثل صدی کے حکم کر دیا جائے گا۔

۵ ذالحجہ ۱۳۲۶ھ

(*) بعد اس تحریر کے اس کے متعلق سوال ذیل متعدد ماہرین کے پاس بھیجا گیا، دو مقام سے جو جواب آیا وہ اس پر متفق ہیں کہ جو آواز دور تک پہنچتی ہے عین صوت ہے جو بلند ہو جاتی ہے، صوت کی حکایت اور صدائے بازگشت نہیں ہے؛ چنانچہ ذیل میں وہ سوال اور جواب منقول ہیں۔ ۱۲۔

(**) ماہرین سائنس کی مکمل تحقیق جو حال میں مملکت پاکستان کے ماہرین فن سے حاصل ہوئی، اس سے یہی ثابت ہوا کہ عین صوت دور تک پہنچ جاتی ہے، بازگشت یا آواز کی صوت نہیں؛ لہذا اس تحقیق کی بنا پر خود حضرت سیدی حکیم الامت کے جواب کا خلاصہ یہ ہوگا کہ اس کی آواز پر نماز میں نقل و حرکت کرنے سے حکم فساد نماز کا نہ دیا جائے گا؛ البتہ احتمال فساد کی بنا پر اس کا ترک کرنا اور سادہ طریق پر نماز ادا کرنا بہتر ہوگا، اس مسئلہ پر ماہرین سائنس کی مکمل تحقیق اور اس سے متعلق مسئلہ زیر بحث پر دوسرے اکابر علماء خصوصاً حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور علامہ سید زابد کوثری مصری وغیرہم کے فتاویٰ اور ان کی تحقیق پھر مسئلہ کا مکمل فیصلہ احقر کے رسالہ ”مکبر الصوت“ میں شائع ہو چکا ہے، ضرورت ہو تو اس کو ملاحظہ فرمایا جائے۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

مکبر الصوت سے متعلق اہل سائنس کی تحقیقات

سوال: لاؤڈ اسپیکر کے ڈائل پر سے مقرر کی آواز بلند ہوتی ہے اور دور تک کام کرتی ہے وہ عین آواز ہے یا حکایات آواز؟ (یعنی صدائے بازگشت کی طرح ہے کہ آواز تو ڈائل پر آ کر ختم ہوگئی اور صدائے بازگشت لوگوں تک پہنچی، اسی طرح دوسرے ڈائل سے تیسرے پر صدائے بازگشت کی کاپی ہے اور تیسرے سے چوتھے پر صدائے بازگشت کی کاپی ہے) مطلب یہ ہے کہ ڈائل پر اصل آواز سنائی دیتی ہے یا نری (کاپی ہے اس آواز کی مثل جو) پہاڑوں، جنگلوں میں گونجتی ہے کہ اس کو یہاں پر (اس آلہ میں) برقی رو کی استعانت سے باقاعدہ اور اصل کے متشابہ کر لیا ہے، کیا اچھا ہو کہ مستند حوالے بھی جواب میں ہوں۔

جواب: از سید شبیر علی ایم اے پروفیسر محکمہ سائنس علی گڑھ بمشورہ دیگر اصحاب محکمہ مذکورہ معرفت منشی سراج الحق صاحب ماسٹر مسلم یونیورسٹی اسکول علی گڑھ

لاؤڈ اسپیکر کے ڈائل پر سے جو آواز بلند ہو کر دور جاتی ہے، وہ بحسبہ آواز متکلم یا خطیب ہوتی ہے، جو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ قوی ہو جاتی ہے آواز دراصل ہوا میں لہروں کے پیدا ہونے کا نام ہے جو زبان کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے اور کان کے پردہ پر جا کر اسی قسم کی کیفیت پیدا کرتی ہے، کان کے پردہ تک پہنچنے سے پیشتر اگر وہ لہریں ضعیف ہو چکی ہیں (جس کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں مثلاً باد مخالف یا شور و غل وغیرہ) اور پھر ان کو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ قوی کر دیا گیا ہے تاکہ وہ زیادہ دور تک جا سکیں تو ایسی صورت میں لاؤڈ اسپیکر کے بعد جو آواز نکل رہی ہے وہ فی الحقیقت اصلی ہی آواز ڈائل پر جا کر ختم نہیں ہو جاتی؛ بلکہ ضعیف سے قوی ہو جاتی ہے، لاؤڈ اسپیکر ان ضعیف لہروں میں ایک قسم کی نئی جان ڈال دیتا ہے اور یہ فعل ان لہروں کے معدوم ہونے سے پیشتر ہوتا ہے، یعنی وہ لہریں (متکلم کے منہ سے نکلی ہوئی) بحسبہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہوتی ہیں، صدائے بازگشت میں آواز کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ مخرج یا منبع سے آواز نکل کر کسی چیز سے ٹکراتی ہے اور واپس ہوتی ہے؛ چونکہ اس فاصلہ کو طے کرنے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے اور آواز کی رفتار زیادہ تیز نہیں ہے؛ اس لئے دوسری آواز سنائی دیتی ہے صدائے بازگشت میں وہی آواز ٹکرا کر دوبارہ سنائی دیتی ہے اور لاؤڈ اسپیکر میں وہی آواز ضعیف سے قوی ہو جاتی ہے؛ اس لئے اس میں دو آوازیں نہیں سنائی دیتیں۔ ۱۲

جواب دیگر: از برج لال نندن صاحب بی اے بی ایس سی ماسٹر سائنس الگزنڈر رہائی

اسکول بھوپال معرفت نشی مظہر صاحب ماسٹر۔

جس کسی شے میں حرکت ہوتی ہے تو اس عالم میں بیرونی ہوا پر اس کے صدمہ سے ایک صورت تموج پیدا ہوتی ہے، جو اصل حرکت کے بجائے مطابق ہوتی ہے، ان کو تموج اصوات کہتے ہیں: جب کوئی شے ان کے سدراہ ہوتی ہے تو ان میں (بازگشت یا لہر) ہوتی ہے اور چند اصول کے تحت ان لہروں کا اجتماع ایک مرکز پر ہوتا ہے، اگر اس مرکز پر کان کو رکھا جاوے تو وہ آواز اگرچہ ابتداء نہایت آہستہ ہو بلند اور صاف سنائی دیتی ہے، دیگر درمیانی مقام پر وہ ہرگز سنائی نہیں دیتی، اگر جہاں سے آواز آتی ہے اور جہاں کہ یہ لہر ہوتی ہے دونوں مقامات کے درمیان ایک خاص معینہ فاصلہ سے کم نہ ہو تو اس میں گونج اور صدائے بازگشت پیدا ہوتی ہے، جو اصل آواز سے بلند ہوتی ہے اور بعض اوقات میلوں تک سنائی دیتی ہے، جب کبھی آواز کسی تنگ نلکی میں ہو کر گزرتی ہے تو مشاہدہ میں آیا ہے کہ وہ بہت بلند ہو جاتی ہے اور دور تک جاتی ہے وجوہات کی تفصیل طویل ہے، ایک وجہ ماہرین نے یہ بیان کی ہے کہ نلکی کے اندر کی ہوا میں بکثرت تموج ہوتا ہے جو اصل آواز کے مطابق اور بجائے ہوتا ہے، اس سے اصل کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے اور سامعین کو وہ آواز بلند ہو کر سنائی دیتی ہے، جملہ لاؤڈ اسپیکر کی ساخت میں میرا خیال یہ ہے کہ ان ہی دونوں اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے، کسی کسی میں ٹیلیفون کے اصول کی مدد بھی لی جاتی ہے افسوس ہے کہ میرے پاس میرے علم میں کوئی کتاب سر دست موجود نہیں ہے کہ جس میں اس جدید ایجاد کا ذکر کیا ہو؛ لیکن یقین ہے کہ اگر کوئی علم طبعیات جو حال میں تیار ہوئی ہو اور جس میں جدید باتوں کا ذکر ہو تو اس میں اس کی تصدیق مل سکے گی؛ البتہ راقم کے بیان کی صداقت ناٹھ کی طبعیات یا کسی اور علم صوت کا بیان پڑھنے پر معلوم ہو جائیگی۔

جواب دیگر: بھوپال سے ماسٹر محمد مظہر کی یہ تحریر آئی جو ذیل میں منقول ہے، آج مدرسہ میں

سائنس ماسٹر (یہ وہی صاحب ہیں جن کا اوپر نام برج نندن لال آیا ہے) ملے تھے، وہ کہتے تھے کہ آواز جو لاؤڈ اسپیکر سے پیدا ہوتی ہے وہ ہے تو بولنے والے کی آواز کا اثر، مگر وہ اس کے بازگشت کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ پہاڑ پر جو صدا سنائی دیتی ہے، وغیرہ محسوس عرصہ کے بعد اس وجہ سے سنائی دیتی ہے کہ وہ آواز خود بخود لوٹتی ہے، لیکن یہاں برقی رواں میں دیر نہیں ہونے دیتی قائل کے زبان کی

حرکت صرف ایک موج پیدا کرتی ہے اور یہاں تو کئی ایک موجیں پیدا ہوتی ہیں اور ان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے، جس طرح اک راگ گانے والے کی آواز ہوگی، اگر اور لوگ تال ملادیں تو ہم یہ نہ بتا سکیں گے کہ کونسی کس کی آواز ہے، برقی قوت یہی شکل پیدا کرتی ہے۔ غرض وہ یہ کہتے ہیں کہ برقی قوت کی وجہ سے میں تو کم از کم یہ ماننے میں تامل کرتا ہوں کہ یہ اصلی آواز ہے اور اس کا انکار بھی مجھ سے ممکن نہیں کہ ثبوت مشکل ہے۔ ۱۲

نوٹ: اس جواب کا حاصل تردد ہے اور تردد کا حکم احقر نے مولانا حسین احمد صاحب کے جواب کے متعلق اپنی جورائے لکھی ہے اس کے اخیر میں ذکر کیا ہے۔

اشرف علی تھانویؒ ۲۳ / محرم الحرام ۱۳۴۷ھ

جواب دیگر: پھر حیدرآباد سے مولوی عبدالحی صاحب کی تحریر آئی جو ذیل میں منقول ہے۔

سوال: بخمدت علماء سائنس و حکمت معروض ہے کہ آج کل ایک آلہ (لاؤڈ اسپیکر) جس کو مکبر الصوت بھی کہتے ہیں اس کی تحقیق کی ضرورت ہے کہ اس میں بولنے والے کی آواز بعینہ بلند ہو کر مسموع ہوتی ہے یا مثل صدائے گنبد آواز کی حکایت کرتی ہے اس کا جواب مستند حوالوں اور وجوہ سے فرمایا جائے؛ کیونکہ اس کی تحقیق پر چند مسائل فقہیہ کی تفریع موقوف ہے۔

۲۸ / محرم الحرام ۱۳۴۷ھ

جواب: آواز کے متعلق علماء سائنس کی یہ رائے ہے کہ جس جسم سے آواز نکلتی ہے وہ ایک خاص قسم کی ارتعاشی حرکت کرتا ہے یہ ارتعاشی حرکت مادی واسطہ میں بجنسہ منتقل ہوتی ہے اور عام طور پر بالآخر ہوا میں منتقل ہو کر سننے والے کے کان تک پہنچتی ہے (مکبر الصوت) مختلف قسم کے ہیں برق کی نوعیت کے (مکبر الصوت) میں بولنے والا بات کرتا ہے تو آواز کی موجیں براہ راست منعکس ہو کر سننے والے تک منتقل ہوتی ہیں بلندی آواز کی وجہ اس خاص صورت میں یہ ہے کہ موجوں کی توانائی ہوا کے وسیع رقبوں میں پھیل کر منتشر نہیں ہونے پاتی؛ بلکہ ایک خاص سمت میں ان موجوں کی ہدایت ہونے سے آواز تقریباً اپنی کامل ابتدائی توانائی کے ساتھ سامع تک پہنچ جاتی ہے، اس آواز کو بلاشبہ بولنے والے ہی کی آواز سمجھ سکتے ہیں، اس مکبر الصوت سے آواز کا انتقال بہت دور تک نہیں ہو سکتا، اگر مکبر الصوت برقی نوعیت کا ہے جیسا کہ معمولی لاسکی ٹیلیفون کے

ساتھ استعمال کرنے کا آلہ ہوتا ہے تو اس کی نوعیت بالکل جداگانہ ہے، یہاں آواز پیدا کرنے والے جسم کی ارتعاشی حرکت اپنی نوعیت بدل کر ایک دوسری قسم کی ارتعاشی صورت اختیار کر لیتی ہے، گویا کہ آواز کی نقل برقی روؤں یا برقی موجوں میں تیار کر لی جاتی ہے اور وہ سننے والے کے آلہ سماعت میں داخل ہو کر بالآخر آواز کے مادی ارتعاش کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے جو کہ آواز پیدا کرنے کے لئے لازمی ہے اور اس طرح سننے والا نقل در نقل یا بالواسطہ طریقہ سے آواز سن پاتا ہے، ایسے لاؤڈ اسپیکروں کی آواز ابتدائی آواز کی محض نقل یا حرکت ہی سمجھی جاسکتی ہے۔

۳/ صفر ۱۳۴۷ھ

نوٹ: اس جواب کا حاصل اس کا حکم ہے کہ یہ آواز صدائے بازگشت ہے تو اس بناء پر حضرت مولانا حسین احمد صاحب کا جواب مذکورہ بالا متعین ہے۔

اشرف علی تھانویؒ ۱۰/ صفر المظفر ۱۳۴۷ھ

المقالات المفیده فی حکم اصوات آلات الجدیّدہ (دوفتوؤں پر مشتمل)

تمہید: ریڈیو کے متعلق خانقاہ امدادیہ سے اوّل کسی نے ایک استفتاء کر کے جواب حاصل کیا تھا چونکہ اس میں کچھ شبہ پیدا ہوا تھا اس لئے احقر نے (*) دوسرا استفتاء کیا دونوں استفتاء مع جواب ذیل میں منقول ہیں۔

استفتاء اوّل: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آجکل ریڈیو کا رواج بہت ہو رہا ہے جس میں خبریں بھی ہوتی ہیں اور تقریریں بھی اور گانا بجانا بھی اور بعض اوقات خوش الحان قاریوں کا قرآن بھی اس میں سُنا یا جاتا ہے اور جو قاری خوش الحان ریڈیو پر قرآن پڑھتے ہیں اُن کو معقول معاوضہ دیا جاتا ہے، پس بایں صورت ریڈیو گھر میں لگانا یا اس کا کسی طور سے سُنا یا اس پر قرآن پڑھنا اور معاوضہ لینا یا ریڈیو سے قرآن سُنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا تو جروا۔

الجواب: اگر کوئی ریڈیو لہو و لعب اور گانے بجانے سے بالکل پاک ہو یعنی اس کے کسی پروگرام میں بھی یہ خرافات نہ ہوں اور اس میں صرف کسی واعظ یا مقرر اسلام کی تقریر ہو یا خبریں ہوں تو ایسے ریڈیو پر قرآن پڑھنا اور اس سے قرآن سُنانا فی نفسہ جائز تھا گو قرآن پڑھنے کا معاوضہ لینا حرام ہی ہوتا اور جس ریڈیو میں گانا بجانا بھی ہو تو اس میں تو کسی طرح بھی نہ قرآن پڑھنا جائز ہے نہ سُنا۔ بلکہ اس پر قرآن پڑھنا یا سُنا قرآن کی بے حرمتی کا سبب ہے کہ قرآن کے ساتھ ملاعب ہے یہ تو اس کا فی نفسہ حکم تھا جس میں تفصیل مذکور تھی؛ لیکن عوام الناس کا حدود میں رہنا عادت قریب ناممکن ہے اس لئے علی الاطلاق اس پر قرآن مجید سننے کو روکنا واجب ہے اور اسی تفصیل سے ریڈیو کو گھر پر لگانے اور کسی طور سے اس کے سننے کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ قسم اوّل کا لگانا فی نفسہ جائز اور قسم دوم کا حرام ہے مگر چونکہ قسم اوّل کا تحقق ہے ہی نہیں عام طور سے صرف قسم دوم ہی کا تحقق ہے اس لئے اس کا لگانا اور سُنا علی الاطلاق حرام ہے۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ دتخط ۳۵۶ھ الجواب صحیح:

(مولانا) ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۲/رمضان اشرف علی عفی عنہ ۲۳/رمضان ۱۳۵۶ھ

استفتاء ثانی: سوال وجواب مندرجہ بالا کے بعد گزارش ہے کہ شاید جواب تحریر فرماتے وقت یہ ذہن میں تھا کہ ریڈیو مثل گراموفون کے ریکارڈ کے ہے جس میں ہر قسم کی آواز محفوظ ہو سکتی ہے اور جب چاہیں اس ریکارڈ کو کام میں لا سکتے ہیں اور ایسے ریکارڈ تیار ہو کر فروخت ہو سکتے اور خریدے جاسکتے ہیں اس لئے ضرورت اس امر کی ہوئی کہ ریڈیو کا مفہوم اور اس کی حقیقت بیان کر دی جاوے اس کے بعد جو شرعی حکم ہو وہ تحریر فرما دیا جاوے۔ ریڈیو کی حقیقت مثل ٹیلیفون کے ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ ٹیلیفون کی آواز صرف ایک شخص سُن سکتا ہے اور ریڈیو کی آواز جتنے سننے والے وہاں موجود ہوں سُن سکتے ہیں۔ گراموفون ایک کمپنی کے انتظام میں ہے جس کی غرض صرف تجارت ہے خواہ اس کے ریکارڈ لہو و لعب گانے بجانے ہنسی مذاق کھیل تماشہ کے ہوں یا علمی مضامین یا قرآن شریف کی آیات کے ہوں لیکن ریڈیو کا محکمہ گورنمنٹ کے انتظام میں ہے اس میں جو کام ہوتا ہے فنی ترقی یا سننے والوں کی دلچسپی کی غرض سے خواہ وہ ہر قسم کا گانا بجانا ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں ایک مرتبہ جو آواز سُنائی دیتی ہے وہ دوسری مرتبہ نہیں سُنائی جاسکتی اس میں سُنا تے وقت سُنانے والے کا موجود رہنا اور اپنی زبان سے سُنانا لازمی ہے اور یہ کلام دوسری مرتبہ قائم نہیں رہ سکتا۔ اس میں قرآن شریف ہو یا حدیث و ید کے اشلوک ہوں یا رامائن کا کوئی باب یا اس کا کوئی ٹکڑہ لگا دو علمی، فنی، جذباتی، افادی مضامین ہوں یا تمدنی اور شعروشعن کے۔ غرض ہر قسم کا مضمون خواہ کسی قسم کا ہو اور کسی زبان کا ہو۔ نثر ہو یا نظم۔ سُنا یا جاسکتا ہے محکمہ ایسے لوگوں کو جو محنت کرتے اور سُنا تے ہیں ایک مقررہ معاوضہ دیتا ہے اور ان کی قدر کرتا ہے۔ یہ مختصر حقیقت ہے ریڈیو کی۔ ایسی حالت میں ریڈیو لگانا، ریڈیو سننا، خواہ کسی قسم کا مضمون ہو یا اجرت پر کوئی مضمون پڑھنا اور سُنانا جس میں قرآن شریف اور ہر قسم کے مضامین نظم و نثر شامل ہیں جائز ہے یا نہیں۔ بینوا تو جروا۔

الجواب: سوال میں جن تین آلات کا ذکر ہے وہ اپنی تین اغراض کے اعتبار سے قابل تحقیق ہیں۔ وہ تین آلات یہ ہیں: گراموفون، ٹیلیفون، ریڈیو۔

اور تین اغراض یہ ہیں: اصوات نمبر ۱: مباحہ۔ اصوات نمبر ۲: محرّمہ۔ اصوات نمبر ۳: طاعات۔ اور ان تینوں اصوات کے بعض احکام مشترک ہیں۔ اور بعض مخصوص غیر مشترک۔

احکام مشترکہ یہ ہیں کہ اصوات مباحہ مباح۔ اور اصوات محرّمہ محرّمہ۔ اور اصوات طاعات کی نفس

ذات کا مقتضاتو اشتراک حکم ہی تھا مگر ایک عارض سبب اس میں تفصیل ہوگئی اور وہ عارض ان آلات کا لہو کے لئے موضوع ہونا یا نہ ہونا ہے اور وہ تفصیل یہ ہے کہ جو آلہ تلبی کے لئے موضوع ہے ان اصوات طاعت کے استماع کے لئے اس کا استعمال ناجائز ہے اور جو تلبی کے لئے موضوع نہیں اس کا استعمال ان اصوات طاعات کے لئے جائز ہے۔ اب اس کی تعیین باقی رہی سودو (۲) کی حالت تو ہمیں پہلے سے معلوم ہے یعنی ٹیلیفون کا تلبی کے لئے موضوع نہ ہونا اور۔ گراموفون کا تلبی کے لئے موضوع ہونا۔ سوان کا حکم بھی ظاہر ہے کہ ٹیلیفون کا استعمال ان اصوات طاعت میں جائز ہے اور گراموفون کا ناجائز۔ اور قواعد سے یہ حکم ظاہر ہے مگر تبرعاً ایک خاص حدیث بھی اسکی تشہید و تائید کے لئے مع تقریر استدلال نقل کئے دیتا ہوں۔ حدیث یہ ہے:

في المشكوة: باب إعلان النكاح الفصل الأول برواية البخاري عن الربيع بنت معوذ بن عفراء قالت: جاء النبي صلى الله عليه وسلم فدخل حين بنى عليّ فجلس على فراشي كمجلسك مني وجعلت جوهرات لنا يضرب بالدف ويند بن من قتل من آبائي يوم بدر إذ قالت أحداهن وفيها نبي يعلم ما في غد فقال دعى هذه وقولي بالذى كنت تقولين. (۱) قال الشيخ الدهلوي: في أشعة اللمعات في شرح الحديث. وگفتہ اند کہ منع آں حضرت ازیں قول بجہت آنست کہ دروے اسناد علم غیب است بآنحضرت پس

آں حضرت ناخوش آمد و بعضے گویند بجہت آنست کہ ذکر شریف وے در اثناے لہو مناسب نباشد۔ اہ میں کہتا ہوں کہ گواس حدیث کی توجیہ میں دونوں احتمال ہیں اور غور کرنے سے توجیہ ثانی رائج بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر احتمال اول اس کی بناء ہوتی تو ممانعت شدید زجر کے صیغہ سے ہوتی لیکن اس ترجیح سے قطع نظر کر کے بھی علماء امت کا دونوں کا تجویز کرنا واضح دلیل ہے دونوں بناؤں کے فی نفسہ صحیح ہونے کی گویاں متحقق ایک ہی ہو۔ پس دوسری توجیہ پر تقریر استدلال یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے صرف مجلس لہو میں ذکر طاعت پر نکیر فرمایا؛ حالانکہ یہاں آلہ ذکر یعنی زبان لہو کے لئے موضوع نہیں صرف

(۱) مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب إعلان النکاح، مكتبة اشرفية دیوبند ص: ۲۷۱۔

بخاري شريف، كتاب النكاح، باب ضرب الدف في النكاح والوليمة، النسخة الهندية

اقتزان فی المجلس کو منع میں موثر قرار دیا۔ سو جہاں خود آلہ ان اذکار کا لہو کیلئے موضوع ہو وہاں توجیح و شاعت بہت زیادہ ہوگی اس تقریر سے گراموفون اور ٹیلیفون میں قرآن مجید اور دیگر اذکار طاعات تعبدیہ کے استماع کا حکم معلوم ہو گیا کہ اوّل میں اس علت مذکورہ کی بناء پر عدم جواز ہے اور ثانی میں جواز جبکہ اور کوئی علت منع کی نہ ہو۔ سوان دونوں کی حالت تو ہم کو پہلے سے معلوم ہے اسلئے ان کا حکم بھی معلوم ہے باقی ریڈیو کی حالت اب تک معلوم نہ تھی اسلئے قبل تحقیق تو اسکے حکم میں تحقیق ہوگی یعنی اگر وہ گراموفون کے مشابہ ہے تو اس کا حکم گراموفون کے مثل ہے اور اگر وہ ٹیلیفون کے مشابہ ہے تو اس کا حکم ٹیلیفون کے مثل ہے۔ پہلے فتوے کی تصدیق کئے ہوئے مدت ہوگئی یا نہیں اسکی کیا بنا ہوگی مگر غالباً اس وقت ذہن میں یہی ہوگا کہ وہ گراموفون کے مشابہ ہے جیسا کہ جواب کی بعض عبارات سے مفہوم بھی ہوتا ہے۔

اب دوسرے سوال میں اس کی حالت ٹیلیفون کے مشابہ ظاہر کی گئی ہے سو اگر ایسا ہے تو اس کا حکم ٹیلیفون کی مثل ہوگا یعنی اس میں اصوات طاعت تعبدیہ کے استماع کا جواز۔ البتہ اگر باوجود آلہ تلہی نہ ہونے کے کوئی دوسرا عارض مانع جواز ہوگا تو اس عارض کے سبب پھر منع کیا جاویگا۔ مثلاً قاری کو اجرت دینا یا مسمع یا مستمع کا غیر طاعت کے قصد سے سنا یا سننا جیسا فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ تاجر کا فتح متاع کے وقت ترویج سلعہ یا ترغیب مشتری کی غرض سے درود شریف پڑھنا یا حارس کا ایفاظ ناٹمین کی غرض سے تہلیل کا جہر کرنا ان سب عوارض کی وجہ سے ممانعت کا حکم کیا جاوے گا۔

یہ سب تفصیل اس بناء پر ہے کہ ریڈیو لہو کیلئے موضوع نہ ہو؛ لیکن اگر کسی وقت میں باوجود موضوع للتلہی نہ ہونے کے عام طور پر یا غالب طور پر لہو کے لئے مستعمل ہونے لگے تو اس وقت بھی اس کا حکم مثل موضوع للتلہی کے ہو جاویگا کیونکہ اہل شہر کے اعتیاد بدرجہ لزوم تشبہ کو بھی فقہاء نے احکام میں موثر مانا ہے بعض اہل خبرت سے سنا گیا ہے کہ اب اس کی حالت ایسی ہی ہوگئی ہے سوال کے بعض الفاظ سے بھی اس کا شبہ ہوتا ہے سو اس کو اہل استعمال تدبیر کے ساتھ خود دیکھ لیں اور یہ سب احکام ہیں آلات مذکورہ سوال کے بعد کی مناسبت اور ضرورت وقت سے تھے ایک چوتھے آلہ کا حکم بھی لکھ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے گو اس سوال میں اس کا ذکر نہیں مگر دوسرے سائلین اس کے متعلق بھی سوال کرتے ہیں اور وہ آلہ ہے لاؤڈ اسپیکر یعنی مکمل الصوت جس میں آواز بڑھ جاتی ہی اس کا اجمالی حکم یہ ہے کہ تقریرات میں اس کا استعمال جائز ہے

اور عیدین و جمعہ کے خطبہ میں بدعت اور تکبیرات صلوٰۃ میں اسکا اتباع مفسد صلوٰۃ۔ اس وقت سب کے دلائل کی گنجائش نہیں اور تکبیرات صلوٰۃ کے حکم مذکور کے دلائل میں احقر کا ایک مستقل رسالہ ہے (التحقیق الفریدی فی آلتہ التقریب الصوت البعید) اس کا ملاحظہ کافی ہے یہ سب تحقیقات اپنے معلومات کی موافق لکھی گئیں اگر کسی کو اس سے زیادہ یا اس کے خلاف تحقیق ہو وہ اپنی تحقیق پر عمل کرے اور اگر ہم کو بھی مطلع کر دے تو ماجور ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ تمت رسالۃ المقالات المفیدہ۔

کتبہ اشرف علی تھانہ بھون۔

۱۵ محرم الحرام ۱۳۵۷ھ

ضَمِيمَه اُمْدَادُ الْفَتَاوَى جلد اوّل

بَابُ مَسْئَلَةِ مَكْبَرِ الصَّوْتِ

از: احقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آلہ مکبر الصوت۔۔۔۔۔ کے متعلق سب سے پہلا فتویٰ حضرت سیدی حکیم الامتہ قدس سرہ کے قلم سے ۱۳/ رمضان ۱۳۶۶ھ میں نکلا ہے جو اس کتاب کے (صفحہ۔۔۔) میں عدم جواز آلہ مکبر الصوت کے عنوان کے وقت ذکر ہوا) میں پورا درج ہے۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ یہ آلہ نیا نیا چل کر خاص خاص شہروں میں آیا تھا عام طور پر اس کی شکل و ہیئت اور طریق استعمال سے بھی لوگ واقف نہ تھے اس وقت جو جواب لکھا گیا اُس کا منشاء یہ تھا کہ اس کو بھی گراموفون کی طرح ایک ایسا آلہ سمجھا گیا جو مجالس لہو و طرب میں استعمال کیا جاتا ہے اور کوئی ضرورت اُس پر موقوف نہ تھی کہ جواب سے پہلے مزید تحقیق و تفتیش کا انتظار کیا جاتا اس لئے عام حالات کے تابع اُس کو لہو و لعب میں استعمال ہونے والا ایک آلہ قرار دیکر عام وعظ تقریر میں بھی اُس کے استعمال کو منع کیا گیا اور مسجد میں اُس کے داخلہ کو ممنوع فرمایا۔

اس کے بعد دوسرا فتویٰ چند ماہ بعد ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ میں ایک صاحب سے طویل مراسلت و مکاتبت کے ضمن میں لکھا گیا اسی زمانہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ نے دارالعلوم دیوبند سے ایک سوال کے جواب میں اس کے استعمال فی الصلوٰۃ کو مفسد نماز قرار دیا اور حضرت قدس سرہ نے اسکی تصدیق فرمائی۔

یہ مفصل مکاتبت اور فتویٰ ’التحقیق الفرید فی استعمال آلۃ تقرب الصوت البعید‘ کے نام سے النور میں شائع ہوا جو اس کتاب کے ص ۵۸۲ پر درج ہے اس میں بھی اس آلہ کے مطلقاً استعمال کی ممانعت تھی اور نماز میں استعمال کو مفسد نماز قرار دیا گیا تھا۔

اس کے گیارہ سال بعد محرم ۱۳۵۷ھ میں پھر کسی صاحب نے ریڈیو وغیرہ آلات جدیدہ کے متعلق سوال کیا جبکہ اس کا استعمال عام ہو چکا تھا۔ اس سوال میں اس حقیقت کو واضح بھی کر دیا گیا تھا کہ ریڈیو نہ لہو و طرب کا کوئی آلہ ہے اور نہ مجالس اہو و لعب کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ اُس سے بہت مفید کام بھی لئے جاتے ہیں وہ ہر ملک میں حکومت کے زیر انتظام ہوتا ہے۔ اس میں حضرتؒ نے ریڈیو کے حکم کے ساتھ آلہ مکبر الصوت کا حکم بھی تحریر فرمادیا، یہ فتویٰ بھی ایک مستقل رسالہ کی صورت میں بنام ”المقالات المفيدة في حكم استماع آلات الجديدة“ جس میں عام وعظ و تقریر وغیرہ میں اس آلہ کے استعمال کی اجازت دی گئی اور خطبہ واذان میں بدعت لکھا گیا اور نماز میں مفسد نماز۔

اسی زمانہ میں احقر نے حضرتؒ کے ایماء سے ایک مستقل رسالہ بنام آلہ مکبر الصوت کے شرعی احکام لکھا جس میں حضرت قدس سرہ کی ان تینوں تحریروں کو جمع کر دیا گیا تھا۔ میرا یہ رسالہ جب حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ڈابھیل ضلع سورت پہنچا تو موصوف نے ایک مفصل خط میں فساد نماز کے حکم سے اختلاف کا اظہار کچھ دلائل کے ساتھ فرمایا۔ احقر نے اس کا ذکر حضرت قدس سرہ سے کیا تو فرمایا کہ خط و کتابت میں بہت طول ہو جاتا ہے جب مولانا یہاں تشریف لاویں گے اُس وقت زبانی گفتگو سے مسئلہ کو طے کر لیا جائے گا۔ اتفاق سے اس کے بعد کوئی ایسا موقع نہ ملا کہ حضرت کی خدمت میں مولانا موصوف کی معیت میں اس مسئلہ پر گفتگو ہوتی۔ یہاں تک کہ رجب ۱۳۶۲ھ میں حضرت قدس سرہ کی وفات کا سانحہ پیش آ گیا۔ پھر مولانا موصوف اور یہ احقر تحریک پاکستان کی مساعی میں مصروف ہو گئے اور بالآخر رمضان ۱۳۶۷ھ میں مولانا موصوف پاکستان میں منتقل ہو گئے۔ پھر آٹھ ماہ کے بعد جمادی الثانیہ ۱۳۶۸ھ میں احقر بھی ہجرت کر کے پاکستان آ گیا۔ اس وقت آلہ مکبر الصوت کا استعمال عام مساجد میں اور نمازوں میں عام ہو چکا تھا اس کے متعلق سوالات کی کثرت ہوئی احقر حضرت قدس سرہ کے فتویٰ کے مطابق اس کو مفسد نماز لکھتا رہا۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ احقر کے استاذ مری تھے مگر غایت تواضع سے فتویٰ کا کام احقر کے سپرد فرماتے تھے اس مسئلہ میں اگرچہ اُن کو اختلاف تھا مگر اختلاف کا اظہار نہ فرماتے تھے کیونکہ احتیاط کا تقاضہ بہر حال اسی میں تھا کہ نماز میں اس کو استعمال نہ کیا جائے۔

یہاں تک کہ حرمین شریفین میں اس آلہ کا استعمال سب نمازوں میں ہونے لگا اور اطراف عالم سے سوالات کا تانتا بندھا اور اب سوال صرف یہ نہ رہا کہ لوگوں کو احتیاطاً اس سے منع کیا جائے؛ بلکہ لاکھوں مسلمانوں کی نماز کی صحت و فساد کا مسئلہ بن گیا خصوصاً وہ نماز جو بڑی مشکل سے کسی خوش نصیب کو حرمین میں نصیب ہوتی ہے۔

اس وقت مولانا موصوف نے مجھ سے فرمایا کہ اگرچہ میرے نزدیک فساد نماز کا حکم پہلے بھی صحیح نہیں تھا جس کی اطلاع میں اسی وقت دے چکا تھا۔ لیکن یہ سمجھ کر اختلاف کا اظہار نہ کرتا تھا کہ بہر حال نماز میں اس آلہ کا استعمال کسی درجہ میں بھی ضروری تو ہے نہیں اور احتیاط اجتناب ہی میں ہے تو سکوت بہتر سمجھا مگر اس ابتلاء عام کے بعد مسئلہ کا رخ بدل گیا اب یہ کروڑوں مسلمانوں کی نماز کی صحت و فساد کا مسئلہ بن گیا اس لئے اب میں احتیاط اس میں نہیں سمجھتا کہ مفسد نماز نہ سمجھتے ہوئے محض احتیاطی طور پر اسکو مفسد نماز کہنے سے اتفاق کروں۔

اس لئے اب ضروری ہو گیا کہ اس مسئلہ پر از سر نو نظر کی جائے۔ فساد نماز کا حکم دو چیزوں پر مبنی تھا۔ اول یہ کہ اس آلہ کی آواز بعینہ امام کی آواز نہیں بلکہ اس کی نقل و حکایت ہے دوسرے یہ کہ بحالت نماز کسی ایسے شخص کا اتباع جو شریک نماز نہ ہو مفسد نماز ہے۔ مولانا موصوف کو ان دونوں جزوؤں میں اشتباہ اور اختلاف تھا۔ پہلا مسئلہ تو سائنس کا مسئلہ تھا جس کو اس کے ماہرین ہی کی رائے سے حاصل کرنا تھا۔

دوسرا مسئلہ خالص فقہی تھا؛ چنانچہ یہ کیا گیا کہ پہلے مسئلہ کے متعلق پاکستان کے محکمہ ریڈیو اور صوتیات کے ماہرین کے پاس سوالات بھیجے گئے اور دوسرے مسئلہ میں کئی روز تک باہم بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری رہا۔ اس بحث و تمحیص کے دوران میں مجھے یہ تو انداز ہو گیا کہ فقہی طور پر اس معاملہ میں فساد صلوٰۃ حکم اتنا واضح اور جلی نہیں ہے کہ اس میں دوسروں کی رایوں کو نظر انداز کیا جائے۔ مگر ابھی تک شرح صدر کسی جانب نہ ہوا اور بہت سے وقتی مسائل نے اس بحث کو پھر التواء میں ڈال دیا۔ میں نے اس دوران میں اپنے فتویٰ فساد نماز کا حکم لکھنے کے بجائے یہ لکھنا شروع کر دیا کہ نماز میں اس سے اجتناب کیا جائے۔ اور افسوس کہ اسی دوران میں اچانک یہ آخری یادگار سلف بھی صفر ۱۳۶۹ھ ہم سے رخصت ہو گئی۔

اس حادثہ نے رہی سہی ہمت بھی توڑ دی اور پھر یہ مسئلہ التواء ہی میں پڑا رہا، مگر فقہی اصول اور جزئیات

جو اس وقت زیر بحث آئی اور ان سے مسئلہ میں گنجائش کے پہلو نظر آئے اُن کے پیش نظر اس ابتلاء عام کے زمانہ میں فساد نماز کا حکم کر کے لاکھوں مسلمانوں کی نماز کو فاسد کہہ دینا کوئی احتیاط کا پہلو نہ رہا۔ مگر ہنوز جواز صلوٰۃ کا حکم بھی اپنی تنہا رائے سے لکھنے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ جن محکموں میں اس آلہ کی آواز کے متعلق سوالات بھیجے تھے وہاں سے متفقہ طور پر یہ جواب ملا کہ اس آلہ کی آواز بعینہ متکلم (امام) کی آواز ہوتی ہے، اس تحقیق نے فساد نماز کے حکم کی بنیاد ہی منہدم کر دی تو اس وقت احقر نے شعبان ۱۳۷۲ھ میں بنام خدا تعالیٰ اس موضوع پر ایک جدید رسالہ مرتب کیا جس میں یہ لکھا گیا کہ نماز میں اس آلہ کے استعمال پر بہت مفاسد پیش آتے ہیں ان عوارض اور مفاسد کے پیش نظر نماز میں اس سے اجتناب ہی کیا جانا چاہیئے لیکن اگر کسی وجہ سے نماز میں استعمال کر لیا گیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اس غور و فکر کے زمانہ میں یہ بھی سوچتا رہا کہ اگر آج حضرت حکیم الامت قدس سرہ دنیا میں تشریف فرما ہوتے اور اس ابتلاء عام کا مشاہدہ کرتے ہوئے یہ فقہی توسع بھی سامنے آتا جواب بحث و تمحیص کے بعد آیا ہے خصوصاً جبکہ ماہرین آواز نے بھی اس کو بعینہ آواز متکلم قرار دیدیا تو کیا وہ اپنے سابق فتویٰ پر جبرے رہتے یا اپنی اُس خدا داد حق پرستی اور عوام کے لئے سہولت کوشی کے پیش نظر جو عمر بھر آپ کے فتاویٰ میں ترجیح الراجح کے عنوان سے مشاہدہ ہوتی رہی ہے آپ اپنے فتویٰ کو بدلتے۔ مجھے اپنے ناقص غور و فکر اور حضرت قدس سرہ کے ذوق کا جس قدر حصہ حاصل تھا اُس نے یہی جواب دیا کہ ان حالات میں ضرور حضرت قدس سرہ فساد نماز کے فتویٰ سے رجوع فرما لیتے۔ مگر اس وقت بھی تنہا اپنی رائے پر بھروسہ نہیں کیا رسالہ کا مسودہ قبل از اشاعت دارالعلوم دیوبند۔ مظاہر علوم سہارنپور۔ خیر المدارس ملتان۔ جامعہ اشرفیہ لاہور۔ ٹنڈو الہیا سندھ وغیرہ کے مرکزی مدارس میں بھیج کر وہاں کے علماء سے رجوع کیا۔ مصر میں اُس وقت علامہ زہد کوثری بحیات تھے جو اپنے وقت میں فقہ حنفی کے امام سمجھے جاتے تھے اُن کی خدمت میں سوالات بھیجے موصوف نے پورے جزم کیساتھ جواز صلوٰۃ کا فیصلہ کیا۔ دارالعلوم دیوبند کے سب اکابر نے جن میں سب سے پہلے فساد نماز کا فتویٰ لکھنے والے حضرت مولانا مدنی قدس سرہ بھی شامل تھے اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع کر کے احقر کی تحریر سے پورا پورا اتفاق فرمایا۔

مظاہر علوم سہارنپور کے علماء نے بعض اجزاء سے اختلاف کے باوجود فساد نماز کے حکم سے رجوع فرمایا

اسی طرح دوسرے دینی مراکز سے بھی اسی طرح کے جوابات موصول ہوئے تب احقر نے اس رسالہ کو شائع کیا، رسالہ کی اشاعت کے بعد چند علماء کی طرف سے اس کے خلاف کچھ تحریریں موصول ہوئیں اُن کو دیکھ کر مسئلہ پر پھر از سر نو نظر کی اور مزید فقہی تحقیق کے ساتھ محرم ۱۳۸۲ھ میں یہ رسالہ پھر شائع ہوا۔ جس میں مسئلہ کی پوری تاریخ بھی ہے اور اپنے علم و بصیرت کی حد تک تحقیق بھی جن حضرات کو تحقیق مطلوب ہو اُس رسالہ کو دیکھ لیں۔۔۔ اس رسالہ کے آخر میں ایک بات لکھی ہے اُس کا یہاں بھی اعادہ کرتا ہوں کہ یہ جو کچھ لکھا گیا اپنی نا تمام معلومات اور ناقص رائے سے لکھا گیا ہے اگر دوسرے اکابر تصدیق نہ فرماتے تو اشاعت کی ہمت بھی نہ ہوتی مگر یہ بندہ عاجز بقدر طاقت اپنی کوشش خرچ کر کے تھک چکا جن حضرات کو اس سے اطمینان نہ ہو وہ دوسرے علماء سے رجوع فرمائیں واللہ المستعان وعلیہ التکلیل۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

کراچی نمبر ۱۵/۵/۱۳۸۲ھ





۲۰ / باب الجنائز

میت کے لئے ڈھیلہ اور سرمہ کا استعمال مشروع نہ ہوگا

سوال (۶۷۱): قدیم ۱۳/۱- مردہ کو غسل کے وقت کلوخ لینا شرعاً مسنون ہے یا نہیں؟
(۲) مردہ کو سرمہ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدر المختار: ويمسح بطنه رقيقاً وما خرج منه يغسله. اه (۱)
اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کے موضع استنجاء پر اگر نجاست حقیقی لگی ہو اس کا دھونا مشروع ہے اور کلوخ کا مسنون ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ (۲)

فی رد المحتار: التزین بعد موتها وإلا متشاط وقطع الشعر لا يجوز نهـ (۳)

(۱) الدر المختار علی الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۸۸/۳، کراچی ۱۹۷/۲۔

(۲) ثم أجلس مسنداً ومسح بطنه رقيقاً وما خرج منه غلسله تنظيفاً له. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳۰۲/۲، کوئٹہ ۱۷۲/۲)

ثم إذا مسح بطنه فإن سال منه شيء يمسحه كيلا يتلوث الكفن ويغسل ذلك الموضع تطهيراً له عن النجاسة الحقيقية. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، صلاة الجنائز، فصل في بيان كيفية الغسل، مكتبة زكريا ديوبند ۲۷/۲)

أخرج عبد الرزاق عن ابن سيرين مثله، قال هشام، وقال الحسن: يغسل ثلاثاً، فإن خرج شيء غسل ما خرج ولم يزد على الثلاث. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجنائز، باب عصر الميت دار الكتب العلمية بيروت ۲۵۲/۳، رقم: ۶۱۲۲)

(۳) سرمہ وغیرہ لگانا زینت کے لئے ہوتا ہے اور میت زینت سے فارغ ہو چکا ہے، اس لئے مشروع نہیں۔

شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۸۹/۳، کراچی ۱۹۸/۲۔

اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کو سرمہ لگانا بھی جو کہ زینت ہے ناجائز ہے۔ (۱) واللہ اعلم

۱۳/ رمضان ۱۳۲۱ھ (امداد اول ص ۱۴۵)

مرد کا عورت کو کفن پہنانے کا عدم جواز

سوال (۶۷۲): قدیم ۱۲/۱- عورت کو کفن مرد پہنائے گا یا عورت؟

الجواب: یہ مسئلہ بہت ظاہر ہے جب مرد کیلئے (*) عورت کو دیکھنا اور مس کرنا ناجائز نہیں (۲) تو لا محالہ کفن عورت ہی پہناوے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶/ جمادی الثانی ۱۳۲۲ھ (امداد اول ص ۱۴۵)

(*) ”مرد“ سے مراد یہاں شوہر نہیں ہے؛ بلکہ اجنبی مرد مراد ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) ولا یقص ظفره أي المیت ولا شعره، ولا یسرح شعره أي شعر رأسه ولحیته؛ لأنه للزینة وقد استغنی عنه وتحتہ فی الطحطاوی: قوله ولا یسرح شعره ظاہر القنیة، أنها تحریمة حیث قال: أما التزیین بعد موتها والامتناع وقطع الشعر فلا یجوز. (طحطاوی علی المراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز ص: ۵۵۱)

ولا یسرح شعره ولحیته ولا یقص ظفره وشعره؛ لأنها للزینة وقد استغنی عنها، والظاهر أن هذا الصنيع لا یجوز. (البحر الرائق، کتاب الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۰۴/۲، کوئٹہ ۱۷۳/۲)

ولا یؤخذ من شعر المیت ولا ظفره لأن ذلك فی الحي یفعل للزینة والمیت قد فارق الزینة وأهلها. (حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۵۷۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) کفن پہنانے کی ممانعت سے متعلق اگرچہ صریح جزئیہ دستیاب نہیں ہو سکا، مگر ذیل کے جزئیات سے ممانعت کا حکم واضح ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

ویغسل الرجال الرجال، والنساء النساء، ولا یغسل أحدهما الآخر. (الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون، فی الجنائز، الفصل الثانی فی الغسل، مکتبہ زکریا دیوبند

قبر میں مردہ کو دائیں پہلو پر لٹانے کی مسنونیت

سوال (۶۷۳): قدیم ۱۲/۱- مردہ کو قبر میں لٹانا داہنی کروٹ پر مسنون ہے قبلہ رخ یا چپٹ لٹا کر فقط چہرہ کعبہ کی طرف کر دینا۔ یہاں کے بعض علماء اول کو مسنون کہتے ہیں اس میں کیا تحقیق ہے؟ اور ہدایہ اولین میں ”یوجہ إلیہا“ کے کیا معنی ہیں؟

← وفي التبايع: السنة أن يغسل الرجال الرجال، والنساء النساء، والولو الحية: ولا يغسل الرجال النساء، ولا النساء الرجال إلا متعنتة الوفاة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، القسم الأول في نفس الغسل، مكتبة زكريا ديوبند ۱۳/۳، رقم: ۳۶۰۴)

لا يحل للرجال غسل النساء، ولا للنساء غسل الرجال الأجانب بعد الوفاة. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، إدارة القرآن ۴/۵، رقم: ۲۳۷۶)

وما حل نظره حل لمسّه إلا من أجنبية فلا يحل مس وجهها وكفها وإن أمن الشهوة؛ لأنه أغلظ. (الدر المختار على الشامى، كتاب الحظر والإباحة، مكتبة زكريا ديوبند ۵۲۸/۹، كراچی ۶/۳۶۷)

يجوز أن يمس ما حل له النظر إليه من محارمه ومن الرجل لا من الأجنبية. (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في النظر واللمس، كوئٹہ ۱۹۴/۸، مكتبة زكريا ديوبند ۳۵۶/۸)

ولا يحل أن يمس وجهها ولا كفها، وإن كان يأمن الشهوة. (الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر إليه الخ، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۳۲۹/۵، جديد ۳۸۱/۵)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل التاسع فيما يحل للرجل النظر إليه وما لا يحل، مكتبة زكريا ديوبند ۱۸/۹۵، رقم: ۲۸۱-۶

لأن حل المس من غير شهوة ثابت للجنس حالة الحياة، فكذا بعد الموت. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من يغسل، مكتبة زكريا ديوبند ۳۳/۲)

الجواب: في الدر المختار: ويوجه إليها (إلى قوله) وينبغي كونه على شقه الأيمن. وفي رد المحتار: عن الحلبة بخلاف ماذا كان بعد إقامة اللبن قبل اهالة التراب فإنه يزال ويوجه إلى القبلة عن يمينه. اه (۱)

یہ روایات صریح ہیں اس میں کہ مردہ قبر میں دہنے کروٹ پر قبلہ رخ لٹایا جائے (۲) پس ہدایہ میں ”یوجه إليها“ بھی اسی پر محمول ہوگا۔ (۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱/ رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد اول ص ۱۳۵)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۱، کراچی ۲/۲۳۵ - ۲۳۶۔

(۲) ويوضع في القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة، كذا في الخلاصة. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، مكتبة زكريا جديد ۱/۲۲۷، قديم ۱/۱۶۶) ويوضع في القبر على شقه الأيمن متوجهاً إلى القبلة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۶۶، رقم: ۳۷۲۹)

ويوجه في قبره إلى القبلة بذلك أمر عليه الصلاة والسلام علياً، وينبغي أن يكون على شقه الأيمن غير منكب على وجهه ولا مستلقي على ظهره. (نهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۰۲)

ويوجه إلى القبلة وجوباً كما في الدر، أو استئناً كما في ابن أمير حاج عن الإمام وبذلك أمر النبي صلى الله عليه وسلم علياً لما مات رجل من بني عبد المطلب فقال: يا علي استقبل به القبلة استقبلاً وقلوا جميعاً باسم الله وعلى ملة رسول الله وضعوه لجنبه ولا تكبوه على وجهه ولا تلقوه على ظهره. (طحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۶۰۹)

(۳) م: (ويوجه إلى القبلة) ش: أي يوجه الميت واضعه إلى جهة القبلة.

(بنایة، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الدفين، اشرفية ديوبند ۳/۲۵۴)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۶۷۴): قدیم ۱/۷۳- مردہ کو قبر میں چٹ لٹا کر منہ کعبہ کی طرف کر دیا جاوے داہنی کروٹ کر دیا جائے چونکہ میری طرف یہ رواج ہے کہ مردہ کو قبر میں چٹ لٹا کر صرف منہ کعبہ کی طرف کر دیا جاتا ہے تو اب یہ دونوں میں کون بہتر و جائز ہے؟

الجواب: مردہ کو داہنی کروٹ پر رو بقبلہ رکھنا چاہئے۔

في الدر المختار: ويوجه إليها وجوباً وينبغي كونه على شقه الأيمن. وفي رد المحتار: لكن صرح في التحفة بأنه سنة. اه (۱)

۱۲/ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تمتہ اول ص ۴۸)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۷۳، کراچی ۲/۲۳۵ - ۲۳۶۔

ويوضع في القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة، كذا في الخلاصة. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، مكتبة زكريا جديد ۱/۳۲۷، قدیم ۱/۱۶۶) ويوضع في القبر على شقه الأيمن متوجهاً إلى القبلة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۶۶، رقم: ۳۷۲۹) ويوجه في قبره إلى القبلة بذلك أمر عليه الصلاة والسلام علياً، وينبغي أن يكون على شقه الأيمن غير منكب على وجهه ولا مستلقي على ظهره. (نهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۷۳، ۴۰۲)

ويوجه إلى القبلة وجوباً كما في الدر، أو استثناءً كما في ابن أمير حاج عن الإمام ووجه إليها على يمينه وبذلك أمر النبي صلى الله عليه وسلم علياً لما مات رجل من بني عبد المطلب فقال: يا علي استقبل به القبلة استقبلاً وقلوا جميعاً باسم الله وعلى ملة رسول الله وضعوه لجنبه ولا تكبوه على وجهه ولا تلقوه على ظهره. (طحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۶۰۹) م: (ويوجه إلى القبلة) ش: أي يوجه الميت واضعه إلى جهة القبلة. (بناية، كتاب الصلاة،

باب الجنائز، فصل في الدفن، اشرفية ديوبند ۳/۲۵۴)

رافضی شیعہ کی نماز جنازہ کا حکم

سوال (۶۷۵): قدیم ۱/۱۳- یہاں پر ایک جماعت اہل تسنن نے مع اپنے امام کے ایک رافضی کے میت کی نماز پڑھی۔ آیا اس امام پر اور ان پڑھنے والوں پر کیا حکم لگایا جائے گا؟ بعض ان کو فاسق کہتے ہیں، اور مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی نے تحریر فرمایا ہے کہ کچھ حرج نہیں۔

الجواب: رافضی دوسم کے ہیں: ایک وہ جس کے عقائد کد کفر تک پہنچ گئے ہوں ایسے شخص کے جنازہ کی نماز اصلاً درست نہیں کیونکہ شرائط صلوٰۃ جنازہ سے اسلام میت کا ہے (۱)

(۱) قال الله تعالى: وَلَا تَصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ. [سورة التوبة: ۸۴]

والمراد من الصلاة المنهي عنها صلاة الميت المعروفة، وهي متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع له. (روح المعاني، سورة التوبة، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۲۲۴)

عن ابن عباس رضي الله عنهما عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أنه قال: لما مات عبد الله بن أبي بن سلول دعى له رسول الله صلى الله عليه وسلم ليصلي عليه، فلما قام رسول الله صلى الله عليه وسلم وثبت إليه، فقلت يا رسول الله!..... قال: فصلي عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم انصرف فلم يمكث إلا يسيراً حتى نزلت الآيتان من براءة. (ولا تصل على أحد منهم مات أبداً- إلى- وهم فاسقون) الحديث (بخاري شريف، كتاب الجنائز، باب ما يكره من الصلاة على المنافقين، النسخة الهندية ۱/۱۸۲، رقم: ۱۳۵۰، ف: ۱۳۶۰)

وشرطها ستة: إسلام الميت وطهارته. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۰۳، كراچی ۲/۲۰۷)

وشرائطها ستة: أولها إسلام الميت لأنها شفاعة وليست لكافر. (مراقي الفلاح على الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل الصلاة عليه، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۸۱)

والصلاة عليه فرض كفاية بالإجماع. (در مختار على الشامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۰۲، كراچی ۲/۲۰۷)

اور دوسرا وہ جس کے عقائد صرف حد بدعت تک ہوں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کے جنازے کی نماز کسی نے نہ پڑھی ہو تب تو پڑھ لینا چاہئے کیونکہ جنازہ مسلم کی نماز فرض علی الکفایہ ہے (۱) اور اگر کسی نے پڑھ لی ہو مثلاً اس کے ہم مذہب لوگ موجود ہیں اور وہ پڑھ لیں گے تو اس صورت میں اہل سنت ہرگز نہ پڑھیں۔

کما روی أحمد وأبو داؤد (۲) عن ابن عمر رضي الله عنه، قال رسول الله ﷺ القدرية مجوس هذه الامة ان مرضوا فلا تعودوهم وإن ماتوا فلا تشهدوهم كذا في المشكوة. فقط والله تعالى اعلم وعلمه اتم

۲۱/ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد اول ص ۱۳۵)

بلا غسل وکفن دفن کردہ میت کا حکم

سوال (۶۷۶): قدیم ۱۳/۷۱ - مردہ کو غسل وکفن دیکر دفن کرنا لازم و فرض مگر کوئی وجہ یا موقع ایسا ہو کہ بے غسل وکفن ویسے ہی دبا دیا یا دفن کر دیا بعد اس کے علم ہونے کے اس کی نماز و غسل وکفن کا کیا تدارک ہوگا آیا اس کو نکال کر غسل وکفن دیکر نماز پڑھی جائے اور دفن کریں۔ یا نہ نکالا جاوے اور نماز پڑھیں؟

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: والصلاة واجبة على كل مسلم برا كان أو فاجرا، وإن عمل الكبائر. (أبو داؤد شریف، کتاب السجادة، باب في الغزو مع أئمة الجور، النسخة الهندية ۱/ ۳۴۳، مكتبة دار السلام رقم: ۲۵۳۳) م (فريضة) ش:

م: (صلوا عليه لأنها) ش: أي لأن الصلاة على الميت أراذبه فرض الكفاية وهذا مجمع عليه. (البنية شرح الهداية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في التكتفين، مكتبة اشرفية ۳/ ۲۰۵) (۲) أبو داؤد شریف، كتاب السنة، باب في القدر، النسخة الهندية ۲/ ۶۴۴، مكتبة دار السلام رياض رقم: ۴۶۹۱ -

مشكوة شريف، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر ۱/ ۲۲، رقم: ۹۹ -

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في رد المحتار: أما لو دفن بلا غسل ولم يهل عليه التراب فإنه يخرج

ويغسل ويصلى عليه جوهرة. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بے غسل و کفن اگر دفن ہو گیا تو نکالا نہ جائے ویسے ہی قبر پر نماز پڑھ لے۔ (۲) فقط واللہ اعلم

۹ صفر ۱۴۳۲ھ (امداد ص ۱۴۶ ج ۱)

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۰۳، کراچی ۲۰۷/۲۔

(۲) ولا يخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق آدمي. وفي الشامية: احتراز عن حق الله تعالى كما إذا دفن بلا غسل أو صلاة أو وضع على غير يمينه أو إلى غير القبلة، فإنه لا ينبش عليه بعد إهالة التراب. (در مختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۱۴۵، کراچی ۲۰۷/۲)

وإن كانوا دفنوه ثم تذكروا أنهم لم يغسلوه، فإن لم يهيلوا التراب عليه يخرج ويغسل ويصلى عليه، وإن أهالوا التراب عليه لم يخرج. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني الثلاثون الجنائز، مكتبة إدارة القرآن المجلس العلمي ۳/۹۸)

فتاویٰ تاتارخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۸۰، رقم: ۳۷۶۱۔
فلو دفن بلا غسل ولم يمكن إخراجہ إلا بالنبش سقط الغسل، وصلى على قبره بلا غسل للضرورة بخلاف ما إذا لم يهل عليه التراب بعد، فإنه يخرج ويغسل. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل الصلاة عليه، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۸۱)
البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۳۱۴، مكتبة رشيدية كوثه ۲/۱۷۹۔

وشرطها إسلام الميت وطهارته مادام الغسل ممكناً، وإن لم يمكن بأن دفن قبل الغسل ولم يمكن إخراجہ إلا بالنبش، تجوز الصلاة على قبره للضرورة. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس، مكتبة زكريا ديوبند جديد ۱/۲۲۴، قديم ۱/۱۶۲-۱۶۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عورت کو رنگین کپڑے میں کفن دینے کا حکم

سوال (۶۷۷): قدیم ۱/۱۴- بعض حدیث اور فقہی روایتوں سے میت عورت کو رنگین کپڑے کا کفن دینے کا جواز معلوم ہوتا ہے لیکن اولیٰ اور بہتر ان ہی روایات سے سفید ہے اصح کون سمجھا جاوے گا؟ اور اگر رنگین ہی دیوے تو سارا کفن رنگین ہو یا کفن میں سے چند کپڑے رنگین اور چند سفید ہوں اس کی بابت تشفی کافی ہو؟

الجواب: في الدر المختار: ولا بأس في الكفن ببرود وكتان وفي النساء بحريز ومزعفر ومعصر لجوازه بكل ما يجوز لبسه حال الحيوة واحبه البياض أو ما كان يصلح فيه. (۱)

(۱) الدر المختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱۰۰/۳، کراچی ۲/۲۰۵۔

ولا بأس بالبرود والكتان والقصب وفي حق النساء، بالحرير والأبريسم والمعصر والمزعفر. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين، مكتبة زكريا جديد ۱/۲۲۲، قديم ۱/۶۱۱)

روي عن محمد أن المرأة تكفن في الأبريسم، والحرير، والمعصر. وفي الوالجية: والمزعفر، وفي السغناقي: ولا بأس بالبرود والكتان والقصب، م: ويكره للرجال ذلك، وأحب الأكفان الشياب البيض وفي المنتقى: إبراهيم عن محمد يكفن الميت بما يجوز له لبسه في حال حياته. (فتاوى تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۳۰، رقم: ۳۶۵۶)

عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألبسوا من ثيابكم البياض، فإنها من خير ثيابكم وكفنوا فيها موتاكم. (ترمذي شريف، أبواب الجنائز، باب ما

جاء ما يستحب من الأكفان، النسخة الهندية ۱/۱۹۳، مكتبة دارالسلام، رقم: ۹۹۴) ←

اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ بہتر تو عورتوں کے لئے بھی سفید ہے لیکن رنگین بھی جائز ہے۔ خواہ گل کفن رنگین ہو یا بعض اور اصح کو تو جب پوچھا جاوے کہ روایات میں تعارض ہو اور جائز اور اولیٰ میں کوئی تعارض نہیں۔ فقط

۲۰ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ۔ (حوالہ بالا)

نماز جنازہ میں دیگر جنازہ کے انتظار میں تاخیر کرنا کیسا؟

سوال (۶۷۸): قدیم ۱/۱۳۷۔ ایک ہی وقت دو میتوں کی تیاری ہوئی اور قبر بھی دونوں کی تیار ہے پر صفائی کے قریب ہے۔ لیکن ایک میت آگئی اور دوسری میت کی پختہ تیاری کی خبر پر انتظار کیا۔ اور پھر دونوں کو ایک ہی دفعہ جنازہ پڑھ کر دفن کیا تو کیسا ہوا۔ حالانکہ کئی جنازوں کا ایک دفعہ بوقت حاضری پڑھنا درست ہے۔ لیکن اس قدر توقف کی بابت تشریح ہو جاوے آیا یہ انتظار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدر المختار: وكره تأخير صلواته ودفنه ليصلي عليه جمع عظيم. (۱)

← ولم يبين لون الأكفان لجواز كل لون لكن أحبها البياض، ولم يبين جنسها لجواز الكل لا ما لا يجوز لبسه حال الحياة كالحرير للرجال. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، مكتبة زكريا دیوبند ۲/۳۰۸، مكتبة رشيدية كوئٹہ ۲/۱۷۶)

ويجوز تكفين الرجل في كل ما يجوز لبسه لو كان حياً. وكذا المرأة وأحبها البياض. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا دیوبند ۱/۳۸۶)

والمستحب فيه البياض ويجوز من القطن والكتان والبرود، وإن كان لها أعلام ما لم تكن تماثيل ويكره للرجال المزعفر، والمعصفر، والحرير ولا يكره للنساء اعتباراً بحال الحياة. (حلبی کیبری، کتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ص: ۵۸۱ - ۵۸۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا دیوبند

اس سے معلوم ہوا کہ محض دوسری میت کے انتظار میں ایک جنازہ کی نماز میں تاخیر کرنا بدرجہ اولیٰ مکروہ ہے۔ (*) فقط

۲۰/ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد اول ص ۱۳۷)

(*) یعنی درمختار کی مذکور روایت میں جس تاخیر کو مکروہ کہا گیا ہے، اس میں میت کا فائدہ تھا؛ کیونکہ جمع عظیم کا نماز جنازہ پڑھنا میت کے لئے فائدہ بخش ہے، تاہم تاخیر کو مکروہ کہا گیا اور صورت مسئلہ میں دوسری میت کے انتظار میں پہلی میت کا کوئی فائدہ نہیں ہے، یہاں تاخیر بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگی۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← عن علي بن أبي طالب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له: يا علي ثلاث لا تؤخرها: الصلاة إذا آنت، والجنازة إذا حضرت، والأيم إذا وجدت لها كفواً. (ترمذي شريف، باب ما جاء في تعجيل الجنازة، النسخة الهندية ۱/۲۰۶، مكتبة دار السلام رقم: ۱۰۷۵) قال الأحنف ابن قيس: ثلاث ليس فيهن انتظار الجنازة إذا وجدت من يحملها، والأيم إذا أصيبت لها كفواً والضيف إذا نزل له لم ينتظر به الكلفة. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في إكرام الضيف، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۷/۹۵، رقم: ۹۶۰۴)

عن عبد الله بن عمر قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في الصلاة على من مات من أهل القبلة، فصل في زيارة القبور، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۷/۱۶، رقم: ۹۲۹۴) مكشوة المصاييح، باب دفن الميت ۱/۱۴۹، رقم: ۱۶۲۰ -

قال ملا علي القاري تحته: أي لا تؤخروا دفنه من غير عذر، قال ابن الهمام: يسحب الإسراع بتجهيزه كله من حين يموت. (مرقاة المفاتيح، باب دفن الميت، مكتبة امدادية ملتان ۴/۸۱) وفي القنية: ولو جهز الميت صبيحة يوم الجمعة يكره تأخير الصلاة ودفنه ليصلي عليه الجمع العظيم. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۳۵، كوثه ۲/۱۹۱)

ولو مات يوم الجمعة يكره تأخيرہ ليصلي عليه بجمع عظیم بعدها. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۰۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احرام کے کپڑے اور آب زمزم میں مبلول کپڑے میں کفن دینا

سوال (*) (۶۷۹): قدیم ۱۴/۷۱- حایجے جا مہائے احرام خود را بدین نیت نگاہداشت کہ بعد مردنش ازاں کفن او سازند بعضے مردم تھانہاے پارچہ در آب زمزم تر کردہ ہمیں غرض نگاہ مے دارند آیا از روئے سنت سنہ یا آثار سلف صالحین برائے ایں امور سندے بہم میرسد یا نہ در صورت ثانیہ بدعت حسنہ یا سنیہ خواہد بود یا چہ؟

الجواب ():** جزئیہ مصرحاً از نظر مگذشتہ لیکن حکم فقہاء بکراہت استنجاء از ماء زمزم دلیلہ صریح است بروجوب احترام و در دیگر جا تصریح کردہ اند بوجوب صیانت اشیاء محترمہ از تعریض برائے صدید میت و نجاست او چنانچہ امر اول در کتاب الطہارت و کتاب الحج از در مختار و امر ثانی در کتاب الجنائز از رد المحتار مصرحاً مذکور است و از مجموعہ مستقادمی شود کراہت ایں فعل البتہ اگر چیزے باشد کہ صیانتش واجب نباشد و بوجہ من الوجوہ ازاں رجائے برکت باشد لا باس بہ است۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ۔ (امداد اول ص ۱۴۷)

(*) ترجمہ سوال: ایک حاجی اپنے احرام کے کپڑے اس نیت سے محفوظ رکھتا ہے کہ مرنے کے بعد اسے اسی میں کفن دیا جائے، بعض لوگ کپڑے کا تھان زم زم میں بھگو کر اپنی مرضی سے محفوظ رکھتے ہیں، کیا سنت یا آثار سلف میں ان باتوں کی کوئی سند و دلیل ملتی ہے یا نہیں؟ بصورت ثانی یہ بدعت حسنہ ہوگا یا سنیہ؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

() ترجمہ جواب:** صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا ہے؛ لیکن فقہاء آب زمزم سے استنجاء کرنے کو مکروہ کہتے ہیں جو صریح دلیل ہے کہ اسی پانی کا احترام واجب ہے، دوسری جگہ فقہاء نے یہ مسئلہ بھی صراحۃً لکھا ہے اشیاء محترمہ کی حفاظت میت کی پیپ اور نجاست سے واجب ہے، امر اول کی تصریح در مختار کتاب الطہارۃ اور کتاب الحج میں ہے اور مردوم شامی، کتاب الجنائز میں ہے، ان تمام جزئیات کے مجموعے سے اس فعل کی کراہت مستقادمی ہوتی ہے؛ البتہ اگر کوئی ایسی چیز ہو، کی صیانت واجب نہ ہو اور اس میں کس طرح کی برکت کی امید بھی ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

خلاصہ سوال: از کفن مبلول بماء زمزم۔ (۱)

خلاصہ جواب: عدم جواز۔ (*)

تسامح: از قدیم در تمام حجاج عرب و عجم ایں عمل جاری ست بلائیکہ کافہ انا م ایں کاری کنند حتی الامکان فعل اوشاں بر محل صحیح آوردن بہتر ست بخیاں حقیر از دلائل قیاسیہ مجیب علیہ الرحمۃ و قدس سرہ ایں جزئی تفسیر روح البیان اولی است۔ (۲)

سوال: آب زمزم میں بھیگائے ہوئے کپڑے سے کفن دینا۔

خلاصہ جواب: ناجائز۔

تسامح: زمانہ قدیم سے عرب و عجم کے تمام حجاج میں بلائیکہ یہ عمل جاری ہے؛ لہذا حتی الامکان ان کے فعل کو صحیح محمل پر محمول کرنا بہتر ہے، احتقر کے خیال میں مجیب کے دلائل قیاسیہ سے روح البیان کا مندرجہ ذیل جزئیہ اولی ہے۔

ولذا قال في الأسرار المحمدية..... الخ

اور ماء زمزم سے غسل کرنے کا جواز تمام کتب فقہ میں مصرح ہے اور غسل کے بعد جیسے بدن سے پانی خشک ہو جاتا ہے ایسے ہی ترک کردہ کفن کا پانی بھی خشک ہو جاتا ہے، عین باقی نہیں رہتی، رہا تبرک تو وہ ایک امر معنوی ہے۔
فانہم فائدہ دقیق۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

در تفسیر سورہ توبہ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(*) اس جواب پر بھی بعض علماء نے کلام کیا ہے، جو ملخصات تتمہ اولی امداد الفتاویٰ میں درج ہے (اور یہاں متصل بعد میں درج ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری) اور کلام صحیح ہے یعنی کفن کو آب زمزم میں تر کرنے میں کوئی خرابی نہیں۔ مزید تفصیل اصلا حات ملخصات میں دیکھو۔ ۱۲ (صحیح الاغلاط ص: ۲۱)

(۱) فلا ينبغي أن يغتسل به (بماء زمزم) جنب ولا محدث ولا في مكان نجس ولا

يستنجي به، ولا يزال به نجاسة حقيقية. (حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، مكتبة

دارالكتاب ص: ۲۲)

ويكره الإستنجاء بماء زم زم، وكذا إزالة النجاسة الحقيقية من ثوبه أو بدنه.

(الدر المختار مع الشامی، كتاب الحج، باب الهدی، مطلب في كراهة الاستنجاء بماء زم

زم، مكتبة دیوبند ۵۲/۴، کراچی ۶۲۵/۲)

(۲) وقد أفتى ابن الصلاح بأنه لا يجوز أن يكتب على الكفن يس والكهف وغيرهما ←
ولذا قال في الاسرار المحمدية: لو وضع شعر رسول الله ﷺ أو عصاه
أو سوطه على قبر عاص لنجا ذلك العاصي ببركات تلك الذخيرة من العذاب ومن
هذا القبيل ماء زمزم والكفن المبلول به وبطانة استار الكعبة والتكفن بها. انتهى ۱۲
تفسير روح البیان ص ۵۵۹ مطبوع مصر وجواز غسل انسان به ماء زمزم در تمام کتب فقہ مصرح
است..... وآب زمزم از کفن مبلول مانند از بدن انسان خشک خواهد شد ذات او غیر موجود است و تبرک امر
معنوی است فانهم فإنه دقیق۔ (تمتہ اول ص ۲۳۲)

شوہر کا اپنی بیوی کو غسل دینا

سوال (۶۸۰): قدیم ۱/۱۶۷ - ابن ماجہ، ودارقطنی، ودارمی، و مسند احمد وغیرہا میں یہ
حدیث موجود ہے۔

عن عائشة قالت: رجع النبي ﷺ ذات يوم من جنازة من البقيع فوجدني وأنا أجد
صداعا دانا أقول وارا ساه قال: بل أنا يا عائشة! وارا ساه قال: وما ضرک ان مت قبلي
فغسلتک وکفنتک و صلیت علیک. الحديث

اس سے صراحۃً ثابت ہے کہ زوج زوجہ کو بعد ممات غسل دے سکتا ہے و نیز ثابت ہے کہ
حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو بعد وفات غسل دیا تھا مگر حنفیہ بغیر کسی حدیث کے عدم جواز کے قائل ہیں
محض رائے سے کہتے ہیں کہ بعد وفات زوجہ کے نکاح فسخ ہو جاتا ہے پس حنفیہ کا کلام باطل ہے بچند وجوہ
.....

← خوفًا من صديد الميت. (شامي، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة، مكتبة زكريا ديوبند
۱۵۷/۳، کراچی ۲/۲۴۶)

تصحیح الاغلاط کے حوالہ آب زم زم میں مبلول کپڑے میں کفن کا جواز حاشیہ میں لکھا ہے کہ کوئی
خرابی نہیں اور تسامح کے ذیل میں تفسیر روح البیان کے حوالہ سے تبرکاً بہتر لکھا ہے، حاصل یہ ہے کہ جائز
اور درست ہے کوئی مضائقہ نہیں۔

اول: زوجیت زوجین تقابل تضايف ہے زوجیت حقیقیہ اگر بعد وفات زائل ہوگئی تو طرفین سے اور زوجیت حکمیہ اگر باقی رہے گی تو طرفین سے زوجہ کی جانب سے ثبوت اور زوج کی جانب سے انقضاء ممکن نہیں۔

دوم: چونکہ حق ارث طرفین سے جاری اس وجہ سے زوجیہ حکمیہ طرفین سے باقی ہے۔

سوم: جس طرح بعد ممات زوجہ کا اطلاق قرآن میں آیا ہے زوج کا اطلاق بھی موجود ہے پس زوجہ یا زوج کو مثل اجنبیہ یا اجنبی کہنا صحیح نہیں۔

چہارم: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حدیث ضعیفہ رائے سے بڑھ کر ہے کیا وجہ محض رائے سے حدیث ترک کی جاتی ہے باقی جو حنفیہ حدیث وقصہ فاطمہؓ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مراد تہیہ غسل یا امر بالغسل ہے و نیز قرابت رسول بعد وفات باقی ہے۔

كما جاء في الحديث كل نسب وسبب منقطع يوم القيامة الاسبي ونسبي
أخرجه الطبرانی والبيهقي والحاكم.

اولاً: بغیر قرینہ صارفہ معنی حقیقی ترک کرنا درست نہیں۔

ثانیاً: قرابت عامہ مومنین بعد وفات باقی رہتی ہے۔

قال الله تعالى: هم وازواجهم في ظلال على الارائك متكئون وقال تعالى لهم فيها ازواج مطهرة.

ثالثاً: اگر قرابت رسول باقی رہتی ہے تو چاہئے سید اپنی زوجہ سیدہ کو بعد ممات غسل دے سکے کیا حنفیہ اس کے قائل ہیں؟

رابعاً: جواز عقد ازواج کے سبب رسول پاک ہیں پس سہمی میں عامہ مومنین داخل ہو گئے ان اعتراضات کا جواب مدلل تحریر فرمائیے کہ وقت ارث کب ہے۔

قال في الأشباه: اختلفوا في وقت الإرث، فقال مشايخ العراق: في اخر جزء من أجزاء حياة المورث، وقال مشايخ بلخ: عند الموت وفائدة الاختلاف في ما لو قال الوارث: لجارية مورثة إذا مات مولاك فأنت حرة فعلى الأول تعتق لاعلى الثاني.

اور سبب ارث زوجیت ہے یا موت زوجین اگر یوں کہا جاوے زوجیت حقیقیہ و حکمیہ میں قبلیت و بعدیت ذاتیہ ہے تعلق ارث کا بعد زوال زوجیت حقیقیہ کے قبل عروض زوجیت حکمیہ کے ہو جاتا ہے تو صحیح ہے یا نہیں؟

اور زوج کی جانب سے اگر زوجیت حقیقیہ بعد وفات تا زمان عدت باقی ہو اور رجوع کی جانب سے زائل؛ بلکہ زوجیت حکمیہ عارض تو اس میں کیا حرج ہے؟ تغایف کیلئے مطلق زوجیت کا تعقل کافی ہے قرآن شریف میں ازواج و زوج کا اطلاق بیوہ پر بہت ہے۔ مگر شوہر پر بعد وفات زوجہ کے کہیں زوج کا اطلاق نہیں معلوم ہوتا اس سے پتہ چلتا ہے کہ زوج کی جانب سے تابقائے عدت زوجیت حقیقیہ باقی رہتی ہے؟

الجواب: تحقیق المقام أنه لا خلاف في جواز غسل المرأة زوجها كما نقله غير واحد من العلماء وإنما الخلاف في جواز غسل الزوج امرأته، فقال أبو حنيفة: وموافقوه لا، وقال: آخرون نعم! واحتج المجوزون بوجوه. الأول بقوله ﷺ لعائشة رضي الله عنها ما ضررك ان مت قبلي فغسلتك الخ وجوابه أن البخاري روى هذه القصة: ولم يذكر هذه الزيادة بل تفردها ابن إسحاق وعنعن في الرواية وهو غير صحيح فيهما تفرده لا سيما إذا عنعن فسقط الاحتجاج؛ بهذا الحديث ولو سلم.

الجواب: اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ عورت کے اپنے شوہر کو غسل دینے کے جواز کے سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ کئی ایک علماء نے اسے نقل کیا ہے، اختلاف تو شوہر کے اپنی بیوی کو غسل دینے کے جواز کے سلسلہ میں ہے؛ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے موافقین فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے؛ جبکہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ جائز ہے۔ قائلین جواز کا استدلال چند طریقوں سے ہے:

آپ علیہ السلام کے اس ارشاد کے ذریعہ سے ہے، جو آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا:

ما ضررت إن مت قبلي فغسلتك.

تمہارا کیا نقصان ہوگا اگر تمہارا مجھ سے پہلے انتقال ہو جائے اور میں تمہیں غسل دوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس قصہ کو نقل فرمایا ہے اور اس میں یہ زیادتی ذکر نہیں کی ہے؛ بلکہ ابن اسحاق اسی کے نقل میں متفرد ہیں اور انہوں نے بطریق عنعنہ روایت کیا ہے، اور ابن اسحاق کا تفریح صحیح نہیں ہوتا ہے، خاص طور سے جب کہ وہ بطریق عنعنہ روایت کریں؛ لہذا اسی حدیث سے استدلال باطل ہو گیا اور اگر اس روایت کو تسلیم کر لیا جائے۔

فقولہ: غسلتک یحتمل التولی بالغسل کما یحتمل المباشرة، ومعلوم من عادته صلی اللہ علیہ وسلم أنه كان لا یبشر الغسل فیحمل علی التولی إلا المباشرة. والثانی: بغسل علی فاطمة رضی اللہ عنہا وجوابہ من وجوه.

أما الأول: فبأنه اختلفت الروایات فی غسل فاطمة ففي رواية أنها اعتسلت فی حیوتها واوصت أن لا یکشفی أحد بعد موتی لأنی تطهرت کما فی الزیلعی وغیره وفي الروایة: أنه غسلته الملكة کما فی تذکرة خواص الأمة لسبط ابن الجوزی وفي رواية أنها اغتسلتها أم أيمن کما فی الشامی وفي رواية منها غسلها علی وأسماء. أما الروایتان: الأولیان: فظنی أنها مکذوبتان اخترعهما الروافض خذلهم اللہ تفضیلاً لفاطمة بفضائل غیر واقعية کما هو دابهم خذلهم اللہ وأما الروایتان الأخریان فالأولی (*) منهما أقوى من حیث الروایة.

(*) کذا فی الأصل: وظنی أنه وقع القلب هنا من المجیب، والصحيح "أن الثانية منهما أقوى من حیث الروایة، والأولی من حیث الدراية" لأن رواية غسل أم أيمن أياها لم تثبت وأما رواية غسل علي وأسماء فثابتة أخرجهما البيهقي ۳۹۶/۳، وعبد الرزاق في مصنفه ۴۱۰/۳، ويؤيد أيضاً ما ظننت تقرير المجيب للدراية فيما بعد فامعن النظر. ۱۲ سعيده احمد پالن پوری

اصل مسئلہ میں اسی طرح ہے، میرا خیال یہ ہے کہ یہاں مجیب کی طرف سے قلب واقع ہوا ہے، صحیح عبارت اسی طرح ہے کہ ان دونوں میں سے دوسری روایت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے اور پہلی روایت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے؛ اس لئے کہ ام ایمنؓ کے انہیں (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو) غسل دینے کی روایت ثابت نہیں ہے اور رہی حضرت علیؓ اور اسماء کے غسل دینے کی روایت تو وہ ثابت ہے۔

امام بیہقی نے ۳۹۶/۳، مکتبہ دار الفکر بیروت ۲۵۶/۵، رقم: ۶۷۵۹-۶۷۶۰، اور عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں ۴۱۰/۳، دار الکتب العلمیہ ۲۵۶/۳، رقم: ۶۱۴۸/۱ پر اس کی تخریج کی ہے اور میرے خیال کی تائید مجیب کی آئندہ روایت کی تقریر سے بھی ہوتی ہے؛ لہذا اچھی طرح غور کر لو۔

تو وہ آپ علیہ السلام کے قول غسلتک میں غسل دینے کی ذمہ داری لینے کا بھی احتمال ہے جیسا کہ خود سے غسل دینے کا احتمال ہے اور آپ علیہ السلام کی عادت کے ذریعہ سے یہ بات معلوم ہے کہ آپ بذات خود کسی کو

وثانیہما: أقوى من حيث الدراية أما قوة الأولى من حيث الرواية فلأنه لم يثبت للثانية سند ولم أعلم من أخرجه من المحدثين وأما قوة الثانية من حيث الدراية فلأن اختصاص أم أيمن بأهل بيت النبوة معروف بخلاف أسماء فبعد كل البعد أن تتكفل أسماء غسلها أو توصيها فاطمة مع قصور أم أيمن لاسيما إذا كانت أسماء بنت أبي بكر (*)

(*) هنا أيضًا وقع التسامح من المجيب العلامة، فإن أسماء رضي الله عنها التي أوصتها فاطمة هي أسماء بنت عميسؓ، زوج أبي بكر الصديق رضي الله عنه كما في المصنف لعبد الرزاق ۱۰/۳، وليست هي أسماء بنت أبي بكر فتذكر. ۱۲ سعيد احمد پالن پوری
یہاں بھی مجیب علام کی طرف سے چوک ہوئی ہے؛ اس لئے کہ جن اسماء کے لئے حضرت فاطمہؓ نے وصیت کی تھی وہ حضرت ابوبکر کی بیوی اسماء بنت عمیسؓ ہیں جیسا کہ مصنف عبد الرزاق ۳/۴۱۰، دار الکتب العلمیہ ۲۵۶/۳، رقم: ۴۱۴۸ پر ہے اور یہ اسماء بنت ابوبکر نہیں ہے۔

← غسل نہیں دیتے تھے؛ لہذا اسے غسل کی ذمہ داری لینے پر مجبور کیا جائے گا نہ کہ بذات خود غسل دینے پر۔
(۲) حضرت علیؓ کا حضرت فاطمہؓ کو غسل دینے کے ذریعہ سے ہے اور اس کے کئی جوابات ہیں:
پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دینے کے سلسلہ میں روایات مختلف ہیں؛ چنانچہ ایک روایت میں یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں غسل کر لیا تھا اور انہوں نے یہ وصیت کر دی تھی کہ میری موت کے بعد کوئی شخص میرا بدن نہ کھولے اسی لئے کہ میں نے پاکی حاصل کر لی ہے (غسل کر لیا ہے) جیسا کہ زیلعی وغیرہ میں ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ انہیں فرشتوں نے غسل دیا تھا جیسا کہ سبط ابن الجوزی کی تذکرۃ خواص الامة میں ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ انہیں ام ایمنؓ نے غسل دیا تھا جیسا کہ شامی میں ہے اور شامی کی ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ انہیں حضرت علیؓ اور حضرت اسماءؓ نے غسل دیا تھا۔

بہر حال پہلی دونوں روایتیں تو میرا خیال یہ ہے کہ وہ دونوں جھوٹی ہیں جنہیں روافض نے حضرت فاطمہ کو غیر واقعی فضائل کے ذریعہ سے فضیلت دینے کے لئے گھڑ لیا ہے جیسا کہ یہ ان کی عادت ہے (اللہ انہیں رسوا کرے) اور بہر حال آخری دونوں روایتیں تو ان میں سے پہلی روایت، روایت کے اعتبار سے اور دوسری روایت درایت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے پہلی روایت کی قوت روایت کے اعتبار سے اسی طرح ہے کہ دوسری روایت کی کوئی سند ثابت نہیں ہے، اور میرے علم میں نہیں ہے کہ کسی محدث نے اسی کی تخریج کی ہے اور دوسری روایت کی قوت درایت کے اعتبار سے اسی طرح ہے کہ ام ایمنؓ کا اہل بیت کے ساتھ خصوصی تعلق مشہور ہے۔ ←

وعلیٰ یجتهد فی اخفاء موتہا عن أبی بکر کما یروی عنہ فإن کانت الروایۃ الثانیۃ ثابتۃ والأولیٰ غیر ثابتۃ فالجواب ظاہر وأما إن کانت الروایۃ الأولى ثابتۃ فالجواب إن تشارک أسماء وعلیٰ فی الغسل یحتمل وجوها. الأول: أن یکون کلاهما مباشرین. والثانی: أن یکون علیٰ مباشر وأسماء عوناً لہ. الثالث: العکس فاحتجنا إلی الترجیح فلما نظرنا فی وجوہ الترجیح علمنا أن الراجح هو الاحتمال الثالث لأنه لما کان أحدهما کافیا فی المباشرة لم تکن فاطمة محتاجة إلی الوصیۃ لکلیهما بالمباشرة أو أیضاً لوجاز علیٰ غسلها فأی حاجة کانت لہا إلی الوصیۃ لأسماء فلما أوصت لکلیهما علمنا أن وصیۃ المباشرة لأسماء ووصیۃ الإعانة کانت لعلیٰ أما الوصیۃ بالمباشرة أسماء فلعلمہا رضی اللہ عنہا بعقلہا وحسن سلیقتہا

← برخلاف حضرت اسماءؓ کے: اس لئے کہ یہ بات بہت بعید ہے کہ حضرت اسماءؓ نے ان کے غسل کی ذمہ داری لی ہو یا حضرت فاطمہؓ نے انہیں وصیت کی ہو، حضرت ام ایمنؓ کے خصوصی تعلق کے باوجود خاص طور سے جبکہ حضرت اسماءؓ ابو بکر کی بیٹی ہیں۔

اور حضرت علیؓ حضرت ابو بکرؓ سے ان کی وفات کے اخفاء کی کوشش کر رہے تھے جیسا کہ حضرت علیؓ سے یہ بات منقول ہے، پس اگر دوسری روایت ثابت ہو اور پہلی ثابت نہ ہو تو جواب ظاہر ہے اور اگر پہلی روایت ثابت ہو تو جواب یہ ہے کہ حضرت اسماءؓ اور حضرت علیؓ کے غسل میں شرکت کے سلسلہ میں متعدد احتمالات ہیں: پہلی احتمال یہ ہے کہ دونوں ہی نے بذات خود غسل دیا ہو۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے بذات خود غسل دیا ہو اور حضرت اسماءؓ ان کی معاون رہی ہوں۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہو تو اب ہمیں ترجیح دینے کی ضرورت ہے، پس جب ہم نے وجوہ ترجیح کے سلسلہ میں غور کیا تو ہمیں یہ معلوم ہوا کہ تیسرا احتمال ہی رائج ہے؛ اس لئے کہ جب ان دونوں میں سے ہر ایک بذات خود غسل دینے کے سلسلہ میں کافی تھے تو حضرت فاطمہؓ و دونوں کے لئے بذات خود غسل دینے کی وصیت کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

اور نیز اگر حضرت علیؓ کے لئے حضرت فاطمہؓ رضی اللہ عنہا کو غسل دینا جائز تھا تو حضرت اسماءؓ کو وصیت کرنے کی کیا ضرورت تھی، پس جب ان دونوں کو وصیت کی تو ہمیں معلوم ہوا کہ اصلاً غسل دینے کی وصیت حضرت اسماءؓ کے لئے تھی، اور تعاون کرنے کی وصیت حضرت علیؓ کے لئے تھی، بہر حال اصلاً غسل دینے کی وصیت حضرت اسماءؓ کو اس لئے کی تھی کہ وہ ان کی سمجھداری اور سلیقہ مندی کو اچھی طرح جانتی تھیں۔

لما أشارت عليها باتخاذ الثبوت كما وقع في رواية أبي نعيم ولفظها هذا أن فاطمة بنت رسول الله ﷺ قالت: يا أسماء أن استقبح ما يفعل بالنساء أنه يطرح على المرأة الثوب فيصفها، فقالت: أسماء يا بنت رسول الله ﷺ ألا أريك شيئاً رأيته بالحبيشة فدعت بجرائد رطبة فلوثتها، ثم طرحت عليها ثوباً فقالت فاطمة ما أحسن هذا وأجمله تعرف به المرأة من الرجل فإذا أنامت فاغسليني أنت وعلى فلما توفيت غسلها علي وأسماء. اه
وأما الوصية بالإعانة لعلی فلا أنه كان أعلم بأحكام الغسل من أسماء فأوصت له به ليعين بتعليم الأحكام إن احتاجت إليه ولأنها كانت رضى الله عنها تحب علیاً فأحبت أن يشارك في غسلها.

وأيضاً كانت تعلم حب علی ایاها فرأت رضى الله عنها أنه لا يقصر في تحسين غسلها فلهذه الوجوه أوصت إليه بالإعانة.

جس کی وجہ سے انہیں ایک تابوت بنانے کا مشورہ دیا تھا جیسا کہ ابو نعیم کی روایت میں وارد ہوا اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اسماء میں برا سمجھتی ہوں اس کام کو جو عورتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ عورت پر ایک کپڑا ڈال دیا جاتا ہے، جس سے عورت کے بدن کی ہیئت ظاہر ہوتی ہے تو حضرت اسماءؓ نے فرمایا اے اللہ کے رسول کی بیٹی کیا میں آپ کو وہ چیز نہ دکھلاؤں جو میں نے حبشہ میں دیکھا ہے، پھر انہوں نے چند تر ٹہنیاں منگوائیں اور انہیں موڑا، پھر اس پر ایک کپڑا ڈال دیا، تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ یہ کتنا اچھا اور کتنا خوبصورت ہے! اس کے ذریعہ سے عورت اور مرد کے درمیان امتیاز ہو جا رہا ہے؛ لہذا جب میرا انتقال ہو جائے تو تم اور علی مجھے غسل دے دینا؛ چنانچہ جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا تو حضرت علیؓ اور حضرت اسماءؓ نے انہیں غسل دیا۔

رہی بات حضرت علیؓ کو تعاون کرنے کی وصیت کی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ غسل کے احکام حضرت اسماءؓ سے زیادہ جانتے تھے؛ اس لئے انہیں وصیت کی کہ وہ احکام غسل بتلا کر ان کی مدد فرمائیں، اگر انہیں اس کی ضرورت پڑے۔ نیز حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ سے محبت کرتی تھیں؛ اس لئے حضرت فاطمہؓ نے چاہا کہ وہ ان کو غسل دینے میں شریک رہے۔ نیز انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت علیؓ ان سے محبت کرتے ہیں؛ اس لئے انہیں یقین تھا کہ وہ انہیں اچھی طرح غسل دینے میں کوتاہی نہیں کریں گے، ان وجوہات کی بنا پر حضرت فاطمہؓ نے حضرت علیؓ کو تعاون کرنے کی وصیت کی تھی۔

فلما انتقش علی صحيفة خاطرک ماتلونا علیک علمت أن حدیث غسل فاطمة أن ثبت فلنا لا علینا .

والثالث بحديث ابن مسعود أنه غسل امرأته وجوابه أن حدیث غسل ابن مسعود ضعيف كما صرح به البيهقي كما أن حدیث اعتراضه علی علی الذي نقله الشامي غير ثابت .
والرابع: بحديث ابن عباس أنه قال: الرجل أحق بغسل امرأة اه وجوابه أنه من رواية حجاج بن ارطاة عن داود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس وقال ابن المديني في داود ما روى عن عكرمة فمنكر . وقال: أيضاً مرسل الشعبي أحب الي من داود عن عكرمة عن ابن عباس وقال أبو داود أحاديثه، عن شيوخه مستقيمة وأحاديثه عن عكرمة مناكير .
وقال ابن عسيرة كنا نتقى حدیث داود، وقال أبو ذرعة لين وقال أبو حاتم: ليس بالقوى ولولا ان مالكاروى عنه لترك حدیثه .

جب ہماری بیان کردہ یہ باتیں تمہارے دل کی تختی پر نقش ہو گئیں تو تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت فاطمہؑ کو غسل دینے کی حدیثیں اگر ثابت ہوں تو وہ ہمارے حق میں ہیں نہ کہ ہمارے خلاف ہیں۔

(۳) حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو غسل دیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کے غسل دینے کی حدیث ضعیف ہے جیسا کہ امام بیہقی نے اس کی صراحت کی ہے جیسا کہ حضرت علیؑ پر ان کے اعتراض والی حدیث جسے شامی نے نقل کیا غیر ثابت ہے۔

(۴) حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مرد اپنی بیوی کو غسل دینے کا زیادہ حق دار ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حجاج ابن ارطاة عن داود بن الحصین عن عکرمہ عن ابن عباس کے طریق سے ہے اور ابن مديني داود کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کی عکرمہ سے روایتیں منکر ہے۔

نیز ابن مديني فرماتے ہیں کہ شعی کے مراسل میرے نزدیک داود عن عکرمہ عن ابن عباس کی روایت سے بہتر ہے اور امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ داؤد کی حدیثیں ان کے شیوخ سے درست ہے؛ جب کہ عکرمہ سے ان کی حدیثیں منکر ہیں۔

ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ ہم داؤد کی حدیث سے احتراز کرتے تھے، ابوزرہ فرماتے ہیں کہ لین الحدیث ہے، ابوحاتم فرماتے ہیں کہ قوی نہیں ہے، اگر امام مالک نے ان سے روایتیں نہ کی ہوتیں تو ان کی حدیثیں متروک ہو جاتی۔

وقال الساجي: منكر الحديث يتهم برأى الخوارج وقال الجوز قاني لا يحمد الناس حديثه وعاب غير واحد على مالك الرواية عنه وتركه عن سعد بن إبراهيم وهو وإن وثقه الأئمة أيضاً لكن توثيقهم إياه في نفسه لا يعارض حكم الأئمة بالنكارة على حديثه عن عكرمة عن ابن عباس وأيضاً فيه الحجاج بن ارطاة المختلف فيه والممدلس المشهور وقد عنعن في الرواية فلا تقبل وبالجملية حديث ابن عباس ضعيف لا يحتج به ولو سلم فهو محمول على التولى بالغسل لا المباشرة كما علمت في حديث غسل فاطمة[ؓ].

والخامس: بغسل علقمة وغيره من التابعين نساء هم وجوابه أن فعل التابعين ليس بحجة على الإمام وهذه الحجج كانت للمجوزين من المنقول وقد علمت حالها أما من المعقول، فقالوا: موت الرجل كموت المرأة وبالعكس.

اور ساجی فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے، جو زقانی کے نظریات کے ساتھ متہم ہے، خوارج فرماتے ہیں کہ لوگ ان کی حدیثیں پسند نہیں فرماتے ہیں اور بہت سے لوگوں نے امام مالکؒ کے ان سے روایت کرنے اور سعد ابن ابراہیم سے روایت نہ کرنے کی بناء پر امام مالکؒ پر طعن کیا ہے، داؤد کی اگرچہ بہت سے ائمہ نے توثیق کی ہیں؛ لیکن ان کی فی نفسہ یہ توثیق عکرمہ عن ابن عباس کے طریق سے ان کی احادیث پر نکارت کے حکم کے معارض نہیں ہے۔

نیز اس میں حجاج ابن ارطاة ہے جو مختلف فیہ اور مشہور مدلس ہیں، انہوں نے بطریق عنعنہ اس حدیث کو روایت کی ہے؛ لہذا یہ روایت مقبول نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ابن عباس کی حدیث ضعیف اور ناقابل استدلال ہے اور اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو یہ غسل کی ذمہ داری لینے پر محمول ہے نہ کہ بذات خود غسل دینے پر جیسا کہ آپ کو حضرت فاطمہؓ کو غسل دینے والی حدیث کے تحت معلوم ہوا۔

(۵) حضرت علقمہؓ وغیرہ تابعین کے اپنی بیویوں کو غسل دینے سے ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ تابعین کا فعل امام صاحب کے خلاف حجت نہیں ہے۔ یہ قائلین جواز کی نقلی دلیلیں تھیں، جن کا حال آپ کو معلوم ہو گیا ہے، بہر حال عقلی دلیل یہ ہے کہ وہ حضرات کہتے ہیں کہ آدمی کی موت عورت کے موت کی طرح ہے اور اس کے برعکس۔

 فَإِنْ كَانَ مَوْتُ الْمَرْأَةِ رَافِعًا لِلنِّكَاحِ بِحَيْثُ يَكُونُ لِلرَّجُلِ حَقٌّ غَسْلُهَا يَكُونُ
 مَوْتُ الرَّجُلِ أَيْضًا رَافِعًا لَهُ كَذَلِكَ وَكَذَلِكَ الْعَكْسُ. وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَوْتُ الْمَرْأَةِ
 رَافِعًا لَهَا بِالْحَيْثِيَّةِ الْمَذْكُورَةِ لَمْ يَكُنْ مَوْتُ الرَّجُلِ أَيْضًا رَافِعًا لَهَا بِتِلْكَ الْحَيْثِيَّةِ
 وَكَذَلِكَ الْعَكْسُ إِذَا عَلِمْتَ هَذَا فَاعْلَمْ أَنَّ مَوْتَ الرَّجُلِ لَيْسَ رَافِعًا لَهُ بِتِلْكَ
 الْحَيْثِيَّةِ فَلَا بَدَّ أَنْ لَا يَكُونَ مَوْتُ الْمَرْأَةِ أَيْضًا رَافِعًا لَهُ بِتِلْكَ الْحَيْثِيَّةِ وَاجِبٌ يَمْنَعُ
 الْمُمَاثَلَةَ بَيْنَ الْمَوْتَيْنِ كَمَا سَيَجِيءُ بِفَضْلِهِ.

واحتج المانعون بوجوه: الأول: بقول عمرؓ نحن كنا أحق بها حين كانت
 حية وأما إذا ماتت فأنتم أحق بها ويرد عليه أولا بأنه لم يثبت هذا النقل عنه.
 وثانيا: بأنه يدل على أحقية أهل المرأة بعد الموت لأعلى نفى الحق عن الزوج
 أصلا ونحن لانسكره الأحقية بل نقول به لأن حق القرابة باق بحلها وحق
 الزوجية اضمحل بالموت فبطل الاستدلال به.

.....
 لہذا اگر عورت کی موت اس طرح نکاح کو ختم کرنے والی ہوتی تو شوہر کو اس کو غسل دینے کا حق نہ ہوتا تو
 مرد کی موت بھی اس طرح نکاح کو ختم کرنے والی ہوتی اور اسی طرح اس کے برعکس اور اگر عورت کی موت اسی
 طرح نکاح کو ختم کرنے والی نہیں ہے تو مرد کی موت بھی اس طرح نکاح کو ختم کرنے والی نہ ہوگی اور اسی طرح
 اس کے برعکس ہے۔ جب یہ بات آپ کو معلوم ہوگئی تو یہ جان لیجئے کہ مرد کی موت اس طرح نکاح کو ختم کرنے والی
 نہیں ہے؛ لہذا ضروری ہے کہ عورت کی موت بھی اس طرح نکاح کو ختم کرنے والی نہ ہو، اس کا جواب دونوں
 موتوں کے درمیان مماثلت کو تسلیم نہ کرنے کے ذریعہ سے دیا گیا ہے جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آئے گی۔

اور مانعین جواز کا استدلال بھی چند طریقوں سے ہے: (۱) حضرت عمرؓ کے فرمان کے ذریعہ سے ہے
 کہ ہم اس عورت کے زیادہ حق دار تھے جب وہ زندہ تھی اور جب وہ مرگئی تو تم لوگ اس کے زیادہ حق دار ہو،
 اس پر پہلا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ان سے یہ روایت ثابت نہیں ہے اور دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ فرمان
 موت کے بعد عورت کے گھر والوں کے زیادہ حق دار ہونے کو بتلاتا ہے، شوہر سے بالکل حق کی نفی پر دلالت
 نہیں کرتا ہے اور ہم عورت کے گھر والوں کے زیادہ حق دار ہونے کے منکر نہیں ہے؛ بلکہ ہم بھی اس کے قائل
 ہیں؛ اس لئے کہ قرابت داری کا حق اپنی جگہ پر برابر باقی ہے؛ جبکہ زوجیت کا حق موت کی وجہ سے کمزور
 ہو گیا ہے؛ لہذا اس حدیث سے استدلال باطل ہو گیا۔

والثانی: بأننا تتبعنا الشريعة فوجدنا أنها تبقى النكاح في صورة موت الزوج في الجملة حيث توجب العدة على المرأة وليس هذا إلبقاء النكاح في الجملة ولا تبقیہ في صورة موت الزوجة لأنها تحلل للزوج نكاح اختها بمجرد موتها فلو كان النكاح باقيا لم يحل له نكاحها ويرد عليه أنا لا نسلّم انعدام النكاح بالكلية بل هو باق من وجه وزائل من وجه كما قلتم في صورة موت الزوج ويجب عنه بان بقاء الشئ يعرف بآثره وآثر النكاح باق في صورة موت الزوج خلاف موت الزوجة فقلنا بقاءه في الأول دون الثاني ويرد عليه ان ثبوت الميراث للزوج بحق الزوجية آثر للنكاح وهو باق فكيف يحكم بانعدام النكاح مطلقا ويجب عنه بان من آثر الشئ ما ثبت مع ذلك الشئ ومنها ما يترتب عليه بعد انعدامه كما هو شأن المعدات فثبوت الميراث للزوج يحتمل أن يكون من القسم الأول و يحتمل أن يكون من القسم الثاني.

(۲) ہم نے شریعت میں غور و خوض کیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ شوہر کی موت کی صورت میں فی الجملہ نکاح باقی رہتا ہے؛ چنانچہ عورت پر عدت لازم ہوتی ہے اور یہ فی الجملہ نکاح کا باقی رہنا ہے اور بیوی کی موت کی صورت میں نکاح بالکل بھی باقی نہیں رہتا ہے؛ چنانچہ شوہر کے لئے اپنی سالی سے نکاح کرنا بیوی کے مرتے ہی جائز ہو جاتا ہے؛ لہذا اگر نکاح باقی رہتا تو مرد کے لئے سالی سے نکاح جائز نہیں ہوتا، اس پر یہ اعتراض ہوتا کہ ہمیں بالکل یہ نکاح کا ختم ہو جانا تسلیم نہیں ہے؛ بلکہ وہ من وجہ باقی رہتا ہے اور من وجہ ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ آپ لوگ شوہر کی موت کی صورت میں کہتے ہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شئی کی بقاء اس کے اثر کے بقاء کے ذریعہ سے معلوم ہوتی ہے اور نکاح کا اثر شوہر کی موت کی صورت میں باقی رہتا ہے برخلاف بیوی کی موت کے، اس وجہ سے ہم پہلی صورت میں بقاء نکاح کے قائل ہیں نہ کہ دوسری صورت میں، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حق زوجیت کی وجہ سے شوہر کے لئے میراث کا ثبوت نکاح کا اثر ہے اور یہ باقی ہے؛ لہذا مطلقا نکاح کے ختم ہونے کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شئی کے کچھ آثار ایسے ہوتے ہیں جو اس شئی کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں اور کچھ آثار ایسے ہوتے ہیں جو شئی کے ختم ہونے کے بعد اس پر مرتب ہوتے ہیں جیسا کہ تیار کردہ اشیاء کی شان ہے تو شوہر کے لئے میراث کے ثبوت میں اس بات کا احتمال ہے کہ وہ پہلی قسم میں سے ہو، اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ وہ دوسری قسم میں سے ہو۔

فلما نظرنا إلى ثبوت حل نكاح اختها له علمنا أنه من القسم الثاني ويرد عليه أن ثبوت حل نكاح الاخت لا يدل على كون الميراث من القسم الثاني لأن من أحكام الشيء ما يثبت مع بقاءه ومنها ما لا يثبت معه فيجوز أن يثبت له الميراث ولا يثبت له حرمة نكاح في الجملة.

الثالث: أنهم قالوا موت الزوجة بعدم المحل فلا يبقى النكاح معه بخلاف موت الزوج، فإنه لا يعدم المحل فيبقى ففى صورة موت الزوج كذلك لا يبقى الأهلية في صورة موت الزوج ويوجب عنه بآنا لانسلم انعدام الأهلية بالكلية ويرد عليه أنا لانسلم انعدام المحلية بالكلية ويوجب عنه بأن الشرع احل للزوج نكاح الاخت فعلمنا أنه اعتبر انعدام الأهلية بالكلية والزم المرأة العدة فعلمنا أنه لم يعتبر انعدام المحلية بالكلية ويرد عليه ان تحليل النكاح لا يقتضى ان يعتبر الشرع انعدام المحلية بالكلية كما مر سابقا.

پھر جب ہم نے شوہر کے لئے اپنی سالی سے نکاح کی حلت کے ثبوت کو دیکھا تو ہمیں معلوم ہوا کہ وہ دوسری قسم میں سے ہے، اس پر یہ یا اعتراض ہوتا ہے کہ سالی سے نکاح کی حلت کا ثبوت میراث کے دوسری قسم میں سے ہونے پر دلالت نہیں کرتا؛ اس لئے کہ شئی کے کچھ احکام ایسے ہوتے ہیں جو شئی کی بقاء کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں اور کچھ احکام ایسے ہوتے ہیں جو شئی کی بقاء کے ساتھ ثابت نہیں ہوتے ہیں؛ لہذا ممکن ہے کہ شوہر کے لئے میراث کا ثبوت ہو جائے اور اس کے لئے حرمت نکاح کافی الجملہ ثبوت نہ ہو۔

(۳) فقہاء کہتے ہیں کہ بیوی کی موت سے محل معدوم ہو جاتا ہے؛ لہذا اس کے ساتھ نکاح باقی نہیں رہ سکتا، اس کے برخلاف شوہر کی موت کے کہ اس سے محل معدوم نہیں ہوتا ہے؛ لہذا نکاح باقی رہتا ہے لہذا شوہر کی موت کی صورت میں بیوی کے لئے شوہر کو غسل دینا جائز ہے اور بیوی کی موت کی صورت میں شوہر کے لئے بیوی کو غسل دینا جائز نہیں ہے، اس پر یہ اشکال ہوتا ہے جیسا کہ شوہر کی موت کی صورت میں محل باقی نہیں رہتا اسی طرح شوہر کی موت کی صورت میں اہلیت بھی باقی نہیں رہتی، اور شئی جس طرح محل کے معدوم ہونے سے معدوم ہو جاتی ہے اسی طرح اہلیت کے معدوم ہونے سے بھی شئی معدوم ہو جاتی ہے؛ لہذا شوہر کی موت کی صورت میں نکاح کیسے باقی رہے گا؟

 وأيضاً الزام المرأة العدة لا يقتضى عدم اعتبار انعدام الأهلية بالكلية لأنه يجوز أن يكون الزام الشرع العدة لأجل احتمال العلوق لا لأجل بقاء النكاح ويجاب عنه أنه يستلزم ان لا يكون على غير المدخول بهاعدة

وبردعليه أنه لا يستلزم ذلك لجواز إقامة السبب أى النكاح مقام المسبب كما فعل الشرع في غير موضع وبويد ما قلنا انقضاء العدة بوضع الحمل . أقول: هذا النموزج من الكلام بين الفريقين ويتضح من ذلك أن المسئلة اجتهادية ولكل فريق سعة في الكلام وليس عنه أحد مايسكت المخالف فلايجوز الطعن لأحد الفريقين على الآخر هذا ما يتسرلى في هذا المقام۔ واللہ اعلم (امداد اول ص ۱۴۷)

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہمیں بالکلیہ اہلیت کا معدوم ہونا تسلیم نہیں، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہمیں بھی بالکلیہ محل کا معدوم ہونا تسلیم نہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شریعت نے شوہر کے لئے سالی سے نکاح کو حلال قرار دیا ہے؛ لہذا اس سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ شریعت نے بالکلیہ اہلیت کے معدوم ہونا کا اعتبار کیا ہے اور عورت پر عدت کو بھی لازم کیا ہے، جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شریعت نے بالکلیہ محل کے معدوم ہونے کا اعتبار نہیں کیا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نکاح کا حلال ہونا اس بات کا تقاضہ نہیں کرتا کہ شریعت بالکلیہ محل کے معدوم ہونے کا اعتبار نہ کرے؛ اس لئے کہ ممکن ہے کہ شریعت کی جانب سے عدت کا لزوم استقرار حمل کے احتمال کی بنا پر ہونا کہ بقائے نکاح کی بنا پر۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ غیر مدخول بہا پر عدت نہ ہو، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ اس بات کو مستلزم نہیں ہے، سبب یعنی نکاح کے مسبب کے قائم مقام ہونے کے امکان کی بنا پر ہے جیسا کہ شریعت نے کئی جگہوں میں ایسا کیا ہے اور ہماری بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ انقضائے عدت وضع حمل سے ہو جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ فریقین کے درمیان گفتگو کا ایک نمونہ ہے اور اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسئلہ اجتہادی ہے اور ہر فریق کو کلام کی گنجائش ہے اور کسی بھی ایک فریق کے پاس ایسی دلیل نہیں ہے جو مخالف کو خاموش کر دے؛ اس لئے فریقین میں سے کسی ایک کے لئے بھی دوسرے فریق پر طعنہ زنی جائز نہیں ہے۔

عورتوں کا محرم مرد کو غسل دینا

سوال (۶۸۱): قدیم ۱/۲۲- بہشتی زیور مدلل و مکمل طبع ثانی اشرف المعارف حصہ دوم ص: ۷۷ میں اول مسئلہ یہ درج ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی مرد مر گیا اور مردوں میں سے کوئی نہلانے والا نہیں ہے تو جو عورت اس کی محرم ہو وہی نہلاوے غیر محرم کو ہاتھ لگانا درست نہیں اور اگر کوئی محرم عورت نہ ہو تو اس کو تیمم کرا دو الخ، اس کے متعلق یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مسئلہ کہاں سے اخذ کیا گیا ہے بظاہر جہاں تک کتب فقہیہ کو دیکھا گیا ہے اس کے خلاف ہی ملا۔

فی البدائع: (۱) وإن لم یکن معہن ذلک فإنہن لا یغسلنہ سواء کن ذوات رحم محرم أولا؛ لأن المحرم فی حکم النظر إلی العورة والأجنبية سواء فکما لا تغسلہ الأجنبية، فکذا ذوات محارمہ ولكن تیممة. (ج ۱ ص ۳۰۵)

وفی العالمگیریة: (۲) (ج ۱ ص ۱۰۲) والأصل فیہ أن کل من یحل له وطئہا لو کان حیا بالنکاح یحل لها أن تغتسلہ وإلا فلا، وفمثله فی نور الإیضاح.

امید کہ حضرت اپنی رائے عالی سے مطلع فرما کر اس اشتباہ کو دور فرمائیں گے؟
الجواب: واقعی نقل میں غلطی ہوگئی جس کی وجہ خیال نہیں آتی منقول وہی ہے (*) جو آپ نے لکھا، تتمہ، اس تحریر کے بعض احباب نے ذیل کی تحریر پیش کی۔ وہی ہذا لیکن شامی باب الرضاع ص: ۶۷۰ ج: ۲ میں ہے۔

(*) اب بہشتی زیور میں مسئلہ بدل کر اس طرح کر دیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر ۷: اگر کوئی مرد مر گیا اور مردوں میں سے کوئی نہلانے والا نہیں ہے تو بیوی کے علاوہ اور کسی عورت کو اس کو غسل دینا جائز نہیں ہے، اگرچہ محرم ہی ہو، اگر بیوی بھی نہ ہو تو اس کو تیمم کرا دو؛ لیکن اس کے بدن میں ہاتھ نہ لگاؤ؛ بلکہ اپنے ہاتھ میں پہلے دستانے پہن لو تب تیمم کراؤ۔ (حصہ دوم نہلانے کا بیان، کتب خانہ آخری سہارن پور ص: ۵۳-۵۴) سعید احمد پالن پوری

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل فی من یغسل، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۳۴۔

(۲) الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الصلاة، الفصل الثانی فی الغسل، مکتبۃ زکریا دیوبند

(فیممہا) أى بلا خرقة إذا ماتت بين رجال فقط أما غير المحرم فيممها بخرقة

وقيل تغسل في ثيابها أفاده. (۱)

اس روایت طحاوی سے بہشتی زیور کی تائید ہوتی ہے و نیز مسئلہ بہشتی زیور درایت کے بھی موافق ہے کیونکہ غیر محرم کو چھونا جائز نہیں اور جتنا دبیز کپڑا لپٹنے کے بعد چھونا جائز ہے اس کے بعد غسل مستعد رہے اور محرم کو مابین السرة والركبة کے علاوہ چھونا جائز ہے اس لئے غسل کا فریضہ ترک کرنے کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم، انتهت العبارة.

میں کہتا ہوں کہ یا تو مسئلہ میں دو روایتیں ہیں اور یا نہی عن الغسل مقید ہے اس صورت کے ساتھ جبکہ حائل نہ ہو اور جواز غسل کی روایت میں حائل کی قید (یعنی ثیاب کا بدن پر ہونا) مصرح ہے ہی۔ کتبہ اشرف علی ۷ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ (النور ۹، جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ)

بوقت غسل میت کو کس طرف منہ کر کے لٹایا جائے؟

سوال (۶۸۲): قدیم ۱/۲۳- وقت غسل کے منہ مردہ کا کس طرف ہووے؟

الجواب: غسل کے وقت تختہ پر مردہ کو رکھنے کی دو صورتیں لکھی ہیں ایک تو قبلہ کی جانب پاؤں کر کے لٹانا دوسرے قبلہ کی طرف منہ کرنا جیسے قبر میں رکھتے ہیں اور دونوں صورتوں میں سے جو صورت ہو سکے جائز ہے۔

(۱) الدر المختار مع الشامسي، باب الرضا ع، مكتبة زكريا ديوبند ۴/ ۱۱،

کراچی ۳/ ۲۱۸۔

قوله فيممها أي عند فقد الأناث من غير خرقة بخلاف غير المحرم فيمم

بخروفة وقيل: تغسل في ثيابها. (حاشية الطحاوي على الدر المختار، باب الرضا ع،

مكتبة عربية كوئٹہ ۲/ ۹۷)

وكيفية الوضع عند بعض أصحابنا الوضع طولاً كما في حالة المرض إذا أراد الصلوة بإيماء ومنهم من اختار الوضع كما يوضع في القبر والأصح أنه يوضع كما تيسر كذا في الظهيرية. عالمگیری ج ۱ ص ۵۵. (۱)

مگر زیادہ مستحسن صورت ثانیہ ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ خانہ کعبہ قبلہ ہے زندوں کا بھی اور مردوں کا بھی۔ (*)

(*) (رد المحتار) ۱/۸۳۷ وکنز العمال ۲/۱۱۰۲ طبع قدیم میں اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی کی طرف منسوب کیا ہے؛ لیکن جمع الفوائد ۱۲/۱ میں اس کو صرف دین کی طرف منسوب کیا ہے۔ سعید احمد پالن پوری

(۱) الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثانی فی الغسل، مکتبۃ زکریا قدیم ۱/۱۵۸، جدید زکریا ۱/۲۱۸۔

ثم لم يذكره في ظاهر الرواية: كيفية وضع التخت أنه يوضع إلى القبلة طولاً أو عرضاً فمن أصحابنا من اختار الوضع طولاً، كما يفعل في مرضه إذا أراد الصلاة بالإيماء منهم من اختار عرضاً كما يوضع في قبره، والأصح أنه يوضع كما تيسر لأن ذلك يختلف باختلاف المواضع. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، كيفية الغسل، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۲۵)

ويوضع كما مات كما تيسر في الأصح على سرير مجمر وتراً (در مختار) وتحت في الشامية: قوله: (في الأصح) وقيل يوضع إلى القبلة طولاً، وقيل عرضاً كما في القبر. (در مختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلوة الجنائز، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۸۴-۸۵، کراچی ۲/۱۹۵)

ويوضع على سرير ويوضع طولاً، وقيل: عرضاً والأصح كيف تيسر. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مکتبۃ زکریا دیوبند ۱/۳۸۱-۳۸۲)

وكيفية الوضع عند بعض أصحابنا الوضع طولاً، كما في حالة المرض إذا أراد الصلاة بإيماء ومنهم من اختار الوضع كما يوضع في القبر والأصح، أنه يوضع كما تيسر. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۳۰۰، کوئٹہ ۲/۱۷۱)

وإذا جرد عن ثيابه يوضع على تحت ولم يبين في الكتاب كيفية وضع التخت إلى القبلة طولاً أو عرضاً، من أصحابنا من اختار الوضع طولاً كما يفعله في مرضه ←

روى أبو داؤد: ان رجلا سال رسول الله ﷺ عن الكبائر، فقال: هي تسع وذكرها إلى أن قال: واستحلال البيت قبلتكم أحياء وأمواتاً. (۲) والله أعلم
 ۱۹ صفر ۱۳۰۱ھ (امداد اول ص ۱۵۰)

غسل کے وقت میت کا سر کس طرف ہونا چاہئے؟

سوال (۶۸۳): قدیم ۱/۲۳- مردہ کے غسل دیتے وقت سر اس کا کس جانب ہونا چاہئے؟

الجواب: کئی قول ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ جس طرح آسان ہو۔ (۱) ما فی الدر المختار.

۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۷۰)

← إذا أراد الصلاة بالإيماء ومنهم من اختار الوضع عرضاً كما يوضع في القبر، قال شمس الأئمة السرخسي: الأصح أنه يوضع كما تيسر، فإن ذلك يختلف باختلاف الأماكن والمواضع. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل غسل الميت ۳/ ۴، رقم: ۳۵۸۷)

(۲) عن عبيد بن عمير عن أبيه أنه حدثه وكان له صحبة أن رجلاً سأله، فقال: يارسول الله صلى الله عليه وسلم! ما الكبائر؟ قال: هن تسع فذكر معنه، زاد: وعقوق الوالدين المسلمين، واستحلال البيت الحرام قبلتكم أحياء وأمواتاً. (سنن أبي داؤد، كتاب الوصايا، باب ما جاء في التشديد في أكل مال اليتيم، النسخة الهندية ۲/ ۳۹۷، مكتبة دار السلام رقم: ۲۸۷۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) حضرت والا نے گزشتہ فتویٰ میں کئی قول نقل کرنے کے بعد متحسّن اسی کو لکھا ہے کہ جس طرح قبر میں لٹایا جاتا ہے، اس طرح لٹایا جائے، اس میں آسانی کو زیادہ پیش نظر رکھا گیا ہے۔

و كيفية الوضع عند بعض أصحابنا: الوضع طوياً، كما في حالة الممرض إذا أراد الصلاة بإيماء، ومنهم من اختار الوضع كما يوضع في القبر والأصح، أنه يوضع كما تيسر. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل،

جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ

سوال (۶۸۴): قدیم ۱/۲۳- حمل جنازہ کس طرح چاہئے؟

الجواب: میت اگر چھوٹا بچہ ہے تو ایک آدمی اپنے ہاتھوں پر اٹھاوے تو کافی ہے اور اگر بڑا بچہ یا بالغ ہے تو اس کو چار پائی پر رکھ کر چار آدمی اٹھائیں پھر اس میں ایک تو نفس سنت ہے اور ایک کمال سنت ہے نفس سنت تو یہ ہے کہ بلا ترتیب چاروں پائیوں کو پکڑ کر دس قدم چلے اور کمال سنت یہ ہے کہ اول جنازہ کے سرھانے کی داہنی جانب کو داہنے کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے پھر پانچ کے داہنے جانب داہنے کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے پھر سرھانے کے بائیں جانب بائیں کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے پھر پانچ کے بائیں جانب بائیں کندھے پر اور جنازہ کے لیجائے وقت سر میت کے آگے رکھے اور جنازہ کو ذرا الپ کر لے چلے لیکن دوڑے نہیں۔

← ویوضع کما مات کما تیسر فی الأصح علی سریر مجمر وترًا (در مختار) وتحتہ فی الشامیہ: قوله: (فی الأصح) وقیل یوضع إلی القبلة طولاً، وقیل عرضاً کما فی القبر. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی القراءة عند المیت، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۸۴-۸۵، کراچی ۲/۹۵۱)

ویوضع علی سریر ویوضع طولاً، وقیل: عرضاً والأصح کیف تیسر. النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۳۸۱-۳۸۲)

ثم لم یذکرہ فی ظاہر الروایة: کیفیة وضع التخت أنه یوضع إلی القبلة طولاً أو عرضاً فمن أصحابنا من اختار الوضع طولاً، کما یفعل فی مرضه إذا أراد الصلاة بالإیماء ومنهم من اختار عرضاً کما یوضع فی قبره، والأصح أنه یوضع کما تیسر لأن ذلک یختلف باختلاف المواضع. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، کیفیة الغسل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۵)

وکیفیة الوضع عند بعض أصحابنا: الوضع طولاً، کما فی حالة المرض إذا أراد الصلاة بإیماء، ومنهم من اختار الوضع کما یوضع فی القبر والأصح، أنه یوضع کما تیسر. (البحر الرائق، کتاب الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۳۰۰، کوئٹہ ۲/۱۷۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سنّ في حمل الجنازة أربعة من الرجال إذا حملوه على سرير أخذوه بقوائمه الأربع، ثم ان في حمل الجنازة شيئين نفس السنة وكما لها أما نفس السنة، فهي أن تأخذ بقوائمها الأربع على طريق التعاقب بأن تحمل من كل جانب عشر خطوات وهذا يتحقق في حق الجميع. وأما كمال السنة فلا يتحقق إلا في واحد وهو أن يبدأ الحامل بحمل يمين مقدم الجنازة فيحمله على عاتقه الأيمن، ثم المؤخر الأيمن على عاتقه الأيسر، ثم المؤخر الأيسر على عاتقه الأيسر و ذكر الاسييجابى أن الصبى الرضيع أو الفطيم أو فوق ذلك قليلا إذا مات فلا لباس بأن يحمله رجل واحد على يديه ويتداوله الناس بالحمل على أيديهم وإن كان كبيرا يحمله على الجنازة ويسرع بالميت وقت المشى بلا خيب وفي حالة المشى بالجنازة يقدم الرأس (١) عالمگیری كلكتي ج ١ ص ٢٢٦ مع اختصار يسير،

جمادى الاول ١٣٠٢هـ (امداد اول ص ١٥١)

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الرابع في حمل الجنازة، مكتبة زكريا جديد زكريا ٢٢٣/١، قديم ١٦٢/١ - وتضع مقدم الجنازة على يمينك، ثم مؤخرها على يمينك، ثم مقدمها على يسارك، ثم مؤخرها على يسارك، هذا هو السنة عند كثرة الحاملين، إذا تناوبوا في الحمل ثم اعلم أن في حمل الجنازة شيئين: نفس السنة وكما لها، أما السنة هي أن يأخذ بقوائمها الأربع على طريق التعاقب بأن يحمل من كل جانب عشر خطوات وهذا يتحقق في الجمع، وأما كمال السنة فلا يتحقق إلا في حق الواحد وهو يبدأ الحامل بحمل يمين مقدم الجنازة إذ ليس لمقدم الجنازة إلا يمين واحد، فكذا لا يكون البداية بها إلا للواحد، فلذلك قال في المبسوط: من أراد كمال السنة في حمل الجنازة. ينبغي أن يحمله من الجوانب الأربعة يبدأ بالأيمن المقدم، ثم بالأيمن المؤخر م: ويسرع بالجنازة وذلك مادون الخيب. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل حمل الجنازة،

جنازہ اٹھا کر لیجاتے وقت سرہانے کو مقدم رکھنا

سوال (۶۸۵): قدیم ۱/۷۲۳ - وقت لے جانے جنازہ کے سر آگے کیا جاوے یا پیر؟

الجواب: جنازہ لے جانے کے وقت مردہ کا سر آگے رکھنا چاہئے۔

← وإذا حمل الجنازة وضع مقدمها على يمينه، ثم وضع مؤخرها على يمينه كذلك ثم مقدمها على يساره، ثم مؤخرها كذلك..... والصبي الرضيع أو الفطيم أو فوق ذلك قليلاً يحمله واحد على يديه ولو راكباً، وإن كان كبيراً حمل على الجنازة ويسرع بها بلا خيب أي عدو سريع. (در مختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۳۵ - ۱۳۶، كراچی ۲/۲۳۱)

يسن لحملها حمل أربعة رجال تكريماً له وتخفيفاً أي على الحاملين وتحاشياً أي تباعدًا عن تشبيهه بحمل الأمتعة..... وينبغي لكل واحد حملها أربعين خطوة يبدأ الحامل بمقدمها الأيمن فيضعه على يمينه أي على عاتقه الأيمن ويمينها أي الجنازة ما كان جهة يسار الحامل لأنه الميت يلقي على ظهره ثم يضع مؤخرها الأيمن عليه أي على عاتقه الأيمن ثم يضع مقدمها الأيسر على يساره أي على عاتقه الأيسر ثم يختم بالجانب الأيسر يحملها عليه أي على عاتقه الأيسر..... ويستحب الإسراع بها بلا خيب. (طحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۶۰۳ - ۶۰۴)

ومن أراد إكمال السنة في حمل الجنازة على جوانبها الأربع فيضع مقدم الجنازة على يمينه ثم مؤخرها على يمينه ثم مقدمها على يساره. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في حمل الجنازة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۳)

أما الصغير فلا بأس أن يحمله واحد فوق اليدين. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۰۰)

وفی الحالة المشی بالجنزة يقدم الرأس، كذا في المضمرة. (۱)
عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۹. واللہ اعلم

۱۹ صفر المظفر ۱۳۰۱ھ (حوالہ بالا)

میت کے سرہانے اور پائتا نے سورہ آلم کے شروع اور آخر کی آیت پڑھنا

سوال (۶۸۶): قدیم ۱/۲۴۷- کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بعد دفن جنازہ آلم سے المفلحون تک قبر میت پر انگشت ٹیک کر سرہانے میت کے پڑھنا جائز و مسنون ہے یا کیا؟
بیّنوا تو جروا؟

الجواب: بعد دفن اول سورہ بقرہ اور آخر اس کا قبر پر پڑھنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔
فكان ابن عمر يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها
ردالمحتار ج ۱ ص ۶۰۱ (۲)

(۱) الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصلاة، الفصل الرابع، في حمل الجنزة، مكتبة زكريا
ديوبند جدید ۱/۲۲۳، قدیم ۱/۱۶۲۔
ويقدم الرأس في حال حمل الجنزة؛ لأنه من أشرف الأعضاء فكان تقديمه أولى.
(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في حمل الجنزة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۴)
وفي حال المشي بالجنزة يقدم الرأس. (الفتاویٰ الشاتارخانية، كتاب الصلاة،
فصل في حمل الجنزة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۳۴، رقم: ۳۶۶۸)
وذكر الاسبيجاني: وفي حالة المشي بالجنزة يقدم الرأس. (البحر الرائق،
كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۳۸، كوئٹہ ۲/۹۳)
شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنوة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۴۳،

اور انگشت رکھنا عاجز کی نظر سے نہیں گزرا فلین تحقیق، اور نیز رسول اللہ ﷺ سے قبر کے سرہانے
اول سورہ بقرہ اور پانچٹی پر آخر اس کا پڑھنا ثابت ہے۔ (*)

فقد ثبت أنه عليه الصلاة والسلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس ميت و آخرها
عند رجله، رد المحتار ص ۶۰۵ ج ۱ (۱)
اور قراءۃ اول بقرہ سے مفلحون تک اور آخر سے آمن الرسول ختم تک ہے۔ فليفظ، واللہ اعلم
(امداد ص ۵۲ ج ۱)

متعدد جنازہ کی نماز ایک ساتھ پڑھنے کا طریقہ

سوال (۶۸۷): قدیم ۱/۷۲۵۔ دس نفر مرد اور دس نفر لڑکے اور دس نفرت ایک دفعہ مرے تو
نماز جنازہ یک جا پڑھنا چاہئے یا علیحدہ علیحدہ۔ بینوا تو جروا؟

الجواب: جب بہت سے جنازہ جمع ہو جاویں تو اولیٰ تو یہ ہے کہ ہر ایک کی نماز علیحدہ پڑھی جاوے
اور افضل کی تقدیم افضل ہے اور اگر سب کی ایک نماز پڑھنا چاہیں جب بھی جائز ہے پھر تین صورتوں میں

(*) یہ دونوں روایتیں کتب حدیث میں تلاش کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ ۱۲ سعید احمد پالن پور
احقر سعید احمد عرض رساں ہے کہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً
روایت کی ہے کہ:

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه
واسر عوابه إلى قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة، وعند رجله بخاتمة سورة البقرة.
نقل روایت کے بعد امام بیہقی نے فرمایا ہے کہ واضح اُنہ موقوف علیہ (صحیح یہ ہے کہ یہ روایت عمرؓ پر موقوف
ہے، مرفوع نہیں ہے) مشکوٰۃ شریف ۱۴۹/۱، بیہقی شعب الایمان دارالکتب العلمیہ ۱۶/۷، رقم: ۹۲۹۴)

اور طبرانی نے بھی یہ روایت بیان کی ہے، مگر ان کی روایت میں ”فاتحة البقرة“ کے بجائے ”فاتحة
الكتاب“ ہے (اتحاف السادة المتقين بشرح اسرار احياء علوم الدين ۱۰/۳۷۰)

فتاویٰ دارالعلوم (طبع جدید) ۵/۲۰۵ میں ہے کہ سورہ بقرہ کا اول و آخر بلا جبر پڑھا جائے اور اسی میں
(۳۹۱/۵) پر ہے کہ انگلی رکھنے کا قبر پر کچھ ثبوت نہیں ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

جس کو چاہیں اختیار کریں۔ پہلی صورت یہ کہ اُن کی ایک صف بنائی جاوے اس طور کہ ایک کے پاؤں دوسرے کے سر سے متصل ہوں دوسری یہ کہ ایک میت کو دوسری کے پہلو میں یوں رکھا جاوے کہ دوسرے کا سر پہلے کے کندھے کے برابر ہو اور تیسرے کا دوسری میت کے کندھے کے برابر ہو ہکذا اس طرح زینہ کی سی شکل بن جاوے گی و شکله ہکذا:-

تیسرے یہ کہ ان کو آگے پیچھے رکھے کہ سب کا سینہ امام کے مقابل رہے و صور ہکذا:—
آخر کی دو صورتوں میں ترتیب یوں ہونی چاہئے کہ امام کے قریب مرد رہے اس کے پہلو نابالغ لڑکا اس کے پیچھے خنثی اس کے پیچھے بالغ عورت اس کے پیچھے نابالغ لڑکی اور پہلی صورت میں چونکہ سب ایک صف میں ہوں گے اس لئے امام کو افضل کے قریب کھڑا ہونا چاہئے۔ (۱)

(۱) ولو اجتمعت الجنائز، یخیر الإمام إن شاء صلی علی کل واحد علی حدة، وإن شاء صلی علی الكل دفعة بالنية علی الجمع، کذا فی معراج الدراية، وهو فی کیفیتہ وضعهم بالخيار إن شاء وضعهم بالطول سطرًا واحدًا ویقف عند أفضلهم وإن شاء وضعهم واحدًا وراء واحد إلى جهة القبلة، وترتيبهم بالنسبة إلى الإمام كترتيبهم فی صلاتهم خلفه حالة الحياة یقرب منه الأفضل فالأفضل، فیصف الرجال إلى جهة الإمام، ثم الصبيان ثم الخنثائي ثم النساء ثم المراهقات. (الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصلاة، الفصل الخامس، فی الصلاة علی المیت، مکتبہ زکریا دیوبند جدید ۲۲۶/۱، قدیم ۱۶۵/۱)

إذا اجتمعت الجنائز، فالإمام بالخيار إن شاء صلی علی کل جنازة صلاة علی حدة، وإن شاء صلی علیها صلاة واحدة وتجزی عن الكل قال فی الكتاب، فإن أراد أن یصلی علیها صلاة واحدة إن شاء وضعوا الجنائز صفًا طولًا، وإن شاء وضعوا واحدًا بعد واحد مما يلي القبلة، وقد روي عن أبي حنيفة رحمة الله علیه أنه قال: إن وضعوا واحدًا بعد الآخر كان أحسن حتی یصیر الإمام قائمًا بإزاء الكل ولكن یجعل الرجال مما يلي الإمام والصبيان بعده والنساء ما يلي القبلة وإن شاء وضعوا الرجل بإزاء الإمام ورأس الصبي بحذاء منكب الرجل، والخنثی بحذاء منكب الصبي علی هذا الترتیب. (الفتاویٰ التاتاریخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل صلاة الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۴۸/۳ - ۴۹، رقم: ۳۶۹۲ - ۳۶۹۳)
أن ابن عمر صلی علی تسع جنائز جميعا فجعل الرجال یلون الإمام والنساء ←

 وإذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلوة أولى وإن جمع جاز، ثم إن شاء جعل الجنائز صفا واحداً أو قام عند أفضلهم وإن شاء جعلها صفا مما يلي القبلة واحد اخلف واحد بحيث يكون صدر كل جنازة مما يلي الإمام ليقوم بحذاء صدر الكل وإن جعلها درجا فحسن لحصول المقصود فيقرب منه الأفضل إلى آخر ما قال در مختار. والله أعلم
 ١٨/ربيع الاول ١٣٢١هـ (امداد اول ص ١٥٢)

← يلين القبلة فصفهن صفا واحداً. (سنن نسائي، باب اجتماع جنائز الرجال والنساء، النسخة الهندية ٢١٧/١، مكتبة دار السلام رقم: ١٩٨٠)
 عن عمار مولى الحارث بن نوفل أنه شهد جنازة أم كلثوم وابنها، فجعل الغلام مما يلي الإمام فأنكرت ذلك وفي القوم. ابن عباس وأبو سعيد الخدري وأبو قتادة وأبو هريرة فقالوا: هذه السنة. (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب إذا حضرت جنائز رجال ونساء من يقدم؟ النسخة الهندية ٤٥٥/٢، مكتبة دار السلام ربا ض رقم: ٣١٩٣)
 سنن نسائي، كتاب الجنائز، باب اجتماع جنازة صبي وامرأة ٢١٧/١، مكتبة دار السلام رقم: ١٩٧٩-

فإذا اجتمعت الجنائز فالإمام بالخيار، وإن شاء صلى عليهم دفعة واحدة، وإن شاء صلى على كل جنازة على حدة..... فإن أراد أن يصلي على كل واحدة على حدة، فالأولى أن يقدم الأفضل فالأفضل، فإن لم يفعل فلا بأس به، ثم كيف توضع الجنائز إذا اجتمعت فنقول: لا يخلوا إما إن كانت من جنس واحد أو اختلف الجنس فإن كان الجنس متحداً فإن شأوا جعلوها صفّاً واحداً كما يصطفون في حال حياتهم عند الصلاة وإن شأوا وضعوا واحداً بعد واحد مما يلي القبلة ليقوم الإمام بحذاء بكل..... وإذا وضعوا واحد بعد واحد ينبغي أن يكون أفضلهم مما يلي الإمام..... ثم إن وضع رأس كل واحد منهم بحذاء رأس صاحبه فحسن وإن وضع شبه الدرج كما قال ابن أبي ليلى وهو أن يكون رأس الثاني عند منكب الأول فحسن وأما إذا اختلف الجنس بأن كانوا رجالاً ونساء توضع الرجال مما يلي الإمام والنساء خلف الرجال مما يلي القبلة..... ولو اجتمع جنازة رجل وصبي وخشى وامرأة وصبية وضع الرجل مما يلي الإمام والصبي ورأته، ثم الخشى، ثم المرأة، ثم الصبية. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان ما تصح وما تنفسه وما يكره، مكتبة زكريا ديوبند ٥٦/٢) شبير احمد قاسمي عفا الله عنه

امام کے سامنے جنازہ کو زمین پر رکھیں یا چار پائی پر؟

سوال (۶۸۸): قدیم ۱/۲۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نماز جنازہ چار پائی پر رکھ کر یا زمین پر جنازہ رکھ کر کسی شے پر سنت ہے؟

(۲) اور مقتدی و امام جو تہ اتار کر پڑھیں یا اوپر جو تہ یا اندر جو تہ کے پاؤں رکھ کر پڑھی جاوے۔
بینوا تو جروا؟

الجواب: جنازہ کا امام کے روبرو رکھا جانا ضرور ہے خواہ چار پائی پر ہو یا زمین پر۔

في الدر المختار: ووضعه امام المصلى فلا تصح على غائب و محمول على نحو دابة. اه (۱)
لیکن اولیٰ چار پائی پر رکھنا ہے۔ (*)

(*) أقول في القياس تأمل والأولى في الجواب أن يقال في الدر المختار في القنية الطهارة من النجاسة ثوب وبدن ويمان ستر العورة شرط في حق الميت والإمام جميعاً وفي الرد قوله في القنية: مثله في المفتاح والمجتبى معزيا إلى التجريد إسماعيل لكن في التاتارخانية سئل قاضي خاں عن طهارة مكان الميت هل تشترط لجواز الصلوة عليه قال: إن كان الميت على الجنازة لا شك أنه يجوز وإلا فلا رواية لهذا وينبغي الجواز وهكذا أجاب القاضي بدر الدين. آه فقد علم من هذه الروايات ان في اشتراط طهارة مكان الميت اختلافاً ومعلوم ان الأحوط من اشتراط الوضع على السرير الطاهر لقطع شهيته نجاسة الأرض فيكون هو الأولى والحصير أو الثوب ونحوهما في حكم السرير. ۱۲ واللہ اعلم (تصحیح الاغلاط: ۲۶)

یہ جواب تصحیح الاغلاط: ۲۶ سے درج کیا گیا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار علی الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبة زكريا ديوبند
۱۰۴/۱-۱۰۵، کراچی ۲/۲۰۸-۲۰۹۔

وضعه أما المصلي فلا تجوز على غائب ولا على حاضر محمول على دابة أو غيرها ولا موضوع متقدم عليه المصلي. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته،

مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۱۴، كوئٹہ ۲/۱۷۹) ←

قیاساً علی حالة الحمل، فی الدر المختار وإن كان كبيراً حمل علی الجنابة. اه (۱)
 جواب ۲ سوال ثانی: اگر جوتہ پاک ہے یا ناپاک تھا لیکن پاک ہو گیا یعنی اگر نجاست ذی جرم گئی تھی
 اور ملنے چلنے سے جھڑ گئی یا غیر ذی جرم تھی اور تین بار دھو ڈالا اس صورت میں جوتہ بہن کر بھی پڑھنا جائز ہے۔
 ویطهر خف ونحوہ کنعل تنجس بذی جرم بذلك والا جرم لها فیغسل،
 (در مختار ۱/ ۲۸۵) (۲)

اور اگر ناپاک ہے خواہ اوپر سے یا اندر سے یا نیچے سے تو بہن کر درست نہیں۔

← ومن الشروط: حضور الميت ووضعه كونه أمام المصلي، فلا تصح علی غائب ولا علی
 محمول علی دابة ولا علی موضوع خلفه. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الفصل
 الخامس فی الصلاة علی الميت، مکتبہ زکریا دیوبند جدید ۱/ ۲۲۵، قدیم ۱/ ۱۶۴)
 (۱) الدر المختار علی الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة، فصل السلطان
 أحق بصلاته، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۳۳۵، کوئٹہ ۲/ ۱۹۱۔
 (۲) الدر المختار، کتاب الطهارة، باب الأنجاس، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۵۱۰۔
 ۵۱۱، کراچی ۱/ ۳۰۹ - ۳۱۰۔

ویطهر الخف والنعل غیر الرقيق بالدلك..... بنجس ذی جرم..... والا یغسل أنه إذا
 لم یکن كذلك کالبول ونحوہ غسل. (النهر الفائق، کتاب الطهارة، باب الأنجاس، مکتبہ
 زکریا دیوبند ۱/ ۱۴۳-۱۴۴)

ویطهر الخف نحوه کالنعل بالماء وبالمائع وبالدلك بالأرض أو التراب من
 نجاسة لها جرم (مراقی الفلاح) وتحتہ واحترز به عن غیر ذی الجرم فإنه یغسل اتفاقاً.
 (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الطهارة، باب الأنجاس والطهارة عنها،
 مکتبہ دارالکتاب دیوبند ۱/ ۱۶۳)

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا
 وطئ أحدكم بنعله الأذى فإن التراب له طهور، وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه
 عن النبي صلى الله عليه وسلم بمعناه قال إذا وطئ الأذى بخفيه فطهورهما التراب.
 (سنن أبي داود، کتاب الطهارة، باب الأذى يصيب النعل، النسخة الهندیة ۱/ ۵۵، مکتبہ
 دار السلام رقم: ۳۸۵-۳۸۶)

في الدر المختار: هي طهارة بدنه من حدث وخبث وثوبه، وكذا ما يتحرك بحركة أو يعد حامله. (۱) ۵۱

اور اگر اتار کر پڑھتا ہے سو اگر اندر سے یا اوپر سے نجس ہے تب تو جائز نہیں لنجاستہ موضع قدمیہ اور اگر اوپر اور اندر سے پاک ہے اور نیچے سے ناپاک ہے پس بنا برقیاس قول امام ابو یوسفؒ کے جائز نہیں اور بنا برقیاس قول امام محمدؒ کے جائز ہے اور فتویٰ اکثر علماء کا قول محمدؒ پر ہے لیکن احتیاطاً قول ابو یوسفؒ میں ہے۔ (۲)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۷۳/۷۴، کراچی ۱/۳۰۹۔

وهي عندنا سبعة: الطهارة من الأحداث والطهارة من الأنجاس تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذي يصلي عليه واجب. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند جديد ۱/۱۱۴، قديم ۱/۵۸)

إذا كانت النجاسة في طرف ثوب هو لا بسه أو حامله، فألقي ذلك الطرف على الأرض، فصلي فإنه إن تحرك بحرسته لا يجوز ولو كان أسفل نعليه فحسب نجسًا وصلي بهما لا يجوز. (حلبی کبیری، فرع شیعی من تعلق النجاسة، مكتبة اشرافية ديوبند ص: ۲۰۸)

(۲) وإذا صلى على موضع نجس، وفرش نعليه، وقام عليهما جاز ولو كان لا بسًا لهما لا يجوز وإذا قام على مكعبه وعلى نعله نجاسة جاز عند محمدؒ خلافاً لأبي يوسفؒ ولو كان لم يخرج رجله وصلي فيهما إن كان واسعاً فهو على الخلاف، وإن كان ضيقاً لم يجز بلا خلاف. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۰، رقم: ۱۵۹۴)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض الصلاة، إدارة القرآن ۲۰/۲، رقم: ۱۱۱۳۔

ولو افترش نعليه وقام عليهما جاز فلا يضر نجاسة ما تحتهما لكن لا بد من طهارة نعليه مما يلي الرجل لا مما يلي الأرض. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۸۲) ←

في الدر المختار: وصلاته على مصلى مضرب نجس البطانة اه. وفي رد المحتار: ثم هذا قول أبي يوسف وعن محمد يجوز إلى أن قال وظاهره ترجيح قول محمد: وهو الأشبه ورجح في الخانية في مسئلة الثوب قول أبي يوسف بأنه أقرب إلى الاحتياط وتمامه في الحلية. (١) اه والله اعلم

١٨ ربيع الاول ١٣٢١هـ (امداد اول ص ١٥٣)

«ولو خلع نعليه وقام عليها جاز سواء كان ما يلي الأرض منه نجسا أو طاهرا إذا كان ما يلي القدم طاهرا». (الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الفصل الثاني في طهارة ما يستربه العورة وغيره، مكتبة زكريا ديوبند قديم ٦٢/١، جديد ١١٩/١)

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في التشبه بأهل الكتاب، مكتبة زكريا ديوبند ٣٨٧/٢، كراچی ٦٢٦/١ - إذا صلى على حجر الرحا أو على باب أو بساط غليظ أو على مكعب ظاهر طاهر و باطنه نجس يجوز عند محمد وبه كان يفتي الشيخ أبو بكر الإسكاف وعند أبي يوسف لا يجوز به كان يفتي الشيخ أبو حفص الكبير. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، باب ما يحصل به التطهير، مكتبة زكريا ديوبند ٢٣٩/١)

ولو كان البساط مبطناً وأصابته النجاسة البطانة فصل على الطهارة وقد قام على ذلك الموضع فعن محمد أنه يجوز وعن أبي يوسف أنه لا يجوز. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، فصل في الفرائض ٣٠/٢، رقم: ١٥٨٩)

ولو كانت النجاسة على بطانة مصلاه أو في خشوها، جازت الصلاة عليها إذا لم يكن أحدهما مخيطاً على صاحبه ولا مضرباً، وإن كان أحدهما مخيطاً على صاحبه يجوز على قول محمد لأنه بالخياطة والتصريب لم يصير ثوباً واحداً، وعند أبي يوسف لا يجوز هكذا في محيط السرخسي وقول أبي يوسف أقرب إلى الاحتياط. (الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الفصل الثاني في طهارة ما يستربه العورة وغيره، مكتبة زكريا ديوبند قديم ٦٢/١، جديد ١١٩/١)

قبر میں لکڑی اور اینٹ یا پتھر رکھنے کی ممانعت کیسے؟

سوال (۶۸۹): قدیم ۱/۲۷-۲۷-۲۸ آجکل قبر میں لکڑی رکھنے کا علی العموم دستور ہے حالانکہ فقہاء نے آجر اور خشب دونوں کو ممنوع لکھا ہے البتہ بانس کی اجازت دی ہے اور علت ممانعت استحکام بیان کی ہے تو کیا یہ عمل مروج ناجائز ہے اس کی ممانعت کرنی چاہئے۔ نیز اس علت پر پتھر رکھنا بھی درست نہ ہونا چاہئے جو کہ کانپور میں رواج پایا جاتا ہے نیز بانس میں مثل خشب ہی کے استحکام ہے اس کو اس حکم سے کیوں مستثنیٰ کیا؟

الجواب: خشب وغیرہ رکھنے کے دو مقام ہیں لحد اور سقف قبر سولحد میں تو یہ تفصیل ہے کہ بلا ضرورت قصب و لبن کے سوا مکروہ ہے۔

لأنه خلاف السنة المعهودة من السلف (۱) والتعليل بالتفاول في الأجر والاستحكام في الخشب والأجر فلا أصل له أما الأول فلأنه نوع من الطيرة وهي شرك على مانص عليه صاحب الشرع. (۲)

(۱) ويسوّى اللبن على اللحد أي يقيم اللبن عليه من جهة القبلة واستعمال اللبن مجمع عليه ولا بأس بالقصب وقال إبراهيم النخعي كانوا يكرهون الأجر في قبورهم وقيل لا بأس به عند رخاوة الأرض. (حلي كبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۹۸)

عن إبراهيم النخعي أنه قال: كانوا يستحبون اللبن والقصب، ويكرهون الأجر، وقوله: ”كانوا“ كناية عن الصحابة والتابعين. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل في الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۶۸، رقم: ۳۷۳۱)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، إدره القرآن ۳/۹۲، رقم: ۲۴۸۱-
(۲) عن عبد الله بن مسعود عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الطيرة شرك قاله ثلثاً. (مشكوة شريف، كتاب الطب والرقي ص: ۳۹۲، رقم: ۴۳۷۵) ←

(ولما في فتح القدير (١) قوله: لأنهما من أحكام البناء) ومنهم من علل بان الآجر مسته النار ودفع بأن السنة أن يغسل بالماء الحار فعلم أن مس النار لم يعتبر مانعاً من الشرع والأولى ما في الكتاب وفي الدفع نوع نظر انتهى وأما الثاني فلأنه منقوض بتجويز التابوت في أرض رخوة ووضع الخشب والآجر (٢) فوق الميت أي على سطح القبر والتعليل بكونها عصمة من السبع غير مختص بالوضع فوق الميت بل هو جاء في اللحد أيضاً هي سطح قبر.

سواس میں نشب و آجر وغیرہ رکھنا سب جائز ہیں۔

← ترمذی شریف، أبواب السير، باب ما جاء في الطيرة، النسخة الهندية ١/ ٢٩٠، مكتبة دار السلام رقم: ١٦١٤۔

أبو داؤد شریف، کتاب السکھانة والتطير، باب في الطيرة والخط، النسخة الهندية ٢/ ٥٤٦، مكتبة دار السلام رقم: ٣٩١٠۔

(١) فتح القدير، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الدفن، مكتبة زكريا ديوبند ١٤٧/٢، مكتبة رشيدية كوثه ١٠٠/٢۔

(٢) قال صاحب المنافع اختاروا الشق في ديارنا لرخاوة الأراضي فيعتذر اللحد فيها حتى أجازوا الآجر وروفوف الخشب واتخاذ التابوت ولو كان من حديد. (حلي كبيری، کتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ٥٩٥)

ويلحد ولا يشق إلا في أرض رخوة فلا بأس به فيها ولا باتخاذ التابوت ولو من حديد. (مراقبي الفلاح على حاشية الطحطاوي، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ٦٠٧ - ٦٠٨)

إنما يكره الآجر إذا أريد به الزينة أما إذا أريد به دفع أذي السباع أو شيء آخر لا يكرهه (مراقبي الفلاح) وتحتة قال في الخانية: يكره الآجر إذا كان مما يلي الميت أما فيما وراء ذلك فلا بأس وفي الحسامي وقد نص اسمعيل الزاهد بالآجر خلف اللين على اللحد وأوصى به. (حاشية الطحطاوي، کتاب الصلاة، فصل في حملها ودفنها، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ٦١٠)

قال في رد المحتار: قال في الحلية: وكرهوا والأجر وألواح الخشب قال الإمام

التمر تاشی: هذا إذا كان حول الميت فلو فوقه لا يكره لأنه يكون عصمة من السبع الخ (۱)

اس تفصیل سے تمام سوال کا جواب معلوم ہو گیا۔ واللہ اعلم

۱۸/ ربيع الاول ۱۴۳۱ھ (امداد ص ۱۵۳)

میت کے اوپر پیری کا تختہ رکھنا

سوال (۶۹۰): قدیم ۱/ ۲۸- جو پور میں اہل تشیع کی دیکھا دیکھی قبر میں پیر کا تختہ اہل تسنن بھی دیتے ہیں اور فضیلت سمجھتے ہیں میں نے ایک عالم سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کچی اینٹ سے قبر بند کرنا تو مسنون ہے اگر اینٹیں کچی نہ ہوں تو بانس کے تختے قبر میں دیئے جائیں بانس خشک ہو یا تر ہو یعنی سبز ہو یا دہر کا کٹا خشک ہو باقی لکڑی کا تختہ عام اس سے کہ وہ صندل کی لکڑی کیوں نہ ہو مکروہ ہے لہذا اس کی تصدیق حضور سے چاہتا ہوں؟

الجواب: في الدر المختار: ويسوي اللبن عليه والقصب لا الأجر المطبوع والخشب لو حوله الميت أما فوقه فلا يكره ابن مالک. (۲)

(۱) الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۲۸۳،

کراچی ۲/ ۲۳۶۔

(۲) الدر المختار على الشامي، کتاب الصلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت،

مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۲۸۳، کراچی ۲/ ۲۳۱۔

ويسوي اللبن عليه والقصب لا الأجر والخشب لأنهما الأحكام البناء. (البحر الرائق،

کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۳۹، کوئٹہ ۲/ ۱۹۴)

ويسوي اللبن على الدحد أي يقيم اللبن عليه من جهة القبلة..... واستعماله اللبن

مجمع عليه ولا بأس بالقصب..... ويكره الأجر والخشب لأنهما لأحكام البناء والزينة.

(حلبی کبری، کتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۹۸) ←

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ عالم صحیح فرماتے ہیں لیکن میت کے اوپر تختے رکھے جاویں تو کچھ حرج نہیں لحد میں اس کے گرد نہ لگائے جاویں اصل مسئلہ میں تو یہ تفصیل ہے مگر خاص پیری کے تختہ میں چونکہ مشابہت ہے اہل باطل کے ساتھ اس عارض سے میت کے اوپر بھی نہ رکھنا چاہئے۔ (۱)

۲۹/ صفر ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانی ص ۱۲۷)

مسلم و کافر کے جنازے آپس میں مشتبہ ہو جائیں تو نماز جنازہ کیسے ادا کریں؟

سوال (۶۹۱): قدیم ۱/ ۲۸- ایک جگہ جنگل میں چار آدمی آگ میں جل گئے اب یہ شناخت نہیں ہوتی کہ وہ ہندو ہیں یا مسلمان اب موتی مذکورہ کے واسطے کیا کریں یعنی مدفون نماز پڑھ کر کرائے جاویں یا اور کوئی صورت ان کے واسطے ہوگی؟

← عن إبراهيم النخعي أنه قال: كانوا يستحبون اللبن والقصب، ويكرهون الآجر، وقول: "كانوا" كناية عن الصحابة والتابعين. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل في الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۶۸، رقم: ۳۷۳۱)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، إدار القرآن ۳/ ۹۲، رقم: ۲۴۸۱-

(۱) عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم. (مشکوٰۃ شریف، کتاب اللباس ص: ۳۷۵)

سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، مكتبة دار السلام رقم: ۴۰۳۱-

وتحتة في المرقاة: أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار فهو منهم أي في الإثم والخير. (مرقاۃ المفاتیح، كتاب اللباس، مكتبة امدادیة ملتان ۸/ ۲۵۵)

الجواب: في الدر المختار: فروع لولم يدر (إلى قوله) دنفهم. وفي ردالمختار:

قوله: فإن في دارنا (إلى قوله) منهي عنه ص ۸۹۹ و ۹۰۰. (۱)

بناء برروایت مذکورہ بعد تصحیح وترجیح جواب یہ ہے کہ سب کو غسل دیں اور سب کو سامنے رکھ کر یہ خیال کر کے نماز پڑھیں کہ ان میں جو مسلمان ہیں ان کی نماز پڑھتے ہیں اور پھر سب کو دفن کر دیں۔

۲۹/ صفر ۱۳۲۷ھ (تمتہ اول ص ۴۶)

(۱) فروع: لولم يدر أمسلم أم كافر، ولا علامة، فإن في دارنا غسل وصلى عليه وإلا لا. وتحتته في الشامي: قيل يصلى ويقصد المسلمين؛ لأنه إن عجز عن التعيين لا يعجز عن التصد كما في البدائع: قال في الحلية فعلى هذا ينبغي أن يصلي عليهم في الحالة الثانية أيضًا أي حالة ما إذا كان الكفار أكثر لأنه حيث قصد المسلمين فقط لم يكن مصليًا على الكفار، وإلا لم تجز الصلاة عليهم في الحالة الأولى أيضًا مع أن الاتفاق على الجواز، فينبغي الصلاة عليهم في الأحوال الثلاث كما قالت به الأئمة الثلاث وهو أوجه قضاء لحق المسلمين بلا ارتكاب منهي عنه. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبة زكريا ديوبند ۹۳/۳ - ۹۴، کراچی ۲۰۰/۲ - ۲۰۱)

موتى المسلمين إذا اختلطوا بموتى الكفار أو قتلى المسلمين يقتلي الكفار إن كان للمسلمين علامة يعرفون بها يميز بينهم وإن لم تكن علامة إن كانت الغلبة للمسلمين يصلي على الكل وينوي بالصلاة الدعاء للمسلمين ويدفنون في مقابر المسلمين. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الغسل، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱۵۹/۱، جديد ۲۲۰/۱)

وإذا اختلط موتى المسلمين بموتى الكفار إن أمكن تمييز المسلمين بالعلامة يميزون به، وإن كان لم يكن التمييز وكانت الغلبة للمسلمين غسلوا ويصلي عليهم إلا من عرف بعينه أنه كافر لكن ينوون بالدعاء للمسلمين. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۸۳/۳، رقم: ۳۷۷۲)

وإذا لم يد رحاله أمسلم هو أم كافر فإن كان عليه سيما المسلمين غسل، وإن لم يكن ففيه روايتان والصحيح أنه يغسل ويصلى عليه لأن دلالة المكان بها تحصل غلبة الظن بكونه مسلمًا. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبة زكريا

امامت جنازہ کیلئے سلطان و امام جمعی ولی سے احق ہیں یا ولی زیادہ حقدار ہے؟

سوال (۶۹۲): قدیم ۱/۲۹- بادشاہ یا قاضی یا امام جمعی حاضر ہونے کے ساتھ ولی میت یا وصی میت کے واسطے نماز پڑھنا ناجائز ہے یا نہیں مگر اتفاق سے پڑھا دے تو نماز ہرانا ہوگا یا نہیں؟

الجواب : وصی میت کا تو اس میں کوئی حق نہیں البتہ ولی صاحب حق ہے مگر سلطان و قاضی و امام جمعی اس سے مقدم ہے (۱) لیکن اگر ولی نے بوجود حاضر رہنے ان مذکورین کے نماز پڑھائی تو گو ترک واجب کیا (*) مگر نماز ہوگئی اعادہ اس کا نہ کیا جاوے گا۔ علامہ شامی نے اقوال مختلفہ میں اس کی تصحیح اور ترجیح لکھی ہے۔ واللہ اعلم

۲۰/ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اول ص ۴۶)

(*) درمختار میں ہے کہ ولی پر سلطان و قاضی کی تقدیم تو وجوباً ہے؛ لیکن امام جمعی کی تقدیم صرف استحباً ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ امام جمعی ولی سے افضل ہو اور اگر ولی افضل ہو تو پھر اسی کی امامت امام جمعی سے اولیٰ ہے۔

و تقدیم امام الحمی مندوب فقط بشرط أن يكون أفضل من الولی، وإلا فالولی اولیٰ، كما في المعتمد و شرح المجمع المصنف (در مختار) قوله: بشرط الخ نقل هذا الشرط في الحلیة، ثم قال: وهو حسن، و تبعه في البحر الخ (رد المختار ۱/۸۲۳)

و کذا فی فتاویٰ دارالعلوم جدید ۵/ ۲۳۰ واللہ اعلم سعید احمد پالن پوری

(۱) حضرت والا تھانویؒ نے امام جمعی اور محلّہ کی مسجد کے امام کو ولی پر مقدم قرار دیا ہے، اس کی وضاحت ضروری ہے کہ محلّہ کا وہ امام جو حاکم وقت کی طرف سے مقرر کردہ ہے، اس کو محلّہ کے لوگوں پر حاکم اور قاضی کی طرح ایک قسم کی ولایت حاصل ہوئی ہے، وہ نماز جنازہ پڑھانے میں ولی پر مقدم ہوتا ہے، حضرت والا تھانویؒ کے جواب میں یہی امام مراد ہے، جو حاکم یا قاضی کی طرف سے مقرر کردہ ہے، اس کے برخلاف محلّہ کی مسجد کا وہ امام جس کو محلّہ والوں اور مقتدیوں نے یا مسجد کے متولی یا کمیٹی نے مقرر کیا ہے، اس کا حکم محلّہ کے افراد اور مقتدیوں میں سے ایک فرد کی طرح ہے؛ کیونکہ محلّہ والے یا مسجد کے ذمہ داران جب چاہیں گے اس امام کو منصب امام سے برطرف کر سکتے ہیں؛ لہذا محلّہ والے اور مسجد کے ذمہ دار کو اس امام کے اوپر بالادستی حاصل ہے، وہ نماز جنازہ میں ولی پر فائق اور مقدم نہیں ہوگا؛ لہذا ولی کی اجازت کے بغیر اس کو نماز جنازہ پڑھانے کا حق نہیں ہوگا، اس بارے میں فقہی جزئیات ملاحظہ فرمائیے: اس کو البحر الرائق میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے: ←

تلقین قبور کی تحقیق

سوال (۶۹۳): قدیم ۱/۲۹- تلقین القبور کے جواز و عدم جواز میں کوئی صورت مفتی بہ ہے؟

الجواب: في الدر المختار: ولا يلحق بعد تلحيدہ وفي رد المحتار ذکر في

المعراج: أنه ظاهر الرواية اه جداول ص ۸۹۰. (۱)

اور ترجیح ظاہر روایت کو ہوتی ہے اور اس کے بعد میں جو تلقین کی مشروعیت کو نقل کیا ہے سواول تو اس کے دلائل ضعیف ہیں بعض ثبوتاً بعض دلالتاً پھر اس پر سب متفق ہیں کہ ضروری نہیں اور غیر ضروری میں جب کوئی مفسدہ ہو متروک ہو جاتا ہے اور اس میں تشبہ بالروافض ہے اس لئے قابل ترک ہوا۔ (۲) واللہ اعلم ۲۰/ ذی الحجہ ۱۳۲ھ (تمتہ اول ص ۲۶)

← وهذا خاص بإمام مسجد محليته والذي ظهر لي أنه إن كان مقرراً من جمعة القضاة فهو كئناثه وإن كان المقرّر له الناظر فهو كالأجنبي الخ. (البحر الرائق، جديد زكريا ديوبند ۲/ ۳۱۶)

اس کو نہر الفائق میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وقد وقع الإشتباه في إمام المصلي الراتب المجمعول من قبل الواقف هل يقدم على الولي المحاقاً له بإمام الحي، والذي يظهر أنه إن كان مقرراً من جهة القاضي فكئناثه وإن كان جهة الناظر فكلاً جنبی الخ. (النهر الفائق، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۳۹۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، زکریا دیوبند ۳/ ۸۰، کراچی ۱۹۱/۲.

(۲) حضرت والا تھانویؒ نے بعض مفسدہ کے خطرے کی وجہ سے ظاہر الروایۃ کے پیش نظر قابل ترک قرار دیا ہے، اور علامہ شامیؒ نے کئی عبارات نقل فرمانے کے بعد آخر میں جواز کے پہلو کو ترجیح دی ہے، اور بعض احادیث میں اس کا ثبوت ہے، مگر حدیث شریف متکلم فیہ اور ضعیف ہے؛ لیکن موضوع بھی نہیں ہے؛ اس لئے اگر مفسدہ کا اندیشہ ہو یا لازم اور ضروری سمجھنے لگے تو قابل ترک ہے اور اگر ایسی کسی بات کا خطرہ نہ ہو، تو قبر میں رکھنے کے بعد اس طرح تلقین کی گنجائش ہے، اس بارے میں المعجم الکبیر میں حضرت ابوامامہ باہلیؓ کی روایت مروی ہے ملاحظہ فرمائیے: ←

مردہ کے ہاتھ حضور ﷺ کی خدمت میں سلام کہنا

سوال (۶۹۴): قدیم ۱/۲۹۱- بعض جگہ دستور ہے کہ جب مردہ کو نہلا کر کفن پہنایا جاتا ہے

اس وقت اس مردے کے کان میں کہہ دیتے ہیں کہ میرا رسول اللہ ﷺ کو سلام کہنا، یہ کیسا ہے؟

الجواب: بعض سلف سے ثابت ہے کہ مردہ کے ہاتھ برزخ والوں کو سلام کہہ دیتے تھے اس بناء پر جائز ہے۔ مگر یہ اسی حالت میں ہو سکتا ہے جب مردہ بات کے سننے سمجھنے کے لائق ہو یعنی موت کے قبل ہوش میں ہونہ کہ بعد کفن آنے کے کہ محض مہمل ہے۔ (۱) (تمتہ اول ص ۴۷)

← عن سعيد بن عبد الله الأودي قال: شهدت أبا أمامة وهو في النزع فقال: إذا أنا مت فاصنعوا بي كما أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نصنع بموتانا، أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إذا مات أحد من إخوانكم فسوitem التراب على قبره فليهم أحدكم على رأس قبره، ثم ليقل يا فلان بن فلانة فإنه يسمعه ولا يجيب، ثم يقول يا فلان بن فلانة فإنه يستوي قاعدًا، ثم يقول يا فلان بن فلانة فإنه يقول أرشدنا رحمك الله ولكن لا نشعرون فليقل اذكر ما خرجت عليه من الدنيا شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدًا عبده ورسوله وإنك رضيت بالله ربًا وبالإسلام دينًا وبمحمد نبيًا وبالقرآن إمامًا فإن منكراً ونكيراً يأخذ واحد منهما بيد صاحبه ويقول انطلق بنا ما نعتقد عند من قد لقن حجة فيكون الله، حجيجه دونهما فقال رجل: يا رسول الله فإن لم يعرف أمه فينسبه إلى حواء يا فلان بن حواء الحديث. (المعجم الكبير ۸/۲۵۰، رقم: ۷۹۷۹)

معجم الزوائد ۳/۴۵۰.

فتح الملہم شرح مسلم میں کافی تفصیل ہے ملاحظہ ہو فتح الملہم قدیم ۲/۳۶۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) موت سے قبل ہوش وحواس باقی رہنے کی حالت میں قریب المرگ مریض کے ہاتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام کہلوانا حدیث سے ہے، مگر روح نکل جانے کے بعد میت کے ہاتھ سلام کہلوانا ثابت نہیں ہے؛ اس لئے حضرت والا تھانویؒ نے موت کے بعد سلام کہلوانے۔ ←

وضو کا پانی قبر پر گرانا

سوال (۶۹۵): قدیم ۳۰/۱۔ قبر کے اوپر وضو کا پانی گرانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وفي رد المحتار من الفتح: ويكره الجلوس على القبر ووطؤه. وفي الدر المختار: آداب الوضوء والجلوس في مكان مرتفع تحرزاً عن الماء المستعمل،

← محض مہمل بتلایا ہے: موت سے قبل قریب المرگ شخص کے ذریعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام کہلوانے کی۔

روایت ملاحظہ فرمائیے:

عن محمد بن المنكدر قال دخلت على جابر بن عبد الله وهو يموت فقلت اقراء على رسول الله صلى الله عليه وسلم "السلام" الحديث. (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند المريض إذا حضر، النسخة الهندية ۱۰۴، مكتبة دار السلام رياض رقم: ۱۴۵۰)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے مسلمان میت کے پاس بھی سلام کہلوانے کی بات حدیث سے ثابت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الرحمن بن كعب بن مالك عن أبيه قال: لما حضرت كعباً الوفاة أتته أم بشر بنت البراء بن معرور فقالت: يا أبا عبد الرحمن إن لقيت فلاناً فاقرأ عليه مني السلام قال غفر الله لك يا أم بشر نحن اشغل من ذلك، قالت: يا أبا عبد الرحمن أما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أن أراح المؤمنين في طير خضر، تعلق بشجر الجنة، قال: بلى! قالت: فهو ذاك الحديث. (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند المريض إذا حضر، النسخة الهندية ۱۰۴، مكتبة دار السلام رياض رقم: ۱۴۴۹)

ملا علی قارئی نے مرقات میں بخاری کے حوالہ سے:

حضرت خالدہ بنت عبد اللہ بن انیس قالت جاء ت أم أنيس بنت أبي قتادة بعد موت أبيها بنصف شهر إلى عبد الله بن أنيس ومريض فقالت: يا عم اقراء أبي السلام الحديث. (مرقاۃ ملتان قبیل باب غسل الميت ۳۰/۴)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وفي رد المحتار: لوقوع الخلاف في نجاسته ولأنه مستقذر ولذا كره شربه والعجن به على القول الصحيح بطهارته وفيه مكروهات الوضوء أو في المسجد. (۱)
ان روایات میں تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ قبر بھی محترم اور ماء وضو مستقذر ہے اس لئے قبر پر وضو کا پانی گرا نا نہ چاہئے باقی جزئیہ نظر سے نہیں گزرا۔ فقط (تمتہ اول ص ۴۷)

قبر کو مسجد کے اندر داخل کرنا

سوال (۶۹۶): قدیم / ۳۰ - مسجد بڑھا کر قبر کو اندر کر لینا درست ہے یا نہیں اور اس کے اوپر جوتیاں وغیرہ اتارنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: في رد المحتار: إذا بلى الميت وصارت راباً يجوز زرعه والبناء عليه ومقتضاه جواز المشى فوقه ص ۵۴ ج ۱. (۲)
اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر قبر پرانی ہو جاوے کہ بغالب گمان اس میں مردہ خام ہو گیا ہو تو یہ سب امور مذکورہ سوال جائز ہے۔ (تمتہ اول ص ۴۷)

(۱) شامی، کتاب الجنائز، مطلب في إهداء ثواب القراءة للنبي صلى الله عليه وسلم، مكتبة ايج ايم سعيد كمپنی كراچی ۲/۲۴۵، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۵۴ -
(۲) شامی، جنائز، مطلب إهداء ثواب القراءة للنبي صلى الله عليه وسلم، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۵۵، كراچی ۲/۲۴۵ -

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أربذاك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تملكه لأحد معناهما على هذا واحد وذكر أصحابنا أن المسجد إذا خرب ودثر ولم يبق حوله جماعة والمقبرة إذا عفت ودثرت تعود ملكاً لأربابها فإذا عادت ملكاً يجوز أن يبنى موضع المسجد داراً وموضع المقبرة مسجداً وغير ذلك فإذا لم يكن لها أرباب تكون لبيت المال الخ. (عمدة القارى قديم ۴/۱۷۹، جديد زكريا ديوبند ۳/۴۳۵، تحت رقم الحديث: ۴۲۸)

تفصيل کے لئے فتاویٰ قاسمیہ ۱۸/۱۳۱ تا ۱۳۴/۱ کا ملاحظہ فرمائیے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

سوال (۶۹۷): قدیم ۳۰/۱۔ قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے یا نہ؟

الجواب: فی رد المحتار: ادب زیارة القبور، ثم یدعو قائماً طویلاً۔

اس سے دعا کا جائز ہونا ثابت ہوا اور ہاتھ اٹھانا مطلقاً آداب دعا سے ہے پس یہ بھی درست ہوا۔ (۱)

۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ (تمہ اول ص ۴۷)

(۱) قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا حدیث سے ثابت ہے، پس اتنا خیال رکھا جائے قبر سے اپنا منہ دوسری طرف موڑ کر دعا کی جائے۔
روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الله بن مسعود أنه قال: لكانني أرى رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة تبوك، وهو في قبر عبد الله ذي النجادين (إلى ما قال) فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه يقول: اللهم إني أمسيت راضياً فارض عنه. (اسد الغابة، دار الفكر ۴/ ۱۲۴، مرقاة شرح المشكوة، باب في دفن الميت، الفصل الثاني، مكتبة امدادية ملتان ۴/ ۷۵)

وفي حديث ابن مسعود رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في قبر عبد الله ذي النجادين، الحديث، وفيه: فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه، أخرجه أبو عوانة في صحيحه. (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، بیروت قدیم ۱۱/ ۴۴۴، اشرفیة ۱۱/ ۱۷۳، تحت رقم الحديث: ۶۳۴۳)

وعن عبد الله يعني ابن مسعود قال: لكانني اسمع رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة تبوك وهو في قبر عبد الله ذي النجادين إلى ما قال: فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة فقال: اللهم إني أمسيت عنه راضياً فارض عنه، رواه البزار عن شيخه عباد ابن أحمد العرزمي، وهو متروك. (مجمع الزوائد ۹/ ۳۶۹، منسند البزار، مكتبة العلوم والحكم رقم: ۱۷۰۶)

تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے فتاویٰ قاسمیہ، کتاب الجنائز ۱۰/ ۱۱۷ تا ۱۲۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قبرستان میں جوتہ سمیت چلنا

سوال (۶۹۸): قدیم ۱/۷۳۱- قبرستان میں جو راستہ پڑا ہوا ہے اس پر سے جوتیاں پہن کر چلا جانا درست ہے یا نہیں اور بغیر راستے کے قبرستان میں جوتیاں پہن کر یا بغیر جوتیوں کے چلنا درست ہے یا نہیں۔ قبر کے نشانات نہیں ہیں؟

الجواب: في الدر المختار: يكره المشي في طريق ظن أنه محدث حتى إذا لم يصل إلى قبره إلا بوطأ قبر تركه اه. (۱)
اس سے معلوم ہوا کہ اگر نیا راستہ ہو تو اس پر چلنا درست نہیں۔

۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تتمہ اول ص ۴۸)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۱۵۴، کراچی ۲/۲۳۵۔

اور شامی میں اس کی صراحت ہے کہ اگر پہلے سے قبروں کے اوپر سے راستہ بنا ہوا ہے، تو اس پر سے چلنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر پہلے سے راستہ نہیں تھا اور ابھی نیا راستہ قبر کے اوپر سے بنایا گیا ہے تو اس پر سے چلنا مکروہ ہے، ہاں البتہ اگر ثواب پہنچانے کے لئے کچھ آیتوں وغیرہ کی تلاوت کرتے ہوئے چلتے ہیں تو اس نیا راستہ کے اوپر سے بھی چلنا بلا کراہت جائز ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

قلت: وفي الأحكام عن الخلاصة وغيرها: لو وجد طريقاً إن وقع في قلبه أنه محدث لايمشي عليه وإلا فلا بأس به. وفي خزانة الفتاوى: وعن أبي حنيفة: لا يوطأ القبر الا للضرورة، ويزار من بعيد ولا يقعد، وإن فعل يكره، وقال بعضهم: لا بأس بأن يطأ القبور وهو يقرأ أو يسبح أو يدعو لهم. اه وقال في الحلية: وتكره الصلاة عليه وإليه لو رود النهي عن ذلك؛ ثم ذكر عن الإمام الطحطاوي أنه حمل ما ورد من النهي عن الجلوس على القبر على الجلوس لقضاء الحاجة، وأنه لا يكره الجلوس لغيره جمعاً بين الآثار، وأنه قال: إن ذاك قول أبي حنيفة، وأبي يوسف، ومحمد، ثم نازعه بما صرح به في النوادر والتحفة والبدائع والمحيط وغيره من أن أبا حنيفة كره وطء القبر والقعود أو النوم أو قضاء الحاجة عليه، وبأنه ثبت النهي عن وطئه والمشي عليه، وتسامه فيها، وقيد في نور الإيضاع كراهة القعود على القبر بما إذا كان لغير

قراءة. (فتاوى شامی، کتاب الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۱۵۴، کراچی ۲/۲۴۵)

غسل کے وقت میت کے نجس کپڑے کو پاک کرنا

سوال (۶۹۹): قدیم ۱/۳۱- میت کو غسل دینے کے وقت جو کپڑا ناف سے گھٹنے تک رکھا گیا ہے پہلی دفعہ جب نجاست دور کی گئی تو وہ پانی کپڑے کو بھی لگا تو اب وہی کپڑا کفایت کرے گا یا دوسرا رکھا جاوے؟

الجواب: دوسرا پہلے کو پاک کر کے رکھیں۔ (۱)

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ (تمتہ اول ص ۴۸)

ظاہری نجاست اگر نہ ہو تب بھی کپڑے پر اول جو تری لگے گی کپڑا ناپاک ہو جائیگا

سوال (۷۰۰): قدیم ۱/۳۱- اور اگر وہی کپڑا رہے تو صاف کر کے رکھا جاوے یا ویسے ہی بدستور رہے اور اگر نجاست ظاہری نہ ہو تو تر ہونے سے کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے یا نہیں اور میت کی شرمگاہ سے نجاست بذریعہ کلوخ دور کرنا بہتر ہے یا بذریعہ پانی؟

(۱) ثم مسح بطنه فإن سال منه شيء مسحہ کیلا يتلوث الكفن، ویغسل ذلك الموضع تطهيراً له عن النجاسة الحقيقية. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، کیفیة غسل الميت، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۲۷)

وبطرو النجاسة بعده لا يعاد بل يغسل موضعها. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۸۹، کراچی ۲/۱۹۷)

والتطهير لا يحصل إذا غسل مع ثيابه لأن الثوب متى تنجس بالغسالة تنجس به بدنه ثانياً بنجاسة الثوب فلا يفيد الغسل. (عناية على هامش فتح القدير، کتاب الجنائز، ۲/۱۰۸، مکتبۃ زکریا دیوبند، کفایة مع فتح القدير، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الغسل، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۳۲)

الجواب: في رد المحتار: باب الجنابة تحت قول الدر المختار قيل نجاسة

خبث الخ ويؤيده إطلاق محمد نجاسة غسلته. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ قبل غسل جو پانی اس کو لگا ہے وہ ناپاک ہے پس تر ہونے سے کپڑا ناپاک ہو جاوے گا اور نجاست کا ازالہ پانی سے کافی ہے۔ (۲)

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ (تمہ اول ص ۴۸)

قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنے کی تحقیق

سوال (۷۰۱): قدیم ۱/۳۱- قبرستان میں اکثر دیہات میں جنازہ کی نماز پڑھی جاتی ہے قبرستان کو پس پشت یا داہنے یا بائیں کر لیا جاوے اس وقت یہ نماز یا اور نماز پڑھ لینے سے بے کراہت درست ہوگی یا نہیں؟

(۱) شامی، باب صلاة الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۸۴/۳، کراچی ۱۹۴۲۔

لأن الثوب متى تنجس بالغسالة يتنجس بدنه ثانياً بنجاسة الثوب فلا يفيد الغسل. (الكفاية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الغسل، مكتبة زكريا ديوبند ۳۲/۲) والتطهير لا يحصل إذا غسل مع ثيابه لأن الثوب متى تنجس بالغسالة تنجس به بدنه ثانياً بنجاسة الثوب فلا يفيد الغسل. (العناية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الغسل، مكتبة زكريا ديوبند ۱۰۸/۲)

(۲) يجوز دفع نجاسة حقيقية عن محلها بماء ولو مستعملاً. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مكتبة زكريا ديوبند ۵۰۹/۱، کراچی ۳۰۹/۱) يطهر البدن والثوب بالماء وبمائع مزيل. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الانجاس، مكتبة زكريا ديوبند ۳۸۲/۱، کوئٹہ ۲۲۱/۱)

يجوز تطهير النجاسة بالماء وبكل مائع طاهر يمكن إزالته به. (الفتاوى النهديّة، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۴۱/۱، جدید ۹۶/۱)

الجواب: نماز جنازہ درست ہے (۱) اور دوسری نماز میں داسنے بائیں طرف بھی قبر نہ چاہئے۔

قیاساً علی التمثال حیث یکرہ إذا کان بحذاء یمنة ویسرة. (۲)

۴/ شعبان ۱۳۲۹ھ (تمہ اول ص ۴۸)

(۱) ولا بأس بالصلاة فيها إذا كان موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة كما في الخانية ولا قبلته إلى قبر. (شامي، كتاب الصلاة، قيل مطلب: تكره الصلاة في الكنيسة، مكتبة زكريا ديوبند ۴۲/۲، کراچی ۳۸۰/۱)

فتاویٰ قاضی خاں علی هامش الهندیہ، کتاب الصلاة، فصل فی النجاسة التي تصيب الثوب النخ، مكتبة زكريا ديوبند ۲۹/۱، جدید زكريا ديوبند ۲۱/۱.

وكذا في المقبرة إذا كان فيها موضع آخر أعد للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۵۸/۲، کوئٹہ ۳۳/۲)

فإن كان فيها موضع أعد للصلاة ليس فيه قبر ونجاسة لا بأس به، وفي الحاوي: وإن كانت القبور ما وراء المصلي لا يكره. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، ما يكره للمصلي وما لا يكره ۲۱۳/۲، رقم: ۲۱۹۸، مكتبة زكريا ديوبند)

(۲) وكره أن يكون فوق رأسه أو بين يديه أو بحذاء یمنة ویسرة أو محل سجوده تمثال. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۴۱۶/۲-۴۱۷، کراچی ۶۴۸/۲)

وكره أن يكون فوق رأسه أو بين يديه أو بحذاء صورة وقولهم: ويكره التصاویر المراد بها التماثيل والمراد بحذاء یمینه ویساره. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۴۸/۲، کوئٹہ ۲۷/۲)

ويكره أن يكون فوق رأسه في السقف أو بين يديه أو بحذاء تصاویر أو صورة معلقة. (هداية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، فصل يكره للمصلي، مكتبة زكريا ديوبند ۴۲۷/۱-۴۲۸)

سوال (۷۰۲): قدیم ۱/۳۱- حد گورستان خواہ احاطہ گورستان کے اندر جہاں قبریں متعدد

ظاہر بھی ہیں اور زمین برابر ہو گئی ہے مگر قبریں ظاہر معلوم ہوتی ہیں اس جگہ نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے۔ فقط؟

الجواب: جائز ہے (۱) کیونکہ قبر نفس نعش سے زیادہ نہیں اور نعش کا سامنے ہونا جب جائز ہے تو قبر کا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ (۲) فقط

۳/ری الذی الحجۃ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اول ص ۴۹)

سوال (۷۰۳): قدیم ۱/۳۲- ایک مسجد کہنہ قناتی وسط قبرستان میں واقع ہے غرض بارہ سال

سے پہلے اس میں کبھی کبھی جماعت ہوا کرتی تھی فی الحال کسی وقت اس میں کوئی نماز نہیں ادا کرتا ہے اور اس

کے اطراف خراب ہو رہے ہیں اور مسجد کے چاروں طرف قبریں ہیں ایسی صورت میں اس مسجد میں نماز

جنازہ ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۱) قال أبو حنیفۃ: ولا ينبغي أن يصلي على ميت بين القبور، وكان علي وابن عباس

يكرهان ذلك، وإن صلوا أجزاءهم، لما روي أنهم صلوا على عائشة وأم سلمة بين مقابر

البقيع والإمام أبوهريرة وفيهم ابن عمر. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، سنن الدفن، مكتبة

زكريا ديوبند ۶۵/۲)

البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند

۳۴۱/۲، کوئٹہ ۹۵/۲۔

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل

السلطان أحق بصلاته ص: ۵۹۵، دارالکتاب دیوبند۔

وعن أبي حنیفۃ: لا ينبغي أن يصلي على ميت بين القبور، وإن صلوا أجزاءهم.

(الفتاویٰ التاتاریخانیۃ، کتاب الصلاة، باب الجنائز ۷۳/۳، رقم المسألة: ۳۷۴۰)

(۲) حضرت والا تھانویؒ نے اس فتویٰ سے رجوع فرمایا ہے اور کراہت تنزیہی کا فتویٰ جاری

فرمایا ہے، جس کی وضاحت اگلے فتویٰ کے آخر میں ایک عنوان تحقیق کراہت صلوٰۃ جنازہ در مقبرہ کے تحت

آ رہا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

الجواب: نہیں۔ (۱)

۱۵ جمادی الاول ۱۴۳۱ھ

تتمہ سوال بالا: سو اس مسجد کے جہاں کہیں جنازہ رکھا جائیگا قبر کا سامنا ہوگا؟**الجواب:** کچھ حرج نہیں جب خود جنازہ ہی سامنے ہے پھر قبر کا کیا حرج ہے۔ (۲)**تتمہ سوال بالا:** عرصہ ۷ یا ۸ سال سے اس میں نماز جنازہ ادا کرتے ہیں گویا وہ اسی مصرف

میں خاص کر لیا ہے؟

الجواب: کسی کو اختیار نہیں۔ (۳)

(۱) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى على جنازة في المسجد فلا شيء له. (أبو داؤد شريف، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد ۴۵۴/۲، رقم: ۳۱۹۱)

وكرهت تحريماً وقيل تنزيهاً في مسجد جماعة هو الميت فيه وحده أو مع القوم.
(الدر المختار على الشامي، باب صلاة الجنازة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۲۶/۳، كراچی ۲۲۵/۲)
(۲) ولا في مسجد لحديث أبي داؤد مرفوعاً من صلى على ميت في المسجد فلا أجوله وفي رواية: فلا شيء له. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۳۲۷/۲، كوئٹہ ۱۸۶/۲)

و صلاة الجنازة في المسجد الذي تقام فيه الجماعة مكروهة. (الفتاوى الهندية، باب صلاة الجنازة، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱۶۵/۱، جديد زكريا ۲۲۶/۱)

(۳) إذا خربت القرية التي فيها المسجد وجعلت مزارع وخرب المسجد فلا يصلى فيه أحد فلا بأس بأن يأخذه صاحبه يبيعه ممن يجعله مزرعة لنفسه، وهو قول محمد، وقال أبو يوسف: لا يعود إلى ملك الباني، إن كان حياً ولا إلى ورثة إن كان ميتاً وهو مسجد أبداً على حاله. وفي الخانية: والفتوى على قول أبي يوسف أنه لا يعود إلى ملكه أبداً. (الفتاوى

التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد ۱۶۴/۸، رقم: ۱۱۵۲۱-۱۱۵۱۹) ←

البتہ اگر بناء اس کی اسی نیت سے ہوتی تو پھر وہ مسجد نہ ہوتی۔ (۱)

(تمہ ثانی ص ۲۷)

سوال (۷۰۴): قدیم ۱/۳۲۲۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ نماز جنازہ اس میدان میں جہاں سے کہ بعض قبور نظر آتی ہوں اور درمیان میں دیوار حائل ہو یا نہ ہو بلا کراہت جائز ہے یا نہ؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: قبر کی طرف جو نماز مکروہ ہے تو بوجہ اس کے کہ وہ مشتمل ہے میت پر جس میں احتمال ہے عبادت غیر اللہ کا اور نماز جنازہ میں خود میت ہی کا روبرو ہونا جائز رکھا گیا ہے تو قبر کا سامنے ہونا تو بدرجہ اولیٰ (۲)

← ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام. والثاني: أبداً إلى قيام الساعة وبه يفتي حاوي القدسي. (الدر المختار على الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۵۴۸، کراچی ۴/۳۵۸)

(۱) أما المسجد الذي بنى لأجل صلاة الجنازة فلا تكره فيه، كذا في التبيين. (الفتاویٰ الهندیہ، باب صلاة الجنازة، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۱/۱۶۵، زكريا جدید ۱/۲۲۶)

تبيين الحقائق، باب الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۵۷۹۔

لأنهم يحتضرون به عن المسجد المبني لصلاة الجنازة، فإنها لا تكره فيه مع أن الصحيح أنه ليس بمسجد لأنه ما أعد للصلاة حقيقة لأن صلاة الجنازة ليست بصلاة حقيقة، وحاجة الناس ماسة إلى أنه لم يكن مسجداً توسعة للأمر عليهم. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۲۸، كوئٹہ ۲/۱۸۷)

ولا بأس بالصلاة فيها إذا كان فيها موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة كما في الخانية: ولا قبلته إلى قبر. (رد المختار، كتاب الصلاة، قبيل مطلب تكره الصلاة في الكنيسة مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۲، کراچی ۱/۳۸۰)

(۲) وشرطها..... ووضعه أمام المصلي وكونه للقبلة. (الدر المختار على الشامي،

باب صلاة الجنازة، مطلب في صلاة الجنازة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۰۴، کراچی ۲/) ←

یہ تو تحقیقی جواب ہے اس سوال کا اور سائل نے خط میں جو بعض غیر مقلدین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عدم جواز نماز جنازہ قبور کے قریب کا حکم لگا دیا ہے تو اگر وہ اہل انصاف ہوں تب تو ان کے جواب کیلئے یہ حدیث کافی ہے جس کو شیخین نے روایت کیا ہے۔

عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ مرقب قبر دفن ليلا فقال: متى دفن هذا فقالوا البارحة قال أفلا اذ تموني فقالوا دفناه في ظلمة الليل فكرهنا إن نوقظك فقام فصففنا خلفه فصلى عليه. (۱)

دیکھئے اس حدیث میں تصریح ہے کہ آپ نے نماز جنازہ اس طرح پڑھی کہ قبر سامنے تھی اور اگر وہ اہل اعتساف ہوں تو ان سے خطاب بیکار ہے اپنی تسلی حاصل کر کے عمل کرنا چاہئے۔

۲۶ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ (تمہ خامسہ ص ۲۴۴)

← وزاد في فتح القدير وغيره شرطًا ثالثًا في الميت وهو وضعه أمام المصلي، فلا تجوز على..... ولا موضوع متقدم عليه المصلي لأنه كالإمام من وجه دون وجه. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۳۱۴/۲، كوئٹہ ۱۷۹/۲)

وشرط صحتها..... ووضعه أمام المصلي، فلهذا القيد لا تجوز على غائب..... ولا موضوع متقدم عليه المصلي وهو كالإمام من وجه. (فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۱۲۰/۲)

وشرائطها ستة..... الثالث تقدمه أمام القوم، فلو خلفهم لا تصح، لأنه كالإمام من وجه. (حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل الصلاة عليه ص: ۵۸۲، دار الكتاب ديوبند)

(۲) صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب صفوف الصبيان مع الرجال على الجنائز ۱/۱۷۶، رقم: ۱۳۰۷، ف: ۱۳۲۱۔

صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب في الصلاة على القبر، النسخة الهندية

قبرستان میں نماز جنازہ کے مکروہ ہونے کی تحقیق

میں نے ایک زمانہ میں اس کے جواز کا فتویٰ دیا تھا، چنانچہ تہمہ جلد اولیٰ امداد یہ ص ۴۹ پر وہ فتویٰ درج ہے اور اس کے جواز کی تقویت میں اس سے استدلال کیا گیا تھا کہ قبر خود غُش سے زیادہ نہیں اور غُش کے سامنے جائز ہے تو قبر کے سامنے بدرجہ اول جائز ہے الخ لیکن ایک عزیز نے شرح جامع صغیر میں یہ حدیث دکھائی۔

نہی أن يصلي على الجنائز بين القبور (طس عن انس) (۱)

← حدثنا الشعبي قال: أخبرني من رأي النبي صلى الله عليه ورأي قبراً منتبذاً فصف أصحابه فصلى عليه فقبل له: من أخبرك فقال ابن عباس. (ترمذي شريف، أبواب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على القبر ۲۰۱/۱، رقم: ۱۰۳۷)

وقال عبد الله بن المبارك: إذا دفن الميت ولم يصلي عليه صلي على القبر. (ترمذي شريف، ۲۰۱/۱، رقم: ۱۰۳۷)

عن أبي هريرة أن امرأة سوداء أو رجلاً كان يقيم المسجد ففقده النبي صلى الله عليه وسلم فسأل عنه، فقبل: مات، فقال: ألا أذنتموني به، قال: دلوني على قبره فدلوه فصلى عليه. (أبو داؤد شريف، كتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر ۴۵۷/۱، رقم: ۳۲۰۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) عن أبي مرثد الغنوي قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تجلسوا على القبور ولا تصلوا إليها. (ترمذي شريف، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الوطئ على القبور والجلوس عليها ۲۰۳/۱، رقم: ۱۰۵۰)

مسلم شريف، كتاب الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر والصلاة عليه

۳۱۲/۱، رقم: ۹۷۲ -

قال أبو حنيفة: ولا ينبغي أن يصلي على ميت بين القبور، وكان علي وابن عباس ←

اور اس کی وجہ یہی بیان کی ہے۔

فإنها صلوٰۃ شرعیة والصلوٰۃ فی المقبرة مکروه تنزیہاً. (۱)

اور یہ بھی کہا ہے اسنادہ حسن یہ اس باب میں صریح روایت ہے اور روایت محضہ پر روایت محضہ مقدم ہے لہذا اس فتویٰ سابقہ سے رجوع کرتا ہوں، گو نماز ادا ہو جائے گی مگر کراہت کا حکم کیا جائے گا جیسا کہ عزیزی کا قول اوپر نقل کیا گیا ہے۔

اور غور کرنے سے اس روایت کا جواب بھی ذہن میں آ گیا، وہ یہ کہ فقہاء نے نمازی کے سامنے شیخ و سراج کے ہونے کو جائز فرمایا ہے اور انگارے کے سامنے ہونے کو مکروہ فرمایا ہے اور وجہ فرق کی یہ بیان کی ہے۔

لأنه لم یبعدهما أحد والمجوس یعبدون الجمر لا النار الموقدة. (۲) (درمختار، ورد المختار ۱/۶۱۰)

← یکرہان ذلک، وإن صلوا أجزأهم، لما روي أنهم صلوا على عائشة وأم سلمة بين مقابر البقيع والإمام أبوهريرة وفيهم ابن عمر رضي الله عنهم. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل وأما سنن الدفن، مكتبة زكريا دیوبند ۲/۶۵، بیروت ۲/۳۵۹) البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا دیوبند ۲/۳۴۱، کوئٹہ ۲/۱۹۵۔

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته ص: ۵۹۵، دارالکتاب دیوبند۔

وکذا تکره فی أماكن کفوق کعبۃ وفی طریق ومزبلۃ ومجزرة ومقبرة. (الدر المختار علی الشامی، کتاب الصلاة، قبیل مطلب تکره الصلاة فی الكنيسة، مكتبة زكريا دیوبند ۲/۴۲، کراچی ۱/۳۸۰)

(۱) کتاب دستیاب نہیں ہو سکی۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها

۲/۴۲۳، کراچی ۱/۶۵۲۔ ←

پس یہی فرق قبر اور نعش میں ہو سکتا ہے کہ قبر کی پرستش معقودہ ہے نعش کی معتاد نہیں۔ (۱) پس روایت کا شبہ بھی ساقط ہو گیا اور کراہت کا حکم محفوظ رہا۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ یہ کہ روایت و درایت میں تعاض نہیں اور اگر تعارض ہوتا تب بھی روایت پر عمل ہوتا۔

فرع: چونکہ میرے فتویٰ سابقہ کو دیکھ کر مولانا محمد شفیع صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے اپنے فتویٰ کراہت سے رجوع کر لیا تھا۔

کما فی رسالۃ ”المفتی“ لشوال سنة ۱۳۵۷ تحت عنوان ”اختیار الصواب“ مفصلاً اس لئے اپنی تحقیق حال کی اطلاع ان کو بھی ظاہر کر دی ہے۔ اشرف علی

از فتاویٰ دارالعلوم دیوبند قدیم ۲ (۱۳۷۱) ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۷۷ھ

چادر نکالنے کیلئے قبر کھودنا

سوال (۷۰۵): قدیم ۱/۳۴- میت کے اوپر کی فالتو چادر قبر میں رہ گئی اور منہ قبر کا بند کرنے کے بعد مٹی ڈالنے کے بعد یاد آئی اس کا نکالنا جائز ہے یا نہیں اور اس چادر کے اندر رہنے سے کوئی گناہ ہے یا نہیں؟

الجواب: نکالنا جائز ہے۔

← وھکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیھا، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۵۶، کوئٹہ ۲/۳۲۔

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی المکروہات، دارالکتاب دیوبند ص: ۳۶۲-۳۶۳۔

(۱) وکذا تکرہ فی أماكن..... ومقبرة، وفي الشامیة تحته: واختلف فی علته، فقیل لأن فیھا عظام الموتی وصدیدهم وهو نجس، وقیل: لأن أصل عبادة الأصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد؛ لأنه تشبه بالیهود. (شامی، کتاب الصلاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۴۲،

کراچی ۱/۳۸۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

في الدر المختار: ولا يخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق آدمي وفي رد المحتار
كما إذا سقط في القبر متاع (إلى قوله) ولو كان المال درهماً بحر. (۱)
اور ظاہر یہ ہے کہ اگر نذکالیں گناہ ہے کہ مال کی اضاعت ہے۔ فقط

۲ شعبان ۱۳۲۹ھ (تمتہ اول ص ۴۸)

بچہ کافر پر نماز جنازہ کی تحقیق

سوال (۷۰۶): قدیم ۱/۳۳۷- زید نے جو مسلمان ہے ایک غیر قوم کے شیر خوار بچے کو جس کا کوئی وارث نہ تھا اپنے یہاں پالا بچہ دو برس کے قریب زندہ رہ کر مر گیا ایسے بچے کا جنازہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

(۱) الدر المختار مع الشامی، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۴۵، کراچی ۲/۲۳۸۔

وإن سقط شيء من متاع القوم في القبر فلا بأس أن يحفروا التراب من ذلك الموضع، ويخرج المتاع من غير نبش الميت، وإن لم يمكنهم ذلك إلا بحضور الكل ونبش الميت فعلوا ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۸۰، رقم: ۳۷۶۲)

ولا يخرج من القبر إلا أن تكون الأرض من مغصوبة..... وأشار بكون الأرض مغصوبة إلى أنه يجوز نبشه لحق آدمي كما إذا سقط فيها متاعه..... أو دفن معه مال إحياء لحق المحتاج وقد أباح النبي صلى الله عليه وسلم نبش قبر أبي رغال لعصام من ذهب معه، كذا في المجتبى: قالوا: ولو كان المال درهماً. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۴۱، كوثته ۲/۱۹۵)

وإن وقع في القبر متاع فعلم بذلك بعد ما أهالوا عليه التراب ينبش، قالوا: ولو كان المال درهماً. كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي العشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۱/۱۶۷،

زكريا جديد ۱/۲۲۸)

الجواب: غیر قوم سے مراد اگر کافر ہے تو جواب یہ ہے کہ اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جاوے گی۔ (۱)

لکونہ تبعاً لا بویہ فی الأحکام الدنیویۃ.

۳/ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ (تمہ اول ص ۴۹)

مشرک کے بچہ پروردہ مسلم پر نماز جنازہ پڑھنا

سوال (۷۰۷): قدیم ۱/۳۴- زید نے ایک بچہ ایک سالہ یا دو سالہ ایک مشرک یا مشرکہ سے بغض زر خرید کیا یا یوں ہی لیکر لے پا لک بنا کر رکھا اور نام بھی اس کا اسلام رکھ دیا اور ختنہ بھی کرا دیا بعد گزرنے دو چار ماہ کے وہ لڑکا مر گیا تو اب سوال یہ ہے کہ اس بچہ کی تجہیز و تکفین بطریق اسلام کی جاوے گی یا نہیں؟ اور نماز جنازہ اس پر پڑھی جاوے گی یا نہیں اگر از روئے اسلام اسکی تجہیز و تکفین نہ کی جاوے تو اس کی لاش کیا کیا جاوے؟ بینوا تو جروا۔

(۱) کصبی سبی مع أحد أبویہ لا یصلی علیہ؛ لأنه تبع له أي في أحكام الدنيا، وفي الشامية تحته: وبالأولی إذا سبی معهم، ولا فرق بین کون الصبی ممیزاً أولاً، ولا بین موته في دار الإسلام أو الحرب ولا بین کون السابی مسلماً أو ذمياً؛ لأنه مع وجود الأبوين لا عبرة للدار ولا للسابی؛ بل هو تابع لأحد أبویہ إلى البلوغ مالم يحدث إسلاماً وهو مميز. (الدر المختار مع الشامي، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا دیوبند ۳/ ۱۳۲، کراچی ۲۲۸/۲-۲۲۹)

کصبی سبی مع أحد أبویہ أي لا یصلی علیہ لأنه تبع لهما للحدیث کل مولود یولد علی الفطرة، فأبواه یهودانه. (البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا دیوبند ۲/ ۳۳۱، کوئٹہ ۳۸۹/۲)

وعن محمد إذا اشتري الرقيق الصغار في دار الحرب فمات أحد منهم في دار الحرب لا یصلی علیہ. (الفتاویٰ التاتاریخانیة، کتاب الصلاة، فصل في الجنائز، القسم الثالث في بیان من یصلی علیہ ۲/ ۵۷، رقم: ۳۷۱۰)

الجواب: في الدر المختار: كصبي سبي مع أحد أبويه لا يصلى عليه؛ لأنه اتبع له أي في أحكام الدنيا. وفي رد المحتار: قوله: كصبي سبي مع أحد أبويه وبالأولى إذا سبي معهما إلى قوله لأنه مع وجود الأبوين لا عبرة للدار ولا للسبب؛ بل هو تابع لأحد أبويه إلى البلوغ ما لم يحدث إسلاماً وهو مميز كما صرح به في البحر. اه (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب کہ وہ بچہ خود سن تمیز کو نہیں پہنچا اور ماں باپ اس کے کافر ہیں اسلئے نہ اس کی تجہیز و تکفین مسلمان کی طرح ہوگی اور نہ اس کی نماز پڑھی جاوے گی بلکہ اس کو مثل ثوب نجس کے دھو کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر بدون رعایت سنت کے ایک گڈھے میں ڈال دیں گے۔

في الدر المختار: ويغسل المسلم ويكفن ويدفن قريبه كخاله الكافر الأصلي عند الاحتياج فلوله قريب فالأولى تركه لهم من غير مراعاة السنة الخ، أقول ترك الأولى أولى ههنا للحقوق العار بالمسلمين. (۲)

۱۶ شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ (تمتہ اول ص ۴۹)

(۱) الدر المختار مع الشامی، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱۳۲/۳،

کراچی ۲۲۸-۲۲۹۔

البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند

۲/۳۳۱، کوئٹہ ۲/۱۸۹۔

تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۵۸۱/۱۔

(۲) الدر المختار علی الشامی، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند

۳/۱۳۴، کراچی ۲/۲۳۰۔

عن علي بن أبي طالب قال: أخبرني رسول الله صلى الله عليه وسلم بموت أبي طالب، فبكى ثم قال: إذهب، فاغسله وكفنه وواره، غفر الله له ورحمه. الطبقات الكبرى لابن سعد، ذكر أبي طالب وضمه رسول الله صلى الله عليه وسلم إليه يروت ۹۹/۱.

ويغسل ولي مسلم الكافر ويكفنه ويدفنه، وفي البحر: قال: ويغسل يكفن ويدفن المسلم قريبه الكافر الأصلي عند الاحتياج من غير مراعاة السنة لكان أولى. (البحر الرائق،

كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۳۴-۳۳۵، کوئٹہ ۲/۱۹۰) ←

جنازہ میں سلام سے قبل چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑنا

سوال (۷۰۸): قدیم ۱/۳۵- زید کہتا ہے کہ نماز جنازہ میں بعد چوتھی تکبیر کے تحریمہ چھوڑ کر سلام پھیرنا چاہئے اور حوالہ سعایہ کا دیتا ہے (*) لیکن بکر کہتا ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد تحریمہ چھوڑنا چاہئے۔ زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا؟

الجواب: جزئیہ تو اس وقت ملا نہیں مگر فقہاء نے جو قاعدہ لکھا ہے اس کے اعتبار سے زید کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے وہ قاعدہ یہ ہے۔ (**)

(*) سعایہ، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ اشرف دیوبند۔
(**) حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبند نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے ملاحظہ ہو فتاویٰ دارالعلوم (جدید) ۳۱۲/۵ واضح رہے کہ یہ اختلاف اولیت میں ہے، جائز دونوں ہیں یعنی ارسال کرے سلام پھیرنا اور ہاتھ باندھے باندھے سلام پھیرنا دونوں جائز ہیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← ویغسل ولي مسلم الكافر يكفنه، ويدفنه، لما روي عن علي بن أبي طالب لما هلك أبوه جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله! إن عمك الضال قدمات، فقال عليه السلام: اذهب فاغسله وكفنه، لكن يغسل غسل الثوب النجس من غير وضوء، ولا بداءة بالميا من ويلف في خرقه وتحفر له حضيرة من غير مراعاة سنة التكفين والحد. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۵۸۲)

ولایغسل الکافر کما یغسل المسلم یرید به أنه لا یراعی فی حقہ سنة الغسل من البدائیة بالمیامن وغیر ذلک، ولکن یصب الماء علی الوجه الذی یغسل النجاسات، وكذلك لا یراعی فی حقہ سنة الکفن ولکن یلف فی ثوب وکذا لا یراعی فی حقہ سنة الحد، وكذلك کل ذی رحم محرم منه مثل الأخ، والأخت، والعم، والعمة، والخال، والخالة. (الفتاویٰ التاتاریخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز ۳/۷۷، رقم: ۳۷۵۴)

وہو سنة قیام له قرار فیہ ذکر مسنون۔ کذا فی الدرالمختار: فصل صفة الصلوة۔ (۱) فقط واللہ اعلم

۲۵/ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اول ص ۳۵)

نماز جنازہ میں سلام کے فوت ہونے کا حکم

سوال (۷۰۹): قدیم ۱/۳۵۔ معصوم بچہ کی یعنی نابالغ کی نماز جنازہ پڑھائی اس میں سلام نہ پھراتو کیا نماز ہوگئی یا نہیں؟

(۱) بہتر اور افضل یہی ہے کہ ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیرا جائے اور اسی کو فقہاء نے زیادہ صحیح اور رائج قرار دیا ہے، آگے جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

الدر المختار علی الشامی، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مکتبہ زکریا دیوبند
۱۸۸/۲، کراچی ۱/۸۷۴۔

وہکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مکتبہ زکریا دیوبند
۵۳۸/۱، کوئٹہ ۱/۳۰۸۔

مسئلہ بالا سے متعلق جزئیات ملاحظہ فرمائیں:

ولا یعقد بعد التکبیر الرابع، لأنه لا یتقی ذکر مسنون حتی یعقد، فالصحيح أنه یحل الیدین ثم یسلم تسلیمتین۔ (خلاصة الفتاویٰ، کتاب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/۲۲۵)

ومن هنا یتخرج الجواب عما سئلت فی سنة ست وثمانین أيضًا من أنه هل یضع مصلی الجنازة بعد التکبیر الأخير من تکبیر أنه ثم یسلم أم یرسل ثم یسلم؟ وهو أنه لیس بعد التکبیر الأخير ذکر مسنون، فیسن فیہ الإرسال۔ (سعیة، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب فی ارسال الیدین..... بعد التکبیر الأخير من تکبیرات صلاة الجنازة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۲/۱۵۹)

الجواب: في الدر المختار: صلاة الجنازة وركنها شيان التكبيرات الأربع

والقيام وسننها ثلاثة التحميد والثناء والدعاء فيها. اه (۱)

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ سلام پھیرنا فرض نہیں لہذا نماز ہو گئی۔ (۲) فقط واللہ اعلم

۲۷ شعبان ۱۴۳۲ھ (امداد اول ص ۳۹)

شوہر کا مردہ بیوی کا چہرہ دیکھنا

سوال (۷۱۰): قدیم ۱/۳۵۷۔ بعد مرنے کے مرد اپنی بیوی کا منہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں اور قبر میں

اتار سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: دیکھ سکتا ہے۔ في الدر المختار ويمنع زوجها من غسلها ومسها لا من

النظر اليها على الأصح منية. (۳)

(۱) الدر المختار على الشامي، باب صلاة الجنازة، مطلب هل يسقط فرض الكفاية بفعل

الصبي، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۰۵-۱۰۶، کراچی ۲/۲۰۹۔

وہكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل الصلاة عليه، دار الكتاب

ديوبند ص: ۵۸۰-۵۸۵۔

وسننها أربع: الأولى أن يذكر الواجب قبل السنن، وهو التسليم مرتين بعد الرابعة

كما ذكره بعد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الجنائز، فصل الصلاة عليه، دار

الكتاب ديوبند ص: ۵۸۳)

(۲) وصلاة الجنازة أربع تكبيرات ولو ترك واحدة منها لم تجز صلاته. (الفتاوى

العالمگیریة، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على

الميت، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۱۶۴، زكريا جلد ۱/۲۲۵) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۳) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل مطلب

في حديث كل سبب ونسب منقطع، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۹۰، کراچی ۲/۱۹۸

الدر المنتقى في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، بيروت ۱/۲۶۶۔ ←

اور قبر میں اتارنا جب محرم نہ ہو زوج کو درست ہے۔ (۱)

لأنه مس من حائل .

۲۷ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد اول ص ۳۹)

← ولا يحل له أن يممس وجهها ولا كفها، وإن كان يأمن الشهوة، بخلاف النظر.

(الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل التاسع ما يحل لرجل النظر ۹۵/۱۸، رقم: ۲۸۱۴۷)

ولا يمنع من النظر إليها في الأصح. (حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح،

كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، دار الكتاب ديوبند ص: ۵۷۲)

والأصح أنه يجوز للزوج أن يراها. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، مكتبة زكريا

ديوبند ۳۰۴/۲، كوئٹہ ۱۷۳/۲)

(۱) وذو الرحم المحرم أولى بإدخال المرأة من غيرهم، كذا في الجوهرة النيرة،

وكذا ذو الرحم غير المحرم أولى من الأجنبي، فإن لم يكن فلا بأس للأجنب وضعها.

(الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس

في القبر والدفن، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱۶۶/۱، زكريا جديد ۲۲۷/۱)

البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند

۳۳۹/۲، كوئٹہ ۱۹۳/۲۔

وذو الرحم المحرم أولى بإدخال المرأة، ثم ذو الرحم غير المحرم ثم الصالح من

مشايخ جيرانها ثم الشبان الصالحاء ولا يدخل أحد من النساء القبر ولا يخرجهن الا

الرجال ولو كانوا أجنب؛ لأن مس الأجنبي لها بحائل عند الضرورة جائز في حياتها،

فكذا بعد موتها. (مراقبي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز،

فصل في حملها ودفنها ص: ۶۰۹، دار الكتاب ديوبند)

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

پھانسی والے کی نماز جنازہ کا حکم

سوال (۷۱۱): قدیم ۱/۳۶- پھانسی والے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہ؟

الجواب: پڑھی جاوے گی اسلئے کہ اگر وہ مظلوم ہے تو ظاہر ہے اور اگر ظالم تھا اور سزائے جرم میں مارا گیا تب بھی مثل بغاۃ و قطاع طریق کے ہوگا اور وہ جب غیر حرب میں قتل کئے جاویں ان کے جنازہ پر نماز پڑھی جاتی ہے۔ (۱)

کذا في الدر المختار.

کیم جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (حوادث اول و ثانی ص ۹۸)

(۱) عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: صلوا على كل بر وفاجر.

(سنن دار قطنی، باب صفة من تجوز الصلاة معه والصلاة عليه بیروت ۲/۴۴، رقم: ۱۷۵۰)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الجهاد واجب عليكم مع كل أمير برًا كان أو فاجرًا والصلاة واجبة على كل مسلم برًا كان أو فاجرًا، وإن عمل الكبائر. (أبو داؤد شریف، کتاب الجہاد، باب الغزو مع أئمة الجور ۱/۳۴۳، رقم: ۲۵۳۳)

ولا يصلي عليهم إذا قتلوا في الحرب، ولو بعد صلى عليهم لأنه حد أو قصاص.

(الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا دیوبند ۳/۱۰۷،

کراچی ۲/۲۱۰)

وقيل: هذا إذا قتلوا في حالة المحاربة قبل أن تضع الحرب أوزارها، وأما إذا قتلوا بعد

ثبوت يد الإمام عليهما فإنهما يغسلان ويصلي عليهما، وهذا تفصيل حسن أخذه الكبار من

المشايع. (تبيين الحقائق، کتاب الصلاة، باب الشهيد، مكتبة زكريا دیوبند ۱/۵۹۶)

أطلقه فشمّل ما إذا قتلوا في حال الحرب أو أخذوا وقتلوا بعده، كذا روي عن محمد

وفرق الصدر الشهيد بينهما فوافق في الأول، وقال بالصلاة في الثاني. قال في التبيين: وهذا

تفصيل حسن أخذه الكبار من المشايخ. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الشهيد، مكتبة

زكريا دیوبند ۲/۳۵۰، کوئٹہ ۲/۲۰۰) ←

عورتوں کی قبروں میں بوریار کھنا

سوال (*): (۷۱۲): قدیم ۱/۳۶- مردہ اگر زن باشد بعد از نماز آں میت را با بوریانیکه در آن پکچیده و بر سر نهاده بودند بغرض پرده بجہت عدم تیسر محارم غالباً بہمیں ہیئت در قبر میگزارد مجوزین باصل کل شی اباحتہ استدلال میکنند و منکرین ممانعت فرش قبور از بوریار یا غیرہ را پیش کی نمایند دلیل اول وقتے مسلم ست کہ حکمے از اصول اربعہ بریں صورت متحقق باشد حالانکہ ہیچ کدام از مجوزین محیط ایں جملہ نیست و دلیل منکرین محلل ست و وجود علت دریں صورت مفقود ازیں ردنا کافی ست لہذا بحکم مصرع کہ ”ہچکس نزنہ بردخت بے برسنگ“ تصدیق میدہد کہ از خواہش بادلیل شافی بندگان را براہ راست دعوت فرماید؟

(*) خلاصہ سوال: میت جب عورت ہوتی ہے تو نماز کے بعد چٹائی کے ہمراہ جس میں وہ لپی ہوئی ہے محارم نہ ہونے کی وجہ سے پردہ کی غرض سے اس ہیئت کے ساتھ قبر میں چھوڑ دیتے ہیں، مجوزین اس قاعدہ سے استدلال کرتے ہیں کہ اصل ہرشی میں اباحت ہے اور منکرین قبر میں بوریار بچھانے کی ممانعت کا جزئیہ پیش کرتے ہیں؛ لہذا جواب شافی سے مطلع فرمادیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← ولا یصلی علی باغ ولا علی قاطع طریق إذا قتل کل منہم حالۃ المحاربة ولا یغسل..... وأما إذا قتلوا بعد ثبوت ید الإمام علیہم فإنہم یغسلون ویصلی علیہم. (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الصلاۃ، باب أحكام الجنائز ص: ۶۰۱، دارالکتاب دیوبند)

ذكر الحاكم الشهيد في المنتقى: من قتل مظلوماً يغسل ويصلي عليه..... وإنما لا يصلي على الباغي إذا قتل في الحرب، فأما إذا قتل بعد ما وضع الحرب أوزارها صلى عليه، وكذلك قاطع الطريق إنما لو يصلي عليه إذا قتل في حالة الحرب فأما إذا أخذهم الإمام ثم قتلهم صلى عليهم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، القسم الثالث في بيان من يصلي عليه ومن لا يصلي عليه، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۵۴-۵۵، رقم: ۳۷۰۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب (*): فی رد المحتار: قال فی الحلیۃ: ویکره أن یوضع تحت المیت

فی القبر مضربة أو مخدة أو حصیر أو نحو ذلك اهـ. ولعل وجهه أنه تلاف مال

بلا ضرورة فالکراهة تحریمیة ولذا عبر بـ لا یجوز. ج ۱ ص ۹۳۴ (۱)

ایں روایت صریح است در ممانعت ایں فعل و ظاہر است کہ بعد دفن حاجت پردہ نمی ماند و پردہ موقوف بر گزاشتن نیست بوریاد قبر۔

۲۶/ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانی ص ۹۸)

ایسی جگہ نماز جنازہ کا حکم جہاں کے لوگ نماز سے واقف نہ ہوں

سوال (۷۱۳): قدیم/۱-۳۶- کسی موضع میں جنازہ فوت ہو نماز پڑھانے والا چار چار پانچ

پانچ کوس تک نہیں ہے اس کے دفن میں کیا کرنا چاہئے؟

(*) ترجمہ جواب: فی رد المحتار..... الخ یہ روایت اسی فعل (قبر میں میت کو مع بوریارکھنے) کی

ممانعت میں صریح ہے اور ظاہر ہے کہ دفن کے بعد پردہ کی حاجب نہیں ہے، نیز پردہ قبر میں بوریار چھوڑنے پر

موقوف بھی نہیں ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار علی الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن

المیت، مکتبۃ زکریا دیوبند ۱۳۹/۳، کراچی ۲/۲۳۴۔

ویکړه إلقاء الحصیر فی القبر. (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح،

کتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، دار الکتب دیوبند

ص: ۶۱۰)

وأما الحصیر المتخذ من البردي فالقائه فی القبر مکروه. (الفتاویٰ التاتارخانیة،

کتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل فی القبر

والدفن، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۶۸، رقم: ۳۷۳۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: اگر پوری نماز نہ آتی ہو تو صرف ایک شخص وضو کر کے جنازہ سامنے رکھ کر چار بار اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ دے فرض ادا ہو جائے گا پھر دفن کر دیں۔ (۱)

۲۸/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانی ص ۱۰۵)

وقتہ نماز اور جنازہ کی نماز میں کس کو مقدم کریں؟

سوال (۱۴۷): قدیم ۱/ ۷۳-۱ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ نماز جنازہ بعد زوال قبل فرض ظہر جائز نہیں وبعد فرض ظہر بھی قبل جنازہ کی نماز کے سنت ظہر جائز نہیں ہے رائے شریف جناب عالی کی کیا ہے اگر جائز ہے مع الکرہتہ یا بلا کرہتہ؟

الجواب: عدم جواز کا دعویٰ تو بلا دلیل ہے البتہ ترتیب میں اقوال مختلف ہیں میرے نزدیک ترجیح اس قول کو ہے۔

وروي الحسن أنه يخير (۲) كذا في رد المحتار، ج ۱ ص ۸۶۶.

یکم محرم الحرام ۱۳۳۲ھ (تمتہ رابعہ ص ۷)

(۱) والأُمِّي والهنود والذين لا يعلمون الأدعية يكبر تكبيرات ويسلم تجوز صلاته؛ لأن الأركان فيها التكبيرات. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز القسم الثاني في كيفية الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۴۶، رقم: ۳۶۸۶) ثم يدعو للميت وللمؤمنين والمؤمنات؛ لأنه المقصود منها، وهو لا يقتضي ركنية الدعاء كما توهمه في فتح القدير، لأن نفس التكبيرات رحمة للميت، وإن لم يدع له. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۲۱، كوئته ۱۸۳/۲) شبير احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) شامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مطلب فیما یترجح تقدیمہ من صلاة عید و جنازة الخ، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۴۷، کراچی ۲/ ۱۶۸ -

وتقدم صلاة الجنازة على الخطبة وعلى سنة المغرب وغيرها..... لكن في البحر قبيل الأذان عن الحلبي الفتوى على تأخير الجنازة عن السنة، وأقره المصنف، ←

سنت کو جنازہ پر مقدم کرنا

سوال (۷۱۵): قدیم ۱/۳۷- جنازہ جب حاضر ہو اس وقت کوئی نماز کا وقت ہو تو فرض وقت و سنت و نوافل کے آگے فرض کفایہ ادا کیا جاوے یا اس میں سے فرض کفایہ کس کس نماز پر مقدم کیا جاوے؟

الجواب: اس میں کئی قول ہیں اقرب الی الفقہ اور مفتیؒ یہ ہے کہ فرض وقت و سنت کو جنازہ پر مقدم کریں اور نوافل کو جنازہ سے مؤخر کریں۔ (۱)

← كأنه إلحاق لها بالصلاة؛ لكن في آخر أحكام دين الأشباه، ينبغي تقديم الجنازة والكسوف حتى على الفرض مالم يضق وقته. (الدر المختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، مطلب فيما يترجح تقديمه من صلاة عيد وجنازة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۶، ۴، كراچی ۱۶۷/۲-۱۶۸)

ولو حضرت الجنازة بعد غروب الشمس يبدؤن بالمغرب ثم بالجنازة، وروي الحسن بن زياد في صلاته المجرد أنه يبدأ بأيهما شاء. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز ۳/۸۶، رقم: ۳۷۸۲)

وقدمنا أنه يبدأ بصلاة المغرب ثم يصلون على الجنازة، ثم يأتون بالسنة، ولعله بيان الأفضل، وفي شرح المنية: معزيا إلى حجة الدين البلخي: إن الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة، وهي سنة فعلى هذا تؤخر عن سنة المغرب لأنها الكد. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب الأذان، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۴۰، كوثه ۱/۳۵۳)

ولو حضرت الجنازة في وقت المغرب تقدم صلاة المغرب ثم تصلي الجنازة، وقيل: تقدم السنة أيضاً على الجنازة. (غنية المستملي، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۶۰۷)

حضرت والا تھانویؒ کا واضح جواب اگلا والا ہے ملاحظہ فرمائیے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) وتقدم صلاتها على صلاة الجنازة إذا اجتماعاً وصلاة الجنازة على الخطبة وعلى سنة المغرب وغيرها، والعيد على الكسوف؛ لكن في البحر قبيل الأذان عن الحلبي الفتوى على تأخير الجنازة عن السنة وأقره المصنف كأنه إلحاق لها بالصلاة؛ لكن في آخر أحكام دين الأشباه، ←

والبسوط في ردالمحتار باب العيدين.

۶/محرم الحرام ۱۳۲۹ھ (تمتہ اول ص ۳۳)

← ينبغي تقديم الجنازة والكسوف حتى على الفرض ما لم يضق وقته. وفي الشامية: عبارة الأشباه: اجتمعت جنازة وسنة قدمت الجنازة.....ولو اجتمع عيد وكسوف وجنازة. ينبغي تقديم الجنازة، وكذا لو اجتمعت مع فرض وجمعة ولم يخف خروج وقته وفيه مخالفة لما مر من حيث تقديمه الجنازة على السنة، وهو خلاف المفتي به كما علمت، وعلى العيد وهو بحث مخالف لما ذكره المصنف تبعاً للدرر. وفي الجوهرية من باب الكسوف: إذا اجتمع الكسوف والجنازة بدئ بالجنازة لأنها فرض وقد يخشى على الميت التغير أي لطول صلاة الكسوف، وقد يقال: قدم العيد لئلا يحصل الإشتباه؛ لأنه يؤدي بجمع عظيم، وهذا تقدم الجمعة أيضاً على الكسوف، ولذا خص صاحب الأشباه بتقديم فرض الوقت دون الجمعة، ويؤخذ من قوله أيضاً إن ضاق الوقت تقديم فرض المغرب؛ لأن وقته ضيق كما بحثه وهو ظاهر، ثم رأيت صريحاً في جنائز التاتار خانية، وقال بعده: وروى الحسن أنه يخير فافهم. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، مطلب فيما يترجح تقديمه من صلاة عيد وجنازة الخ، مكتبة زكريا ديوبند ۴۶/۳، كراچی ۱۶۷/۲-۱۶۸)

وقدمنا أنه يبدأ بصلاة المغرب ثم يصلون على الجنازة، ثم يأتون بالسنة، ولعله بيان الأفضل. وفي شرح المنية: معزيا إلى حجة الدين البلخي: إن الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة، وهي سنة فعلى هذا تؤخر عن سنة المغرب لأنها أكمل. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب الأذان ۴۴۰/۱، كوئٹہ ۲۵۳/۱)

ولو حضرت الجنازة في وقت المغرب تقدم صلاة المغرب ثم تصلي الجنازة، وقيل: تقدم السنة أيضاً على الجنازة. (غنية المستملي، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۶۰۷)

راج اور مفتی بہ قول یہی ہے فرض اور سنتوں کے بعد نماز جنازہ پڑھی جائے جیسا کہ البحر الرائق میں
إن الفتوى على تأخير الجنازة سے واضح ہے۔

جنازہ پر نماز عید کو مقدم کرنا

سوال (۷۱۶): قدیم ۱/ ۳۷۷- نمبر، عید گاہ میں قبل نماز عید جنازہ آیا اس کی نماز قبل نماز عید سے ادا کی جاوے گی یا کس وقت؟

نمبر ۲: بعد نماز عید جنازہ آیا اس کی نماز قبل خطبہ کے ادا کی جاوے گی؟
نمبر ۳: اگر قبل خطبہ عید نماز جنازہ پڑھی جاوے تو جنازہ کو خطبہ سن کر قبر پر لے جاوے یا پہلے ہی لیجاویں؟

الجواب: درمختار میں صلوٰۃ عید کو صلوٰۃ جنازہ پر مقدم اور صلوٰۃ جنازہ کو خطبہ عید پر مقدم کرنے کو لکھا ہے۔ (۱)

(۱) عن معمرؓ قال: بلغني أن عليا قال: إذا حضرت الجنازة و صلاة المكتوبة أبدأ بالمكتوبة. (مصنف عبد الرزاق، باب إذا حضرت المكتوبة والجنازة، المجلس العلمي ۳/ ۵۲۵، رقم: ۶۵۷۳)
وتقدم صلاتها على صلاة الجنازة إذا اجتماعاً؛ لأنه واجب عيناً والجنازة كفاية، وتقدم صلاة الجنازة على الخطبة. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين، مطلب فيما يترجح تقديمه من صلاة عيد وجنازة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۴۶، كراچی ۲/ ۱۶۷)
ولو حضرت وقت صلاة العيد قدمت العيد عليها هي على الخطبة، والقياس تقديمها على العيد؛ لكنه استحسنوا تقديم العيد مخافة التشويش لئلا يظن البعيد أنها صلاة العيد. (حلي كبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۶۰۷)
وتقدم صلاة العيد على صلاة الجنازة إذا اجتماعاً، وتقدم صلاة الجنازة على الخطبة. وكذا في الفتية. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۵۲، زكريا جديد ۱/ ۲۱۳)

وتقدم صلاة العيد على صلاة الجنازة، وتقدم الجنازة على الخطبة، والقياس أن تقدم على صلاة العيد؛ لكنه قدم صلاة العيد مخافة التشويش و كيلا يظن أنها من في أخريات الصفوف أنها صلاة العيد. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة

لیکن شامی نے عید کی تقدیم کی ایک وجہ جو حلی سے نقل کی ہے۔

بان العید تؤدی بجمع عظیم یخشی تفرقه إن اشتغل الإمام بالجنابة. (۱)
یعلت خطبہ میں زیادہ جاری ہے اس کا مقتضایہ ہے کہ خطبہ سے بھی مؤخر پڑھے۔
۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانی ص ۱۲)

جو شخص غرق ہو کر ریزہ ریزہ ہو گیا اس کے غسل و نماز جنازہ کا حکم

سوال (۷۱۷): قدیم ۱/۳۷۷- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی مسلمان شخص بالغ یا نابالغ پانی میں ڈوب مرے یا آگ میں جل مرے اور آلائش شکم باہر نکل پڑے نیز جل جانے سے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں بھی گر پڑیں۔ آیا اس کیلئے نماز جنازہ و غسل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ضروری ہے۔ (۲)

۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانی ص ۱۳۰)

(۱) وشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مطلب فیما یترجح تقدیمہ من صلاة عید و جنازة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۴۶، کراچی ۲/۱۶۷۔
شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) ولو وجد أكثر من الیمنت أو النصف مع الرأس غسل وصلي عليه وإلا فلا.
(البحر الرائق، کتاب الجنائز، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۳۰۵، کوئٹہ ۲/۱۷۴)
ولو وجد أكثر البدن أو نصفه مع الرأس یغسل ویکفن ویصلي عليه. (الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثانی فی الغسل، مکتبۃ زکریا قدیم ۱/۱۵۹، زکریا جدید ۱/۲۱۹)

وإذا لم یرد أثر بالصلاة علی العضو لا یصلي عليه إلا إذا کان فی حکم الكل بأن وجد أكثر أو النصف، ومعه الرأس إذا لأكثر حکم الكل، وكذا النصف مع الرأس لا شتماله علی أكثر الأعضاء الرئيسية. (حلی کبیر، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، مکتبۃ

یاؤں سے روند کر قبر کو برابر کرنا

سوال (۱۸): قدیم ۱/۳۷- دفن کے بعد برابر کرنے کیلئے قبر کو پاؤں سے روندنا جائز یا نہیں؟

الجواب: في رد المحتار: ويكره الجلوس على القبر ووطؤه وبعد أسطر عن أبي حنيفة لا يؤطأ القبر إلا للضرورة. ج ١ ص ٩٦٥ (١)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا بدون ضرورت کے مکروہ ہے اور اس میں کوئی ضرورت نہیں لہذا مکروہ ہے۔ (۲)

۱۸ / رمضان ۱۳۳۲ / اتمہ ثانی ص ۱۶۶)

← وأجمعوا أنه لو وجد أكثر البدن يغسل ويصلي عليه، وذكر الحسن بن زياد في صلاته عن أبي حنيفة أنه إذا وجد أكثر البدن غسل وكفن وصلي عليه ودفن، وإن كان نصف البدن ومعه الرأس غسل وصلى عليه ودفن. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز ٨٦/٣، رقم: ٣٧٨٤)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی إهداء ثواب القراءة للنبي صلی اللہ علیہ وسلم، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۱۵۴، کراچی ۲/۲۴۵۔

فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل فی الدفن، مكتبة زكريا ديوبند ۱۵۰/۲۔

(٢) عن جابر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تجصص القبور..... وأن توطأ.

(ترمذي شريف، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية تحصيص القبور ١/٢٠٣، رقم: ١٠٥٨)

وعن ابن مسعود قال: لأن أأطأ على جمرة أحب إلي من أن أأطأ على قبر رجل مسلم.

(المعجم الكبير للطبرانی ۳۲۱/۹، رقم: ۹۶۰۵، مكتبة زكريا ديوبند)

ويكره الجلوس على القبر ووطؤه عليه. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان

← أحق بصلاته ٣٤١/٢

موت کے بعد بچہ کی آون نال کا ٹنا

سوال (۷۱۹): تدریم ۱/۷۷- طحاوی مراقی الفلاح باب الجنائز ص ۳۲۹ میں ہے۔

وقد قالوا: ان السقط يحيا في الآخرة وترجي شفاعته واستدلوا بما روى أبو عبيدة مرفوعاً أن السقط ليقف محبباً (*) (۱) على باب الجنة فيقول لا ادخل حتى يدخل أبواي وروى ابن ماجة من حديث عليّ أن السقط ليرغم ربه إذا دخل أبواه النار. فيقال: أيها السقط المرغم ربه ادخل أبويك الجنة فيجرهما بسرره حتى يدخلها الجنة. اهـ والسرر بفتح الحين وهو ما تقطعه القابلة من سرّة الصبي ويحشر على مامات عليه كغيره من أهل الموقف الخ ملخصاً.

ہندی میں سرر صبی کی نال کو کہتے ہیں۔ زید کہتا ہے کہ جب نال کے ساتھ یہ لڑکا ماں باپ کو کھینچ کر لائے گا تو کوئی لڑکا قبل کاٹنے نال کے مر گیا تو اس کی نال اب نکاٹنی چاہئے کیونکہ اس کے ساتھ ماں باپ کو کھینچے گا اس کی شفاعت اسی طور سے ہوگی کیا زید کا کہنا درست ہے اور اس عبارت سے یہ نکلتا ہے

(*) قوله محبباً يروي بغير همز وبهمز فعلى الأول معناه المتغصب المستبطن لشيء وعلى الثاني معناه العظيم البطن المنتفح يعني يغضب ويتنفخ بطنه من الغضب حتى يدخل أبواه الجنة، كذا قال الطحاوي. ۱۲ نور احمد

← ويكره أن يبنى على القبر أو يوطأ عليه. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب السحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن زكريا قديم ۱/۱۶۶، زكريا جديد ۱/۲۲۷)

ويكره أن يوطأ على القبر يعني بالرجل أو يقعد عليه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز ۳/۷۳، رقم: ۳۷۴۰) وكره أبو حنيفة أن يوطأ على قبر أو يجلس عليه. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، صلاة الجنائز سنن الدفن، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۶۵)

کہ قبل کاٹنے کے اگر مر گیا تو نال نہ کاٹنی چاہئے اور فی الواقع مسئلہ ایسا ہی ہے یا موت کے بعد وہ نال لڑکے لڑکی کی جو دراز مقدار بالشت بھر کے ہوتی ہے کاٹی جائے گی اور یہ سابق حدیث کون کتاب میں کون باب میں ہے اور اس میں سرہ کا کیا معنی ہے اور مضمون اس حدیث کا موافق احناف کے ہے یا نہ۔

عن جابر أنه قال: كان النبي جالسا في مسجده فجاء عامر بن فهيرة فسأل النبي يارسول الله نفست امرأتى ومات ولدها ما استهل ما اصنعه فقال النبي ﷺ سم الولد وقطع السرة واغسله وكفنه وصل عليه وادفنه. ۱۵

کیا ابوداؤد ویانسی یا اور کسی کتاب میں ہے یا نہیں؟

الجواب: ابو عبیدہؓ کی روایت تو نظر سے نہیں گزری (۱)

(۱) مذکورہ حدیث شریف کے الفاظ حضرت ابو عبیدہ کے طریق سے ہمیں بھی کافی تلاش کے باوجود نہ مل سکے؛ البتہ مسند امام اعظم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری سے اور المعجم الکبیر للطبرانی میں بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مل گئے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي موسى الأشعري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن السقط ليكون محبطنًا على باب الجنة، فيقال له: ادخل الجنة، فيقول لا والدي معي. (مسند الإمام الأعظم تأليف البلخي ۱/ ۴۳۵، رقم: ۴۵۹)

مسند امام اعظم تألیف الحارثی ۱/ ۳۴۰، رقم: ۴۵۵، مکتبۃ مدادیۃ مکہ مکرمہ۔

بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے الفاظ حدیث ملاحظہ فرمائیے:

عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جدته قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سوداء ولو دخير من مسنأة لا تلد إني مكاثروكم الأمم حتى بالسقط يظل محبطنًا على باب الجنة يقال له: ادخل الجنة، فيقول: يا رب وأبواي فيقال له: ادخل الجنة أنت وأبواك. (المعجم الكبير للطبراني ۱۹/ ۴۱۶، رقم: ۱۰۰۴)

مجمع الزوائد ۴/ ۴۵۸۔

نیز شرح بیل بن شفعہ عن بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق سے بھی اسی مضمون کی حدیث مسند احمد میں موجود ہے۔ (مسند احمد ۴/ ۱۰۵، رقم: ۱۰۹۶، مجمع الزوائد ۴/ ۱۰۵) ←

اور دوسری حضرت علیؑ کی مشکوٰۃ میں بھی ہے (۱) اور اس سے مسئلہ فقہیہ قطع یا عدم قطع سرر کا اثبات تو نہیں ہو سکتا؛ البتہ تائید عدم قطع کی اشارۃً ہو سکتی ہے وجہ عدم اثبات یہ ہے کہ سرر سے کھینچنا اگر عدم قطع پر موقوف ہو تو چاہئے کہ تخلف بشارت کا باختیار قاطع ہو جائے و ہو خلف بلکہ اگر قطع بھی کردی جاوے حق تعالیٰ قیامت میں متصل کر سکتے ہیں البتہ فقہ کی روایات اس کی دلیل ہیں گو خصوصیت سے تو قطع سرر کے متعلق کوئی روایت نہیں دیکھی، مگر اشتراک علت سے اس کے لئے یہ روایت کافی ہے۔

وفي الدر المختار: ولا يشرح شعره أي يكره تحريمًا ولا يقص ظفره إلا المكسور ولا شعره ولا يخنّ اه في رد المحتار لما في القنية من أن التزيين بعد موتها والامتناع وقطع الشعر لا يجوز نهر فلو قطع ظفره أو شعره أدرج معه في الكفن قهستاني عن العتابي. (ج ۱ ص ۸۹)

اور اخیر حدیث معلوم نہیں کیسی ہے اور کہاں ہے آپ نے کہاں سے نقل کی ہے (۲) ظاہر اتو قواعد کے خلاف ہے عدم استہلال میں صلاۃ بھی نہیں ہے کیونکہ صلاۃ کیلئے سبق حیات شرط ہے اور اگر ثابت ہو تو یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ استہلال کے علاوہ اور کسی قرینہ سے حیات ثابت ہو گئی ہوگی مگر سائل نے حکم کا مدار استہلال پر سمجھا ہوگا۔

۱۴/ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانی ص ۱۸۳)

← قال الهيثمي ورجاله رجال الصحيح.

اسی طرح سہیل بن حنیفؒ سے بھی امام طبرانی نے مجمع اوسط میں اس حدیث کو روایت فرمایا ہے۔ (المجمع الأوسط ۲۱۰/۴، رقم: ۵۷۴۶۶، مجمع الزوائد ۱۰/۳)

(۱) مشکوٰۃ شریف کتاب الجنائز، باب البرکاء علی المیت ۱۵۳/۱، مکتبہ اشرفیہ دیوبند۔

ابن ماجہ شریف، جنائز، باب ما جاء فیمن أصيب بسقط ۱۱۵/۱، رقم: ۱۶۰۸۔

مسند ابویعلیٰ الموصلی بیروت ۲۲۴/۱، رقم: ۴۶۴۳۔

مسند البرز، مکتبہ العلوم والحکم ۵۷۳، رقم: ۸۱۵۔

المنصف لابن ابی شیبہ، کتاب الجنائز، باب فی ثواب الولد یقدمه الرجل مؤسسه الرسالہ

۳۹۸/۷، رقم: ۱۲۰۰۹۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند

۸۹/۳، کراچی - ←

میت کے جسم کے بعض حصہ پر نماز جنازہ کا حکم

سوال (۷۲۰): قدیم ۱/۷۴۰۔ ایک لڑکے کو بھڑیا اٹھالے گیا بعد تلاش سخت کے گردن کے اوپر کا حصہ دستیاب ہوا تو کیا اس کی نماز جنازہ پڑھی جاوے گی اگر گردن کے نیچے کا جسم ملتا تو کیا حکم ہوتا؟

الجواب: في الدر المختار وجدرأس آدمی أو احد شقیه لا یغسل ولا یصلی علیہ بل یدفن إلا أن یوجد أكثر من نصفه ولولبلا رأس. وفي رد المحتار: قوله: ولولبلا رأس وکذا یغسل لو وجد نصف مع الرأس بحواہ. (۱) ج ۱ ص ۸۹۸.

اس سے معلوم ہوا کہ صورت واقعہ میں تو غسل اور نماز نہ ہوگی اور صورت مفروضہ میں غسل و نماز ہوگی اور دفن دونوں حال میں واجب ہے۔

۱۸/۱ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانی ص ۲۰۱)

← ولا یسرح شعره ولا لحیته ولا یقص ظفره وشعره؛ لأنها للزينة وقد استغنی عنها، والظاهر أن هذا الصنيع لا یجوز. قال في القنية: أما التزین بعد موتها والامتنشاط وقطع الشعر لا یجوز. (البحر الرائق، کتاب الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۰، کوئٹہ ۲/۱۷۳)

ولا یسرح شعر المیت ولا لحیته ولا یقص ظفره ولا شعره ولا یقص شاربه ولا ینتف ابطه، ولا یحلق شعر عانقه ویدفن بجمیع ما کان علیہ. (الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز زکریا قدیم ۱/۵۸، زکریا جدید ۱/۲۱۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۹۲، کراچی ۲/۱۹۹۔

ولو وجد أكثر البدن أو نصفه مع الرأس یغسل ویکفن ویصلی علیہ، کذا فی المضممرات، وإن وجد نصفه من غیر الرأس أو وجد نصفه مشقوقاً طویلاً، فإنه لا یغسل ولا یصلی علیہ ویلف فی خرقۃ ویدفن فیہا، کذا فی المضممرات. (الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثانی فی الغسل قدیم زکریا ۱/۵۸،

جدید زکریا ۱/۲۱۹) ←

شوہر کا بیوی کو قبر میں اتارنا

سوال (۷۲۱): قدیم ۱/۷۴۰- خاوند بی بی کو قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں اور مساس بحائل کر سکتا ہے یا نہیں؟ آیا اس کو اجنبیہ عورت زندہ کے مس بحائل پر قیاس کر کے منع کریں گے؟

والجامع بینہما ہوا احتمال عدم امن الشہوة؟

الجواب: في الدر المختار: ويمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها على الأصح منية في ردالمحتار عزاه في المنح الى القنية ونقل عن الخانية أنه إذا كان للمرأة محرم يمسها بيده. وأما الأجنبي فبخرقه على يده ويغض بصره عن ذراعها وكذا الرجل في امرأته الا في غض البصراه ولعل وجهه ان النظر اخف من المس فجاز لشبهة الاختلاف، ج ۱ ص ۸۹ (۱)

← ولو وجد أكثر من الميت أو النصف مع الرأس غسل وصلي عليه وإلا فلا.

(البحر الرائق، الصلاة، كتاب الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۰۵، كوئٹہ ۲/۱۷۴)

ولو وجد أطراف ميت أو بعض بدنه لم يغسل ولم يصل عليه بل يدفن إلا أن يوجد أكثر من النصف من بدنه أو النصف ومعه الرأس يصل عليه. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۸۵)

وإذا وجد أكثر البدن أو نصفه مع الرأس غسل وصلي عليه وإلا لا (مراقی الفلاح) وفي الطحطاوي: قوله: (أو نصفه مع الرأس) قيد به لأنه لو وجد النصف بدون رأس لا يغسل ولا يصل عليه؛ بل يدفن وهذا مستفاد من قوله إلا لا. (حاشیة الطحطاوي مع مراقی الفلاح، كتاب الصلاة باب صلاة الجنائز، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۷۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند

اس سے یہ امور مستفاد ہوئے زوج بعد موت زوجہ مثل اجنبی کے ہے پس جب تک کوئی محرم ہو اس وقت تک زوج کو مس بجائل بھی نہ کرنا چاہئے! اور جب کوئی محرم نہ ہو تو اجنبیوں سے یہ مقدم ہے بشبہۃ الاختلاف۔

۷ صفر ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالث ص ۱۸)

← إذا كان للمرأة محرم يميمها باليد. وأما الأجنبية فبخرقه على يده، ويغض بصره عن ذراعيها، وكذا الرجل في امرأته إلا في غض البصر ولا فرق بين الشابة، والعجوز كذا في فتاوى قاضيخان. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي العشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل قديم زكريا ۱/ ۱۶۰، جديد زكريا ۱/ ۲۲۱)

ويمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها في الأصح. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۶۶)

بخلاف الرجل فإنه لا يغسل زوجته لانقطاع النكاح، وإذا لم توجد امرأة لتغسلها يميمها وليس عليه غض بصره عن ذراعيها بخلاف الأجنبية فإنه يلف يده بخرقه ويميمها مع كف بصره عن ذراعيها إلا أن تكون أمة فلا تحتاج إلى حائل. (حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۷۲)

إذا كان للمرأة محرم يميمها باليد وأما الأجنبية فبخرقه على يده ويغض بصره عن ذراعيها، وكذا الرجل في امرأته إلا في غض البصر ولا فرق بين الشابة والعجوز. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، باب في غسل الميت وما يتعلق به الخ قديم زكريا ۱/ ۱۸۷، جديد زكريا ۱/ ۱۱۷)

الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل العاشر أنواع الصلاة، المبحث الثامن صلاة الجنائز، الفرض الأول تغسيل الميت، مكتبة هدى انترنیشنل ديوبند ۲/ ۴۰۴۔

کفن کے بند کو قبر میں چھوڑ دینا

سوال (۷۲۲): قدیم ۷۲۰/۱ - کفن جن دھبیوں سے باندھا جاتا ہے اس کا قبر میں رکھنا مکروہ یا حرام ہے یا نہیں اگر رکھ دی جاوے تو حرج تو نہیں ہے؟

الجواب: في الدر المختار: وتحل العقدة للاستغناء عنها وفيه ولا يجوز أن يوضع فيه مضربة. وفي رد المحتار: قوله: ولا يجوز الخ أي يكره ذلك قال في الحلية: ويكره أن يوضع تحت الميت في القبر مضربة أو مخدة أو حصير أو نحو ذلك اه ولعل وجهه أنه اتلاف مال بلا ضرورة فالكرهية تحريمية ولذا عبر بلا يجوز. ج ۱ ص ۹۲۲ و ۹۲۵ (۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱۳۹/۳ تا ۱۴۱، کراچی ۲۳۴/۲-۲۳۶

ویکروہ أن یوضع تحتہ مضربة أو مخدة ذکرہ المرغینانی و کرہ ابن عباس أن یلقی تحت الميت شیء رواہ الترمذی. (حلبی کبری، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، مكتبة اشرفیہ دیوبند ص: ۵۹۷)

وفي الترمذی: وقد روي عن ابن عباس أنه کره أن یلقی تحت الميت في القبر شیء هذا ذهب أهل العلم الخ. (ترمذی شریف، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی الثوب یلقی تحت الميت فی القبر، النخسة الهندیة ۲۰۳/۱)

حضرت سید الکونین علیہ السلام کی قبر شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کے نیچے چادر کی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت شقرانؓ نے یہ چادر نیچے رکھ دیا تھا، مگر حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے جسم مٹی میں نہیں گتے ہیں محفوظ رہتے ہیں؛ اس لئے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ خاص ہے، آپ کے علاوہ دوسرے انسانوں کے جسم کے نیچے کپڑا رکھنا مکروہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے کپڑا رکھنے کی روایت یہ ہے۔

عن جعفر بن محمد عن أبيه قال: الذي الحد قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم أبو طلحة والذي القي القطيعة تحته شقران مولى لرسول الله صلى الله عليه وسلم ←

اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ دھجیاں کسی دوسرے کام آسکیں تو ان کا قبر میں چھوڑنا ناجائز ہے۔
لاشترک العلة، ورنہ کچھ حرج نہیں۔

۱۶ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالث ص ۴۱)

نماز جنازہ میں ولایت کی ترتیب کا حکم

سوال (۷۲۳): قدیم ۴۰/۱- ایک عورت نے شوہر اور عینی بھائی اور ماں چھوڑ کر وفات پائی اب اس کے جنازہ کا ولی کون ہوگا؟

الجواب: في الدر المختار: ثم الولي بترتيب عصوبة الإنكاح إلا الأب فيقدم على الابن اتفاقاً إلا أن يكون عالماً والأب جاهلاً فالابن أولى، فإن لم يكن له ولي فالزوج النخ وفي رد المحتار: فلا ولاية للنساء ولا للزوج إلا أنه أحق من الأجنبي النخ ج ۱ ص ۹۲۰ (۱)

← قال جعفر: وأخبرني ابن أبي رافع قال: سمعت شقران يقول أنا والله طرحت القطيفة تحت رسول الله صلى الله عليه وسلم في القبر الحديث. (ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ماجاء في الثوب الواحد يلقي تحت الميت، النسخة الهندية ۲۰۳/۱)

حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجساد زمین میں نہیں گتے ہیں روایت ملاحظہ فرمائیے:

عن أوس بن رؤس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة، فأكثر واعلمي من الصلاة فيه فإن صلوتكم معروضة على قال: قالوا يا رسول الله! كيف تعرض صلوتنا عليك وقد أرميت، قال: يقولون بليت، فقال: إن الله عز وجل حرم على الأرض اجساد الأنبياء الحديث. (أبو داود شريف، كتاب الصلاة، باب تفریع أبواب الجمعة، النسخة الهندية ۱۵۰/۱، دارالسلام رقم: ۱۰۴۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند

اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورت مسئلہ میں عینی بھائی ولی صلوة ہوگا۔

۸ شعبان المعظم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالث ص ۶۰)

ثم الولي لأنه أقرب الناس إليه..... ويقدم الأقرب من الأولياء على الأبعد وترتيبهم كالعصبات في الإنكاح إلا الأب مع الابن فيقدم الأب عليه اتفاقاً في الأصح لأن الصلاة تعتبر فيها الفضيلة والأب أفضل. قال في البحر: ولو كان الأب جاهلاً والابن عالماً ينبغي أن يقدم الابن..... والزوج والجيران أولى من الأجنبي. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۹۱)

ثم الولي الذكر المكلف فلاحق للمرأة ويقدم الأقرب فالأقرب كترتيبهم في النكاح لكن يقدم الأب على الابن في قول الكل على الصحيح لفضله، وقال شيخ مشايخي العلامة نور الدين على المقدسي: لتقديم الأب وجه حسن وهو أن المقصود الدعاء للميت ودعوته مستجابة والسيد أولى من قريب عبده على الصحيح والقريب مقدم على المعتق، فإن لم يكن ولي فالزوج ثم الجيران. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۸۹-۵۹۰)

ثم الولي لأنه أقرب الناس إليه وترتيب الأولياء فيها كترتيبهم في التعصيب والإنكاح؛ لكن إذا اجتمع أبو الميت وابنه كان الأب أولى لأن له مزية على الابن..... وإن لم يكن للميت ولي فالزوج أولى ثم الجيران أولى من الأجنبي. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۵۷۲-۵۷۳، امدادية ملتان ۱/ ۲۳۹)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۱۶، كوئٹہ ۲/ ۱۸۰۔

الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت قديم زكريا ۱/ ۱۶۳، جديد زكريا ۱/ ۲۲۴۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کفن کے صرفہ کے وجوب میں ترتیب

سوال (۷۲۴): قدیم ۱/۴۱- ایک عورت نے شوہر اور عینی بھائی چھوڑ کر وفات پائی اس صورت میں اس کی تجہیز و تکفین کا خرچ کون دے گا؟

الجواب: في الدر المختار: وكفن من لا مال له على من تجب عليه نفقته، فإن تعددوا فعلى قدر ميراثهم واختلف في الزوج والفتوى على وجوب كفنها عليه عند الشافعي. وفي رد المحتار: عن شرح المنية ان قول أبي حنيفة كقول أبي يوسف اه وأطال في تفصيل المسئلة ج ۱ ص ۹۰۴ و ۹۰۵. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ شوہر پر واجب ہوگا۔ واللہ اعلم

۸ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالثہ ص ۶۰)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ۱۰۰/۱-۱۰۱، کراچی ۲/۲۰۵-۲۰۶۔

وعلى الرجل تجهيز امرأته أي تكفينها ودفنها عند أبي حنيفة لو كانت معسرة وهذا التخصيص مختار صاحب المغني والمحيط والظهيرية انتهى، ويلزمه أبو يوسف بالتجهيز ملطفاً أي ولو كان الزوج معسراً وهي موسرة في الأصح وعليه الفتوى ومن مات ولا مال له فكفنه على من تلزمه نفقته من أقاربه وإذا تعدد من وجبت عليه النفقة فالكفن على قدر ميراثهم كالنفقة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۷۳-۵۷۴)

ومن لم يكن له مال فالكفن على من تجب عليه النفقة إلا الزوج في قول محمد وعلي قول أبي يوسف يجب الكفن على الزوج وإن تركت مالا وعليه الفتوى هكذا في فتاوى قاضیخان. (ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثالث فی

التکفین قدیم زکریا ۱/۱۶۱، جدید زکریا ۱/۲۲۲) ←

لاش کے پوسٹ مارٹم کا حکم

سوال (۷۲۵): قدیم ۱/۷۱- جب کوئی شخص زہر وغیرہ کھا کر یا کسی کے کھلانے سے مر جاتا ہے یا زخم و ضرب شدید سے مر جاتا ہے تو اس مردہ لاش کو ڈاکٹر لوگ چیر کر دیکھتے ہیں اور بعض دفعہ بعد چیرنے کے تمام لاش تو دلوادیتے ہیں اور صرف دل و کلیجی و گردہ وغیرہ نکال کر بڑے ڈاکٹر کے پاس برائے ملاحظہ لاہور بھیجتے ہیں اور وہ بعد ملاحظہ وہیں کہیں داب یا پھینک دیتا ہے پس عرض ہے کہ کوئی مسلمان ڈاکٹر ہو تو وہ ایسا کام کرے؟ یا شرع شریف میں اجازت نہیں؟

← ویکفن المیت من جمیع ماله قبل الوصایا والدیون والمواریث ومن لم یکن له مال فکفنه علی من یجب له علیہ نفقته إلا المرأة فإنه لا یجب کفنها علی زوجها عند محمدؐ خلافاً لأبی یوسفؒ، فإن عنده یجب علیہ الکفن وإن ترک ما لا وفی الکبری: وبه یفتی. (الفتاویٰ التاتاریخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی التکفین، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۳۱، رقم: ۳۶۵۷)

وأما بیان من یجب علیہ الکفن: فنقول: کفن المیت فی ماله إن کان له مال ویکفن من جمیع ماله قبل الدین والوصیة والمیراث لأن هذا من أصول حوائج المیت فصار کنفقته فی حال حیاته وإن لم یکن له مال فکفنه علی من تجب علیہ نفقته کما تلزمه کسوته فی حال حیاته إلا المرأة فإنه لا یجب کفنها علی زوجها عند محمدؐ لأن الزوجیة انقطعت بالموت فصار کالأجنبي، وعند أبی یوسفؒ یجب علیہ کفنها کما تجب علیہ کسوتها فی حال حیاتها. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل أما بیان من یجب علیہ الکفن، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۲)

البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۳۱۱، کوئٹہ

الجواب: في الدر المختار: حامل ماتت وولدها حي يضطرب شق بطنها إلى قوله ولو بلع مال غيره ومات هل يشق فيه قولان والأول نعم فتح، وفي رد المحتار: قوله: ولو بلع مال غيره أي ولا مال له كما في الفتح، وشرح المنية: ومفهومه أنه لو ترك ما لا يضمن مابله لا يشق اتفاقاً قوله: والأول نعم لأنه وإن كان حرمة الأدمى اعلى من صيانة المال لكنه ازال احترامه بتعديه كما في الفتح ومفاده أنه لو سقط في جوفه بلا تعد لا يشق اتفاقاً، ج ١ ص ٩٣٨ (١)

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند

٣/٤٤٥-٤٤٦، كراچي ٢/٢٣٨.

امراة ماتت واضطرب الولد في بطنها وغلب على رأيهم أنه حي يشق بطنها أما لو ابتلع لؤلؤة أو مالا لإنسان، ثم مات ولا مال له ففي التجنيس، أنه لا يشق بطنه وفرق بينه وبين المسئلة الأولى أن هناك إبطال حق الميت لصيانة حرمة الحي فيجوز وهنا إبطال حرمة الأعلى وهو الأدمى لصيانة الأدنى وهو المال بناء على أن حرمة الميت كحرمة الحي ولا يشق بطنه حياً لو ابتلع ذلك، فكذا بعد الموت، وذكر في الاختيار: أن عدم الشق فيه رواية عن محمد وروي الجرجاني عن أصحابنا أنه يشق لأن حق الأدمى مقدم على حق الله تعالى وعلى حق الظالم المتعدي. قال الشيخ كمال الدين بن الهمام: وهذا أولى والجواب عن الفرق أن ذلك الاحترام يزول بتعديه انتهى، وإنما لم يشق في حال الحياة لا فضائه إلى الهلاك لا لمجرد الاحترام ولا كذلك بعد الموت. (حلي كبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ٦٠٨)

امراة حامل ماتت واضطرب في بطنها شيء وكان رأيهم أنه ولد حي شق بطنها، فرق بين هذا وبين ما إذا ابتلع الرجل درة فمات ولم يدع مالا عليه القيمة ولا يشق بطنه لأن في المسئلة الأولى إبطال حرمة الميت كصيانة حرمة الحي فيجوز. أما في المسئلة الثانية إبطال حرمة الأعلى وهو الأدمى لصيانة حرمة الأدنى وهو المال ولا كذلك في المسئلة الأولى انتهى. ←

اس سے معلوم ہوا کہ فی نفسہ میت کا چیرنا امر ناجائز ہے صرف کسی دوسرے زندہ کی جان بچانے کیلئے یا مال محترم کے محفوظ کرنے کیلئے جبکہ اس کا بدل بھی نہ ہو سکے بضرورت شدیدہ اجازت دی گئی ہے اور صورت مسئلہ میں یہ ضرورت شدیدہ متحقق نہیں اور جو ضرورت و مصلحت اس کا سبب ہے وہ اس درجہ کی نہیں اس لئے عدم جواز ہی کا حکم باقی رہے گا۔ اور جس شخص کو کلبی و گردہ وغیرہ مل جاویں واجب ہے کہ ان کو دفن کر دے پھینک کر بے حرمتی نہ کرے۔ (۱)

← وتوضیحه الاتفاق علی أن حرمة المسلم میتاً کحرمة حیاً، ولا یشق بطنه حیاً لو ابتلعها إذا لم یخرج مع الفضلات فکذا میتاً بخلاف شق بطنها لإخراج الولد إذا علمت حیاته، وفي الاختیار جعل عدم شق بطنه عن محمد، ثم قال: وروي الجرجاني عن أصحابنا: أنه لا یشق لأنه حق الآدمي مقدم علی حق الله تعالیٰ ومقدم علی حق الظالم المتعدي انتهی، وهذا أولى، والجواب ما قدمنا أن ذلک الاحترام یزول بتعديه. (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۱۵۰، کوئٹہ ۲/۱۰۲)

وفي الظهیریة: ماتت واضطرب الولد في بطنها یشق ویخرج لا یسع إلا ذلک کذا في شرح المقدسي (مراقی الفلاح) وفي الطحطاوي: قوله: "یشق" قیده في الدرر بالجانب الأيسر ولو بالعکس وخیف علی الأم قطع وأخرج، ولو ابتلع مال غیره، ومات لا یشق بطنه علی قول محمد وروي الجرجاني عن أصحابنا أنه یشق قال الکمال وهو أولى معللاً بأن احترامه سقط بتعديه والاختلاف في شقه مقید بما إذا لم یتروک مالا وإلا لا یشق اتفاقاً قاله السيد. (حاشیة الطحطاوي علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۵۹۷-۵۹۸)

الحموي علی الأشباه قديم تحت القاعدة الخامسة ص: ۱۴۵.

(۱) وإذا وجد شیء من اطراف المیت کید أو رجل أو رأس لم یغسل ولم یصل علیه ولكنه یدفن. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون في الجنائز، مکتبہ

زکریا دیوبند ۳/۸۶، رقم: ۳۷۸۴) ←

اور جس شخص کو ملازمت کی ضرورت سے ایسی چیر پھاڑ کا اتفاق ہو وہ اس فعل کو ناجائز سمجھے اور استغفار کرے اور جب تک دوسری نوکری قابلِ یسر میسر نہ ہو تو یہ نوکری نہ چھوڑے کہ من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما۔ (۱)

۱۶/ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ (تمتہ رابعہ ص ۷۱)

ناپاک چارپائی پر نماز جنازہ کے عدم جواز کا حکم

سوال (۷۲۶): قدیم ۷۴۲/۱ - جنازہ ناپاک چارپائی پر رکھ کر نماز پڑھی تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدر المختار: وفي القنية: الطهارة من النجاسة في ثوب وبدن ومكان وستر العورة شرط في حق الميت والإمام جميعا. وفي رد المحتار: لكن في التاتارخانية سئل قاضي خان عن طهارة مكان الميت هل تشترط بجواز الصلوة عليه. قال إن كان الميت على الجنازة لا شك أنه يجوز وإلا فلا رواية لهذا وينبغي الجواز وهكذا أجاب القاضي بدر الدين ج ۱ ص ۹۰۷ (۲)

۱۳ / رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۹۱)

← الميخبط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، المجلس العلمي ۱۰۷/۳، رقم: ۲۵۱۷۔

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط وجوب الغسل، مكتبة زكريا ديوبند ۲۹/۲۔
(۱) إن من ابتلى ببليتين وهما متساويتان يأخذ بأيتهما شاء وإن اختلفا يختار اھونھما لأن مباشرة الحرام لا تجوز إلا للضرورة ولا ضرورة في حق الزيادة. (الأشباه والنظائر قديم القاعدة الخامسة الضرر يزال ص: ۱۴۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کا حکم

سوال (۷۷۷): قدیم ۱/۴۲ - اگر کسی شخص نے عمدہ خودکشی کی افیون پی کر یا اور کسی وسیلہ سے تو اس پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

← وفي القنية: الطهارة من النجاسة في الثوب والبدن والمكان وستر العورة شرط في حق الإمام والميت جميعاً. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۱۵، كوئٹہ ۲/۱۷۹)

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۶۹ -

وشرائطها ستة أولها إسلام الميت والثاني طهارته وطهارة مكانه لأنه كالإمام (مراقی الفلاح) وفي الطحطاوي قوله: وطهارة مكانه، قال في القنية: الطهارة من النجاسة في الثوب والبدن والمكان وستر العورة شرط في حق الإمام يعني المصلي والميت جميعاً اهـ. وفي السيد وأما مكانه أي إذا كان نجساً فإن كان الميت على الجنائز تجوز الصلاة وإن كان على الأرض ففي الفوائد يجوز وجزم في القنية بعدمه. (حاشية الطحطاوي على مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في الصلاة عليه، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ۵۸۱-۵۸۲)

يشترط لصحة صلاة الجنائز ما يشترط بقية الصلوات من الطهارة الفقهية بدناً وثوباً ومكاناً والحكمية، وستر العورة واستقبال القبلة والنية سوى الوقت. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۶/۱۸)

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، صلاة الجنائز، فصل في بيان ما تصح به وما تفسد وما يكره، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۴ -

الجواب: في الدر المختار: من قتل نفسه ولو عمداً يغسل ويصلى عليه به يفتى اه

وأجاب في رد المحتار عن استدلال الثاني. (۱)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جاوے گی۔

۱۰/ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ (تمہ خامسہ ص ۳۶۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا

۱۰/۸، کراچی ۲/۲۱۱۔

عن واثلة بن الأسقع قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوا على كل ميت،

وجاهدوا مع كل أمير. (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب في الصلاة على أهل القبلة، النسخة

الهندية ص: ۱۰۹، دار السلام رقم: ۱۵۲۵)

عن عمران قال: سئلت إبراهيم النخعي عن إنسان قتل نفسه أيصلي عليه؟ قال: نعم!

إنما الصلاة سنة. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الجنائز، باب في الرجل يقتل نفسه..... مؤسسة

علوم القرآن بيروت ۷/۳۷۶، رقم: ۱۱۹۹۰۔

عن جابر بن سمرة أن رجلاً قتل نفسه فلم يصلى عليه النبي صلى الله عليه وسلم..... وقد

اختلف أهل العلم في هذا، فقال بعضهم: يصلى على كل من صلى للقبلة وعلى قاتل النفس

وهو قول سفيان الثوري وإسحاق، وقال أحمد، لا يصلى الإمام على قاتل النفس ويصلى عليه

غير الإمام. (ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ما جاء فيمن قتل نفسه لم يصلى عليه، النسخة

الهندية ۱/۲۰۵، دار السلام رقم: ۱۰۶۸)

وفي الجامع الصغير: من قتل نفسه يغسل ويصلى عليه، قال الحجة: وهو الصحيح؛

لأنه مؤمن مذهب فصار كغيره من أصحاب الكبائر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة الفصل

الثاني والثلاثون من يصلى عليه ومن لا يصلى عليه، مكتبة زكريا ۳/۵۶، رقم: ۳۷۰۸)

ومن قتل نفسه عمداً يصلى عليه عند أبي حنيفة، ومحمد وهو الأصح، كذا في التبيين.

(هندية، الباب الحادي والعشرون في صلاة الجنائز، الفصل خامس في الصلاة على الميت قديم

زكريا ۱/۱۶۳، جديد زكريا ۱/۲۲۴) ←

علماء اور سردار میت کے سر پر عمامہ کی کراہت

سوال (۷۸): قدیم ۱/۷۵- عمامہ دادن میت علماء و سردار را در شرع جائزست یا نہ؟

الجواب: مکروہ است۔ (۱)

۲۳/ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (تمتہ کامسہ ص ۱۷۲)

← تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۵۹۷، امدادیہ ملتان ۱/ ۲۵۰۔

سکب الأنهر علی هامش مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۸۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) میت کے سر پر عمامہ باندھنے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اقوال مختلف ہیں؛ لیکن زیادہ صحیح اور رائج یہی ہے کہ یہ عمل اشراف غیر اشراف سب کے لئے مکروہ ہے۔

عن عائشة[ؓ] أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كفن في ثلاثة أثواب ليس فيها قميص ولا عمامة، وعنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كفن في ثلاثة أثواب بيض سحو لية ليس فيها قميص ولا عمامة. (بخاري شريف، كتاب الجنائز، باب الكفن بلا عمامة، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۹، رقم: ۱۲۵۸-۱۲۵۹، ف: ۱۲۷۲-۱۲۷۳)

(السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الجنائز، جمع أبواب عدد الكفن، باب السنة في تكفين الرجل في ثلاثة أثواب ليس فيهن قميص ولا عمامة. (دار الفكر بيروت ۵/ ۲۶۱، رقم: ۶۷۷۳-۶۷۷۴) وتكره العمامة للميت في الأصح (در مختار) وفي الشامية: قوله: (في الأصح) وهو أحد تصحيحين قال القهستاني: واستحسن على الصحيح العمامة يعمم يميناً ويذنب ويلف ذنبه على كورة من قبل يمينه، وقيل يذنب على وجهه كما في التمر تاشي، وقيل هذا إذا كان من الأشراف، وقيل هذا إذا لم يكن في الورثة صغار وقيل لا يعمم بكل حال كما في المحيط، والأصح أنه تكره العمامة بكل حال كما في الزاهدي. (الدر المختار مع الشامي،

كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۹۵-۹۶، كراچی ۲/ ۲۰۲) ←

روضہ اقدس ﷺ پر بناء قبہ کے جواز کی دلیل

سوال (۷۲۹): قدیم ۱/۴۷- آج اخبار الجمعية میں ایک مضمون سید سلیمان صاحب ندویؒ کا میری نظر سے گزرا جس میں سید صاحب موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ نجدیوں کے دستِ تعظم سے بعض مزارات و مولید کی تخریب جو بعض اخباروں میں شائع کی گئی ہے اول تو وہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی، دوسرے مزارات و مولید مذکورہ اصلی نہیں بلکہ خلفائے بنی امیہ و عباسیہ کے تعمیر کردہ ہیں اور ان کو منہدم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں! تیسرے ان مقامات پر بدعتی رسوم جاری ہیں جن کا انسداد ضروری ہے! چوتھے ان قبور میں مساجد کے ساتھ مماثلت پائی جاتی ہے اگر یہ توضیح درست ہے تو کیا سرور کائنات ﷺ کا قبہ شریف اس حد میں نہیں آتا؟ اور اگر آتا ہے تو کیا اس کے ساتھ بھی ایسا سلوک جائز ہے؟ جواب باصواب سے مطلع فرمایا جاوے۔

«وسنة كفن الرجل قميص وهو من المنكب إلى القدم وإزار ولفافة وهما من القرن إلى القدم ويتحسن بعض المتأخرين العمامة للعلماء والأشراف ويجعل ذنبها على وجهه وفي المجتبى: الأصح إنها مكروهة. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۶۷)

وہل یعمم الرجل؟ اختلف المشايخ فيه: منهم من قال: يعمم؛ لأن ابن عمر أوصى به، ومنهم من يقول: إن كان في الورثة صغار لا يعمم، وإن كانوا كباراً وعمموا برضاهم يجوز، ومنهم من قال: إن كان عالماً معروفاً أو من الأشراف يعمم، وإن كان من أوساط الناس لا يعمم، ومنهم من قال: لا يعمم على كل حال لما روينا من الحديث؛ ولأنه لو عمم يصير الكفن شفعاً. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون الجنائز، المجلس العلمي ۳/۶۶، رقم: ۲۴۲۱)

الفتاویٰ التاتارخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون، الجنائز، مكتبة زكريا

دیوبند ۳/۲۷، رقم: ۳۶۵۰۔

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا دیوبند ۱/۳۸۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: سید القبور یعنی قبر سید اہل القبور صلی اللہ علیہ وسلم ماختلف القبور والقبور کا قیاس دوسری قبور پر قیاس مع الفارق ہے حدیثوں میں منصوص ہے کہ آپ کا دفن کرنا موضع وفات ہی میں مامور بہ ہے (۱) اور موضع وفات ایک بیت تھا جو جدران و سقف پر مشتمل تھا اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی قبر شریف پر جدران و سقف کے مٹی ہونے کی اجازت ہے اور بناء علی القبر سے جو نہی آئی ہے وہ وہ ہے جو بناء للمقبر ہو اور یہاں ایسا نہیں۔

اب رہا اس کا بقاء یا البقاء سو چونکہ بعد دفن کے خلفاء راشدین میں سے کسی نے اس بناء کی بقاء پر نیکر نہیں فرمایا بلکہ ایک موقع پر استسقاء کی ضرورت شدیدہ سے صرف سقف میں ایک روشندان کھولا گیا تھا جس سے اس بناء کی بقاء کا مشروع ہونا بھی معلوم ہو گیا اور ظاہر ہے کہ بقاء ایسی اشیاء کا بدون اہتمام البقاء کے عادیہ ممکن نہیں اسلئے اہتمام البقاء کی مطلوبیت بھی ثابت ہو گئی اور چونکہ عمارت کا استحکام ادخل فی البقاء ہے اس لئے اس کی مقصودیت بھی ثابت ہو گئی خصوص جب اس میں اور مصالح شرعیہ بھی ہوں۔ مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مطہر کو اعداء دین سے محفوظ رکھنا کہ ان کا تسلط (نحو ذواللہ منہ) یقیناً مفوت احترام ہے

(۱) عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: لما قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم اختلفوا في دفنه، فقال أبو بكر: سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئاً ما نسيتُهُ قال ما قبض الله نبياً إلا في الموضع الذي يجب أن يدفن فيه، أدفنوه في موضع فراشه. (شمائل ترمذي، باب ما جاء في وفات رسول الله صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ص: ۲۶)

ترمذی شریف، کتاب الجنائز، باب بالترجمة، النسخة الهندية ۱/ ۱۹۷-۱۹۸، دار السلام رقم: ۱۰۱۸۔

وأخرج ابن ماجه عن ابن عباس حديثاً طويلاً وفيه لقد اختلف المسلمون في المكان الذي يحفر له، فقال قائلون يدفن في مسجده، قال قائلون: يدفن مع أصحابه فقال أبو بكر: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ما قبض نبي إلا دفن حيث يقبض الحديث (ابن ماجه شريف، أبواب ماجاء في الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ص: ۱۱۷، دار السلام، رقم: ۱۶۲۸)

اور جسم مبارک کے احترام کا مقصود ہونا اجلی بدیہیات سے ہے اور اسی حکمت پر علماء اسرار نے آپ کی شہادت جلیہ کے انتفاء کو مٹی فرمایا ہے اور مثلاً آپ کی قبر معطر کو عشاق کی نظر سے مستور رکھنا کہ اس کا نظر آنا غلبہ عشق میں محتمل تھا انضاء الی التجاوز عن الحدود الشرعیہ کو جیسا مرض وفات میں کئی وقت کے بعد حضور ﷺ کا چہرہ انور دیکھ کر قریب تھا کہ نماز کا انتظام ہی درہم برہم ہو جائے جس کا فوٹو شیخ دہلویؒ نے اس شعر میں کھینچا ہے۔

در نماز ہم ابروئے توچوں یاد آمد حالتے رفت کہ مخراب بفریاد آمد

اور یہ دونوں امر (جو کہ حافظ للمصالح الشرعیہ ہونے کے سبب مقصود ہیں) بدون بقاء بناء کے خاص اہتمام و استحکام کے محفوظ نہیں رہ سکتے اس لئے مقدمہ مقصود ہونے کے سبب یہ اہتمام بھی مقصود ہو گیا نیز قبر منور ایسے موقع پر ہے کہ اس کے پیچھے مسجد کا حصہ ہے بدون حائل کے قبر کی طرف سجدہ واقع ہوتا تو اس بناء میں حیلولۃ کی بھی مصلحت ہے پس ثابت ہو گیا کہ ایکم مثلثی کی طرح قبر ایکم مثل قبری کا حکم بھی کیا جاوے گا۔ واللہ اعلم

لطیفہ: اس تحریر کے بعد مثنوی معنوی لے کر دعاء کی کہ الہی اگر یہ حق لکھا گیا تو مثنوی میں اس کے حق ہونے کی تائید میں کوئی مضمون نکل آوے اور بسم اللہ کر کے کھولایہ اشعار شروع صفحہ ہی میں نکلے جن کا مؤید ہونا بالکل ظاہر ہے۔

اے صفات در صفات مادیں ایں نہ کردی تو کہ من کردم یقین
تو دریں مستعملی نے عالمی زانکہ محمول منی نے حالی
مارمیت از ریمیت گشتہ خویشتن در موج چون کف ہشتہ
لاشدی پہلوئے الا خانہ گیر اے عجب کہ ہم اسیری ہم امیر

تنبیہ: میں اس جواب کو علم (*) پڑنی سمجھتا ہوں ممکن ہے کہ کوئی صرف محبت پڑنی سمجھے۔

۲۰ صفر المظفر ۱۳۴۳ھ

(*) ویکره الدفن فی البیوت لاختصاصہ بالأنبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قال الکمال لا یدفن صغیر ولا کبیر فی البیت الذی مات فیہ فإن ذلک خاص بالأنبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بل یدفن فی مقابر المسلمین۔ (حاشیۃ الطحطاوی مع مراقی الفلاح، کتاب الصلوٰۃ، باب احکام الجنائز، فصل فی حملہا ودفنہا، مکتبۃ دارالکتاب دیوبند ص: ۶۱۲) سعید احمد پالن پوری

اس جواب پر ایک دوسرے مقام سے اور سوال آیا

جمع جواب ذیل میں مذکور ہے

سوال: اب رہ گیا یہ شبہ کہ اس میں حضرات شیخین کی قبریں کیوں بنیں اس کا جواب کوئی سمجھ میں نہیں آتا ہے سوائے اس کے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے خواب دیکھا تھا کہ میرے حجرہ میں تین سورج یا تین چاند نکلے ہیں (اس وقت صحیح یا نہیں کہ سورج ہے یا چاند) اور بروقت وفات کے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا تھا کہ ایک چاند آنحضرت سرور کائنات ﷺ ہیں اور اس کے علاوہ بھی بشارات (ادلہ مبشرہ بالفضل نہ کہ منامات) شاید ہوں گی جس کی وجہ سے حضرات شیخین یہاں دفن فرمائے گئے۔ خلاصہ یہ کہ حضرات شیخین تبعاً وہاں دفن ہوئے ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو تعمیر جدید فرمائی وہ اصل میں آنحضرت سرور کائنات کیلئے تھی نہ بالقصد حضرات شیخین کیلئے اس کے علاوہ کوئی جواب سمجھ میں نہیں آتا؟

الجواب: سب جواب ٹھیک ہے اور قواعد کے موافق اسی کی تائید دوسری روایات سے ہوتی ہے۔

وہی ہذہ عن ابن عمر أن النبی ﷺ خرج ذات یوم ودخل المسجد وأبو بکر وعمر أحدهما عن یمینہ والآخر عن شمالہ وهو أخذ بأیدیہما۔ فقال: ہکذا نبعث یوم القیمة: رواہ الترمذی وقال: ہذا حدیث غریب۔ (۱)

وعن ابن عباسؓ قال: انی لواقف فی قوم فدعو اللہ لعمر وقد وضع علی سریرہ إذا رجل من خلفی قد وضع مرفقہ علی منکبی یقول یرحمک اللہ انی لأرجو أن یجعلک اللہ مع صاحبیک لأنی کثیر اما کنت أسمع رسول اللہ ﷺ

(۱) ترمذی شریف، أبواب المناقب، باب قوله عليه الصلاة والسلام لأبي بكر وعمر هكذا

نبعث يوم القيامة، النسخة الهندية ۲/۲۰۸، دار السلام رقم: ۳۶۶۹۔

عن نافع عن ابن عمرؓ قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم بين أبي بكر وعمرؓ فقال:

هكذا نبعث يوم القيامة. (ابن ماجة شريف، كتاب السنة، باب في فضائل أصحاب رسول الله صلى الله

عليه وسلم، فضل أبي بكر، النسخة الهندية ص: ۱۰، ياسر نديم ايند كمپنى ديوبند، دار السلام رقم: ۹۹)

يقول: كنت وأبوبكر، وعمر، وفعلت وأبوبكر وعمر وانطلقت وأبوبكر وعمر ودخلت وأبوبكر وعمر وخرجت وأبوبكر وعمر فالتفت فإذا على ابن أبي طالب متفق عليه (مشكوة المصابيح) باب مناقب أبي بكر، وعمر (١) في المشكوة المصابيح باب نزول عيسى بن مريم.

عن عبد الله بن عمر قال: قال رسول الله ﷺ ينزل عيسى بن مريم إلى الأرض فيتزوج ويولد له ويمكث خمسا وأربعين سنة، ثم يموت فيدفن معي في قبري فأقوم أنا وعيسى بن مريم في قبر واحد (أي في مقبرة واحدة) بين أبي بكر وعمر رواه ابن الجوزي في كتاب الوفاء. (٢)

وروى الترمذي ج ٢ ص ٢٠٢. في اخر باب من أبواب المناقب. عن أبي مودود المدني ناعثمان بن ضحاک عن محمد بن يوسف بن عبد الله بن سلام عن أبيه عن جده. قال مكتوب في التوراة صفة محمد وعيسى بن مريم يدفن معه قال: فقال أبو مودود قد بقي في البيت موضع قبر هذا حديث حسن غريب. (٣)

(١) بخاري شريف، كتاب فضائل الصحابة، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لو كنت متخذا خليلا، النسخة الهندية ١/٥١٩، رقم: ٣٥٤٥، ف: ٣٦٧٧ - مسلم شريف، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر، النسخة الهندية ٢/٢٧٤، بيت الأفكار رقم: ٢٣٨٩ -

مشكوة شريف، كتاب الفتن، باب مناقب أبي بكر، مكتبة اشرفية ديوبند ٢/٥٥٩ -

(٢) مشكوة المصابيح، كتاب الفتن، باب نزول عيسى عليه الصلاة والسلام، مكتبة اشرفية ديوبند ٢/٤٨٠ -

(٣) ترمذي شريف، أبواب المناقب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب بلاترجمه، النسخة الهندية ٢/٢٠٢، دار السلام رقم: ٣٦١٧ -

وفي خلاصة الوفاء للسمهودى آخر الفصل العاشر في الحديث المذكور لفظ الطبرانى في رواية يدفن عيسى بن مريم عليه السلام مع رسول الله وأبى بكر وعمر فيكون قبر ارباعا وفيه عثمان بن الضحاك وثقه ابن حبان وضعفه أبو داؤد. (۱)

روایت اولیٰ مثل صریح کے ہے کہ تینوں حضرات ایک جگہ مدفون ہوں گے اور شارع کی خبر بلا تکمیل دلیل اذن ہے اور یہ احتمال کہ بعد بعث کے پھر مجتمع ہو جاویں لفظ بکذا نبعث سے بعید ہے۔ یہ تو عین بعث کی کیفیت پر دال ہے دوسری روایت میں اس معنی کا لطیف استنباط کیا گیا ہے جو مؤید بالصلح ہونے کے سبب حجت ہے۔ تیسری روایت بھی مثل روایت اولیٰ کے صریح ہے؛ بلکہ اس سے بھی اصرح ہے لفظ اقوم میں اس مجاز کا احتمال اور زیادہ بعید ہے اور بلا ضرورت غیر مسموع۔ چوتھی پانچویں روایت کا مجموعہ منجر ہے کہ حضرات شیخین کا بیت میں دفن ہونا تو راقہ میں بھی مذکور ہے تو شارع من قبلنا سے بھی ثابت ہوا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ صحابہ کے وقت میں ایسا ہوا اور کسی نے نکیر نہیں فرمایا تو اس کے اذن پر اجماع ہو گیا اب اس اجماع کی سند خواہ کچھ ہی ہو ہمارے لئے اجماع استثناء کیلئے حجت کافی ہے۔

۲۷/ربیع الاول ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۹۵)

ایصال ثواب سے ثواب پہونچانے والے کے اجر میں کمی آنی

سوال (۷۳۰): قدیم ۱/۷۹- ایصال ثواب کی نسبت بعض وقت خدشہ گزرتا ہے کہ اگر عمل نیک کا ثواب دوسروں کی روح کو بخشا جاوے تو بخشنے والے کیلئے کیا نفع ہوا؛ البتہ مردوں کو اس سے نفع پہنچتا ہے حضور اس خدشہ کو رفع فرماویں تو فدوی کو اطمینان ہو جاوے گا؟

(۱) وعن عبد الله بن سلام قال: يدفن عيسى بن مريم عليه السلام مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صاحبيه رضي الله عنهما فيكون قبره رابع. رواه الطبراني، وفيه عثمان بن الضحاك وثقه ابن حبان وضعفه أبو داؤد. (مجمع الزوائد، كتاب فيه ذكر الأنبياء عليهم السلام، باب ذكر المسيح عيسى ابن مريم عليه السلام، دار الكتب العلمية بيروت ۲۰۱۸/۸)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في شرح الصدور: بتخريج الطبراني عن أبي عمرو قال: قال رسول الله ﷺ إذا تصدق أحدكم صدقة تطوعاً فليجعلها عن أبيه فيكون لها أجرها ولا ينقص من أجره شيئاً. (۱)

یہ حدیث نص ہے اس میں کہ ثواب بخشدینے سے بھی عامل کے پاس پورا ثواب رہتا ہے اور صحیح مسلم کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

من سن سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها من غير أن ينقص من أجره شيئاً
أو كما قال. (۲)

وجہ تائید ظاہر ہے کہ دوسرے شخص کی طرف تعدیہ ثواب سے بھی عامل کا ثواب کم نہیں ہوتا اتنا فرق ہے کہ حدیث طبرانی میں تعدیہ بالقصد ہے اور حدیث مسلم میں بلا قصد سو یہ فرق حکم مقصود میں کچھ مؤثر نہیں اور فقہاء نے بھی ان روایات کے مدلول کو بلا تاویل متعلقہ بالقبول کیا ہے۔

(۱) وعن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا تصدقة بصدقة تطوعاً فليجعلها عن أبيه فيكون لهما أجرها ولا ينقص من أجره شيئاً. رواه الطبراني في الأوسط، وفيه خارجة بن مصعب الضبي وهو ضعيف. (مجمع الزوائد، باب الصدقة على الميت، دار الكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۳۸-۱۳۹، رقم: ۴۷۶۹)

(۲) أخرج مسلم في صحيحه عن المنذر ابن جرير عن أبيه حديثاً طويلاً - فيه - فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شيئاً ومن سن في الإسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شيئاً. (مسلم شريف، كتاب الزكاة، باب السحت على الصدقة ولو بشق تمر أو كلمة طيبة وأنها حجاب من النار، النسخة الهندية ۳۲۶/۱، بيت الأفكار رقم: ۱۰۱۷)

نسائی شریف، کتاب الزکاة، باب التحریض علی الصدقة، النسخة الهندية

کما في رد المحتار: عن زكاة التاتارخانية عن المحيط الأفضل لمن يتصدق نفلاً

أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره. اهـ (۱)

اور راز اس میں احقر کے ذوق میں یہ ہے کہ معانی میں توسع اس قدر ہے کہ تعدیہ الی محل الآخر سے بھی محل اول سے زوال نہیں ہوتا۔ چنانچہ تعدیہ علوم و فیوض میں مشاہد ہے بخلاف اعیان کے کہ وہاں ایسا نہیں بلکہ ہبہ کرنے کے بعد شے موہوب و اہب کے پاس نہیں رہتی۔

وذكر العارف الروحي في المشوى بعض اثار التوسع المعنوى فقال۔

در معانی قسمت و اعداد نیست ☆ در معانی تجزیہ و افراد نیست

فقط ۲۹ / صفر ۱۳۲۲ھ

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة لميت وإهداء ثوابها

لہ، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/ ۱۵۰، کراچی ۲/ ۲۴۳۔

جامع الجوامع: الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات

لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل

السادس عشر، إيجاب الصدقة وما يتصل به، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/ ۲۶۸، رقم: ۴۳۴)

فلإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة سواء كان

المجعو له حياً أو ميتاً من غير أن ينقص من أجره شيء وأخرج الطبراني والبيهقي

في الشعب عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا تصدق

أحدكم بصدقة تطوعاً فليجعلها عن أبويه فيكون لهما أجرها ولا ينقص من أجره شيء.

(حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة

القبور، مکتبہ دار الکتب دیوبند ص: ۶۲۲، قدیم ۳۴۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس جواب پر ایک دوسرے مقام سے اور سوال آیا جو مع جواب

ذیل میں مذکور ہے

سوال: مسئلہ مذکورہ عریضہ سابق میں ایک امر قابل تحقیق اور بھی معلوم ہوا جس کے متعلق کوئی نص نہ معلوم ہونے سے اکثر متردد رہا۔ امید کہ اس کے متعلق بھی اگر کوئی نص حضور والا کو معلوم ہو تو شرف آ گا، ہی بخشیش اللہ تعالیٰ اجر جزیل فی الدارین عطا فرماویں وہ جزئیہ یہ ہے کہ وہ اجر تجزی ہو کر مساوی درجہ میں جن جن کو ایصال ثواب کیا گیا ہے انہیں پہنچے گا جیسا کہ عدل کا مقتضا ہے یا ہر ایک کو بلا تجزی پورا پورا اجر اس عمل کا ملے گا جیسا کہ اس کے فضل کا مقتضا ہے؟

الجواب: اس سے پہلے بھی کلام ہوا ہے۔

كما في رد المحتار: ويوضحه أنه لو أهدى إلى أربعة يحصل لكل منهم ربعة فكذا لو أهدى الربع لو أحد وابقى الباقي لنفسه. اه ملخصاً قلت لكن سئل ابن حجر المكي عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب بينهم أو يصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملاً فأجاب بأنه أفتى جمع بالثاني وهو اللائق بسعة الفضل ج ۱ ص ۹۴۴ (۱)

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبة زكريا دیوبند ۱۵۲/۳-۱۵۳،

کراچی ۲/۲۴۳-۲۴۴۔

وعن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا تصدق بصدقة تطوعاً فيجعلها عن أبويه فيكون لهما أجرها ولا ينتقص من أجره شيئاً. رواه الطبراني في الأوسط، وفيه خارجة بن مصعب الضبي وهو ضعيف. (مجمع الزوائد، باب الصدقة

على الميت، دار الكتب العلمية بيروت ۱۳۸/۳-۱۳۹، رقم: ۴۷۶۹)

فلإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة سواء كان المجعول ←

مگر کسی نے دلیل میں کوئی نص ذکر نہیں کی اور ظاہر ہے کہ مسئلہ قیاسی ہے نہیں اس لئے بدون نص اس میں کوئی حکم نہیں کیا جاسکتا البتہ سوال بالا کے جواب میں جو حدیث طبرانی کی مذکور ہے اس کو ظاہر الفاظ سے عدم تجزی پر دال کہا جاسکتا ہے کیونکہ اجر ہا کا مرجع صدقہ ہے جس کا حقیقی مفہوم کل الصدقہ ہے نہ کہ جزء الصدقہ اور لہما سے تبار اور شائع اطلاق کے وقت کل واحد ہوتا ہے اور مجموعہ مراد ہونا محتاج قرینہ ہوتا ہے اور قرینہ کا فقدان ظاہر ہے پس معنی یہ ہوئے کہ دونوں میں سے ہر ہر واحد کو پورے صدقہ کا اجر ملے گا اور دوسرے احتمالات مخالفہ غیر ناشی عن دلیل ہیں اس لئے معتبر نہیں اور مسئلہ قطعیات میں سے نہیں اسلئے بھی ایسے احتمالات مضرنہیں۔

نیز سوال سابق کے جواب میں جیسے معلوم ہوا کہ ”تعدیہ ثواب من محل إلى محل موجب نقص في أحد المحلین“ نہیں اسی طرح اس سے یہ بھی لازم آیا کہ تجزیہ جیسا کہ مقتضائے ظاہری تشریک محل مع محل کا ہے۔ نیز موجب نقص في أحد المحلین نہیں کیونکہ تعدیہ و تجزیہ آثار میں متمائل ہی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

۱۹ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۹۹)

اولیاء کے مزاروں پر عمارت تعمیر کرنا کیسا ہے؟

سوال (۷۳۱): قدیم ۱/۴۹۔ بحضور حضرت سیدنا و مولانا دامت برکاتہم علیہا السلام

علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ادنی خادم خاکپا عرض می نماید کہ در رسالہ النور ماہ شوال ۱۳۴۲ھ ص: ۱۸

← له حیاً أو میتاً من غیر أن ینقص من أجره شیء وأخرج الطبرانی والبیہقی فی الشعب عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم: إذا تصدق أحدکم بصدقة تطوعاً فلیجعلها عن أبویہ فیکون لهما أجرهما ولا ینقص من أجره شیء. (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقبۃ الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب أحكام الجنائز، فصل فی زیارة القبور، مکتبۃ دارالکتاب دیوبند ص: ۶۲۲، قدیم ۳۴۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال کا ترجمہ: بہ خدمت حضرت سیدنا و مولانا دامت برکاتہم علیہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خاک پائے ادنی خادم عرض کرتا ہے کہ رسالہ ”النور“ ماہ شوال ۱۳۴۲ھ ص: ۱۸ میں

حضور نوشتہ (زائرین قبور کی راحت کیلئے اس قطعہ میں ایک سہ دری اور ایک چاہ تیار کر دیا گیا اور اسی غرض سے سایہ دار درختوں کے نصب کرنے کا خیال ہے اور ان چیزوں کی نگرانی کیلئے ایک آدمی بھی وہاں مشاہرہ پر رکھ دیا گیا ہے)

حضرت قبلہ جان مابندگان در ملک ما ایں چنین رواج است غالباً در ملک قبلہ ہم ایں چنین خواہد بود کہ جانیکہ بر قبور اولیاء کرام ایں چنین اسباب راحت زائرین مہیا ہستند بدعات ہم ہستند وجانیکہ نیند بدعات ہم نیند و گمان است کہ ملفوظات مبارکہ قبلہ دیدہ ام و یا از دیگر جانشیدہ ام کہ شخصے سفارش نامہ از حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ و رضوانہ نزد حضرت مولانا گنگوہیؒ در بارہ بناء نزد مزار حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ برائے استراحت زائرین آوردہ بود مولانا قبول نہ کرد و فرمود کہ در ایں چنین امور مامقلد حضرت حاجی صاحب نیستیم امروز عریش بنا شور آہستہ آہستہ فردا قبہ بنا خواہد شد و حضرت اکثر زائرین امداد و دہش با مجاور میکند۔ حضور بعد انتقال چنان اورا منع قبول کرد احتمال غیر البعد است کہ

حضرت والا نے تحریر فرمایا ہے کہ (زائرین قبور کی راحت کے لئے اس قطعہ میں ایک سہ دری اور ایک چاہ تیار کر دیا گیا اور اسی غرض سے سایہ دار درختوں کے نصب کرنے کا خیال ہے اور ان چیزوں کی نگرانی کے لئے ایک آدمی بھی وہاں مشاہرہ پر رکھ دیا گیا ہے)

حضرت والا ہم غلاموں کے قبلہ! ہمارے ملک میں اس طرح کا رواج ہے غالباً قبلہ کے ملک میں بھی ایسا ہی ہوگا کہ جس جگہ انبیاء کرام کی قبروں پر اس طرح کے اسباب راحت زائرین کے لئے مہیا ہیں وہاں بدعات بھی ہیں اور جس جگہ نہیں ہیں بدعات بھی وہاں نہیں ہیں اور خیال آتا ہے کہ قبلہ کے ملفوظات مبارکہ میں نے دیکھا ہے اور کہیں دوسری جگہ سنا ہے کہ ایک شخص نے زائرین کی راحت کے لئے حضرت نانوتویؒ کے مزار کے پاس عمارت کے سلسلے میں حضرت حاجی صاحب کا سفارش نامہ حضرت گنگوہیؒ کے پاس لایا تھا؛ لیکن مولانا نے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ اس طرح کے امور میں ہم حضرت حاجی صاحب کے مقلد نہیں ہیں۔ آج سائبان کی تعمیر ہوگی آہستہ آہستہ کل قبہ کی تعمیر ہو جائے گی، حضرت والا! اکثر زائرین مجاور کی امداد اور داد و دہش کرتے ہیں۔

حضور والا! ان لوگوں کے انتقال کے بعد اور اس (مجاور) کے ممانعت کو قبول کرنے کے بعد یہ احتمال بعید نہیں ہے

از برائے خوشامد اوشان خوابہائے کاذب کہ صاحب قبر از شرا رضی است و دعاء گواست خوابد ساخت پس ناچار ندر دروغیرہ خواہدن شدہ خواہند افرود و ایں راہم دلیل قطعی نیست کہ آں مجاور بر طرز حضور والا خواہد ماند متغیر نخواہد شد خود حضور عالی دریں وصیت نامہ نوشتہ (اور ان کے بعد مدرسہ امداد العلوم اور خانقاہ امداد القلوب کا جو متولی ہو بشرط اس کے کہ اپنے بزرگوں کے طرز پر ہو) معلوم شد کہ طرز ماندن قطعی نیست حضرت دردل من ناکارہ ایں چنین اثر پریشان کنندہ پدید شد کہ من گویم کہ کدام بدعتی ایں حصہ وصیت نامہ نہ بیندا گردید حجت خواہد گرفت و اعتراض خواہد نمود حضرت ہر چہ دردل بے ساختہ بدون تفکر آمدہ عرض نمودہ ام چنانکہ طالب العلم از معلم سوال شبہ خود ظاہر میکند خواہ غلط یا صحیح؟

الجواب: بخد مت مخدومی مکرمی دام فیضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ صحیفہ عنایت کہ مشتمل بر دو مشورہ بود مسرور و ممنون فرمودہ جزاکم اللہ تعالیٰ علی ہذا الصبح، نسبت امراول ایں کہ مصالحے کہ قبل بنائیش در ذہن آمدہ ایں بود

کہ ان لوگوں کی خوشامد کے واسطے جھوٹے خواب کہ قبر والے حضرت تم لوگوں سے راضی ہیں اور دعا گو ہیں گھڑ لیں، پس لامحالہ نذر وغیرہ چاہیں گے اور ان میں اضافہ کے خواہاں ہوں گے اور اس کی بھی قطعی دلیل نہیں ہے کہ وہ مجاور حضرت والا کے طریقہ پر رہے گا اور اس سے نہیں ہٹے گا، خود حضرت والا نے اس وصیت نامہ میں لکھا ہے کہ (اور ان کے بعد مدرسہ امداد العلوم اور خانقاہ امداد القلوب کا جو متولی ہو بشرط اس کے کہ اپنے بزرگوں کے طرز پر ہو) معلوم ہوا کہ طریقہ پر رہنا قطعی اور یقینی بات نہیں ہے۔

حضرت والا! مجھنا کارہ کے دل میں اس طرح کے پریشان کن خیالات پیدا ہونے لگے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ کون بدعتی وصیت نامہ کے اس حصہ کو نہ دیکھے گا اور اگر دیکھے لے تو دلیل پکڑنے لگے گا اور اعتراض کرنے لگے گا۔ حضرت والا! جو کچھ دل میں بے ساختہ بغیر غور و فکر کے آیا میں نے عرض کر دیا؛ اس لئے طالب علم استاذ کے سامنے اپنے شبہ اور سوال ظاہر کرتا ہے خواہ غلط ہو یا صحیح۔

جواب کا ترجمہ: بہ خدمت مخدومی مکرمی دامہ فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ نے جو کہ دو مشورہ پر مشتمل تھا خوش اور ممنون فرمایا، اللہ آپ کو اس خیر و خواہی پر جزائے خیر عطا فرمائے۔

پہلے امر کے متعلق یہ عرض ہے کہ جو مصلحتیں اس کی تعمیر سے پہلے ذہن میں آئیں وہ یہ تھیں:

دفع اذی حرومطر شدیدیہ کہ در وقت تہیہ دفن عارض شد و سہولت وضوء نماز کہ در چنان وقت ضرورت افتد و راحت زائرین کہ داعی باشد بر غبت آمدن و آں باشد کثرت ایصال ربا موات و ایں ہم از مطلوبات شرعیہ است و مفسدہ کہ تحریر فرمودہ اند بوجہ عدم وقوع آں دریں نواح بذہن احقر و نیز بذہن محتاطین علماء کہ استشارة در خدمت شان پیش کردہ بودم خطور نہ کردہ و اکنون نیز احتمالش بدل نمی چسپد و نہ ایں چنین عمارات کوتاہ و تنگ برائے ایں چنین خرافات کافی مبتواں شد چنانچہ بر مزار حضرت مولانا گنگوہیؒ مسجدے ساختہ اند و ایں منکرات نامے و نشانے ندار دو چوں ضعفش بدیں مشابہ است ہدم عمارت کہ یقیناً اتلاف مال ست گنجائش ندارد باز تصریحات بانی بانکار چنین امور جواب کافی ست احتجاج محتمل را ورنہ حکایت ”فقالوا ابنوا علیہم بنیاناً“ جائز نہ داشتہ شدے۔ و باین ہمہ بر طبق سنت میگوئم ”لو استقبلت من امری ما استبدرت، الحدیث“ و نسبت امر دوم یعنی تقریر راجعہ آنجا ایں کہ آں انتظام مستمر نیست ورنہ آں اجیر در نظر زائرین وقعتے دارد کہ ایں چنین سخناں را از قبول کنند پس قیامش محدود است بہ پرورش اشجار کہ در اسرع زماں انشاء اللہ تعالیٰ دست دہد پس دریں ہم مفاسد محتمل نیست

سخت گرمی و بارش کی تکلیف کا دفعیہ جو کہ دفن کی تیاری کے وقت پیش آجائے، وضوء نماز کی سہولت جس کی اس وقت ضرورت پڑے، اور زائرین کی راحت جو حاضری کے رغبت کا داعی ہو اور یہ مردوں کی کثرت ایصال ثواب کا سبب ہو اور یہ بھی مطلوب شرعیہ میں سے ہے اور جو مفسدہ تحریر کیا گیا ہے، اس کے اس علاقہ میں واقع نہ ہونے کی وجہ سے احقر کے ذہن میں یہ محتاطین علماء کے ذہن میں جن کی خدمت میں طلب مشورہ کے لئے پیش کیا تھا خیال نہیں آیا۔ نیز اس کا احتمال دل سے نہیں چسپاں ہو رہا ہے اور نہ اس طرح کی تنگ اور چھوٹی عمارت اس طرح کے خرافات کے لئے کافی ہو سکتی ہے؛ چنانچہ حضرت مولانا گنگوہی کے مزار پر لوگوں نے ایک مسجد بنوائی ہے اور ان منکرات کا نام و نشان بھی نہیں ہے اور جب اس کی کمزوری عمارت ڈھانے کے مشابہ ہے جو کہ یقیناً اضاعت مال ہے، گنجائش نہیں رکھتا ہے، پھر ان امور کی انکار سے متعلق بانی کی تصریحات محتمل کے دلیل کا کافی جواب ہے ورنہ ”فقالوا ابنوا علیہم بنیاناً“ کی حکایت جائز نہ ہوتی۔

ان سب کے باوجود سنت کے مطابق میں کہتا ہوں (لو استقبلت من امری ما استبدرت الحدیث) اور دوسرے امر یعنی اس جگہ ملازم کے تقرر سے متعلق یہ عرض ہے کہ یہ نظام دائمی نہیں ہے اور نہ ہی وہ ملازم زائرین کی نظر میں کوئی وقعت رکھتا ہے کہ اس کی اس طرح کی باتیں قبول کریں، پس اس کا قیام درختوں کی پرورش تک محدود ہے جو کہ ان شاء اللہ قریبی زمانہ میں بار آور ہو جائے گا، پس اس میں مفاسد کا بھی احتمال نہیں ہے۔

و در حقیقت میان رائے سامی درائے ایں نجیف تعارض نیست مبنی رائے آل مکرم کہ عزیمت است عوارض خارجہ است و مبنی رائے ایں نجیف تعارض نیست مبنی رائے آل مکرم کہ عزیمت است عوارض خارجہ است و مبنی رائے احقر ذات فعل است و رخصت و چوں مفاسد مذکورہ بغایت مرجوح است عمل بر رخصت گنجائش دارد و از سالف زمان در چنین امور مباحہ بنا بر ہمیں درجات بکثرت اختلاف آراء و نمودہ و لکل وجہہ ہو مولیہا باقی بردعا استدعا ختم می کنم۔ اشرف علی

۲۶ ر ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۴۳۸)

نماز جنازہ پڑھنے کے وقت میت کے مقروض ہونے کی تحقیق کر نیکا حکم

سوال (۷۳۲): قدیم ۱/۵۰۔ اکثر اوقات مجھ کو۔۔ اتفاق اس کا ہوتا ہے کہ میں جنازہ کی نماز پڑھاؤں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ جنازہ آنے سے استفسار فرماتے تھے کہ مقروض تو نہیں ہیں جب کوئی صحابہؓ میں سے قرض کی ذمہ داری لے لیتے تب آپ نماز پڑھاتے۔ (۱) تو کیا میں بھی اتباع سنت میں پوچھ لیا کروں اور اگر اس کا بیٹا یا رشتہ دار قرض کی ذمہ داری نہ لیوے تو کیا کروں۔ کیا یکدم پڑھانے سے انکار کر دوں یا نماز جنازہ بے پوچھے یا بے استفسار کئے امر کے پڑھا دیا کروں؟

اور حقیقۃً علی جناب کی رائے اور اس ناتواں کی رائے میں کوئی تعارض نہیں ہے آن عزیز کی رائے جو کہ عزیمت ہے کی بنا خارجی عوارض ہیں اور احقر کے رائے کی بنافس فعل اور رخصت ہے، اور جب مفاسد مذکورہ انتہائی مرجوح رخصت پر عمل کی گنجائش ہے اور گزشتہ زمانہ ہی سے اس طرح کے مباح امور ہیں ان درجات کی بنا پر بکثرت اختلاف آراء کا ظہور ہوا ہے۔ ولکل وجہہ ہو مولیہا باقی دعاء کی درخواست پر بات ختم کرتا ہوں۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) عن عثمان بن عبد الله بن موهب قال سمعت عبد الله بن أبي قتادة يحدث عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم أتى برجل ليصلي عليه، فقال النبي صلى الله عليه وسلم صلوا علي صاحبكم فإن عليه ديناً. قال أبو قتادة: هو عليّ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم بالوفاء، فقال بالوفاء فصلى عليه. (ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ما جاء في المديون،

الجواب: حضور ﷺ کے نہ پڑھانے میں جو حکمت تھی وہ آپ کے پڑھانے میں نہیں۔ اس لئے آپ کا ایسا کرنا اتباع سنت نہ ہوگا۔

۵ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ (النور ۱۰ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ)

شہید حقیقی کیسے ہوتے ہیں؟

سوال (۷۳۳): قدیم ۱/۵۰- یہاں فی الحال ایک واقعہ پیش آیا ہے کہ ایک شخص مذہب حنفی جو کہ ریلوے لائن پر سے جا رہا تھا پیچھے سے گاڑی نے آکر ٹھوکر ماری جس سے اس کے ہر دو پاتا بہ زانونا کام ہو گئے اسے اٹھا کر قریب کی مسجد کے سامنے لے گئے وہاں کے پیش امام صاحب (حنفی) کی تحریک سے مجروح نے پانچوں کلمے بخوبی ادا کئے اور اپنے کہے سننے کی معافی کا خواستگار ہوا اس کے بعد اسے ہسپتال لے گئے وہیں کچھ مرہم پٹی وغیرہ کی گئی۔ قصہ مختصر قریباً ۹ بجے کے گھائل ہوا تھا اور ساڑھے گیارہ کو جاں بحق تسلیم ہوا جب اس کے غسل و کفن کی تیاری کرنے لگے تو پیش امام صاحب مذکور نے یہ فتویٰ دیدیا کہ چونکہ مرحوم دلووہوں کے درمیان دب کر رہی عدم ہوا ہے اس لئے وہ شہید کا درجہ رکھتا ہے اور غسل و کفن کی ضرورت نہیں؛ چنانچہ اسی طرح میت پر جنازہ کی نماز پڑھ کر بے غسل و کفن دفن کی گئی۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا شرع محمدی و مطابق مذہب حنفی کا یہی حکم ہے جو کہ اوپر بیان ہوا یا عکس اس کے غرض جو حکم ہو اس کا فتویٰ درکار ہے۔ حوالہ کتب بھی ضرور ہوتا کہ حجت کی گنجائش نہ رہے ازراہ عنایت اسی سوال نامہ کی پشت پر تحریر فرما کر ارسال فرماویں خدا آپ کو اجر عظیم دے گا جواب کیلئے ٹکٹ چسپاں ہیں۔ والسلام؟

«عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يؤتي بالرجل المتوفى عليه الدين، فيقول هل ترك لدينه من قضاء، فإن حدث أنه ترك وفاءً صلى عليه، وإلا قال للمسلمين صلوا على صاحبكم فلما فتح الله عليه الفتوح قام فقال أنا أولى بالمؤمنين من أنفسهم فمن توفى من المؤمنين وترك ديناً فعلي قضاءه ومن ترك ما لا فلو رثته.

(ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ما جاء في المديون، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۵،

الجواب: شہید کی یہ تعریف کسی نے نہیں کی کہ جو لوہے سے ہلاک ہو جاوے۔ بلکہ تعریف اس کی کتب فقہ میں یہ ہے۔

هو كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلماً بجارحة أي بما يوجب القصاص ولم يجب بنفس القتل مال (الى قوله) وكذا لو قتله باغ أو حربى أو قاطع طريق ولو تسبباً أو بغير آلة جارحة أو وجد جريحاً في معركتهم كذا في الدر المختار. (۱)
اور یہ تعریف اس مجروح پر صادق نہیں آئی پس امام صاحب نے اس فتویٰ میں سخت غلطی کی۔ واللہ اعلم
۲۰/ربیع الاول ۱۳۵ھ (حوادث خامس ص ۳)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الشہید، مکتبہ زکریا دیوبند
۱۵۹/۳-۱۶۰، کراچی ۲/۲۴۷-۲۴۸۔

وهو أي الشہید من قتله أهل الحرب أو البغي أو قطع الطريق أو وجد في معركة وبه أثر أو قتله مسلم ظلماً ولم تجب به دية. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الشہید، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۴۰۵)

ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الشہید، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۷۸۔
والشہید شرعاً هو من قتله أهل الحرب مباشرة أو تسبباً بأي آلة كانت ولو بماء أو نارٍ رموها بين المسلمين أو قتله أهل البغي أو قتله قطع الطريق بأي آلة كانت أو قتله اللصوص في منزله ليلاً ولو بمثقل أو نهراً أو وجد في المعركة سواء كانت معركة أهل الحرب أو البغي أو قطع الطريق وبه أثر كجرح وكسرٍ وحرق وخروج دم من أذن أو عين لا من فم وأنفٍ ومخرج أو قتله مسلم ظلماً لا بحد وقود عمداً لا خطأ الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الشہید، مکتبہ دارالكتاب ص: ۶۲۵-۶۲۶)

الشہید من قتله المشركين أو وجد في المعركة وبه أثر أو قتله المسلمون ظلماً ولم يجب بقتله دية. (هداية، کتاب الصلاة، باب الشہید، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/۱۸۳)

الجوهرة النيرة، کتاب الصلاة، باب الشہید، مکتبہ دارالكتاب دیوبند ۱/۱۳۳-۱۳۴۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قبر پر تعمیر کی کراہت

سوال (۷۳۴): قدیم ۷۵۰/۱ - روضہ مقابر مشائخ پر بنانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: فی تیسیر الوصول عن جابر قال نہی رسول اللہ ﷺ أن یحصص القبر وأن یبنی علیہ وأن یکتب علیہ وأن یقعد علیہ وأن یوطأ أخرجه الخمسة إلا البخاری (۱) وفيه عن ابن عمر رضي الله عنه أنه رأى فسطاطا على قبر عبد الرحمن، فقال: يا غلام! انزعه فإنما يظله عمله أخرجه البخاری. (۲) وفي رد المحتار: وأما البناء عليه، فلم أر من اختار جوازه (إلى قوله)

(۱) ترمذی شریف، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية تحصيص القبور والكتابة عليها، النسخة الهندية ۲۰۳/۱، دار السلام رقم: ۱۰۵۴ -

عن أبي الزبير أنه سمع جابراً رضي الله عنه يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن يقعد على القبر وأن يحصص عليه. (أبو داود شريف، كتاب الصلاة، أبواب الجنائز، باب في البناء على القبر، النسخة الهندية ۴۶۰/۲، دار السلام رقم: ۳۲۲۵)

عن ابن جريج قال: أخبرني أبو الزبير أنه سمع جابراً يقول: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تحصيص القبور أو يبنى عليها أو يجلس عليها أحد. (نسائي شريف، كتاب الجنائز، البناء على القبر، النسخة الهندية ۲۲۱/۱، دار السلام رقم: ۲۰۳۰)

ابن ماجه شريف، أبواب الجنائز، باب ما جاء في النهي عن البناء على القبور و تحصيصها والكتابة عليها، النسخة الهندية ص: ۱۱۲، دار السلام رقم: ۱۵۶۲ -

مسلم شريف، كتاب الجنائز، باب النهي عن تحصيص القبر والبناء عليه، النسخة الهندية ۳۱۲/۱، بيت الأفكار رقم: ۹۷۰ -

(۲) بخاري شريف، كتاب الجنائز، باب الحجر يد على القبر، النسخة الهندية ۱۸۱/۱ -

وعن أبي حنيفة يكره أن يبنى عليه بناء من بيت أوقبة أو نحو ذلك لما روى جابر وذكر الحديث المذكور انفا. ۱۵۱ (۱)

ان روایات حدیثیہ وقفہ یہ اور خود صاحب مذہب کی تصریح سے اس بناء کی کراہت و ممانعت ثابت ہوگئی۔ فقط
یکم شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ثانی ص ۱۵۶)

قبروں پر قلعی کرنا

سوال (۳۵): قدیم ۱/۵۰- خام قبروں کو خفیف چونہ سے قلعی کر دینا کیسا ہے؟

الجواب: اگر استحکام کے لئے ہو جائز ہے اور زینت کے لئے نہیں جائز ہے۔ (۱) واللہ اعلم

۶/رمضان ۱۳۱۹ھ (امداد ثانی ص ۱۸۵)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۴۴، کراچی ۲/۲۳۷۔

ويكره تجصيص القبر وتطيئنه، وكره أبو حنيفة البناء على القبر وأن يعلم بعلامة لما روي جابر بن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: لا تجصصوا القبور ولا تبنيوا عليها ولا تقعدوا ولا تكتبوا عليها، ولأن ذلك من باب الزينة ولا حاجة بالميت إليها ولأنه تضييع المال بلا فائدة فكان مكروهاً. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، صلاة الجنائز، فصل في سنن الدفن، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۶۵)

البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۴۰، كونه ۲/۱۹۴۔
النهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۰۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) عن جابر قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبر، وأن يقعد عليه وأن يبنى عليه. (مسلم شريف، كتاب الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، النسخة الهندية ۱/۳۱۲، بيت الأفكار رقم: ۹۷۰)

ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ماجاء في كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها، النسخة الهندية ۱/۲۰۳، دار السلام رقم: ۱۰۵۲۔ ←

اپنے فرض اور واجب عمل کا ثواب میت کو پہونچانا

سوال (۷۳۶): قدیم ۱/۵۱- کوئی غریب آدمی کہ اپنے مردہ کی فاتحہ کا کھانا اپنے ہی چھوٹے بچہ کو کھلا کر ایصال ثواب کر دے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر اس بچہ کا نان و نفقہ اس کے ذمہ فرض و واجب نہیں تب تو اس کو کھلا کر کسی کو ثواب بخش دینا جائز ہے اور اگر فرض و واجب ہے تو اس میں اختلاف ہے۔

← ویکرہ تجصیص القبر وتطییئہ وکروہ أبو حنیفۃ البناء علی القبر وأن یعلم بعلامة لما روی عن جابر بن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: لا تجصصوا القبور ولا تبسوا عليها ولا تقعدوا ولا تكتبوا عليها ولأن ذلك من باب الزينة ولا حاجة بالميت إليها ولأنه تضييع المال بلا فائدة فكان مكروهاً. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، صلاة الجنائز، فصل في سنن الدفن، مكتبة زكريا ديوبند ۶۵/۲)

ويحرم البناء عليه للزينة لما روينا ويكره البناء عليه للإحكام بعد دفن لأنه للبقاء والقبر للفناء وأما قبل الدفن فليس بقبر وفي النوازل لا بأس بتطيينه. وفي الغياثية وعليه الفتوى (مراقى الفلاح) وفي الطحطاوي: قوله (وفي النوازل لا بأس بالخ) وفي التجنيس والمزيد لا بأس بتطيين القبور خلافاً لما في مختصر الكرخي لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر بقبر ابنه إبراهيم فرأى فيه حجراً سقط فيه فسده. وقال من عمل عملاً فليتنقه، وروي البخاري: أنه صلى الله عليه وسلم رفع قبر ابنه إبراهيم شبراً وطينه بطين أحمر. (حاشية الطحطاوي على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۶۱۱)

ولا يجصص للنهي عنه ولا يطين، ولا يرفع عليه بناء (در مختار) وفي الشامية: قوله: لا يجصص أي لا يطلى بالجص. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۴۴، كراچی ۲۳۷/۲)

کما فی رد المحتار: وأنه لا فرق بین الفرض والنفل. اه وفي جامع الفتاوی:

وقیل: لا یجوز فی الفرائض اه، ج ۱ ص ۹۴۳. (۱)

اور میرے نزدیک احتیاط اسی میں ہے کہ فرض کا ثواب کسی کو نہ بخشے۔ (۲)

۳ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالث ص ۲۱)

تلاوت قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں؟

سوال (۷۳۷): قدیم ۱/۵۱- علامہ ابن کثیرؒ نے زیر آیت ان لیس للإنسان إلا ما سعى

ذکر کیا ہے کہ اس سے امام شافعیؒ اور ان کے متبعین نے استدلال کیا ہے کہ قرآن شریف کا ثواب مردہ کو

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له،

مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۱۵۲، کراچی ۲/۲۴۳۔

(۲) وظاہر إطلاقهم يقتضي أنه لا فرق بين الفرض والنفل، فإذا صلى فريضة وجعل

ثوابها لغيره، فإنه يصح؛ لكن لا يعود الفرض في ذمته؛ لأن عدم الثواب لا يستلزم عدم

السقوط عن ذمته، ولم أره منقولا (البحر) وتحت في المنح (ظاهر إطلاقهم يقتضي أنه لا

فرق الخ) لم يرتضه المقدسي في الرمز حيث قال: وأما جعل ثواب فرضه لغيره فمحتاج إلى

النقل اه قلت: رأيت في شرح تحفة الملوک قيده بالنافلة، حيث قال: يصح أن يجعل

الإنسان ثواب عبادته النافلة لغيره صوما أو صلاة أو قراءة القرآن أو صدقة أو الأذکار

أو غيرها من أنواع البر اه. (البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغير، مکتبہ زکریا

دیوبند ۳/۱۰۷، کوئٹہ ۳/۶۰)

حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الحج، باب الحج عن الغير، مکتبہ

أشرفیہ دیوبند ۱/۵۴۵۔

شامی، کتاب الحج، باب الحج عن الغير، مکتبہ زکریا دیوبند ۴/۱۰، کراچی

۲/۵۹۵۔

نہیں پہنچتا کیونکہ یہ خود میت کی سعی سے نہیں ہے اسی واسطے نہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی جانب کسی کو دعوت کی اور نہ صحابہ میں سے کسی سے یہ ایصالِ ثواب تلاوت قرآن منقول ہوا (۱) گو علامہ ابن تیمیہؒ نے عموماً اس پر زور سے استدلال کیا ہے کہ میت کو دوسرے کے عمل سے فائدہ پہنچتا ہے مگر اس جزئی خاص اہداءِ ثواب تلاوت قرآن کو ذکر نہیں کیا اس کے متعلق تحریر فرمائیے کہ تلاوت قرآن شریف کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب : اس باب میں تین مذاہب ہیں ایک معتزلہ کا کہ وہ کسی قسم کی عبادت کا ثواب میت کو پہنچنے کے قائل نہیں۔ دوسرے شافعیہ و مالکیہ کا کہ وہ عبادت مالی کے ثواب کے پہنچنے کے قائل ہیں اور عبادت بدنہ کے منکر ہیں جس میں نماز روزہ تلاوت سب داخل ہیں۔ تیسرا حنفیہ کا کہ وہ ہر قسم کی عبادت کا ثواب پہنچنے کے قائل ہیں۔ کذا فی رد المحتار باب الجنائز (۲) معتزلہ نے آیت مذکورہ فی السؤال سے استدلال کیا ہے جس کا جواب قائلین بوصولِ ثواب العبادات المالیہ یعنی شافعیہ وغیرہم کے ذمہ بھی ہے

(۱) (وَأَنْ لِّسْ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى) أَي كَمَا لَا يَحْمِلُ عَلَيْهِ وَزَرَ غَيْرِهِ كَذَلِكَ لَا يَحْصُلُ مِنَ الْأَجْرِ إِلَّا مَا كَسَبَ هُوَ لِنَفْسِهِ وَمِنْ هَذِهِ اللَّأَيَةِ الْكَرِيمَةِ اسْتَبْطَأَ الشَّافِعِيُّ أَنَّ الْقِرَاءَةَ لَا يَصِلُ إِهْدَاءُ ثَوَابِهَا إِلَى الْمَوْتَى لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ عَمَلِهِمْ وَلَا كَسْبِهِمْ؛ وَلِهَذَا لَمْ يَنْدُبْ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّتَهُ وَلَا حَثَّ عَلَيْهِ، وَلَمْ يَنْقُلْ ذَلِكَ عَنْ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، وَلَوْ كَانَ خَيْرًا لَسَبَقُوا إِلَيْهِ. (تفسير ابن كثير، سورة النجم: ۳۹، مكتبة دار القرآن الكريم بيروت ۴/۱۰۴)

(۲) تنبیہ: صرح علماءنا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقةً أو غيرها. کذا فی الهدایة: بل فی زکاة التاتارخانیة عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء. اه وهو مذهب أهل السنة والجماعة: لكن استثنى مالک، والشافعی العبادات البدنیة المحضة كالصلاة والتلاوة فلا يصل ثوابها إلى الميت عندهما، بخلاف غيرها كالصدقة والحج، وخالف المعتزلة في الكل، وتماهه في فتح القدير. (شامي، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز،

پس جب معتزلہ کے جواب میں انہوں نے آیت کو عام نہ رکھا تو پھر نفی وصول ثواب عبادت بدنیہ میں اس سے کیسے استدلال کر سکتے ہیں پس استدلال کا ضعف اسی سے ظاہر ہے اب آیت کے معنی سمجھئے۔ درمنثور میں بروایت ابن جریر کے ابن زید سے نقل کیا ہے کہ کوئی شخص اسلام لے آیا تھا کسی نے اس کو ملامت کی اس نے کہا میں عذاب سے ڈرتا ہوں وہ بولا تو مجھ کو کچھ دے میں تیری طرف سے عذاب اپنے سر رکھ لوں گا چنانچہ کچھ دیا اس نے اور مانگا نہایت کشاکشی سے اور بھی کچھ دیا اور بقیہ کی دستاویز مع گواہیوں کے لکھ دی اہ، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر (ایسے طور سے) نہیں لے سکتا (کہ گناہ کرنے والا بری ہو جائے پھر یہ شخص کیسے سمجھ گیا کہ میرا سا گناہ یہ ملامت گرا اپنے سر رکھ لے گا) اور انسان کو (ایمان کے بارے میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی (یعنی کسی دوسرے کا ایمان اس کے کام نہ آوے گا پس اگر اس ملامت گر کے پاس ایمان ہوتا بھی تب بھی اس شخص کے کام نہ آتا چاہے وہاں بھی ندارد) الخ (۱)

← الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صومًا أو صدقة أو غيره عند أهل السنة والجماعة (هداية) وتحتته في الفتح: (قوله: عند أهل السنة والجماعة) ليس المراد أن المخالف لما ذكر خارج عن أهل السنة والجماعة، فإن مالكا والشافعي لا يقولان: بوصول العبادات البدنية المحضة كالصلاة والتلاوة؛ بل غيرهما كالصدقة، والحج؛ بل المراد أن أصحابنا لهم كمال الاتباع والتمسك ما ليس لغيرهم فعبّر عنهم باسم أهل السنة والجماعة فكأنه قال: عند أصحابنا غير أن لهم وصفاً عبّر عنهم به، وخالف في كل العبادات المعتزلة الخ. (فتح القدير، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مكتبة زكريا ديوبند ۱۳۱/۳، كوئٹہ ۶۵/۳)

(۱) وأخرج ابن جرير عن ابن زيد قال: إن رجلاً أسلم فلقيه بعض من يعيره فقال: أتركت دين الأشياخ وضلتهم، وزعمت أنهم في النار قال إني خشيت عذاب الله قال اعطن شيئاً وأنا أحمل كل عذاب كان عليك فأعطاه شيئاً فقال: وزدني فتعاسراً حتى أعطاه شيئاً وكتب له كتاباً وأشهد له ففيه نزلت هذه الآية: أفرأيت الذي تولى الآية. (الدر المشور في التفسير المأثور،

اس تفسیر پر جو کہ شان نزول سے چسپاں بھی ہے اضلال سے گناہ ہونا اور ثواب پہنچانے سے ثواب پہنچنا جو بظاہر آیت لاتنزر اور لیس للانسان کے معارض معلوم ہوتا ہے یہ تعارض دفع ہو گیا۔ اور اگر عموم الفاظ آیت سے شبہ ہو تو جواب یہ ہے کہ اس عموم میں یہ شرط ہے کہ مراد متکلم سے متجاوز نہ ہو جیسے: لیس من البر الصیام فی السفر (۱) میں سب ائمہ کے نزدیک یہ قید ہے علاوہ اس کے إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال مسئلہ مسلمہ ہے۔ یہ تو استدلال کا جواب ہے اب مسئلہ کی دلیل سنئے۔

فی شرح الصدور: عن ابن أبي شيبة برواية الحجاج بن دينار، قال رسول الله ﷺ: ان من البر (أى بالوالدين) أن تصلى عنهما مع صلواتك وتصوم عنهما مع صيامك (۲) وأيضاً فيه عن علي مرفوعاً من مرّ على المقابر وقرأ قل هو الله أحد إحدى عشر مرة ثم وهب أجره للاموات اعطى من الأجر بعدد الاموات أخرجه أبو محمد السمرقندی فی فضائل قل هو الله أحد (۳)

(۱) عن جابر بن عبد الله قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر، فرأى زحاماً ورجلاً قد ظلل عليه، فقال: ما هذا، فقالوا: صائم، فقال: ليس من البر الصوم في السفر. (بخاري شريف، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لمن ظل عليه واشتد الحر، النسخة الهندية ۱/۲۶۱، رقم: ۱۹۰۷، ف: ۱۹۴۶)

مسلم شريف، كتاب الصيام، باب جواز الصوم والفطر في شهر رمضان للمسافر في غير معصية إذا كان سفره مرحلتين فأكثر، النسخة الهندية ۱/۳۵۶، بيت الأفكار رقم: ۱۱۱۵۔

(۲) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الجنائز، باب ما يتبع الميت بعد موته، مؤسسة علوم القرآن ۷/۴۸۴، رقم: ۱۲۲۱۰۔

(۳) شرح الصدور للسيوطي، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، دار المعرفة بيروت ص: ۳۰۳، رقم الحديث: ۴۔

إعلاء السنن، كتاب الصلاة، أبواب الجنائز، باب استحباب زيارة القبور عموماً وزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم خصوصاً وما يقرأ فيها، دار الكتب العلمية بيروت ۸/۳۳۰۔

وفيه عن أبي هريرة رضي قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من دخل المقابر ثم قرأ: فاتحة الكتاب وقل هو الله أحد وأهلهم التكاثر، ثم قال اللهم اني جعلت ثواب ما قرأت من كلامك لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات كانوا شفعاء له الى الله تعالى أخرجه أبو القاسم بن علي الزنجاني في فوائده. (١) قال السيوطي: وهي وإن كانت ضعيفة فمجموعها يدل على أن لذلك أصلاً ويؤيده بظاهره ما في الجمع الفوائد عن الشيخين و أبي داود عن عائشة رضي مرفوعاً من مات وعليه صوم صام عنه وليه اهـ (٢) وأقرب محامله إهداء ثواب الصوم إليه وما ورد عن ابن عمر وقد سئل هل يصوم أحد عن أحد وهل يصلي أحد عن أحد فيقول لا رواه مالك (٣) محمول على عدم أجزاء القضاء عنه.

(١) شرح الصدور للسيوطي، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، دارالمعرفة بيروت ص: ٣٠٣، رقم: ٥ -

إعلاء السنن، كتاب الصلاة، أبواب الجنائز، باب استحباب زيارة القبور عموماً زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم خصوصاً وما يقرأ فيها، دارالكتب العلمية بيروت ٣٣١/٨ -

(٢) جمع الفوائد، كتاب الصوم، فطر المسافرين وغيره، والقضاء والكفارة، مكتبة مجمع الشيخ محمد زكريا سهارن پور ٥٧٨/٢، رقم: ٢٤٥٦ -

بخاري شريف، كتاب الصوم، باب من مات وعليه صوم، النسخة الهندية ٢٦١/١، رقم: ١٩١٠، ف: ١٩٥٢ -

مسلم شريف، كتاب الصوم، باب قضاء الصيام عن الميت، النسخة الهندية ٣٦٢/١، بيت الأفكار رقم: ١١٤٧ -

أبو داود شريف، كتاب الصوم، باب فيمن مات وعليه صيام، النسخة الهندية ٣٢٦/١، دارالسلام رقم: ٢٤٠٠ -

(٣) مؤطاً إمام مالك، كتاب الصيام، باب النذر في الصيام والصيام عن الميت، النسخة الهندية ص: ٩٤ -

وفي جمع الفوائد: عن أبي داؤد عن صالح بن درهم قال لنا أبو هريرة إلى جنبكم قرية يقال لها الأيلة قلنا: نعم! قال: من يضمن لي منكم أن يصلي في مسجد العشاء ركعتين أو أربع ركعات، ويقول: هذه لأبي هريرة الحديث. (۱)

انہر کی حدیث اس پر دال ہے کہ عبادت بدنیہ کا ثواب زندہ کو بھی پہنچتا ہے باوجودیکہ وہ خود عمل پر قادر ہے پس میت جو کہ عاجز ہے بدرجہ اولیٰ اس کا مستحق ہے چنانچہ رد المحتار میں ابن القیمؒ سے بعض علماء کا قول یہ بھی نقل کیا ہے۔

هكذا اختلف في إهداء الثواب إلى الحي فقيل يصح لإطلاق قول أحمد: يفعل الخير ويجعل لأبيه وأمه (۲)

روایات مذکورہ میں سے بعض میں تو تلاوت کی تصریح ہے اور جن میں تصریح نہیں وہ بھی اس طرح اس کی مثبت ہیں کہ عبادت بدنیہ میں اجماعاً تماثل ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۵ / جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ (النور ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ)

عورتوں کے لئے زیارت قبور کا حکم

سوال (۷۳۸): قدیم ۵۳/۷ - زیارت قبور مستورات کو حرمین شریفین میں کیوں اجازت ہوئی حالانکہ ”لعن اللہ علی زوارت القبور“ وارد ہے کسی صورت میں عجم میں عجمیہ مستورات کو جواز ہوگا یا نہیں۔ بیوا تو جروا؟

(۲) إبراهيم بن صالح بن درهم قال: سمعت أبي يقول: إنطلقت حاجين فإذا رجل فقال لنا إلى جنبكم قرية يقال لها الأيلة قلنا نعم! قال: من يضمن لي منكم أن يصلي لي في مسجد العشار ركعتين أو أربعاً ويقول: هذه لأبي هريرة الخ الحديث. (أبو داؤد شريف، كتاب الملاحم، باب في ذكر البصرة، النسخة الهندية ۵۹۲/۲، دار السلام رقم الحديث: ۴۳۰۸)

(۷) شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها

لہ، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۵۲/۳، کراچی ۲۰۲۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: عورتوں کے لئے زیارت قبور میں تین قول ہیں:

ایک منع مطلقاً لقوله عليه السلام لعن الله زوّارات القبور. (۱)

دوسرا جواز مطلقاً لقوله عليه السلام كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها
فإنها تزهد في الدنيا وتذكر الآخرة (۲) الحديث قالوا لما نسخ النهي بلغ
الرخصة الرجال والنساء جميعاً.

تیسرا قول تفصیل اس طرح کہ اگر مقصود زیارت سے ندبہ و نوحوہ وغیرہ کرنا ہو تب تو حرام و ہو محمل قولہ
علیہ السلام الاول اور اگر عبرت اور برکت کے لئے ہو تو بڑھیوں کو جائز و ہو محمل قولہ علیہ السلام الثانی
اور جوانوں کو ناجائز جیسا مساجد میں آنا۔

(۱) عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن زوارات
القبور. (ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ما جاء في كراهية زيارة القبور النساء، النسخة
الهندية ۲۰۳/۱، دار السلام رقم: ۱۰۵۶)

(۲) عن ابن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كنت نهيتكم عن زيارة
القبور، فزوروها، فإنها تزهد في الدنيا وتذكر الآخرة. (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما
جاء في زيارة القبور، النسخة الهندية ص: ۱۱۲-۱۱۳، دار السلام رقم: ۱۵۷۱)

عن بريدة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قد كنت نهيتكم عن زيارة القبور،
فقد أذن لمحمد صلى الله عليه وسلم في زيارة قبر أمه، فزوروها، فإنها تذكر الآخرة. قال أبو
عيسى: حديث بريدة حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم لا يرون بزيارة
القبور بأساً. (ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الرخصة في زيارة القبور،
النسخة الهندية ۲۰۳/۱، دار السلام رقم: ۱۰۵۴)

أبو داود شريف، كتاب الجنائز، باب في زيارة القبور، النسخة الهندية ۲/۴۶۱،
دار السلام رقم: ۳۲۳۴۔

مسلم شريف، كتاب الجنائز، فصل في جواز زيارة قبور المشركين والاستغفار لهم،
النسخة الهندية ۳۱۴/۱، بيت الأفكار رقم: ۹۷۶۔

لَقَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: لَوْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَأَى مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ بَعْدَهُ

لمنعن كما منعت نساء بني إسرائيل. (۱)

یہ تفصیل ردالمحتار میں خیر ملی سے نقل کر کے کہا ہے وہ توفیق حسن اھ (۲) اور اس حکم میں عربیات و عجمیات سب برابر ہیں ہماری شریعت سب اسود و احمر کے لئے یکساں ہے۔ واللہ اعلم (امداد ثانی ص ۱۳۶)

سوال (۷۳۹): قدیم ۱/۵۳- مضمون اخبار جس میں عورتوں کا قبرستان جانا جائز قرار دیا ہے

ارسال خدمت ہے امید ہے کہ حضور بھی اس کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں گے؟

الجواب: اس مضمون میں صرف ایک پہلو پر نظر کی گئی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مضمون لکھتے وقت اصول نظر سے غائب تھے اصل یہ ہے کہ قبیح کی ایک قسم قبیح لغیرہ ہے اس تمام تر مضمون کا حاصل تو قبیح لعینہ کی نفی ہے مگر اس سے قبیح لغیرہ کی نفی کیسے لازم آگئی اور جب قبیح لغیرہ ہے تو جہاں غیر غالب الوقوع ہے وہاں ممانعت کی جاوے گی اور ممانعت میں تفصیل نہ کی جاوے گی اور یہی حاصل ہے فتویٰ ممانعت کا اور جہاں غالب الوقوع نہیں وہاں تفصیل کریں گے اور یہی حقیقت ہے آثار قیچہ کی ۲/۱۳۴۳ھ

(۱) عن عائشةؓ قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن كما منعت نساء بني إسرائيل قلت لعمره: أو منعهن؟ قالت: نعم. (بخاري شريف، كتاب الأذان، باب انتظار الناس قيام الإمام العالم، النسخة الهندية ۱/۱۲۰، رقم: ۸۶۱، ف: ۸۶۹) مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد، النسخة الهندية ۱/۱۸۳، بيت الأفكار رقم: ۴۴۵۔

(۲) ولا بأس بزياة القبور ولو للنساء لحديث "كنت نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزروها (در مختار) وفي الشامية: قوله (ولو للنساء) وقيل تحرم عليهن. والأصح أن الرخصة ثابتة لهن بحر، وجزم في شرح المنية بالكراهة لما مر في اتباعهن الجنائز، وقال الخیر الرملي: إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن فلا تجوز، وعليه حمل حديث "لعن الله زائرات القبور" وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء، والتبرك بزيارة قبور الصالحين فلا بأس إذا كن عجائز، ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد وهو توفيق حسن. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب

صلاة الجنائز، مطلب في زيارة القبور، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۵۰-۱۵۱، كراچی ۲/۲۴۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

خلاصہ مضمون اخبار تہذیب نسواں جس کا حوالہ سوال میں ہے

پہلے زیارت قبور کی سب کو ممانعت تھی پھر سب کیلئے منسوخ ہو گئی اور حضرت عائشہؓ کے بعض آثار سے اس کی تائید کی گئی ہے (۱) اور درمیان میں علماء پر طعن کیا ہے اسی سوال میں عورتوں کے لئے ممانعت کے احتمال پر حکم شرعی میں ناگواری ظاہر کی ہے جس کے یہ الفاظ ہیں۔ یا ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے تسلی کی یہ راہ بھی بند کر دی ہے اور مجیب صاحب نے اس گستاخی پر کوئی مواخذہ نہیں کیا اور علماء پر حکم شرعی اجتہادی کے تحقیق کرنے میں طعن کیا گیا اللہ اکبر ایک شخص اطاعت کرے اور مطعون ہو اور دوسرا شخص گناہ قریب بکفر کرے اور اس کو اس پر مطلع بھی نہ کیا جاوے نہ توبہ کی اس کو تاکید کی جاوے۔ ان اللہ

شوال ۱۳۸۸ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۵۸)

(۱) أخرج ابن ماجة عن ابن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها، فإنها تزهده في الدنيا وتذكر الآخرة. (سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ما جاء في زيارة القبور، النسخة الهندية ص: ۱۱۲-۱۱۳، دار السلام رقم: ۱۵۷۱) وأخرج أيضًا عن عائشة رضي الله تعالى عنها، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص في زيارة القبور. (ابن ماجة شريف، كتاب الجنائز، باب ما جاء في زيارة القبور، النسخة الهندية ص: ۱۱۲-۱۱۳، دار السلام رقم: ۱۵۷۰-۱۵۷۱)

وأخرج الترمذي عن بريدة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قد كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فقد أذن لمحمد صلى الله عليه وسلم في زيارة قبر أمه، فزوروها، فإنها تذكر الآخرة. (إلى قوله) قال أبو عيسى: حديث بريدة حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم لا يرون بزيارة القبور بأسًا. (ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الرخصة في زيارة القبور، النسخة الهندية ۲/۲۰۳، دار السلام رقم: ۱۰۵۴)

وأخرج أبو داود عن ابن بريدة عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها، فإن في زيارتها تذكرة. (أبو داود شريف، كتاب الجنائز، باب في زيارة القبور، النسخة الهندية ۲/۴۶۱، دار السلام رقم: ۳۲۳۴) ←

سوال (۷۴۰): قدیم ۱/۵۴- چونکہ زیارت قبور عورتوں کو منع ہے بدیں وجہ اگر مستورات کو

زیارت قبور خانہ کعبہ و مدینہ طیبہ و دیگر اطراف سے منع کیا جاوے تو جائز ہے یا نہیں۔ اور زیارت روضہ جناب رسول اللہ ﷺ و ازواج مطہرات و صحابہ کرام سے بھی روکا جاوے یا نہیں؟ مشرح بیان فرمائیے۔

الجواب: زیارت قبور عورتوں کے لئے جبکہ احتمال جزع فزع کا نہ ہو مثل حضور مساجد و جماعات ہے ایک کی اجازت دوسرے کی ممانعت بے معنی ہے۔ (۱)

۹ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۱۰)

← وأخرج أيضًا عن أبي هريرة قال: أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم قبر أمه فبكى وأبكى من حوله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم "استأذنت ربي تعالى علي أن استغفر لها فلم يؤذن لي فاستأذنت أن أزور قبرها فأذن لي، فزوروا القبور، فإنها تذكروا بالموت". (أبو داود شريف، كتاب الجنائز، باب في زيارة القبور، النسخة الهندية ۲/ ۴۶۱، دارالسلام رقم: ۳۲۳۴-۳۲۳۵)

مسلم شريف، كتاب الجنائز، فصل في جواز زيارة قبور المشركين والاستغفار لهم، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۴، بيت الأفكار رقم: ۹۷۶۔

المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الجنائز، من رخص في زيارة القبور، مؤسسة علوم القرآن ۷/ ۳۶۶، رقم: ۱۱۹۲۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) أخرج ابن ماجة عن ابن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها، فإنها تزهد في الدنيا وتذكر الآخرة. (سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ما جاء في زيارة القبور، النسخة الهندية ص: ۱۱۲-۱۱۳، دارالسلام رقم: ۱۵۷۱)

وأخرج أيضًا عن عائشة رضي الله تعالى عنها، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص في زيارة القبور. (ابن ماجة شريف، كتاب الجنائز، باب ما جاء في زيارة القبور،

النسخة الهندية ص: ۱۱۲-۱۱۳، دارالسلام رقم: ۱۵۷۰-۱۵۷۱) ←

«وأخرج الترمذي عن بريدة[ؓ] قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قد كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فقد أذن لمحمد صلى الله عليه وسلم في زيارة قبر أمه، فزوروها، فإنها تذكر الآخرة..... قال أبو عيسى: هذا حديث بريدة[ؓ] حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم لا يرون بزيارة القبور بأساً. (ترمذي شريف، أبواب الجنائز، باب ما جاء في الرخصة في زيارة القبور، النسخة الهندية ٢٠٣/١، دار السلام رقم: ١٠٥٤)

وأخرج أبوداؤد عن ابن بريدة عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها، فإن في زيارتها تذكرة. (أبوداؤد شريف، أبواب الجنائز، باب في زيارة القبور، النسخة الهندية ٤٦١/٢، دار السلام رقم: ٣٢٣٥)

مسلم شريف، كتاب الجنائز، فصل في جواز زيارة قبور المشركين والاستغفار لهم، النسخة الهندية ٣١٤/١، بيت الأفكار رقم: ٩٧٦-

المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الجنائز، من رخص في زيارة القبور، مؤسسة علوم القرآن ٣٦٦/٧، رقم: ١١٩٢٩-

ولابأس بزيارة القبور ولو للنساء لحديث "كنت نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزوروها (در مختار) وفي الشامية: قوله (ولو للنساء) وقيل تحرم عليهن. والأصح أن الرخصة ثابتة لهن بحر، وجزم في شرح المنية بالكراهة لما مر في اتباعهن الجنازة، وقال الخير الرملي: إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن فلا تجوز، وعليه حمل حديث "لعن الله زائرات القبور" وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء، والتبرك بزيارة قبور الصالحين فلا بأس إذا كن عجائز، ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد اه وهو توفيق حسن. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور، مكتبة زكريا ديوبند ١٥٠/٣ - ١٥١، كراچی ٢/٢٤٢)

کفار کی تعزیت

سوال (۷۴۱): قدیم ۱/۵۴- چمی فرماید علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ کہ مسلمانان را تعزیت اہل ذمہ جائز است یا نہ خصوصاً بنیت دوستی ایشان وطع دنیاوی در مال ایشان۔ مفصل جواب در کار است؟

الجواب: اگر حق شرکت بلد یا محلہ پیدا شد عیادت کند جائز است۔

فی الدر المختار: وجاز عیادة (الذمی) بالاجماع. (۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، مکتبہ زکریا دیوبند ۹/۵۵۶، کراچی ۶/۳۸۸۔

عن أنس رضي الله تعالى عنه أن غلاماً لليهود كان يخدم النبي صلى الله عليه وسلم فمرض فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم يعودده، فقال: أسلم فأسلم: وقال سعيد بن المسيب عن أبيه لما حضر أبو طالب جاءه النبي صلى الله عليه وسلم. (بخاري شريف، كتاب المرضى، باب عيادة المشرك، النسخة الهندية ۲/۸۴۴، رقم: ۵۴۳۹، ف: ۵۶۵۷)

عن أنس رضي الله تعالى عنه أن غلاماً من اليهود كان مرض فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم يعودده فقعده عند رأسه فقال له: أسلم، فنظر إلى أبيه وهو عند رأسه، فقال له أبوه، أطع أبا القاسم، فأسلم، فقام النبي صلى الله عليه وسلم وهو يقول: الحمد لله الذي أنقذه بي من النار. (أبوداؤد شريف، كتاب الجنائز، باب في عيادة الذمي، النسخة الهندية ۲/۴۴۱، دار السلام رقم: ۳۰۹۵)

واعلم إذا كان خلف جنازة الكافر من قومه من يتبع الجنازة لا ينبغي لقريبه المسلم أن يتبع الجنازة حتى لا يكون مكثراً سواد الكفرة؛ ولكن يمشي ناحية منها، وإن لم يكن خلف الجنازة من قوم الكافر من يتبعها، فلا بأس للمسلم أن يتبعها، وفي الطحطاوي: ولا بأس بأن يعود إذا مرض ويعرض عليه الإسلام. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۷۷، رقم: ۳۷۵۳)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، المجلس العلمي

ودوستی و طمع فی نفسہ مذموم است لہذا تخلیص عیادت از اس ضرورت ست۔ (۱)

۱۷ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ (امداد ثانی ص ۱۷۰)

غیر مسلم کے نومولود بچے کے مسلمان کی پرورش میں فوت ہونے پر نماز جنازہ

سوال (۷۴۲): قدیم ۱/۵۵۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بے دین کے پیدا ہوا بچہ ماں کے مرنے کے بعد اُس کے باپ نے پرورش کرنے سے عاجز ہو کر ایک شخص سے مسلمان مسمی احمد شاہ کے پاس آ کر بولا کہ میں بخوشی و رضا ایک ماہ پیدا ہوئی دختر کو واسطے پرورش اور اسلام کے لئے تم کو دیا اور آج کی تاریخ سے مجھے کچھ واسطہ اور دعویٰ اس دختر پر نہیں۔ احمد شاہ کے گھر میں کوئی اولاد موجود نہ تھی اس وجہ سے اس کا کہنا پسند آیا بخوشی و رضا دختر مذکورہ کو اپنے قبضہ اختیار میں لے لیا اور کچھ روز نقد دیکر اُس کے باپ کو رخصت کیا۔ بعد پرورش ایک سال کے احمد شاہ نے مولوی بذل الرحمن صاحب کو بلا کر لڑکی کا نام عزیزہ بیگم رکھا پس احمد شاہ کے گھر میں کل دو برس تین مہینے پرورش ہوئی۔ شان ایزدی احمد شاہ کے علاقہ میں دختر موصوفہ بیمار ہو کر بعد چندے وفات ہوئی۔ اب اُس کی نماز جنازہ مطابق شرع شریف پڑھی جائیگی یا نہیں؟

← تجوز عیادة المریض خاصة إن رجي إسلامه لما روي أنس بن مالك رضي الله عنه أن غلاماً يهود كان يخدم النبي صلى الله عليه وسلم فمرض فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم يعوده، فقال: أسلم، فأسلم، وورد أن النبي صلى الله عليه وسلم عاد يهودياً مرض بجواره وتجوز عيادة الذمي لأنه نوع بر في حق أهل الذمة وما نهينا عن ذلك. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۷۷/۳۱)

حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۵۶۰۔

(۱) قال الله تبارك وتعالى: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ. [سورة آل عمران: ۲۸]

قال الله تبارك وتعالى: الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَبِغْضُوا عَنْهُمْ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا. [سورة النساء: ۱۳۹]

الجواب : کافر کا نابالغ بچہ جب تک عاقل و میمنہ نہ ہو مستقلاً مسلمان نہیں سمجھا جائے گا؛ (۱) بلکہ

”تبعاً للدار الإسلامی یا تبعاً لا حد الأبوين المسلم“ مسلمان کہا جائے گا صورتِ مسئلہ میں نہ أحد الأبوين مسلم ہے نہ خود بچہ میمنہ ہے تو اُس کے مسلمان ہونے کا حکم صرف تبعاً للدار الإسلام ہو سکتا ہے پس اگر ہندوستان دارالاسلام نہیں تو اس بچہ کو مسلمان نہ کہا جائے گا اور اگر دارالاسلام ہے تو اس کو مسلمان کہا جائے گا اور اس میں اختلاف ہے لیکن ایسے اختلاف میں بچہ کی نفع کی رعایت کو ترجیح دی جاوے گی اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جاوے گی۔

۲ رمضان ۱۳۴۹ھ (النور ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ)

(۱) قال محمد . في الجامع الصغير في صبي سبي، وسبي معه أبواه أو أحدهما فمات لا يصلى عليه، إلا إذا كان أقر بالاسلام وهو يعقل الإسلام، وإن لم يسب معه أحدهما فمات يصلى عليه، يجب أن يعلم أن الولد الصغير يعتبر تبعاً للأبوين أو لأحدهما في الدين، فإن عدما يعتبر تبعاً لصاحب اليد، فإن عدمت اليد يعتبر تبعاً للدار لأنه تعذر اعتباره أصلاً في الدين، فلا بد من اعتباره تبعاً نظراً له، غير أن علة التبعية في الأبوين أقوى فيعتبر أولاً تبعاً لهما أو لأحدهما، وعند انعدامهما علة التبعية في حق صاحب اليد أقوى وإذا لم يسب مع أحد أبويه صلي عليه إذا مات و يعتبر مسلماً تبعاً للدار عند انعدام تبعية الأبوين. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، المجلس العلمي بيروت ۸۳/۳ - ۸۴، رقم: ۲۴۶۴)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون من يصلي عليه ومن لا يصلي عليه، مكتبة زكريا ديوبند ۵۷/۳، رقم: ۳۷۱۰-۳۷۱۱۔

كصبي سبي مع أحد أبويه لا يصلي عليه لأنه تبع له: أي في أحكام الدنيا لا العقبي، ولو سبي بدونه فهو مسلم تبعاً للدار أو للسبي أو به فأسلم هو أو أسلم الصبي وهو عاقل صلي عليه. (الدر المختار مع الشامي، كاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند

سوال (۷۴۳): قدیم ۱/۵۵- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مفصلہ

ذیل مسئلہ میں جواب مدلل و محقق سے سرفراز فرمائیں۔ بینواتو جرو؟

ایک مسلمان نے ایک ننھا بچہ مشرک والدین سے بغرض پرورش ہمیشہ کے لئے حاصل کیا عرصہ چند ماہ کے بعد بچہ مسلمان کے قبضہ میں فوت ہوا بوقت تدفین علماء میں تنازع ہوا ایک فریق نے بچہ پر نماز پڑھی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا۔ اُن کا استدلال یہ ہے کہ ہر ایک بچہ فطرۃً اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور ماں باپ اس کو یہود و نصاریٰ اور مجوسی بناتے ہیں (۱) چونکہ بچہ کو غیر اسلام کی طرف لے جانے والے والدین کا قبضہ منقطع ہو گیا بلکہ اسلام کی طرف لایا والے کے قبضہ میں آ گیا اب مسلمان کے ہاتھ مردہ بچہ کے غیر اسلام طریقہ پر تدفین کرنا پرورش والے کے استحقاق کو فراموش کرنا پڑتا ہے اور اس امر میں فتاویٰ عالمگیری کی ایک روایت تائید کرتی ہے کہ دار الحرب میں اگر کوئی بچہ لشکر اسلام میں آ جائے اور مسلمان کے ہاتھ پر مر جائے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی کیونکہ وہ بچہ مسلمان کے قبضہ میں تھا۔ (۲)

← البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند
۳۳۱/۲-۳۳۲، کوئٹہ ۲/۱۸۹-۱۹۰۔

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الرابع الصلاة عليه، مكتبة
اشرفیة دیوبند ص: ۵۹۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل مولود يولد على الفطرة فابواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه كمثل البهيمة تنتج البهيمة هل ترى فيها جدعا. (بخاري شريف، كتاب الجنائز، باب ما قيل في أولاد المشركين، النسخة الهندية ۱/۱۸۵، رقم: ۱۳۶۷، ف: ۱۳۸۳)

(۲) والصبي إذا وقع في يد المسلم من الجند في دار الحرب وحده ومات هناك صلي عليه تبعاً لصاحب اليد، كذا في المحيط. (هندية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، قديم زكريا ۱/۱۶۳، جديد زكريا ۱/۲۲۴)

علاوہ ازیں مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہ مفتی دارالعلوم دیوبند ایک استفتاء کے جواب میں اس طرح فرماتے ہیں کہ مقتضاء احتیاط اس مسئلہ میں یہی ہے کہ اس بچہ پر نماز جنازہ پڑھی جائے اور استدلال فریق اول کا صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اور فریق ثانی کا قول ہے کہ نماز جنازہ کے لئے اسلام شرط ہے اور بچہ مردہ کا اسلام معتبر نہیں۔ اور حدیث ہر ایک مولود فطرت اسلام پر ہوتا ہے احکام دُنیا کے لئے نہیں بلکہ آخرت کے لئے ہے اور اس امر کو بحر الرائق درمختار وغیرہ سے ثابت کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا امور میں تحقیق فرما کر جواب سے سرفراز فرمادیں تاکہ ہم نالائقوں کو ہدایت ہو اور جو تشویش پیش ہے رفع ہو کر اطمینان کا باعث ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے آمین ثم آمین۔ والسلام؟

الجواب: تتبع روایات کی تو نہ فرصت نہ ہمت باقی احکام قواعد سے جو سمجھا ہوں وہ عرض کرتا ہوں۔
نمبر: عالمگیری کی روایت کے یہ الفاظ ہیں:

والصبي إذ وقع في يد المسلم من الجند في دار الحرب وحده ومات هناك صلى عليه تبعاً لصاحب اليد كذا في المحيط (الفصل الخامس في الصلوة على الميت) (۱)

نمبر: ۲: احکام باب میں تصریح ہے کہ اصل تبعیت میں والدین ہیں چنانچہ ابوین کے ساتھ اگر صبی اسیر ہو کر دارالاسلام میں بھی آجاوے تب بھی وہ تبعاً غیر مسلم ہے۔

(۱) ہندیہ، کتاب الصلوة، باب الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت،
قدیم زکریا ۱/۱۶۳، جدید زکریا ۲۲۴۱۔

والصبي إذا وقع في يد المسلم من الجند في دار الحرب وحده ومات هناك صلى عليه واعتبر مسلماً تبعاً لصاحب اليد عند انعدام تبعية الأبوين. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الجنائز، الفصل الثاني والثلاثون من يصلي عليه ومن لا يصلي عليه، مكتبة زکریا دیوبند ۳/۵۷، رقم: ۳۷۱۱)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون، الجنائز، المجلس

كما في الدر المختار وكسبي سبي مع أحد أبويه لا يصلى عليه لأنه تبع له
أي في أحكام الدنيا لا العقبى ٥١ (١)

نمبر ۳: اگر ابوین کی معیت منقطع ہو جاوے تب صاحب ید کی تبعیت کا حکم کیا جاوے گا۔

نمبر ۴: اور اس ید کی قوت اُس وقت ظاہر ہوگی جب یہ ید غلبہ کا ہو۔

نمبر ۵: اور صورت مسئلہ میں اس مسلم کا ید تغلب نہیں اسلئے عالمگیر یہ کی روایت میں یہ داخل نہیں۔
من الجہد کاللفظ بھی اس کا قرینہ ہے۔

نمبر ۶: ید تغلب نہ ہونا ظاہر ہے کہ والدین کی رضا سے یہ ید حاصل ہوا ہے تو یہ نائب ہے ید ابوین کا۔

نمبر ۷: پس اس حلت میں ید ابوین منقطع نہیں ہوا! اس لئے صاحب ید کے تبعیت کا ظہور نہ ہوگا۔

نمبر ۸: اس بناء پر وحدہ کی قید بھی متحقق نہ ہوگی پس وہ صبی اور اُس کے ابوین سب میں معیت ہے۔

نمبر ۹: اور ابوین کی تبعیت حالت اسر و احراز فی دار الاسلام میں بھی قاطع نسبت الی الابوین نہیں
ہوتی (کمافی نمبر ۲ ایضاً)

نمبر ۱۰: اس مجموعہ کا مقتضایہ ہے کہ اس پر نماز نہ پڑھے البتہ صبی اگر ایسا سمجھ دار ہو کہ خود اسلام کو قبول
کر لے تب وہ مسلم ہے۔

نمبر ۱۱: البتہ اگر کسی مفتی کو ید میں تغلب کی قید کے متعلق شرح صدر نہ ہو بلکہ دونوں احتمال ہوں
وہ صلوة احتیاطاً کا فتویٰ دے سکتے ہیں۔

نمبر ۱۲: اور حدیث کا تو اس مسئلہ سے کوئی تعلق ہے نہیں ورنہ ہر صبی پر بشرط قدرت نماز مشروع ہوتی
اور احکام فقہیہ باطل ہوتے پس حدیث کا وہ محمل ہے جو نمبر ۲ میں مذکور ہے یعنی صلوة احکام دنیویہ سے ہے
اور حدیث کا مدلول احکام عقبیٰ سے۔ واللہ اعلم

۹ رزی الحجۃ ۱۳۵۳ھ (النور ص ۸/ شوال ۱۳۵۴ھ)

صدقات و خیرات کا خصوصاً رمضان میں اہتمام کرنے کا حکم

سوال (۴۴۷): قدیم ۱/۵۵- رمضان المبارک میں ہمیشہ اضعاف ثواب کی غرض سے اگر ایصال ثواب ہونے کی غرض سے مساکین کو کھانا وغیرہ دیا جائے تو تعینات میں تو داخل نہ ہوگا؟

الجواب: عن ابن عباسؓ قال: كان رسول الله ﷺ أجود الناس بالخير وكان أجود ما يكون في رمضان الحديث متفق عليه، كذا في المشكوة: باب الاعتكاف (۱) وعن سلمان، قال: خطبنا رسول الله ﷺ وفيه من تقرب فيه بخصلة من الخير كان كمن أدى فريضة فيما سواه ومن أدى فريضة فيه، كان كمن أدى سبعين فريضة فيما سواه وفيه وشهر المواساة وفيه ومن اشبع صائماً سقاه الله من حوضي. وعن ابن عباسؓ قال: كان رسول الله ﷺ إذا دخل شهر رمضان أطلق كل أسير وأعطى كل سائل رواهما البيهقي في شعب الإيمان كذا في المشكوة ج ۱/۱۷۵-۱۷۴. آخر كتاب الصوم. (۲)

← قوله: (كصبي سبي مع أحد أبويه) أي لا يصلي عليه لأنه تبع لهما للحديث "كل مولود يولد على الفطرة (الخ) ثم اعلم أن المراد بالتبعية التبعية في أحكام الدنيا لا في العقبي". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۳۱-۳۳۴، كوثه ۲/۱۸۹-۱۹۰)

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) مشکوة المصابيح، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۸۳- بخاري شريف، كتاب بدء الوحي، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۱/۳، رقم: ۶- مسلم شريف، كتاب الفضائل، باب كان النبي صلى الله عليه وسلم أجود الناس بالخير من الريح المرسلة، النسخة الهندية ۲/۲۵۳، بيت الأفكار رقم: ۲۳۰۸-

(۲) مشکوة المصابيح، كتاب الصوم، باب بلا ترجمة، مكتبة اشرفية ديوبند

چونکہ منشاء ان تعینات کا اعتقاد و تضاعف ثواب ہے اور یہ تضاعف خود ان روایات میں منصوص ہے اس لئے یہ ان تعینات کے مشابہ نہیں ہیں جن کا منشاء محض رسم اور رائے ہے پس یہ عمل بلا کراہت جائز و مطلوب ہے۔ واللہ اعلم

۱۳ شعبان ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۸۹)

قبر پر دوبارہ مٹی ڈالنے کا حکم

سوال (۷۴۵): قدیم ۱/۵۸- قبر پر دوسری مٹی ڈالنا چھ مہینے کے بعد یا برس کے بعد جب قبر بیٹھ جاوے تو اس پر مٹی دوسری جگہ سے کھود کر ڈالنا جائز ہے یا نہ؟
الجواب: جائز ہے بشرطیکہ کسی معین تاریخ یا معین مہینہ میں نہ ہو۔

في رد المحتار: عن السراجية كما نقله الرحمتي ذكر في تجريد أبي الفضل أن تطيين القبور مكروه والمختار أنه لا يكره. اه (۱) وورد في كراهة تقعيد المطلق نصوص مشهورة.

۱۰/شوال ۱۳۴۹ھ (النور ص ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ)

← شعب الإیمان للبيهقي، الباب الثالث والعشرون في الصيام، فضائل شهر رمضان، دار الكتب العلمية بيروت ۳/ ۳۰۵ - ۳۱۱، رقم: ۳۶۰۸ - ۳۶۲۹ - صحيح ابن خزيمة، كتاب الصوم، باب فضائل شهر رمضان إن صح الخبر، المكتبة الإسلامية بيروت ۲/ ۹۱۱، رقم: ۱۸۸۷ -

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۱۴۴، کراچی ۲/ ۲۳۷ -

سئل محمد بن سيرين هل تطيين القبور؟ فقال: لا أعلم به بأسا. (المصنف لابن أبي

شيبه، باب في تطيين القبور وما ذكر فيه، مؤسسة علوم القرآن ۷/ ۳۶۲، رقم: ۱۱۹۲۳) ←

میت کے ہاتھ کس جگہ رکھے جائیں

سوال (۷۴۶): قدیم ۱/۵۸- میت کے ہاتھ سینہ پر رکھنا چاہئے یا دونوں بغل میں؟

الجواب: سینہ پر نہیں بلکہ دونوں پہلوؤں میں۔

في الدر المختار ويوضع يدها في جانبيه لا على صدره لأنه من عمل الكفار. (۱)

۱۹ شوال المکرم ۱۳۲۹ھ (النور ص ۷ جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ)

← المختار إن التطيين غير مكروه وكان عصام بن يوسف يطوف حول المدينة ويعمر القبور الخبرة كما في الفهستاني. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، دار الكتاب العلمية بيروت ۱/۲۷۶)

ولابأس بالتطيين. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۴۰، كوئٹہ ۲/۱۹۴)

وإذا خربت القبور فلا بأس بتطينها كذا في التاتارخانية وهو الأصح وعليه الفتوى. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الفصل السادس في القبور والدفن، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۱۶۶، جديد ۱/۲۲۷)

وفي منية المفتي المختار أنه لا يكره التطيين. (حلبی کبیر، کتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۹۹)

سئل أبو نصر عن تطيين القبر؟ قال: لا بأس به، وفي الغياثية وعليه الفتوى. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل في الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۷۱، رقم: ۳۷۳۵) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۹۰، کراچی ۲/۱۹۸-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قبرستان میں جو درخت لگائے جائیں وہ بھی وقف ہوں گے

سوال (۷۷۷): قدیم ۱/۵۸- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین

اس مسئلہ میں کہ ایک قبرستان مسلمانوں کا بہت پرانا ہے جس میں کچھ اراضی میں قبریں خام و پختہ بن چکی تھیں اور کچھ اراضی خالی رہ گئی تھی اور اب عرصہ تیس چالیس برس سے وہ قبرستان بحکم سرکار بند کر دیا گیا ہے مگر اس کی حفاظت وغیرہ زیرنگرانی انجمن اسلامیہ لکھنیم پور ضلع کھیری ہے قبرستان مذکور میں متفرق جگہوں میں آٹھ قبریں پختہ موجود ہیں اور بقیہ اراضی افتادہ اراضی جس میں خام قبریں تھیں یکسر ہو کر مثل بنجر اراضی کے ہو گئے ہے جس میں گھاس پیدا ہوتی ہے اور اس کا نیلام ہو کر زر نیلام انجمن میں داخل ہوتا ہے اراضی بنجر میں جو قبریں تھیں ان کا اب کسی طرح سے نام و نشان نہیں باقی رہا ہے موجود معمر لوگ بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ کہاں کہاں پر قبریں تھیں۔

ایک صاحب قبرستان مذکور میں درختان نصب کرنا چاہتے ہیں جن کی درخواست کی نقل بحجۃ شامل استفتاء ہذا کی جاتی ہے اور وجہ ان صاحب کے اس خیال کی یہ ہے کہ اس میں ایک بزرگ کا مزار ہے جو ان کے استاد بھی ہیں اس لئے اس طریق سے اس کو بے حرمتی سے بچانا چاہتے ہیں اور ان درختوں کی گری پڑی لکڑی اور پھل سے خود مستفید ہوں گے مگر حق انتقال نہ ہوگا جیسا درخواست کی (۴) میں تصریح ہے۔ نیز درخواست کنندہ اس زمین کا کچھ کرایہ دینے پر آمادہ ہیں جس کو (۱) اور (۵) میں بعنوان لگان و نذرانہ لکھا ہے۔ لہذا بموجب شرع شریف اس قبرستان کا حسب درخواست منسلک ٹھیکہ نگرانی وغیرہ دینے میں کوئی امر مانع تو نہیں ہے اور واضح ہو کہ جب یہ ضلع لکھنیم پور قائم ہوا تھا اس وقت مسلمانوں نے کچھ اراضی قبرستان کے لئے حکام وقت سے مانگ لی تھی اور ایک انجمن اسلامیہ بھی جب ہی سے قائم کر لی تھی اور جملہ مساجد و عید گاہ و قبرستان کا انتظام بھی اس انجمن کی سپردگی میں ہو گیا؟

نقل درخواست مذکورہ سوال بالا

بخدمت جناب صدر انجمن صاحب انجمن اسلامیہ لکھنؤ پور

جناب صدر انجمن صاحب السلام علیکم، کھیری جاتے ہوئے ایک قدیم قبرستان ہے جو ویران و ناگفتہ بہ حالت میں ہے میں چاہتا ہوں کہ اراضی قبرستان مذکور کو لگان سالانہ یا جو ممبران انجمن تجویز فرمائیں مجھ کو بغرض لگانے باغ دے دی جائے۔

(۱) قبرستان کی پیمائش ذریعہ ماہران فن کرا کر ہر چہار جانب دیوار پختہ بھنجری دار بنوادوں گا اور وہ دیوار ملکیت موقوفہ متصور ہوگی؟

(۲) بظاہر دو قبریں اور ایک مزار مولانا ممتاز الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے ان کی احتیاط و تعظیم و تکریم کرونگا اور مزار مذکور کے گرد پھول وغیرہ لگائے جائیں گے؟

(۳) اراضی مذکور کو کھدوا کر تھانولے بنوائے جائیں گے بل استعمال نہیں ہوگا اور دوران کھدوائی میں جو قبر برآمد ہوگی اس کا نشان و احترام قائم رکھا جائے گا؟

(۴) درختاں منصوبہ بھی موقوفہ متصور ہوں گے مگر گری پڑی لکڑی و اثمار کے لینے کا مجھ کو اختیار ہوگا انجمن کو اور مجھ کو اور میرے ورثاء کو اختیار کسی قسم کے انتقال کا حاصل نہ ہوگا؟

(۵) انجمن تحریری اجازت تعمیر دیوار و نصب درختان سائل کو بحیثیت متولی قبرستان مذکور اداۓ نذرانہ سالانہ پر عطا فرمائے جس کو ممبران حالت موجودہ میں مناسب تصور فرما کر تجویز فرمائیں وہ سالانہ یا ششماہی و ارادہ ہوتا رہے گا؟

(۶) اور جو مزید شرائط مناسب نسبت تحفظ قبرستان انجمن تجویز فرمائے اس کی پابندی مجھ پر اور میرے وارثان و قائم مقام پر واجب التعمیل ہوگی۔

الجواب: (۱) فی العالمگیریۃ: فی فصل الألفاظ الّتی یتّم بها الوقف،

ولو قال: جعلت حجرتي هذه لدهن سراج المسجد ولم يزد على ذلك .
قال الفقيه أبو جعفر: تصير الحجرة وقفاً على المسجد إذا سلمها إلى المتولى
وعليه الفتوى. كذا في فتاوى قاضى خان.

اسی طرح جب حکام نے یہ کہہ دیا کہ ہم نے اس اراضی کو قبرستان کیلئے تجویز کر دیا تو یہ بھی قبرستان
کے لئے وقف ہوگی اور چونکہ درختوں کا اتصال ارض سے اتصال قرار ہے وہ درخت بحکم عمارت ہوں گے۔
کما في الهداية: كتاب البيوع ومن باع أرضاً دخل مافيها من النخل والشجر وإن
لم يسمه لأنه متصل به للقرار فأشبه البناء. (۱)

← خانہ علی ہامش الہندیہ، کتاب الوقف، باب الرجل یعجل دارہ مسجد الخ، مکتبہ زکریا
دیوبند قدیم ۲۹۱/۳، جدید ۲۰۳/۳۔

سئل الفقيه أبو جعفر عن قال: جعلت حجرتي لدهن سراج المسجد ولم يزد على
هذا؟ صارت الحجرة وقفاً على المسجد بما قال: ليس له الرجوع، ولا له أن يجعل لغيره،
وهذا إذا سلمها إلى المتولى عند محمد. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، فصل في مسائل
وقف المساجد، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۷۱/۸، رقم: ۱۱۵۳۹)

(۱) ہدایہ، کتاب البيوع، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۲۵/۳
إذا باع أرضاً أو كرمًا ولم يذكر الحقوق ولا المرافق ولا كل قليل وكثير فإنه
يدخل تحت البيع ماركب فيها للتأبيد نحو الغرس والأشجار والأبنية كذا في الذخيرة.
(الفتاوى الهندية، كتاب البيوع، الفصل الثاني فيما يدخل في بيع الأراضي والكروم، مکتبہ زکریا
دیوبند قدیم ۳۳/۳، جدید ۳۵/۳)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب البيوع، فصل فيما يدخل تحت البيع من غير، مکتبہ زکریا
دیوبند ۲۹۰/۸، رقم: ۱۱۹۶۰۔

ويدخل الشجر في بيع الأرض بلا ذكر (در مختار) وفي الشامية: قال في المحيط كل
ماله ساق ولا يقطع أصله كان شجر يدخل تحت بيع الأرض بلا ذكر. (الدر المختار مع الشامي،
كتاب البيوع، فصل فيما يدخل في البيع تبعاً، مکتبہ زکریا دیوبند ۷۹/۷، کراچی ۵۵۰/۴) ←

اور وقف زمین میں عمارت بنانے کا حکم یہ ہے کہ وہ مثل اصل ارض کے مصرفاً و شرطاً وقف ہوتی ہے (۱) تو یہ درخت بھی اسی طرح وقف ہوں گے اور اس زمین سے انتفاع کا کسی خاص شخص کو انتفاع کا حق نہیں پس شرط نمبر ۴ کے ساتھ یہ زمین کسی کو دینا جائز نہیں اور جو کرایہ درخواست کے نمبر او نمبر ۵ میں مذکور ہے ظاہر ہے کہ یہ درختوں کی بقاء تک کا معاملہ ہے اور وقف زمین کا تین سال سے زائد کے لئے کرایہ پر دینا جائز نہیں (۲) نیز یہ زمین ہمیشہ کے لئے متولی کے قبضہ سے نکل کر کرایہ دار کے قبضہ میں جاتی ہے جو احکام وقف کے خلاف ہے یہ تو قواعد سے حکم ہے علاوہ اس کے نظر بر مصالح شرط نمبر ۴ کا نتیجہ ایک مدت کے بعد یہ ہوگا کہ یہ زمین بھی ناصب کی ملک سمجھی جائے گی جس میں وقف کی مضرت عظیمہ ہے لہذا ایسی اجازت دینا درست نہیں۔

۳/ صفر المظفر ۱۳۵۰ھ (النور ۹ شعبان ۱۳۵۰ھ)

(۱) اعلم أن البناء في أرض الوقف فيه تفصيل وإن لم يكن متولياً فإن بنى بإذن المتولي ليرجع فهو وقف وإلا فإن بنى للوقف فوق وقف. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في حكم بناء المتولي وغيره في أرض الوقف، مكتبة زكريا ديوبند ۶/ ۶۷۸، کراچی ۴/ ۴۵۵)

(۲) فلو أهمل الواقف مدتها قيل تطلق الزيادة القيم وقيل تقيد بسنة مطلقاً وبها أي بالسنة يفتى في الدار وبثلاث سنين في الأرض (در مختار) وفي الشامية: ذكره الصدر الشهيد من أن المختار أنه لا يجوز في الدور أكثر من سنة إلا إذا كانت المصلحة في الجواز وفي الضياع يجوز إلى ثلاث سنين إلا إذا كانت المصلحة في عدم الجواز. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، فصل يراعي شرط الواقف في إيجارته، مكتبة زكريا ديوبند ۶/ ۶۰۶-۶۰۷، کراچی ۴/ ۴۰۰-۴۰۱)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، فصل في تصرف القيم في الأوقاف، مكتبة زكريا ديوبند ۸/ ۶۸، رقم: ۱۱۲۳۳۔

ولا تجوز الإجارة الطويلة على الوقف. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، فصل في تصرف القيم في الأوقاف، مكتبة زكريا ديوبند ۸/ ۶۸، رقم: ۱۱۲۳۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سواری پر جنازہ لے کر جانا

سوال (۷۴۸): قدیم ۱/۶۰- تحقیق حمل جنازہ بر مرکب در جواب سوال زبانی۔

في مراقي الفلاح ويكره حمله على ظهر دابة بلا عذر وقال الطحطاوى أما إذا كان عذر بان كان المحل بعيدا يشق حمل الرجال له أولم يكن الحامل إلا واحداً فحمله على ظهره فلا كراهة إذن ص ۳۵۲. (۱)

حاصل روایت یہ ہے کہ عذر سے اس کی اجازت ہے مثلاً گورستان دور ہے کہ کندھوں پر لیجانا شاق ہے اور اس کا مقتضایہ ہے کہ جتنی دور شاق نہ ہو کندھوں پر لے جاویں جب شاق ہونے لگے مرکب پر رکھ دیں۔

۲۲ شعبان ۱۳۵۰ھ (النور ۷ ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ)

اجساد انبیاء کا عدم تغیر

سوال (۷۴۹): قدیم ۱/۶۰- اجساد انبیاء کے تغیر سے محفوظ رہنے کے بارے میں صرف ایک روایت نظر سے گزری کہ ”ما سطلت الأرض علی أجساد الأنبياء أو كما قال“ لیکن آپ کی وفات کے بعد جو حالات نظر سے گزرے اس میں ایک روایت یہ ہے کہ آپ کے ناخن سبز ہو گئے تھے ایک یہ ہے اثناء خضر سے آپ کی وفات معلوم ہوئی کہ آپ اس وقت تک دفن نہ ہوئے حتیٰ رہا قمیصہ اور ایک میں ہے کہ حتیٰ رہا بطنہ اور اسی تغیر سے حضرت صدیقؓ نے مانعین دفن پر حجت قائم کی کہ دیکھو تمہارے نبی کی وفات ہو گئی پھر حضرت عباسؓ نے بھی فرمایا کہ ”إن رسول الله يا سن كما يا سن البشر“ میں نے اس تغیر جسد سے یہ نتیجہ نکالا کہ مانعین دفن کے لئے ایسا خفیف تغیر ظاہر کیا گیا تاکہ وہ دفن ہو جانے دیں

(۱) حاشیۃ الطحطاوی مع مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل فی

حملها و دفنها، مکتبۃ دار الکتاب دیوبند ص: ۶۰۳۔

اور معراج روجی کے خیال سے باز آجائیں۔ واللہ اعلم، ورنہ بالیقین آپ کا جسد مبارک قبر شریف میں اپنی اصلی حالت میں محفوظ و مصون ہے زیادہ تعجب یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں احد میں ایک نہر جاری کی گئی نہر میں قبور شہداء مانع تھیں تو ماہرین نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ سوائے قبور پر سے نکالنے کے ہمیں اور کوئی راستہ نہیں ہے تو انہوں نے اجازت دیدی جب نہر کے لئے قبور کھودی گئیں تو بروایت جابر بن عبد اللہ شہداء کی لاشیں اس طرح برآمد ہوئیں کہ معلوم ہوتا تھا سور ہے ہیں پھر انہیں کندھوں پر لا کر وہاں سے علیحدہ کیا گیا اور اسی سلسلہ میں حضرت حمزہؓ کے پاؤں میں پھاوڑہ لگ گیا تو خون نکل آیا حالانکہ یہ واقع کم از کم شہادت کے چالیس سال بعد کا ہے مجھے جہاں تک معلوم ہے ایسی کوئی روایت نہیں کہ جس میں اجساد شہداء کے محفوظ رہنے کا وعدہ ہو جب شہداء کے اجساد محفوظ رہے تو انبیاء کے اجساد بدرجہ اولیٰ محفوظ ہونگے کیونکہ ان کے لئے تو وعدہ بھی ہے؟

الجواب: في التفسير (۱) المظهری: أخرج الحاكم (۲) وأبو داؤد عن أوس بن أوس قال: قال رسول الله ﷺ حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء وأخرج ابن ماجه عن أبي الدرداء نحوه.

(۱) تفسیر مظہری قدیم، تحت قوله تعالى: بل أحياء ولكن لا تشعرون، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۱۵۳، جدید زکریا ۱/ ۱۷۰-۱۷۱۔

(۲) عن أوس بن أوس الشقفي قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة فقال: إن الله عز وجل قد حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء. (المستدرک علی الصحیحین للإمام الحاكم، کتاب الجمعة، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض ۱/ ۴۰۵، رقم: ۱۰۲۹)

سنن أبي داؤد، کتاب الصلاة، باب فضل يوم الجمعة وليلة الجمعة، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۰، مكتبة دار السلام رقم: ۱۰۴۷۔

ابن ماجه، کتاب الصلاة، باب في فضل الجمعة، النسخة الهندية ص: ۷۶، مكتبة دار السلام رقم: ۱۰۸۵۔

اس باب میں اور بھی احادیث ہیں اور جو تغیرات سوال میں نقل کئے ہیں وہ تاثیرات ارض کی نہیں اس لئے تعارض نہیں بلکہ تغیرات خواص موت سے بھی نہیں ایسے تغیرات احیاء میں بھی مرض کے سبب ہو جاتے ہیں اور حضرت عباسؓ کا قول ایسے ہی تغیرات پر محمول ہوگا اور استدلال تقریب فہم کے لئے ہوگا اور یہ سب جب ہے کہ ان روایات کے رجال ثقات ہوں ورنہ روایات ہی حجت نہیں پس تعارض ہی نہیں باقی شہداء کے لئے بھی بلکہ بعض دوسرے صلحاء کے لئے بھی وعدہ کی احادیث وارد ہیں۔

في التفسير المظهری (۱): بروایة الطبرانی (۲) قال: قال رسول الله ﷺ إذا مات حامل القرآن أوحى الله تعالى إلى الأرض أن لا تأكل لحمه فتقول الأرض أي رب كيف اكل لحمه وكلامك في جوفه قال ابن منده وفي الباب عن أبي هريرة وابن مسعود وأخرج المروزي عن قتادة قال بلغني أن الأرض لا تسلط على جسد الذي لم يعمل خطيئة. اور مجھ کو ان روایات کی صحت یا حسن کی تحقیق نہیں لیکن تعدد خود اسباب تقویت سے ہے اور کوئی دلیل معارض نہیں اس لئے قبول کرنا ضروری ہے اور صاحب روح المعانی کا یہ قول:

وما يحكى من مشاهدة بعض الشهداء الذين قتلوا منذ مات سنين وأنهم إلى اليوم تشخب جروحهم دماً إذا رفعت العصاة عنها فذلك مما رواه هيان بن بيان وما هو إلا حديث خرافة (۳) وكلام يشهد على مصدقيه تقديم السخافة اه.

(۱) تفسير مظہری قدیم، تحت قوله تعالى بل أحياء ولكن لا تشعرون،

مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۱۵۳، جدید زکریا ۱۷۰/۱-۱۷۱۔

(۲) عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المؤذن المحتسب كالشهيد يتشخط في دمه حتى يفرغ من أذانه، ويشهد له كل رطب ويابس، وإذا مات لم يدور في قبره. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۲/۳۲۲، رقم: ۱۳۵۵۴)

عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا مات حامل القرآن أوحى الله إلى الأرض أن لا تأكلي لحمه، قالت: إلهي كيف اكل لحمه وكلامك في جوفه. (كنز العمال،

كتاب الأذكار، قسم الأقوال، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۷۷، رقم: ۲۴۸۵)

(۳) روح المعاني، تحت قوله تعالى بل أحياء ولكن لا تشعرون، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۳۲۔

واجب الرد ہے لکونہ مخالفاً للمشاهدة المتواترة فمنها ما في المظهري (۱) أخرج مالک عن عبد الرحمن بن صعصعة أنه بلغه أن عمرو بن الجموح وعبد الله بن جبیر الأنصاری کان قد حفر السیل قبرهما إلى قوله فوجد الم يتغيرا كأنهما ماتا بالأمس وكان بین أحدویین حفر عنهما ستة وأربعین سنة وأخرج البيهقی أن معاويةؓ لما أراد أن یجرى كظامه نادى من كان له قتیل بأحد فلیشهد فخرج الناس إلى قتلاهم فوجدوهم رطابا ینشون فأصابت المسحاة رجل رجل منهم فانبعث دما وأخرج ابن أبی شیبة نحوه وأخرج البيهقی عن جابر وفيه فأصابت المسحاة قدم حمزةؓ فانبعث دماً. اه

اور اگر کوئی واقعہ اس کے خلاف پایا جاوے اس کا جواب بیان القرآن کے متن وحاشیہ وموارد العوائد میں مذکور ہے۔ الحاشیہ علی قولہ اور یہ سب جب ہے کہ روایات کے رجال ثقات ہوں ورنہ روایات ہی حجت نہیں اھ، اور اس احتمال میں مضمون ذیل سے اور قوت ہوگئی۔

في أصح السير لمولانا عبد الروف القادری.

طبقات ابن سعد عرصہ سے مفقود تھی مسلمانوں کے پاس اس کا مکمل نسخہ کہیں بھی موجود نہ تھا، اب یورپ کے عیسائیوں نے اس کو چھپوایا ہے اور وہی میرے پیش نظر ہے مگر اس کی کوئی سند نہیں ہے کہ یہ نسخہ اصل تصنیف کے موافق ہے وفات رسول اللہ ﷺ کے متعلق اور امہات المؤمنین کے متعلق بعضی ایسی روایتیں اس میں موجود ہیں جن کا اسلامی تصنیفات میں باوجود تلاش کے مجھ کو پتہ نہ ملا ابن سعد کی اکثر روایتوں کو متاخرین نے نقل کیا ہے مگر ان مہملات کو کسی نے نہیں لکھا میں یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا کہ یورپ کا الحاق ہے اس لئے کہ طبقات ابن سعد خود کوئی ایسی کتاب نہیں جس کی ساری روایتیں قابل قبول ہوں تاہم چونکہ یہ پوری کتاب ہمیں یورپ کا واسطہ سے ملی ہے اس کے بھروسہ پر ابن سعد کا حوالہ بھی جائز نہیں جب تک اس کی سند متداول کتابوں سے نہ مل جائے۔ حدیث سیرت اور تفسیر کی اور کتابیں بھی عیسائیوں نے چھپائی ہیں ان کتابوں کی بھی کوئی سند نہیں ہے اور نہ ان پر اعتماد ہے ان میں سے صرف وہی باتیں قابل قبول ہوں گی جس کی سند متداول کتابوں میں مل جائے۔

(۱) مؤطا إمام مالک، جامع النفل في الغزو، الدفن في قبر واحد من ضرورة الخ،

ملا علی قاریؒ موضوعات کبیر میں لکھتے ہیں:

قلت ومن القواعد الكلية أن نقل الأحاديث النبوية والمسائل الفقهية والتفاسير القرآنية لا يجوز إلا من الكتب المتداولة لعدم الاعتماد على غيرها من وضع الزنادقة وإلحاق الملاحدة بخلاف الكتب المحفوظة فإن نسخها يكون صحيحة متعددة. (۱)

یہ قاعدہ ان کتابوں کے لئے بھی ہے جس کا اتفاقہ کوئی نسخہ کسی مسلمان کے پاس پایا جائے مگر وہ کتاب متداول نہ ہو تو جو کتاب مسلمانوں کے پاس بالکل نہ ہو محض عیسائیوں کے ذریعہ سے آئی ہو اس کا کیا اعتبار ہے۔

ربیع الاول ۱۳۵۲ھ (النور ۹)

ضمیمہ از مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی دام فیضہم

حضرت اقدس مدظلہ العالی بعد تسلیمات کے عرض ہے خدا حضور کو بعافیت رکھے خیریت سے مطمئن فرماویں (النور) بابت ربیع الاول ۱۳۵۲ھ ص ۹ میں تغیر کے متعلق سوال ہے جس کا حضور نے جواب مرحمت فرمایا ہے۔ تغیر کے متعلق کعب بن الجراح نے اسماعیل بن ابی خالد سے روایت کی ہے اور اسماعیل اور کعب گو بڑے پائے کے ہیں اور اسماعیل تابعی ہیں مگر بعد ان کے کون ہے اس کا پتہ نہیں اور کتنے راوی محذوف ہیں اس کا ٹھکانہ نہیں اور اس روایت پر اس قرن میں جو قرن تابعین کا ہے سخت انکار ہوا اور صد ثانی میں جب از حد انکار ہوا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت محض بے اصل اور غلط ہے فی نسیم الریاض ص ۳۹۰ ج ۱ (*)

شرح شفاء القاضی عیاض لشہاب الخفاف ج ۱: وقد حرم الله جسده على الأرض وأحياء في قبره كسائر الأنبياء عليهم الصلوة والسلام وقد رأيت في بعض الكتب

(*) نسیم ریاض ۳۱۶/۱، مطبوعہ از ہریہ مصر ۱۳۲۵ھ فی الباب الثانی فی فصل إذا كانت

خصال الكمال والجلال ما ذكرناه الخ - سعيد احمد پالن پوری

أن السلف اختلفوا في كفر من قال: إن النبي ﷺ لما انتقلت روحه للملا الأعلى تغير بدنه وروى أن وكيع بن الجراح حدث عن اسمعيل بن ابي خالد أن رسول الله ﷺ لما توفي لم يدفن حتى رباطنه وانثى خنصره واخضرت اظفاره لأنه ﷺ توفي يوم الإثنين وتركه ليلة الأربعاء لاشغالهم بأمر الخلافة وإصلاح أمر الأمة وحكمته أن جماعة من الصحابة رضى الله تعالى عنهم. قالوا: لم يمت فأراد الله أن يريهم آية الموت فيه ولما حدث وكيع بهذا بمكة رفع إلى الحاكم العثماني فأراد صلبه على خشية نصبه له خارج الحرم فشفع فيه سفيان بن عيينة واطلقه ثم ندم على ذلك ثم ذهب وكيع للمدينة فكتب الحاكم لأهلها إذا قدم اليكم فارجموه حتى يقتل فأبردله بعض الناس يريد أن أخبره بذلك فرجع للكوفة خيفة من القتل وكان المفتى بقتله عبدالمجيد بن أبي رواد وقال سفيان: لا يجب عليه القتل وانكر هذا الناس. وقالوا: رأينا بعض الشهداء نقل من قبره بعد أربعين سنة فوجد رطبا لم يتغير منه شيء، فكيف بسيد الشهداء والأنبياء عليه وعليهم الصلوة والسلام، وهذه زلة قبيحة لا ينبغي التحدث بها. اهـ

ونیز چہار شنبہ کی شب تک لاش مبارک کو بے دفن چھوڑنا غلط ہے۔

في الطبقات لا بن سعد ص ۳ ج ۳. وتوفي (۱) صلوات الله عليه يوم الإثنين (حين زاغ الشمس ص ۱۳۰ ج ۲) ودفن يوم الثلاثاء حين زاغت الشمس اهـ.

چوبیس گھنٹے میں معمولی لاشوں میں تغیر نہیں ہوتا ہے۔

فكيف بسيد المرسلين.

اس عرض سے مقصود یہ ہے کہ اگر حضور والا پسند فرماویں تو ضمیمہ جواب فرما کر شائع کرنے کا حکم فرماویں۔ انور میں اس مضمون کو دیکھ کر سخت پیچ و تاب میں تھا اور اس مضمون کو عرصہ ہوا میں نے دیکھا تھا مگر بعد تفحص ملتانہ تھا کل بنام خدا دیکھا تو فوراً نکل آیا۔ الحمد للہ علی ہدایتہ، زیادہ حداد،

۲۷ جمادی الاول ۱۳۵۲ھ (النور ۹ جمادی الاول ۱۳۵۲ھ)

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد، ذکر کم مرض رسول الله صلى الله عليه وسلم واليوم

الذي توفي فيه، دار الكتاب العلمية بيروت ۳/۲۰۹-۲۱۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ضمیمہ ثانیہ از مولوی عبدالماجد صاحب دریا آبادی

عبارت ذیل سیرۃ ابن ہشام میں مل گئی غسل کے موقع پر ولم یرمن رسول اللہ ﷺ شیء مما یرى من المیت اب اس سے بڑھ کر صراحت اور کیا ہوگی پھر بلحاظ استناد بھی سیرۃ ابن ہشام کا پایہ طبقات ابن سعد سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔ یہ کتاب خاص سیرۃ نبویہ ہی پر تحقیق کر کے لکھی گئی ہے طبقات تو دراصل صحابہ و تابعین کی تاریخ ہے سوانح نبویہ محض ضمناً آگئے ہیں پھر اسی سیرۃ ابن ہشام میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت علیؓ غسل دیتے جاتے تھے اور یہ الفاظ کہتے جاتے تھے وعلى یقول بسابی انت وامی ما طیبک حیا و میتا، اس سے بڑھ کر ایک اور روایت خود صحاح میں مل گئی۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی غسل النبی ﷺ میں ہے عن علی ابن ابی طالب قال لما غسل النبی ﷺ ذهب یلتمس منه ما یلتمس من المیت فلم یجدہ فقال بابی (*) الطیب طبت حیا و طبت میتا، اب تو (طبقات کی) اس لغو روایت کی تردید میرے خیال میں بالکل واضح ہو جاتی ہے مناسب ہو تو اسے بھی بطور ضمیمہ النور میں درج فرمادیا جاوے۔ والسلام (النور ص ۹ محرم ۱۳۵۲ھ)

قبرستان سے نکلتے وقت ادباً اس کی طرف پشت نہ کرنا

سوال (۷۵۰): قدیم ۱/۶۵۔ بندہ نے حضور سے دریافت کیا تھا کہ عوام لوگ مقابر سے نکلتے ہوئے ادباً پشت نہیں کرتے ہیں آپ نے تحریر فرمایا کہ یہ ادب طبعی ہے یا اور بھی کوئی عقیدہ ہے بندہ عرض کرتا ہے کہ صرف ادب طبعی ہے اور کوئی عقیدہ نہیں؟ بینوا تو جروا

(*) أي: أنه مفدئ بأبي أنت الطيب، طبت الخ ولفظ روایت عبد الرزاق في مصنفه

۴۰۳/۳. فقال: بأبي وأمي طيباً حياً، وطيباً ميتاً. سعيد احمد پالن پوری

(۲) سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء في غسل النبي صلى الله عليه وسلم،

النسخة الهندية ص: ۱۰۶، دار السلام رقم: ۱۴۶۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: اس حالت میں کچھ حرج نہیں بشرطیکہ ایسے عوام کے سامنے نہ ہو جن کے تجاوز عن الحدود کا احتمال ہو۔ (۱)

۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ (تمہ خامسہ ص ۱۰)

حفاظت کی نیت سے قبر کے اوپر سائبان بنانا

سوال (۷۵۱): قدیم ۱/۶۵- یہاں قلعہ کی دیوار کے نیچے ایک قبر ہے جس کو یہاں کے ہندو مسلمان فتح پیر کا مزار کہتے ہیں اور یہ روایت بھی مشہور ہے کہ سابق رئیس کے وقت شاید کسی نے ادھر غیر ذبیحہ کی ہڈی یا اور کوئی ناپاک چیز پھینک دی تو رات کو رئیس کو (جو ہندو راجپوت ہیں) خواب میں صاحب قبر نے تنبیہ کی جس پر رئیس نے قبر کی چار دیوار بنوا دی مگر چونکہ اوپر سائبان یا چھت نہیں ہے اور قبر کے اوپر ہی محل بنا ہوا ہے جس میں سے کوڑا کرکٹ یا مردار گوشت کی ہڈیاں یا شراب کے چھنٹے پڑنے کا احتمال ہے ریاست ہند اس وقت زیر اہتمام کورٹ آف وارڈس ہے خرچ کے بجٹ میں چھ روپے سالانہ چراغی کے نام سے اور تین روپے فقیر کو اسی خدمت کے دیئے جانے درج ہو گئے مگر میں نے مندرجہ بالا بے ادبی کے بچاؤ کے لئے اوپر سائبان کرا دینے کے واسطے یہ رقم تین برس کی بچا کر رکھی ہے اب خیال آیا کہ نہ معلوم ایسا کرنے میں کوئی وبال شرعی تو نہیں ہے اس لئے عرض ہے کہ اس بارہ میں جو حکم شرعی ہو ارشاد فرمایا جاوے اگر حفاظت کے لئے سائبان جست کی چادروں کا یا اور کسی قسم کا کر دینا جائز ہو جب تو یہ بنوا دیا جاوے

(۱) قبرستان سے نکلنے وقت قبرستان کی طرف پشت کر کے نکلنا خلاف ادب ہونا اور پشت نہ کر کے پیچھے کو چلتے ہوئے نکلنا ادب ہونا دو صحابہ اور تابعین اور سلف و خلف سے ثابت نہیں، سب سے بڑے ادب کے لائق حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام تھے اور صحابہ کرامؓ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کرتے تھے، اس کی مثال بہت کم ہے، مگر کسی بھی صحابی سے اس طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک مجلس سے پیچھے کو چلتے ہوئے نکلنا ثابت نہیں ہے؛ بلکہ اپنی ہیئت میں مبارک مجلس سے واپس تشریف لے جاتے تھے؛ لہذا قبرستان سے واپسی میں اپنی فطری ہیئت ہی میں واپس ہونا چاہئے، اسی وجہ سے حضرتؑ نے تجاوز عن الحدود کی قید لگائی ہے۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور آئندہ سالوں میں رقم چراغ بنی اور حق الخدمت فقیر میں صرف ہوتی رہے اور اگر یہ جائز نہ ہو تو جو رقم تین سال کی جمع ہے اس کو واپس ریاست میں جمع کرایا جاوے یا کہاں خرچ کی جاوے واپس جمع کرانے میں احتمال غالب ہے کہ آئندہ بجٹ میں ایسی رقم منظور نہ ہوگی کیونکہ جب پہلی ہی خرچ میں نہیں آئی تو پھر منظوری نہ ملے گی بہر حال جیسا کہ حکم شرعی ہو عمل درآمد کیا جاوے تاکہ مجھ پر کوئی مواخذہ نہ رہے؟

الجواب: خصوصیت موقع سے آپ کی تجویز مناسب ہے حسن نیت سے گناہ نہ ہوگا بلکہ مصلحت حفاظت قبر من الالبانت کے سبب اجر ہے۔ (۱)

۸/ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ (تمہ خامسہ ص ۲۶)

مسجد میں نماز جنازہ کی کراہت سے متعلق آٹھ سوال جواب

سوال (۷۵۲): قدیم ۱/۶۶۷- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین رحمہم اللہ تعالیٰ امور ذیل میں:

(۱) نماز جنازہ ایسی صورت میں کہ جنازہ اور امام و مقتدی سب لوگ مسجد میں ہوں تو کیسی ہے؟

الجواب: مکروہ ہے۔ (۱)

(۱) قد اعتاد أهل وضع الأحجار حفظاً للقبور عن الانداس، والنیش ولا بأس به. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، مكتبة دار الكتاب دیوبند ص: ۶۱۱)

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کسی کی نیت کا دوسروں کو خبر نہیں ہوگی ایسے عمل میں عوام ظاہری کو دیکھتے ہیں؛ اس لئے اس طرح سائبان بنانے سے بھی باز رہنا چاہئے۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) إنما تكره في المسجد بلا عذر، فإن كان فلا. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب مهم إذا قال إن شتمت فلاً في المسجد الخ، مكتبة زكريا دیوبند

(۲) اگر جنازہ اور امام مع چند مقتدیوں کے مسجد سے خارج ہیں اور باقی لوگ مسجد میں ہیں تو اس صورت میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) مکروہ علی الاربح کما فی الثامی مگر صرف ان ہی کی جو مسجد میں ہیں۔ (۲)

(تمہ ۲) اگر جائز نہیں ہے مکروہ ہے تو یہ کراہت کیسی ہے۔ تزیہی یا تحریمی؟

الجواب: اختلاف ہے۔ (۳)

← عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى على جنازة في المسجد فلا شيء له. (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد، النسخة الهندية ۴/ ۴۵۴، دار السلام رقم: ۳۱۹۱)

سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على الجنازة في المسجد، النسخة الهندية ص: ۱۰۹، دار السلام رقم: ۱۵۱۷ -
مسند أحمد ابن حنبل ۲/ ۴۵۵، رقم: ۹۸۶۵ -

وصلاة الجنازة في المسجد الذي تقام فيه الجماعة مكروه. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۶۵، جديد ۱/ ۲۲۶)

وإنما تكره الصلاة على الجنازة في المسجد الجامع ومسجد الحي عندنا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، المتفرقات، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۸۷، رقم: ۳۷۸۶)

(۲) واختلف في الخارجة عن المسجد وحده أو مع بعض القوم والمختار الكراهة مطلقاً (درمختار) وفي الشامية: قوله: مطلقاً أي في جميع الصور المتقدمة كما في الفتح عن الخلاصة. وفي مختارات النوازل سواء كان الميت فيه أو خارجه هو ظاهر الرواية. (الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة صلاة الجنازة في المسجد، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۱۲۶، كراچی ۲۲۵)

وصلاة الجنازة في المسجد الذي تقام فيه الجماعة مكروه سواء كان الميت ←

← والقوم الباقي في المسجد . (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند قديم ١٦٥/١، جديد ٢٢٦/١)

تكره الصلاة عليه في مسجد الجماعة وهو أي الميت فيه أو كان الميت خارجه أي المسجد مع بعض القوم، وكان بعض الناس في المسجد أو عكسه ولو مع الإمام على المختار . (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ٥٩٥-٥٩٦) وإطلاقه يفيد الكراهة سواء كان الإمام والقوم في المسجد أو كان الإمام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقيون في المسجد وهو المختار . (النهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ٣٩٦/١)

(٣) يمكن التوفيق بين كلامهم بأن نفي الكراهة اتفاقاً في حق من كان خارجاً وإثباتها فيمن كان داخلًا . (النهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ٣٩٦/١)

منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ٣٢٧/٢، كوثته ١٨٧/٢ -

فأجاب في النهر بحمل الاتفاق على عدم الكراهة في حق من كان خارج المسجد ومامر في حق من كان داخله . (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ١٢٧/٣، كراچی ٢٢٥/٢)

(٤) وكرهت تحريماً وقيل تنزيهاً في مسجد جماعة . (الدر المختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ١٢٦/٣، كراچی ٢٢٤/٢-٢٢٥)

وتكره الصلاة عليه في مسجد الجماعة هو أي الميت فيه كراهة تنزيه في رواية ورجحها المحقق ابن الهمام وتحريم في أخرى . (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب في أحكام الميت، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ٥٩٥-٥٩٦)

وهو مكروه كراهة التحريم في رواية وكراهة التنزيه في أخرى . (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ٥٧٩/١)

(۳) جن احادیث سے صلوٰۃ جنازہ فی المسجد مکروہ ثابت ہوئی ہے ان کے رواۃ کی سند کیسی ہے کیا اس میں کسی نے جرح کی ہے یا نہیں؟

الجواب: آثار السنن میں اس کی اسناد کو حسن کہا ہے اور اعلاء السنن میں زیادہ تفصیل ہے (۱) مگر اس کا مسودہ چھپنے گیا ہے ورنہ اس سے بھی نقل کیا جاتا اور جرح جس کا جواب دیدیا گیا ہے مضر نہیں اور جواز کی حدیث فعلی ہے اور عدم جواز کی قولی ہے اور قولی کو فعلی پر ترجیح ہوتی ہے۔

(۴) سہیل ابن بیضاء رضی اللہ عنہ کے جنازے کی نماز جو مسجد میں ہوئی ہے وہ کس عذر سے تھی؟
الجواب: مختلف (۲) عذر نقل کئے گئے ہیں لیکن مطلق عذر یقینی ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کی ایسی درخواست پر صحابہ نے نکیر فرمایا اور اس حدیث کو ان سے سن کر بھی رجوع نہیں کیا (رواہ مسلم)

(۱) إعلاء السنن کی عبارت یہ ہے:

عن أبي ذئب حدثني صالح مولى التوأمة عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى على جنازة في المسجد فلا شيء له. رواه أبو داود ۹۸/۲، وسكت عنه ورواه ابن أبي شيبة في مصنفه بلفظه فلا صلاة له. زيلعي ۳۵۱/۱، وفي زاد المعاد ۱۴۴/۱. وهذا الحديث حسن فإنه من رواية ابن أبي ذئب عنه وسماعه منه قديم قبل اختلاطه ولا يكون اختلاطه موجباً كرد ما حدث به قبل الاختلاط. الخ
اس کے نیچے حاشیہ میں کچھ محدثانہ بحث ہے دیکھئے:

إعلاء السنن، باب كيفية صلاة الجنازة رقم: ۲۲۴۷، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۲۶۶/۸.
(۲) فأجاب بهذا الحديث وفيه أولاً أنها واقعة حال لا عموم لها ويمكن أن يكون ذلك لضرورة كونها معتكفة ويوم مطر على أن إنكار الصحابة والتابعين عليها دليل على أن الأمر ثبت خلافها. (بذل المجهود، كتاب الجنائز، مكتبة يحيوية سهارن پوری ۲۰۳/۴)

فالجواب عنه: أما أولاً: فإنها واقعات حال لا عموم لها، فيمكن ذلك لعذر فيقدم القول على الفعل والغالب أن تركهم الإنكار لهذا العذر، ولو كان جائزاً عندهم مطلقاً لما عابوا على عائشة رضي الله تعالى عنها. (إعلاء السنن، كتاب الجنائز، كيفية صلاة الجنازة، مكتبة اشرفية دیوبند ۲۷۷/۸)

(۵) صلوٰۃ جنازہ فی المسجد میں دیگر ائمہ کا کیا مسلک ہے؟

الجواب: نووی (۱) نے شرح مسلم میں شافعی اور احمد بن حنبل اور بعض مالکیہ کا مذہب جواز کا لکھا ہے اور امام صاحب اور خود امام مالک کا عدم جواز کا۔

(۶) مقابر اور شارع عام میں صلوٰۃ جنازہ کیسی ہے؟

الجواب: شارع عام میں اگر تنگی ہوتی ہو تو مکروہ ہے (۲) اور مقابر میں غیر صلوٰۃ جنازہ تو مکروہ ہے (۳)

(۱) وفي هذا الحديث دليل للشافعي والأكثرين في جواز الصلاة على الميت في المسجد وممن قال به أحمد وإسحاق وقال ابن أبي ذئب، وأبو حنيفة، ومالك على المشهور عنه لا يصح الصلاة عليه في المسجد. (نووي على مسلم، كتاب الجنائز، النسخة الهندية ۳۱۲/۱-۳۱۳)

وتكره الصلاة على الجنائز في مسجد جماعة عندنا وبه قال مالك، وقال الشافعي، وأحمد لأبأس بها. (حلي كبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۸۸)

(۲) تكره صلاة الجنائز في الشارع وأراضي الناس (مراقي الفلاح) وتحتنه: وقوله: تكره الجنائز الخ، لشغل حق العامة في الأول، وحق المالك في الثاني. (حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۹۷)

يكروه صلاة الجنائز في الشارع وأراضي الناس. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۸۷/۳، رقم: ۳۷۸۶)

تكره في الشارع وأراضي الناس. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱۶۵/۱، جديد ۲۲۶/۱)

(۳) تكره الصلاة في المقبرة (مراقي الفلاح) وتحتنه: لأنه تشبه باليهود والنصارى. (حاشية الطحطاوي مع المراقي، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۵۶)

تكره في المزبلة..... وفي المقبرة. (حلي كبير، كتاب الصلاة، فصل في بيان ما يكره فعله في الصلاة، فروع، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۳۶۳)

اور صلوٰۃ جنازہ کے کراہت کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس میں جب میت کا سامنے ہونا گوارا کر لیا تو قبر میں کیا حرج ہے (۱) پھر بعض حالات میں خود صلوٰۃ علی القبر بھی مشروع ہے۔

(تمتہ ۶) اگر مجمع کثیر ہو اور کوئی جگہ سوائے مسجد کے ایسی نہیں کہ جہاں پر یہ مجمع سما جائے تو ایسی صورت میں اگر جنازہ اور امام چند مقتدیوں کے ساتھ مسجد سے خارج ہو اور سب لوگ مسجد میں ہوں تو کیا یہ صورت اعذار میں شمار ہو سکتی ہے یا نہیں فقہاء رحمہم اللہ نے ایسی صورت کو کراہت سے مستثنیٰ کیا ہے یا نہیں؟

الجواب: گنجائش نہ ہونا عذر ہے (۲) مگر میت کے مسجد میں ہونے سے مصلین کا مسجد میں ہونا اہول ہے۔

(۷) چونکہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے ایسی صورت میں جبکہ مجمع زیادہ ہو اور سوائے مسجد کے اور کوئی جگہ اتنی وسیع نہ ہو کہ جس میں مجمع آجائے تو کیا اس مجمع میں سے چند آدمی صلوٰۃ جنازہ کے لئے منتخب کر لئے جاویں اور باقی کو روک دیا جاوے یہ فعل کیسا ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ فعل بے اصل ہے۔

(۸) آجکل مسجد حرام میں صلوٰۃ جنازہ کس جگہ ہوتی ہے؟

الجواب: مجھ کو معلوم نہیں لیکن اگر وہاں مسجد میں پڑھتے بھی ہوں تو اصل فعل یہ دوسرے مذہب والوں کا ہے اور ممکن ہے کہ مسئلہ کے مجتہد فیہ ہونے کے سبب احناف بھی شریک ہو جاتے ہوں تو اس فعل سے تمسک نہیں ہو سکتا۔

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ (النور ۷ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۴۵۲ھ)

(۱) وفي البدائع وغيرها قال أبو حنيفة لا ينبغي أن يصلي على ميت بين القبور

وإن صلو أجزأهم لماروي أنهم صلوا على عائشة وأم سلمة بين مقابر البقيع. (حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ۹۵)

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنن الدفن، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۶۵۔

(۲) إن من العذر ماجرت به العادة في بلادنا من الصلاة عليها في المسجد لتعذر غيره ←

روحوں کا شب جمعہ میں گھر آنے کی بات کہاں تک صحیح ہے؟

سوال (۷۵۳): قدیم ۱/۶۸- فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص: ۹۸ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مردوں کی روحیں شب جمعہ میں گھر نہیں آتیں یہ روایت غلط ہے اور اس کے خلاف نورالصدور ص ۱۶۸ پر بروایت ابو ہریرہؓ بایں فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ شب جمعہ کو مومنوں کی روحیں اپنے اپنے مکانون کے مقابل کھڑی ہو کر پکارتی ہیں کہ ہم کو کچھ دو اور ہر روح ہزار مردوں اور عورتوں کو پکارتی ہے روایت کیا اس حدیث کو شیخ ابن الحسن بن علی نے اپنی کتاب میں اب عرض یہ ہے کہ صحیح معاملہ شرعاً کیا ہے؟

الجواب: اول تو اس کی سند قابل تحقیق ہے۔ دوسرے بر تقدیر ثبوت مقید ہے اذن کیساتھ اور حکم نفی دعویٰ عموم کے تقدیر پر ہے پس دونوں میں تعارض نہیں۔ (۱)

۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ (النور ص: ۹، ماہ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ)

← أو تعسره بسبب اندراس المواضع التي كانت يصلی عليها فيها وإذا ضاق الأمر اتسع .
(شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب مهم إذا قال إن شتمت فلانا في المسجد الخ،
مکتبہ زکریا دیوبند ۳/ ۱۲۹، کراچی ۲/ ۲۲۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) یہ مسئلہ بہت زیادہ قابل توجہ ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے امداد المفتیین ترتیب جدید مکتبہ دارالاشاعت کراچی ص: ۱۲۱ تا ۱۲۲ میں عمر و بکر کے معارضاتی سوال کے جواب میں کافی لمبا جواب تحریر فرمایا ہے، وہ تمام روایات بھی اس میں ہیں جن میں اس بات کو ثابت کیا جاتا ہے کہ مردوں کی روحیں شب جمعہ، یوم عاشوراء، یوم عید وغیرہ میں اپنے گھر آکر سوالات کرتی ہیں۔

اور فتاویٰ دارالعلوم جدید ۲۵۹/۵ میں اس کی تردید ہے اور حضرت مولانا عبدالحیؒ کی بات کی تائید ہے فتاویٰ محمودیہ جدید ڈبھیل ۱/ ۶۰۶، میرٹھ ۳/ ۳۵۶ میں سائل نے سوال کیا کہ امداد المفتیین میں بکر نے جو حدیثیں اس کے ثبوت میں پیش کی ہیں وہ صحیح ہیں یا نہیں؟ تو حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن گنگوہی علیہ الرحمہ نے جواب دیا، وہ روایات اس پایہ کی نہیں کہ اس سے کسی ضروری مسئلہ اثبات کیا جاسکے، آگے حضرت اپنی طرف سے جواب میں یہ الفاظ لکھتے ہیں: ←

رات میں دفن کرنے کا حکم

سوال (۷۵۴): قدیم ۱/۷۸- حضرت والا کیا فرماتے ہیں اس حدیث کے متعلق جو حسب ذیل موجود ہے:

لا تدفنوا موتاكم باللیل إلا أن تضطروا. (۱)

← میت کے انتقال کے بعد اپنے گھر والوں اور متعلقین سے کچھ امیدیں وابستہ ہوتی ہیں اور وہ متعلقین سے امیدوار رہتی ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ وہ امید اور تعلق ہی لوگوں کو مثل ہو کر ظاہر ہو جاتے ہیں، مثلاً یہ کہ روح دروازہ پر کھڑی ہے کھانا مانگتی ہے اور ضروریات طلب کرتی ہے یہ حقیقت نہیں ہوتی؛ بلکہ تمثل ہوتا ہے؛ کیونکہ ارواح کو اس عالم میں دنیاوی ضرورت کی نہ تو حاجت ہوتی ہے اور نہ ہی یہ چیزیں ان کے لئے وہاں مفید ہو سکتی ہیں، یہی وجہ سے کہ ایصالِ ثواب کے طور پر جو چیزیں میت کی روح کو بخشی جاتی ہیں وہ بھی اس کو اصلی صورت میں نہیں؛ بلکہ اخروی نعمتوں کی صورت میں مشکل ہو کر پیش ہوتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱/۶۰، میرٹھ ۳/۳۵)

اب حضرت والا تھانویؒ نے اشرف الجواب میں جو تحریر فرمایا ہے وہ ملاحظہ فرمائیے حضرت فرماتے ہیں:

اگر تعم میں مردہ ہے تو اسے یہاں آ کر لیتے پھر نے کی ضرورت کیا ہے؟ اور اگر معذب ہے تو فرشتگان عذاب کیونکر چھوڑ سکتے ہیں کہ وہ دوسروں کو پلٹا پھرے، اشرف الجواب مکتبہ دار الکتب دیوبند ۲/۱۵۶، جواب: ۳۰/۱ اس سے معلوم ہوا کہ حضرتؒ اس کی تردید فرماتے ہیں، فتاویٰ رشیدیہ میں حضرت گنگوہیؒ نے تین جواب لکھے ہیں تینوں میں صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ مردوں کی روحوں کے گھر پر آنے کی روایتیں واہیہ ہیں اس پر عقیدہ ہرگز نہیں کرنا چاہئے قدیم زکریا بکڈ پو ۲۴۸/۱ اس جواب پر حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ مدرس دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ اور مولانا احمد ہزارویؒ، مفتی عزیز الرحمن دیوبندیؒ، مولانا عبداللہ انصاریؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا ابوالکلامؒ، محمد اسحاق فرخ آبادیؒ وغیرہم کے دستخطیں ثبت ہیں۔

دوسرے جواب میں لکھتے ہیں کہ شب جمعہ اپنے گھر نہیں آتیں روایت غلط ہے فتاویٰ رشیدیہ دارالکتب دیوبند ص: ۲۴۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الأوقات التي یصلی فیہا علی المیت،

حدیث ابن ماجہ کتاب الجنائز ص: ۱۱۰ / باب ماجاء في الأوقات التي لا يصلى فيها على الميت ولا يدفن۔

اس حدیث کی رو سے میت کو رات میں دفنانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے لیکن موجودہ زمانہ میں کسی مقام پر بھی رات میں میت کو نہ دفنانا رائج نہیں اور نہ کسی علماء کرام سے سنا گیا کیا اس حدیث کو عمل میں لایا جائے یا نہیں؟ اور فتاویٰ عالمگیری کی غالبیہ عبارت ہے لا باس بہ۔

۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ

الجواب: الحديث المذكور في السؤال ضعيف بإبراهيم بن يزيد نعم روى مسلم عن جابر (۱) بن عبد الله أن النبي صلى الله عليه وسلم خطب يوما فذكر رجلا من أصحابه قبض فكفن في كفن غير طائل وقبر ليلا فزجر النبي صلى الله عليه وسلم أن يقبر الرجل بالليل حتى يصلى عليه إلا أن يضطر إنسان إلى ذلك وقال النبي صلى الله عليه وسلم إذا كفن أحدكم أخاه فليحسن كفنه.

قال النووي: (۲) قوله صلى الله عليه وسلم حتى يصلى عليه هو بفتح اللام

الجواب: سوال میں ذکر کردہ حدیث ابراہیم بن یزید کی وجہ سے ضعیف ہے، ہاں البتہ امام مسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا، اور آپ نے اپنے صحابہ میں سے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جن کا انتقال ہو چکا تھا اور انہیں معمولی کفن دیا گیا تھا، اور رات میں دفن کر دیا گیا تھا، تو آپ علیہ السلام نے کسی بھی شخص کو رات میں دفن کرنے سے ڈانٹا یہاں تک کہ اس کی نماز پڑھ لی جائے، مگر یہ کہ کوئی شخص (کوئی میت) اس کی جانب مجبور ہو اور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن دے تو اسے اچھا کفن دے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کا ارشاد ”حتیٰ یصلیٰ علیہ“ لام کے فتح کے ساتھ ہے،

(۱) مسلم شریف، کتاب الجنائز، باب في تحسين كفن الميت ۳۰۶/۱، رقم: ۹۴۳۔

(۲) شرح النووي علی المسلم، کتاب الجنائز، باب في تحسين كفن الميت ۳۰۶/۱۔ ←

 وأما النهی عن القبر لیلاً حتی یصلی علیه فقیل سببه أن الدفن نهاراً یحضره
 كثیرون من الناس ویصلون علیه ولا یحضره فی اللیل إلا أفراد. وقیل: لأنهم كانوا
 یفعلون ذلك باللیل لرداءة الکفن فلا یبین باللیل ویویده أول الحدیث وأخره.

قال القاضی: العلتان صحیحتان، قال والظاهر أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 قصد هماماً، قال: وقد قیل: هذا قوله صلی اللہ علیہ وسلم إلا أن یضطّر إنسان إلى
 ذلك دلیل أنه لا بأس فی وقت الضرورة وقد اختلف العلماء فی الدفن باللیل
 فکرمه الحسن البصری إلا بضرورة وهذا الحدیث مما یتستدل له به.

وقال جما هیر العلماء من السلف والخلف: لا یکرهوا استدلوأ بأن أبابکر
 الصدیقؓ وجماعة من السلف دفنوا لیلاً من غیر إنکار وبحدیث المرأة السوداء
 أو الرجل الذی یقُم المسجد توفي باللیل فدفنوه لیلاً.

← رہارات میں دفن کرنے سے ممانعت یہاں تک کہ اس کی نماز پڑھ لی جائے تو ایک قول یہ ہے کہ اس کا سبب
 یہ ہے کہ دن میں دفن کرنے کی صورت میں کافی لوگ شریک ہوتے اور نماز پڑھتے ہیں اور رات میں چند افراد ہی
 حاضر ہوتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ لوگ کفن کے گھٹیا ہونیکے وجہ سے رات میں کفن دفن کیا کرتے تھے؛ چنانچہ
 رات میں پتہ نہیں چل پاتا تھا اس قول کی تائید حدیث کے پہلے حصہ سے بھی ہوتی ہے اور آخری حصے سے بھی۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ دونوں علتیں صحیح ہیں، نیز فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ
 وسلم نے دونوں علتوں کا قصد فرمایا ہے امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ایک قول یہ بھی ہے اور آپ علیہ السلام کا ارشاد
 ”إلا أن یضطّر إنسان إلى ذلك“ اس بات کی دلیل ہے کہ ضرورت کے وقت اس میں کوئی حرج نہیں
 ہے اور رات میں دفن کے سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے؛ چنانچہ حسن بصریؒ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے،
 مگر ضرورت کی وجہ سے، اور اس حدیث سے اس کے قول پر استدلال کیا جاتا ہے۔

اور جمہور علماء سلف وخلف فرماتے ہیں کہ مکروہ نہیں اور یہ دلیل دیتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور سلف کی
 ایک جماعت کو بغیر نکیر کے رات میں دفن کیا گیا، نیز امراءۃ سوداء یا مسجد میں جھاڑو دینے والے شخص کی حدیث سے
 بھی استدلال کرتے ہیں جن کا رات میں انتقال ہو گیا تھا اور رات ہی میں صحابہ نے انہیں دفن کر دیا تھا ←

وسألهم النبي صلى الله عليه وسلم عنه فقالوا فتوفي ليلاً فدفناه في الليل فقال ألا اذنتموني، قالوا: كانت ظلمة ولم ينكر عليهم وأجابوا عن هذا الحديث أن النهي كان لترك الصلوة ولم ينهه عن مجرد الدفن بالليل وإنما نهى لترك الصلوة أو لقلّة المصلين أو عن إساءة الكفن أو عن المجموع كما سبق. اه وقال المحشي: قوله: حتى يصلي عليه الخ قال الإمام النووي: يصلي هو بفتح اللام. وقال الشيخ ابن حجر: (۱) في شرح صحيح البخاري قوله يصلي عليه هو مضبوط بكسر اللام أي يصلي النبي صلى الله عليه وسلم فهذا سبب آخر للنهي غير سبب عدم تحسين الكفن يقتضي أنه إن رجي بتأخير الميit إلى الصباح صلوة من ترجى بركته عليه استحب تأخيرها وإلا فلا وبه جزم الطحاوي. اه

← اور آپ علیہ السلام نے صحابہ سے ان کے متعلق دریافت کیا تھا تو صحابہ نے کہا تھا کہ رات کو ان کا انتقال ہو گیا تھا، تو ہم نے رات کو ہی دفن کر دیا تھا، تو آپ نے فرمایا تھا کہ تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی؟ صحابہ نے عرض کیا تاریکی کا وقت تھا، تو آپ نے ان پر کوئی نکیر نہیں فرمائی اور جمہور نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ ممانعت ترک صلاۃ کی وجہ سے تھی، اور آپ نے مطلقاً رات میں دفن کرنے سے منع نہیں فرمایا ہے، آپ نے تو ترک صلاۃ کی وجہ سے یا قلت مصلین کی وجہ سے یا گھٹیا کفن کی وجہ سے یا ان سب باتوں کی وجہ سے منع فرمایا ہے جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔

منشی فرماتے ہیں ”قوله حتى يصلي عليه“ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ”يصلي“ لام کے فتح کیساتھ ہے اور حافظ ابن حجر صحیح بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ”يصلي عليه“ لام کے کسرہ ساتھ ضبط کیا گیا ہے یعنی یہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ لیں، تو اچھا کفن نہ دینے کے علاوہ ممانعت کی یہ دوسری وجہ اس بات کا تقاضہ کرتی ہے، اگر میت کو صبح تک مؤخر کرنے کی صورت میں اس شخص کے نماز پڑھنے کی امید ہو جس کی برکت اس میت کو حاصل ہو سکتی ہو تو نماز کو مؤخر کرنا مستحب ہے ورنہ نہیں، امام طحاویؒ نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔

قلت وقد دفن (مبنیاً للفاعل) النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل كما فی جمع الفوائد عن الترمذی (۱) أنه صلی اللہ علیہ وسلم دخل قبراً لیللاً فأسرج له سراج فأخذه من قبل القبلة معترضا وقال رحمک اللہ إن كنت لا وَاها تلاً للقرآن فکبر علیہ أربعاً.

وأيضا قد دفن (مبنیاً للمفعول) النبی ﷺ باللیل كما فی جمع الفوائد (۲) عن القزوينی أنه دفن صلی اللہ ﷺ وسط اللیل من لیلة الأربعاء الحديث.

وكان كل ذلك دليلاً فعلياً على الجواز والدليل القولي عليه بل على كراهة انتظار النهار بلا ضرورة ما فی جمع الفوائد. عن أبي داود (۳) أن طلحة بن البراء لما مرض أتاه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يعوده، فقال: لا أراه إلا قد حدث به الموت فأذنوني به وعجلوا فإنه لا ينبغي لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهيري أهله وبذلك كله.

میں کہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رات میں دفن کیا ہے جیسا کہ جمع الفوائد میں ترمذی سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو قبر میں داخل ہوئے تو آپ کے لئے چراغ جلایا گیا، پھر آپ نے میت کو قبلہ کی طرف سے اڑے ہو کر پکڑا اور فرمایا کہ اللہ تجھ پر رحم کرے تو بہت اللہ سے لو لگانے والا تھا، قرآن کی بہت تلاوت کرنے والا تھا، پھر آپ نے اس پر چار تکبیریں کہیں۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کورات میں دفن کیا گیا جیسا کہ جمع الفوائد میں ابن ماجہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بدھ کو درمیان شب دفن کیا گیا۔ یہ سب جواز کی فعلی دلیلیں تھیں اور اس سلسلے میں قولی دلیل بلکہ بلا ضرورت دن نکلنے کے انتظار کے مکروہ ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو جمع الفوائد میں ابوداؤد سے منقول ہے کہ جب طلحہ بن البراء بیمار ہوئے، تو آپ ﷺ ان کی عیادت کرنے آئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ ان کی موت کا وقت آچکا ہے کہ کسی مسلمان کی لغش کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اسے اس کے گھر والوں کے بیچ روکے رکھا جائے۔

(۱) ترمذی شریف، کتاب الجنائز، باب ما جاء في الدفن باللیل ۲۰۴/۱، رقم: ۱۰۵۷۔

(۲) جمع الفوائد، کتاب الجنائز، باب مرض النبی وموته، وغسله، وكفنه، دفنه، مكتبة

مجمع الشيخ زكريا سهارن پور ۳۴۲/۲، رقم: ۱۹۱۶۔

(۳) سنن أبي داود، کتاب الجنائز، باب تعجيل الجنازة، النسخة الهندية ۴۵۰/۲،

قال فقهاءنا: كما في رد المحتار (۱): وكره تأخير صلاته ودفنه ليصلى عليه

جمع عظيم بعد صلوة الجمعة. وفي الدر المختار (۲): لا يكره الدفن ليلاً. ۱۵

۲۲/ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ (النور ۱۰ اشوال ۱۳۵۴ھ)

ان ہی سب باتوں کے ہمارے فقہاء قائل ہیں جیسا کہ رد المحتار میں ہے، میت کی نماز جنازہ اور اس کے دفن کو مؤخر کرنا تاکہ نماز جمعہ کے بعد بڑی تعداد میں شریک ہو سکے مکروہ ہے اور در مختار میں ہے کہ رات میں دفن کرنا مکروہ ہے۔

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۱۴۶،

کراچی ۲/ ۲۳۹۔

يكره تاخير الصلاة ودفنه ليصلى عليه الجمع العظيم. (البحر الرائق،

كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۳۵،

کوئٹہ ۲/ ۱۹۱)

ولو مات يوم الجمعة يكره تأخيره ليصلى عليه بجمع عظيم بعدها.

(النهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۴۰۰)

(۲) الدر المختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبة

زكريا ديوبند ۳/ ۱۵۵، کراچی ۲/ ۲۴۵۔

ولا يكره الدفن ليلاً. (الدر المنتقى على المجموع الأنهر، كتاب الصلاة،

باب صلاة الجنازة، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۷۷)

وفي الجوهرة: لا بأس بذلك لأن النبي صلى الله عليه وسلم دفن ليلة

أربعاً وعثمان، وفاطمة، وعائشة رضي الله عنهم دفنوا ليلاً. (حاشية

الطحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في حملها ودفنها، مكتبة

دار الكتاب ديوبند ص: ۶۱۳)

ایصال ثواب کا طریقہ

سوال (۷۵۵): قدیم ۱/۷۷۰۔ ایصال ثواب دختر متوفاه میں آنحضرت ﷺ کو بھی شریک کیا جاوے یا بلا شرکت صرف متوفاه کا نام لیا جاوے اور درود شریف اول و آخر پڑھا جاوے جو نسا طریقہ افضل ہو اُس سے حضرت مطلع فرمادیں مثلاً یسین شریف پڑھ کر یہ کہا جاوے کہ اسکا ثواب آنحضرت ﷺ مع اصحاب کو پہنچے اور متوفاه کو پہنچے (۲) ایصال ثواب بلا شرکت یا بالافراد (۳) اور مردہ کو جو ثواب پہنچتا ہے بلا شرکت ﷺ وہ مردہ اُس ثواب کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا ہے جیسا کہ ہر شتہ مکتوب ملفوف میں لکھا ہے یہ حدیث سے ثابت ہے یا حضرت مجدد کا محض کشف ہے؟ بنیو اتو جروا

الجواب: مکتوبات کے متعلق جو تحقیق ذیل میں آتی ہے اُس سے سب سوالوں کا جواب ہو جاوے گا۔

نقل مکتوب

از مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی دفتر سوم (مکتوب ۲۸) اس بیان میں کہ مردوں کے ارواح کو صدقہ کرنے کی کیفیت کیا ہے ملا صالح ترک کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ ایک دن خیال آیا کہ اپنے قریبی رشتہ دار مردوں میں سے بعض کی روحانیت کے لئے صدقہ کیا جائے۔ اس اثنا میں ظاہر ہوا کہ اس نیت سے اس میت مرحوم کو خوشی حاصل ہوئی اور خوش و خرم نظر آئی جب اس صدقہ کے دینے کا وقت آیا پہلے حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اس صدقہ کی نیت کی جیسی کہ عادت تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بعد ازاں اس میت کی روحانیت کی واسطے نیت کر کے دیدیا اس وقت اس میت میں ناخوشی اور اندوہ محسوس ہوا اور کلفت و کدورت ظاہر ہوئی۔ اس حال سے بہت متعجب ہوا اور ناخوشی اور کلفت کی کوئی وجہ ظاہر نہ ہوئی۔ حالانکہ محسوس ہوا کہ اس صدقہ سے بہت برکتیں اس میت کو پہنچی ہیں لیکن خوشی اور سرور اس میں ظاہر نہیں ہوا۔

اسی طرح ایک دن کچھ نقدی آنحضرت ﷺ کی نذر کی اور اس نذر میں تمام انبیاء کرام کو بھی داخل کیا اور اُن کو آنحضرت ﷺ کا طفیلی بنایا۔ اس امر میں آنحضرت ﷺ کی مرضی و رضا مندی معلوم ہوئی، اسی طرح بعض اوقات جو میں درود بھیجتا تھا اگر اسی مرتبہ میں تمام انبیاء پر بھی درود بھیجتا تھا تو اس میں آنحضرت ﷺ کی مرضی ظاہر نہ ہوتی حالانکہ معلوم ہو چکا ہے کہ اگر ایک کی روحانیت کے لئے صدقہ کر کے تمام مومنوں کو شریک کر لیں تو سب کو پہنچ جاتا ہے اور اس شخص کے اجر سے کہ جس کی نیت پر دیا جاتا ہے کچھ کم نہیں ہوتا۔ ان ربک واسع المغفرة بے شک رب تیرا بڑی بخشش والا ہے اس صورت میں ناخوشی اور ناراضگی کی وجہ کیا ہے مدت تک یہ مشکل بات دل میں کھٹکتی رہی آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوا کہ ناخوشی اور کلفت کی وجہ یہ ہے کہ اگر صدقہ بغیر شرکت کے مُردہ کے نام پر دیا جائے تو وہ مُردہ اپنی طرف سے اس صدقہ کو تحفہ اور ہدیہ کے طور پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے جائے گا اور اسکے وسیلہ سے برکات و فیوض حاصل کریگا اور اگر صدقہ دینے والا خود آنحضرت ﷺ کی نیت کریگا تو میت کو کیا نفع ہوگا شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو میت کو صرف اُسی صدقہ کا ثواب ملے گا اور عدم شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو اس صدقہ کا ثواب بھی ملے گا اور اس صدقہ کے تحفہ اور ہدیہ کرنے کے فیوض و برکات بھی حبیب رب العلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے پائے گا اسی طرح ہر شخص کے لئے کہ جس کو شریک کریں یہی نیت موجود ہے کہ شرکت میں ایک درجہ ثواب ہے اور عدم شرکت میں دو درجہ کہ اس کو مردہ اپنی طرف سے اس کے پیش کر سکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدیہ و تحفہ جو کوئی غریب کسی بزرگ کی خدمت میں لیجائے بغیر کسی شراکت کے اگر چہ طفیلی ہو تو اس کا تحفہ خود پیش کرنا بہتر ہے یا شرکت کے ساتھ کچھ شک نہیں کہ بغیر شرکت کے بہتر ہے اور وہ بزرگ اپنے بھائیوں کو اپنے پاس سے دیدے تو اس بات سے بہتر ہے کہ یہ شخص بے فائدہ دوسروں کو داخل کرے۔ اور آل و اصحاب جو آنحضرت ﷺ کے عیال کی طرح ہیں ان کو جو طفیلی بنا کر آنحضرت ﷺ کے ہدیہ میں داخل کیا جاتا ہے پسندیدہ اور مقبول نظر آتا ہے ہاں متعارف ہے کہ ہدایات مرسولہ میں اگر کسی بزرگ کے ساتھ اس کے ہمسر و شریک کریں تو اس کے ادب و رضا مندی سے دور معلوم ہوتا ہے اور اس کے خادموں کو طفیلی بنا کر ہدیہ بھیجیں تو اس کو پسند آتا ہے کیونکہ خادموں کی عزت اسی کی عزت ہے۔

پس معلوم ہوا کہ زیادہ تر مردوں کی رضامندی صدقہ کے افراد میں ہے نہ صدقہ کے اشتراک میں لیکن چاہئے کہ جب میت کے لئے صدقہ کی نیت کریں تو اول آنحضرت ﷺ کی نیت پر ہدیہ جدا کر لیں۔ بعد ازاں اس میت کے لئے صدقہ کریں کیونکہ آنحضرت ﷺ کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بڑھ کر ہیں اس صورت میں آنحضرت ﷺ کے طفیل اس صدقہ کے قبول ہونے کا بھی احتمال ہے۔ یہ فقیر مردوں کے بعض صدقات میں جب نیت کے درست کرنے کے لئے اپنے آپ کو عاجز معلوم کرتا ہے تو اس سے بہتر علاج کوئی نہیں جانتا کہ اس صدقہ کو آنحضرت ﷺ کی نیت پر مقرر کر دے اور اس نیت کو ان کا طفیلی بنائے امید ہے کہ ان کے وسیلہ کی برکت سے قبول ہو جائے گا۔ علماء نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا درود اگر ریا و سمعہ سے بھی ادا کیا جائے تو مقبول ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے اگرچہ اس کا ثواب درود بھیجنے والے کو نہ ملے کیونکہ اعمال کا ثواب نیت کے درست کرنے پر موقوف ہے اور آنحضرت ﷺ کے قبول کے لئے جو مقبول و محبوب ہیں بہانہ ہی کافی ہے۔ آیت کریمہ وکان فضل اللہ علیک عظیماً، آنحضرت ﷺ کی شان میں نازل ہوئی۔ علیہ وعلى الہ الصلوٰۃ وعلى جمیع أَعوانہ الکرام من الأنبیاء والعلماء العظام إلی یوم القیام۔

تحقیق متعلق مکتوب

اس مکتوب کے مضمون کی بناء کوئی منقول نہیں غایت مافی الباب ایک کشف ہو سکتا ہے اور وہ بھی صرف اول کا حصہ یعنی شرکت میں سرور نہ ہونا۔ باقی آخر کا حصہ یعنی ناخوشی کی وجہ یہ محض ذوق معلوم ہوتا ہے جو اصطلاحی کشف نہیں اور اگر اس میں داخل بھی ہو ایسے واقعات میں بالکل ادنیٰ درجہ کا کشف ہو اور کشف کسی درجہ کا بھی حجت نہیں! بالخصوص غیر صاحب کشف کے لئے اس کی رعایت و اتباع کسی درجہ میں بھی مطلوب نہیں خصوصاً جب ذوق بھی ذوق کو نہ لگے کیونکہ ہدیہ پیش کرنا شرکت میں بھی ممکن ہے اپنا حصہ پیش کر سکتے ہیں۔ اگر عدم سرور کے انکشاف کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اُس کی بناء غالباً دوسری ہے اور وہ موقوف ہے ایک مقدمہ پر وہ یہ ہے کہ بعض امور طبعیہ بعد وفات بھی باقی رہتے ہیں۔

چنانچہ حدیث عروج روح اور دوسری ارواح کا استقبال اور اُن کا اُس سے متعلقین کا حال پوچھنا اور پھر کسی روح کا یہ کہنا کہ ذرا اُس کو دم لینے دو یہ سب دلیل ہے اس دعویٰ کی جب یہ مقدمہ معلوم ہو گیا تو سمجھئے کہ یہ امر طبعی ہے کہ کوئی چیز بڑے اور چھوٹے کو شرکت میں دی جاوے تو چھوٹا آدمی اس کی تقسیم میں شرماتا ہے اسی طرح وہاں ممکن ہے اسی طرح بڑا شخص اگر دوسرے شرکاء کا احترام بڑوں کا سا کرتا ہو وہ بھی ان کو اپنا طفیلی بناتا ہوا شرماتا ہے اور جن کے ساتھ تعلق خادمیت و مخدومیت جیسا ہے جیسے اپنے اتباع ان کے طفیلی بنانے سے بھی نہیں شرماتا مگر ہنوز اس امر طبعی کا وقوع برزخ میں خود ثابت نہیں اس لئے میرے نزدیک ایسے امور کسی درجہ میں بھی لحاظ کے قابل نہیں۔ پس جس طرح دل چاہے ایصال کرے خواہ کسی عزیز کو ایصال ثواب کرنے کے وقت حضور ﷺ کو شریک کرے یا نہ کرے۔ اور درود شریف دعاء کے آداب سے ہے تلاوت کے آداب سے نہیں اور ایصال ثواب کی کسی صورت کی ترجیح دوسری صورت پر دلیل سے ثابت نہیں اور نہ یہ کہیں ثابت ہے کہ مردہ اپنا ثواب حضور ﷺ کے حضور میں پیش کرتا ہے اس سے سب سوالات کا جواب ہو گیا۔

۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ (النور ۷ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ)

ایصال ثواب کا طریقہ

سوال (۷۵۶): قدیم/۱۳۷۷- کوئی عمل خیر کر کے اس کا ثواب مردوں کو بخشا جس کو عرف عام میں ایصال ثواب کہا جاتا ہے اس کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے یا نہیں؟ اور اس کا کوئی دستور رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں عہد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو کیا تھا؟

الجواب: کہیں نظر سے نہیں گزرا البتہ فقہاء نے اس سے تعرض فرمایا ہے چنانچہ علامہ شامیؒ نے درمختار کی بحث زیارة القبور تحت قول ویقرأ یسین شرح اللباب سے نقل کیا ہے۔

ویقرأ (۱) من القرآن ما تيسر له إلى قوله ثم يقول اللهم أوصل ثواب ما قرأناه إلى فلان أو إليهم. اه ص ۹۲۳ ج ۱

اس کی ایسی نظیر ہے جیسے نماز کی لفظی نیت سلف سے منقول نہیں مگر فقہاء نے اس کو مستحسن کہا ہے (۱) اسی طرح اس کا حکم بھی ہے بس یہ صیغہ ضروری ہے نہ بدعت ہے۔ واللہ اعلم

۱۲ شعبان ۱۳۵۴ھ (النور ۷ شوال ۱۳۵۵ھ)

ایصال ثواب کے لئے کوئی خاص دن متعین کرنا

سوال (۷۷۷): قدیم ۱/۷۷۷- سال کے اکثر حصوں میں بزرگوں کی ارواح کے ایصال ثواب کے لئے لوگوں کو جمع کر کے بلا کسی خاص انتظام و اوقات متعینہ کے قرآن شریف پڑھا جاوے تو جائز ہے تو اپنے دوست و احباب کو شمولیت کے لئے کہنا کیسا ہے؟

← فَإِنْ مِنْ صَامٍ أَوْ صَالِيٍّ أَوْ تَصَدَّقَ وَجَعَلَ ثَوَابَهُ لغيره من الأموات والإحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۰۵، كوئٹہ ۳/۵۹)

عن أبي هريرة ^{رض} قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الكتاب وقل هو الله أحد وألهاكم التكاثر، ثم قال: اللهم إني قد جعلت ثواب ما قرأت من كلامك لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات، كانوا شفعاء له إلى الله تعالى. (إعلاء السنن، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور الخ، مكتبة اشرفية ديوبند ۳/۴۳، دار الكتب العلمية بيروت ۳۳۱/۸)

(۱) والتلفظ عند الإرادة بها مستحب هو المختار..... إذ لم ينقل عن المصطفى ولا الصحابة ولا التابعين. (الدر المختار على الشامى، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، بحث النية، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۹۲، كراچی ۱/۴۱۵-۴۱۶)

وقد اختلف كلام المشايخ في التلفظ باللسان فذكر في منية المصلي أنه مستحب وهو المختار وصححه في المجتبى. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۸۳، كوئٹہ ۱/۲۷۷)

الجواب: یہ تداعی ہے غیر مقصود کے لئے جو بدعت اور مکروہ ہے۔ (۱)

۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ (النور ص ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ)

خواب کی وجہ سے کسی میت کو اس کی قبر سے منتقل کرنا جائز نہیں

سوال (۷۵۸): قدیم ۷۴/۱۔ یہاں پر ایک مدرس صاحب نے ایک عرصہ ہوا خواب دیکھا تھا اس خواب کا مختصر استفسار طلب مضمون پیش کر کے طالب جواب ہوں۔ وہ خواب یہ ہے ان کی والدہ مرحومہ خواب میں اپنے بیٹے سے فرماتی ہیں کہ تم میری قبر برکت علی کی والدہ کے پاس کر دو یہاں پر میری قبر کے پاس سے سانپ بکثرت نکل کر میرے قریب کی قبر میں جاتے ہیں مجھے وہ سانپ ستاتے نہیں تو کیا معذب مردہ کی قریب و جار کی مردہ مامون و محفوظ کو اطلاع ہوتی ہے مشاہدہ ہوتا ہے صورت مشاہدہ عذاب میں تو عیش آرام مکدر ہو جاتا ہے یہ بھی ایک عذاب ہے؟

الجواب: خواب خود حجۃ شرعیہ نہیں (۲) خصوص جب خلاف شرع ہو۔

(۱) ویکرہ اتخاذ الدعوة لقراءة القرآن..... وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص الخ. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل الميت، مکتبۃ زکریا دیوبند ۱/۳، ۱۴۸، کراچی ۲/۲۴۰)

حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة، قبیل فصل فی زیارة القبور، مکتبۃ دارالکتاب دیوبند ص: ۶۱۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) ذکر الشوکانی فی ذلک ثلاثة أقوال الثاني: أنه لا يكون حجة ولا يثبت به حکم شرعی لأن رواية النبي صلى الله عليه وسلم وإن كانت رؤيا حق وأن الشيطان لا يتمثل به؛ لكن النائم ليس من أهل التحمل للرواية لعدم حفظه..... الثالث: أنه يعمل بذلك ما لم يخالف شرعاً ثابتاً. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۱/۲۲)

والإلهام المفسر بإلقاء معنى في القلب بطريق الفيض ليس من أسباب المعرفة بصحة الشيء عند أهل الحق. (شرح العقائد، مکتبۃ نعیمیۃ دیوبند ص: ۲۲) ←

اور بلا ضرورت شرعیہ مردہ کا قبر سے نکالنا خود ناجائز ہے (۱) تو جس خواب میں اس کی تعلیم ہو وہ خواب خود باطل ہے اور مردے ان قبروں میں تھوڑا ہی رہتے ہیں جو حساً متلاًصق ہیں وہ تو عالم برزخ میں ہیں جس میں معذب اور ناجی کا موطن جدا جدا ہے ایک کا اثر دوسرے کو نہیں پہنچتا۔ (۲)

۱۰/۵۴۲ جلد اول (النور ص ۷ رجب الثانی ۵۵ھ)

← قال الملا علي القاري تحت قوله: (في المنام فقد رأني) أي فكأنه رأني في عالم الشهود والنظام؛ لكن لا يبتني عليه الأحكام ليصير به من الصحابة، وليعمل بما سمع به في تلك الحالة كما هو مقرر في محله. (مراجعة المفاتيح، كتاب الرؤيا، مكتبة امدادية ملتان ۹/ ۲۴)

(۱) ولا ينبغي إخراج الميت من القبر بعد ما دفن. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۶۷، جديد ۱/ ۳۲۸)

قوله: "لا يخرج من القبر إلا أن تكون الأرض مغضوبة" أي بعدما أهيل التراب عليه لا يجوز إخراجه بغير ضرورة للنهي الوارد عن نبشه وصرحوا بحرمته. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۴۱، كوئٹہ ۲/ ۱۹۵)

وأما نقله بعد دفنه فلا مطلقاً. (الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۱۴۶، کراچی ۲/ ۲۳۹)

وبعد ما دفن لا يسع إخراجه بعد مدة طويلة أو قصيرة إلا بعذر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر في الخطأ الذي يقع في الباب، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۸۲، رقم: ۳۷۶۹)

ولا يخرج من القبر يعني لا يخرج الميت من القبر بعد ما أهيل عليه التراب للنهي الوارد عن نبشه. (تبيين الحائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۵۸۸)

(۲) إن مقرر أرواح المؤمنين في عليين أو في السماء السابعة ونحو ذلك كما مر و مقرر أرواح الكفار في سجين ومع ذلك لكل روح منها اتصال لجسده في قبره لا يدرك كنهه إلا الله تعالى!

(تفسير مظہری، تحت قوله تعالى وما أدراك ما عليون، مكتبة زكريا ديوبند ۱۰/ ۲۲۵) ←

مسلم یا غیر مسلم ولد الزنا پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

سوال (۷۵۹): قدیم ۱/۷۷- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ ولد الزنا من مسلم وکافر نصرانیہ بچپن میں مر جائے تو اس بچہ کی تجہیز و تکفین و صلوة جنازہ مسلمانوں کی طرح کی جائے گی اور اپنی تائید میں علامہ شامیؒ کی تقریر شامی جلد ثانی ص ۵۴۸ باب نکاح الکافر پیش کرتا ہے جو حسب ذیل ہے۔

(والولد يتبع خیر الأبوين دینا) تنبیہ: یشعر التعبیر بالأبوين إخراج ولد الزنا، ورأیت فی فتاویٰ الشہاب السلبی، قال: واقعة الفتوى في زماننا مسلم زنی بنصرانیة فاتت بولد فهل يكون مسلماً أجب بعض الشافعية بعدمه وبعضهم بإسلامه وذكر أن السبكي نص عليه وهو غير ظاهر. فإن الشارع قطع نسب ولد الزنا وبنته من الزاني تحل له عندهم فكيف يكون مسلماً وأفتى القاضي القضاة الحنبلي بإسلامه أيضاً وتوقفت عن الكتابة، فإنه وإن كان مقطوع النسب عن أبيه حتى لا يرثه فقد صرحوا عندنا بأن بنته من الزنا لا تحل له وبأنه لا يدفع زكاته لابنه من الزنا ولا تقبل شهادته له والذي يقوى عندي أنه لا يحكم بإسلامه على مقتضى مذهبنَا.

← وروي ناس عن ابن عباس قال: إن أرواح الفجار وأعمالهم لفي سجين وعن كعب الأحمال في هذه الآية قال: إن أرواح الفاجر إذا قبضت يصعد بها إلى السماء فتأبى السماء أن تقبلها، ثم يهبط بها إلى الأرض، فتأبى الأرض أن تقبلها فتدخل في سبع أرضين حتى ينتهي بها إلى سجين إن روح المؤمن إذا قبضت صعد بها إلى السماء وفتحت لها أبواب السماء وتلقتها الملائكة بالبشرى، ثم يخرجون معها حتى ينتهوا إلى العرش الخ. (تفسير قرطبي، تحت قوله تعالى كلاً إن كتاب الفجار لفي سجين، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۱۹/ ۱۶۸- ۱۷۲)

 وإنما اثبتوا الأحكام المذكورة احتياطاً نظر الحقيقة الجزئية بينهما اه قلت يظهر
 في الحكم بالإسلام للحديث الصحيح كل مولود يولد على الفطرة حتى يكون أبواهما
 اللذان يهودانه أو ينصرانه فافهم.

قالوا: إنه جعل اتفاهما ناقلاً له من الفطرة فإذا لم يتفقا بقي على أصل الفطرة
 أو على ما هو أقرب إليها حتى لو كان أحدهما مجوسياً والآخر كتابياً فهو كتابي وهنا
 ليس له أبوان متفقان فيبقى على الفطرة ولأنهم قالوا إن الحاقه بالمسلم منهما
 أو بالكتابي أنفع له ولا شك أن النظر لحقيقة الجزئية أنفع له وأيضاً حيث نظروا
 للجزئية في تلك المسائل احتياطاً فلينظر إليها هنا احتياطاً أيضاً فإن الاحتياط بالدين
 أولى ولأن الكفر اقبح القبيح، فلا ينبغي الحكم به على شخص بدون أمر صريح ولأنهم
 قالوا: في حرمة بنته من الزنا أن الشرع قطع النسبة إلى الزاني لما فيها من إشاعة
 الفاحشة فلم يثبت النفقة والإرث لذلك وهذا لا ينفي النسبة الحقيقية لأن الحقائق
 لا مردلها فمن ادعى أنه لا بد من النسبة الشرعية فعليه البيان.

عمر و کہتا ہے کہ یہ صرف علامہ شامی کی رائے ہے کوئی فقہی مسئلہ مصرح نہیں ہے خود علامہ شامی اقرار
 فرماتے ہیں کہ علی مقتضی مذہبنا اور قواعد شرعیہ کی رو سے وہ ولد مسلمان نہیں قرار دیا جائیگا! اور یہ کہتا ہے کہ خود
 علامہ کے دلائل میں کلام ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) کل مولود یولد علی الفطرة الخ، اس حدیث پر علامہ شامی نے جو تقریر کی ہے اس
 میں لفظ أبوین ہے (اور خود علامہ شامی اوپر والود يتبع خیر الأبوين دیناً کے تحت میں یشعر
 التبعية بالأبوين اخراج ولد الزنا فرما چکے ہیں فکذلک فی الحدیث تو ولد الزنا کے لئے
 کسی حکم کا اس حدیث سے استنباط صحیح نہیں ہے۔

(۲) حدیث مذکور سے اتفاق الوالدین علی مذہب واحد نہیں نکلتا نیز عند عدم اتفاق الوالدین علی مذہب
 واحد کا کیا حکم ہے اس سے حدیث ساکت ہے؛ اس لئے اصل فطرت یا الی ما ہو أقرب إلیہا کی طرف نقل
 کرنے کے لئے کسی خارجی دلیل کی ضرورت ہے (فاین البرهان؟)

(۳) فقہاء رحمہم اللہ نے انفع کے ساتھ الحاق کا جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی نکاح کی صورت میں ہے نہ کہ ولد الزنا کے لئے بلکہ ولد الزنا کے لئے عام فقہاء رحمہم اللہ تصریح فرماتے ہیں۔ نیز علامہ شامیؒ خود اقرار فرماتے ہیں کہ ولد الزنا کی نسبت اس کی ماں کی طرف ہوگی (فاین ہذا بذاک)

(۴) اگرچہ زانی بچے کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے مگر فی الواقع حقیقت جزئیت مدعی کی خصوصاً زنا میں مشکوک فیہ ہے بخلاف زانیہ کے کہ وہ اس کی ماں یقینی ہے (وہذا امر صریح) اور عمر و اپنے دلائل میں حسب ذیل امور پیش کرتا ہے۔

شرع نے ولد الزنا کی نسبت کو زانی سے منقطع شمار کیا ہے اور اسی لئے زانی کے مال میں سے اسے ارث یا نفقہ نہیں دیا جائے گا۔ ہاں زانی کے لئے بنت من الزنا کو احتیاطاً حرام کہا ہے صرف اس واسطے کہ اس میں اشاعت فاحشہ ہے تو خود ایک مدعی اسلام غیر مسلمہ کے ساتھ ساری عمر بلا نکاح کے زنا کرتا رہا ہے اور اس کے بچوں پر اسلام کا حکم لگا کر مسلمانوں کا سامعہ معاملہ ہوتا ہے تو اس سے نہ تو زانی کو عبرت ہونہ مزنیہ کو مسلمان بنا کر نکاح کی توفیق ہو اور نہ خود زانی کو اپنے فعل شنیع کا خیال تک گزرے تو یہ تو افتح القبح اور انخس الفواحش ہے اس میں تو اور بھی مزید احتیاط کی ضرورت ہے۔

(۲) علامہ فقہاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ولد الزنا کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جائیگی اگر اس کی ماں مسلمہ ہے تو بیجا لہا وہ بھی مسلم اور اگر اس کی ماں کافرہ ہے تو وہ بھی اس کا تابع رہے گا۔

(۳) زانی اور زانیہ کی عبرت کے لئے یہ ضروری ہے کہ ولد الزنا کے ساتھ مسلمانوں کا سامعہ معاملہ نہ کیا جاوے ورنہ انہیں فحش الفواحش کی اور مزید جرات ہوگی اور اپنے فعل فنیج کے ترک کرنے اور زانیہ کو مسلمان بنا کر نکاح کرنے کا خیال تک نہ گزرے گا جو افتح القبح ہونے کے ساتھ اسلام کا مدلل اور محقر ہے! اور قطع نسبت من الزانی کی صورت میں اگر طریق مستقیم پر چلنے کے لئے مجبور کیا جائے تو سارے کنبے کے لئے فلاح دارین یقینی ہے۔

(۴) نیز عمر و حضرت مولانا عبدالحی صاحب کا یہ فتویٰ اپنی دلیل میں پیش کرتا ہے جو حسب ذیل ہے۔

سوال: مسلمان مرد اور کافرہ عورت سے یا کافر مرد اور مسلمان عورت سے بذریعہ زنا کا یا لڑکی

پیدا ہو کر قبل بلوغ یا بعد بلوغ مر جائے تو ان کی تجہیز و تکفین کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بلوغ کے بعد اگر وہ ایمان لائیں تو مسلمانوں کی طرح ان کی تجہیز و تکفین ہوگی ورنہ کفار کی طرح اور بلوغ کے پہلے وہ ماں کے تابع ہیں کیونکہ ولد الزنا کا نسب نہ زانیہ سے ثابت ہوتا ہے نہ زانی سے اور بحر وغیرہ میں ہے۔

هو تابع لأحد أبويه إلى البلوغ ما لم يحدث إسلاما وهو مميز.

وہ اپنے ماں باپ میں سے سن بلوغ تک ایک کا تابع رہے گا یہاں تک کہ وہ سن تمیز کو پہنچ کر اسلام ظاہر کرے پس جب تک وہ ایام تمیز میں اسلام نہ لائے گا ماں کے تابع رہے گا۔

حررہ محمد عبدالحی مجموعۃ الفتاویٰ جلد اول باب التجہیز والتکفین ص ۳۶۸

یہ معلوم رہے کہ یہاں پر بہت سے مدعیان اسلام اس فعل شنیع کے مرتکب ہیں اور انہیں قطعاً دین کی طرف توجہ نہیں ہے اور نہ انہیں اپنے کرتوت کا احساس ہے نہ کسی کو نکاح کی پرواہ اور نہ کفر کا خیال اگر ان کی اولاد کے ساتھ مسلمانوں کا معاملہ کیا جائے تو مزنیہ کو مسلمان بنا کر نکاح کرنے کی طرف کوئی شے داعی نہیں ہے۔ امید ہے کہ آپ بالتفصیل جواب ارسال فرما کر ممنون فرمائیں گے یہاں پر دو طرفہ رائیں ہیں زید حق بجانب ہے یا عمرو یا دونوں۔ نیز اگر عمر و نے مذکورہ بالا دلائل کی رو سے عدم اسلام کا فتویٰ دیا تو آثم تو نہیں۔ بینوا تو جروا۔

الجواب

مسئلہ بالکل ظاہر ہے حدیث: الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ (۱)، دلالت میں قطعی ہے نص کے ہوتے ہوئے خود قیاس ہی کوئی چیز نہیں چہ جائے رائے محض۔ اگر کسی کوشبہ ہو کہ حدیث مذکور کے مقابلہ میں دوسری حدیث میں ہے کل مولود یولد علی الفطرة اس کا جواب ظاہر ہے کہ خود فطرت کے معنی میں دو احتمال ہیں اسلام یا استعداد اسلام۔

(۱) عن عائشة رضي الله تعالى عنها: اختصم سعد بن أبي وقاص وعبد بن زمعة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم في ابن أمة زمعة فقال: الولد للفراش وللعاهر الحجر وحتجبني يأسودة. (سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب الولد للفراش، النسخة الهندية

والثانی: (۱) أقرب لحديث أبي داود كل مولود يولد على الفطرة وفيه قالوا:

يارسول الله أفرأيت من يموت وهو صغير، قال: الله أعلم بما كانوا عاملين (۲)، ج ۲

باب: في ذراري المشركين. من كتاب السنة: فلو كان معنى الفطرة الإسلام لماتوقف
عليه في حكمهم لأن الشيء إذا ثبت ثبت بلوازمه ومن لوازم الإسلام الحكم بدخول الجنة
وفي مجمع البحار (۳) يريد أنه يولد على نوع من الجبلة والطبع المتهى لقول الدين الخ.

اور اگر اقرب بھی نہ ہو تب بھی إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال، تو محتمل معارض نہیں ہو سکتا
قطعی کا، اور جو مصالح لحکم بالاسلام کے لکھے ہوئے ہیں اول تو رائے محض ہے دوسرے اس حکم بالاسلام میں
مفاسد بھی ہیں جو سوال میں مذکور ہیں۔ فیذا تعارضاً تساقطاً، اب مدار حکم محض نص رہ گئی۔
وقدم تقرير النص والله اعلم، ۸/رجب ۱۳۵۲ھ

نوٹ: ایک سوال وجواب ایسے بچہ کی نماز کے متعلق لکھا گیا ہے جس کے ابوین کافرین نے کسی
مسلمان کو پرورش کے لئے دیدیا وہ ۹ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ کا لکھا ہوا اور النور شوال ۱۳۵۲ھ ص ۸ تا ص ۱۰ میں طبع
ہوا ہے (النور ۷ شعبان ۱۳۵۵ھ)

← عن أبي هريرة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الولد للفراش وللعاهر الحجر.

(سنن النسائي، كتاب الطلاق، باب إلحاق الولد بالفراشي الخ، النسخة الهندية ۲/۹۴)

(۱) قال: المراد تمكن الناس من الهدى في أصل الجبلة والتهيؤ لقبول الدين، فلو ترك

المرأ عليها لاستمر على لزومها ولم يفارقها إلى غيرها. (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب

مسا قبل في أولاد المشركين تحت رقم الحديث: ۱۳۸۵، مكتبة اشرفية ديوبند

(۳۱۸/۳)

(۲) سنن أبي داود شريف، كتاب السنة، باب في ذراري المشركين،

النسخة الهندية ۲/۶۴۸، دار السلام رقم: ۴۷۱۴۔

(۳) مجمع بحار الأنوار، باب الفاء مع الطاء، مكتبة دار الإيمان، المدينة

المنورة ۴/۱۵۷۔

رسالة الصلوة على الميت الصبي المتولد بين

مسلم و كافرہ بغی

السوال: (۷۶۰): قدیم ۱/ ۷۷۸ - حضرت مخدوم مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اپنی جماعت کے علماء میں ٹرانسوال جنوبی افریقہ میں اولاد الزنا (من الکافرة) کے مسلم ہونے میں اختلاف ہوا اس کے متعلق جناب مولوی اسماعیل گارڈی صاحب نے مختلف جگہ سوالات روانہ کئے تھے اور یہ کام بندہ کے سپرد کیا تھا ہر دو جانب کے دلائل لکھ کر انہوں نے سوال یہاں بندہ کے پاس بھیج دیا تھا بندہ نے ان کی تحریر کے مطابق مختلف علماء کی خدمت میں سوال روانہ کئے تھے نصف کے قریب جوابات آگئے اور دوسری جگہ سے جوابات ابھی تک نہیں آئے شاید بعد میں آویں۔ چونکہ دونوں جانب دلائل ہیں اور دونوں گروہ مختلف جیسے وہاں ہو گئے ہیں یہاں بھی مختلف ہو گئے اس لئے میں نے ٹرانسوال مولوی اسماعیل گارڈی صاحب کے پاس لکھا کہ میں ان سب جوابوں کو بھیج دوں یا کسی بڑے عالم سے محاکمہ کرا کر بھیج دوں انہوں نے محاکمہ کے لئے آپ کی خدمت میں بھیج دینے کے لئے لکھا اس لئے بندہ ہر دو جانب کی تحریریں آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہے حضور عالی کی خدمت میں عرض ہے کہ تکلیف فرما کر محاکمہ تحریر فرمائیں گے اللہ سبحانہ تعالیٰ اجر عنایت فرماوے گا۔

نیز ایک فریق میں بندہ بھی ہے بندہ نے بھی اس کے متعلق جواب لکھا تھا اور ایسے بچوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھنا چاہئے یہی خیال تھا لیکن دوسری جانب بڑے بڑے علماء کی تحریریں اور دلائل دیکھ کر اب یہی خیال آتا ہے کہ دوسری جانب حق ہے خصوص مولانا محمد اسحق صاحب بردوانی اور مدرسہ الباقیات الصالحات کے مفتی صاحب اور مولانا محمد حسین صاحب مراد آبادی قاضی بھوپال اور ریاست ٹونک کے مفتی صاحب کی تحریریں دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا اس لئے محاکمہ ہو جانے سے حضور عالی کی تحریر سے بندہ کو بھی حق راستہ معلوم ہو جائے گا اور افریقہ میں بھی انشاء اللہ حضور عالی کے محاکمہ سے اختلاف باقی نہ رہے گا؟

الجواب: مشفق مکرّمی دامت فیوضہم السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ، صحیفہ

محبت مع کاغذات جوابات استفتاء پہنچا۔ گو مجھ کو نہ ہجوم اشغال سے فرصت نہ ضعف اضمحلال سے مراجعت کتب کی قوت۔ مگر امثال امر کی نیت سے کاغذات لے کر بیٹھا تو میری استعداد سے زیادہ کچھ ہمت و توفیق عطا فرمادی گئی اور سب کاغذات دیکھ لئے گئے اگرچہ تعمق سے نہیں دیکھ سکا مگر وہ نظر سرسری سے کچھ بڑھی ہوئی تھی جن کاغذات پر نظر کی گئی ان کی مجمل فہرست یہ ہے۔

جواب نمبر ۱: مفتی صاحب راندیر ضلع سورت۔

جواب نمبر ۲: علماء مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب نمبر ۳: دارالافتاء حینیہ راندیریہ۔

جواب نمبر ۴: مدرسہ امینیہ دہلی۔

جواب (۵) جامع العلوم کانپور، ان جوابات میں عمرو مانع صلوٰۃ کو ترجیح دی گئی ہے۔

جواب نمبر ۶: مدرسہ بوسفیہ مینڈو ضلع علی گڑھ، اس جواب میں زید مجوز صلوٰۃ و عمرو مانع صلوٰۃ

کے قول کے بین بین کچھ تفصیل کی گئی ہے۔

جواب نمبر ۷: مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری ضلع چانگام۔

جواب نمبر ۸: مدرسہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ جمیر شریف۔

جواب نمبر ۹: دارالعلوم دیوبند۔

جواب نمبر ۱۰: مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی۔

جواب نمبر ۱۱: مدرسہ باقیات صالحات ویلور علاقہ مدارس۔

جواب نمبر ۱۲: عدالت شرع شریف صدر ریاست اسلام ٹونک جس میں یہ عبارت بھی ہے کہ

بعض شوافع بھی اسلام ابن الزنا کے قائل ہیں اور قاضی القضاۃ حنابلہ نے تو اس پر فتویٰ دیا ہے۔

جواب نمبر ۱۳: قاضی ریاست بھوپال ان سب میں زید مجوز صلوٰۃ کے ترجیح دی گئی ہے، میں اس باب میں

اس کے قبل بھی کچھ مختصر کہہ چکا ہوں ان جوابات کے دیکھنے کے بعد بھی میری رائے نہیں بدلی نہ مجھ کو تردد ہوا۔

زید کے قول کو جن حضرات نے ترجیح دی ہے انہوں نے کوئی روایت جزئیہ یا کلیہ مذہب کی نقل نہیں کی محض قیاس و استنباط سے کام لیا ہے جو غیر مجتہد کا حق نہیں اس لئے میں عمرو کے قول کو صحیح سمجھتا ہوں اور اپنا جواب مذکور مرقوم ۸/ رجب ۱۳۵۲ھ بعنوان فتویٰ اول نقل کرتا ہوں (فی الحال امداد الفتاویٰ قلمی سے نقل کر دیا گیا امید ہے کہ یہ جواب رسالہ النور بابت رجب ☆ ۱۳۵۵ھ میں تقریباً اس سے ایک رسالہ مقدم یا مؤخر شائع ہو جائیگا) ایک بناء ترجیح قول زید کی اس بچہ کا کہ مسلمان کی پرورش میں ہونا بھی محتمل تھی اس کے متعلق بھی اپنا ایک جواب مرقوم ۹/ ذی الحجہ ۵۳ھ بعنوان فتویٰ ثانی نقل کرتا ہوں (یہ جواب النور شوال ۵۴ھ ص ۸ تا ص ۱۰ میں شائع ہو چکا ہے) اس سے زیادہ مجھ کو مفصل و مطول و مکمل کلام کرنے کی نہ فرصت نہ قوت جیسا اوپر بھی یہی عذر کیا گیا ہے۔

البتہ ٹوئک کے فتوے میں جو بعض شوائع و حنا بلہ کے اقوال سے استدلال کیا گیا مفتی صاحب سے مکرر مراجعت کی جاوے اگر یہ قول مجتہد کا ہے تو حنفیہ کو مواقع ضرورت و مصلحت میں اس پر عمل کرنا جائز ہے اور اگر وہ علماء مقلدین کا ہے تو اس کا مرتبہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے علماء مقلدین کے قول کا۔ اور چونکہ یہ تحریر اس مسئلہ خاص میں ایک اہم درجہ میں مفید اور جامع ہے اس لئے اس کا ایک مستقل لقب بھی تجویز کرتا ہوں۔

الصلوة علی المیت الصبی التولد بین مسلم و کافرة بغی۔

(اگر کوئی صاحب اس کو مع اوپر کے سب فتاویٰ کے شائع کر دیں) (*) تو امید نفع کی ہے) یہ لقب معظم مقصود یعنی فتویٰ اول کے مضمون کی بناء پر رکھا گیا ہے کیونکہ فتویٰ ثانی تو محض استطراد ہی ہے۔ واللہ اعلم
۲۹/ صفر ۱۳۵۵ھ (النور ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ)

غیر مسلم ہندو کا میت کے وارث کو ایصال ثواب کے لئے روپیہ دینا

سوال (۷۶۱): قدیم ۸۰/۱۔ میرے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے اس کا ایک شاگرد ہندو ہے اس نے پانچ روپیہ دئے ہیں کہ اپنے بھائی کو قرآن پڑھوا کر بخشا دو کیا کرنا چاہئے؟

(☆) یہ انداز تھا مگر اس کی اشاعت النور شعبان ۱۳۵۵ھ میں ہوئی اگر ایسا اتفاق ہو تو فتویٰ اول و فتویٰ ثانی کو بجائے حوالہ کے بعینہ نقل کر دیں۔ اشرف علی تھانوی

الجواب: وصول ثواب کے لئے اس عمل پر اول عامل کو ثواب ملنا شرط ہے (۱) اور ثواب ملنے کے لئے ایمان شرط ہے (۲) پس غیر مومن کے اس عمل یعنی اعطاء و انفاق کا ثواب تو پہنچ نہیں سکتا اور اگر قرآن خوانی کے ثواب کا پہنچنا محتمل ہو تو طے ہو چکا ہے کہ جو قرآن اجرت پر پڑھا جاتا ہے اس کا ثواب بھی نہیں ملتا ہے پس صورت مسئلہ میں اگر اس شاگرد کو زیادہ اصرار ہو تو صرف یہ صورت بھی ہو سکتی ہے (۳) کہ وہ شخص یہ پانچ روپیہ کسی مسلمان کی ملک کر دے اور وہ اگر چاہے وہ روپیہ کسی مستحق کو دیکر اس کا ثواب اس میت کو پہنچا دے لیکن بعد ملک ہو جانے کے اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ روپیہ کسی کو نہ دے۔

۲۷/ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ، حوادث الفتاویٰ حصہ ثالثہ ص ۱۴۱

(۱) وإذا كان لا ثواب له في قرائته وذكره فأى شئ يهديه إلى روح الذين لم يدفعوا له هذا المال إلا في مقابلة ثواب هذه القراءة والذكر. (رسائل ابن عابدين، الرسالة السابعة، شفاء العليل الخ، مكتبة ثاقب ديبند ۱/ ۱۷۱)

وقد قال العلماء إن القاري إذا قرأ لأجل المال فلا ثواب له، فأى شئ يهديه إلى الميت. (رسائل ابن عابدين الرسالة السابعة، شفاء العليل الخ، مكتبة ثاقب ديبند ۱/ ۱۷۵)

(۲) جعل لإيمان شرطاً لصحة الأعمال كما في قوله تعالى 'ومن يعمل من الصالحات من ذكر وانثى' وهو مؤمن. (شرح العقائد النسفية مبحث الإيمان، مكتبة نعيمية ديبند ص: ۱۲۴) إذ لا اعتداد بأعمال الكفار في استحقاق الثواب. (تفسير مظہری، تحت قوله تعالى: من عمل صالحاً الخ، مكتبة زكريا ديبند ۵/ ۲۲۵)

إذ لا اعتداد بأعمال الكفرة الصالحة الثواب إجماعاً. (روح المعاني، تحت قوله تعالى: من عمل صالحاً، مكتبة زكريا ديبند ۸/ ۳۳۴)

(۳) إذا أراد أن يكفن ميتاً عن زكاة ماله لا يجوز فالحيلة فيه أن يتصدق بها على فقير من أهل الميت، ثم هو يكفن به الميت، فيكون له ثواب الصدقة ولأهل الميت ثواب التكفين وكذلك في جميع أبواب البر الذي لا يقع به التملك كعمارة المساجد وبناء القناطر والرباطات لا يجوز صرف الزكاة إلى هذه الوجوه، والحيلة أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه، فيكون للمتصدق ثواب الصدقة ولذلك الفقير ثواب بناء المسجد والقنطرة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحيل، الفصل الثاني في الزكاة، مكتبة زكريا ديبند ۱۰/ ۳۱۸، رقم: ۱۴۸۶۰-۱۴۸۶۱) ←

قبر کھودنے کے آلات کو قبر کے پائتانہ میں ڈالنے کا حکم

سوال (۷۶۲): قدیم ۸۱/۱۔ بعض مواضع میں بعد دفن میت کے آلات کھودنے کے قبر کے سر سے پاؤں کی طرف ڈالتے ہیں۔ اور ایک پشتو کے گمنام رسالہ دو ورقہ میں یہ حدیث لکھی ہے۔
لقلولہ علیہ السلام من رش السماء علی القبر من الرأس إلی الرجل وألقى آلتہ حفر بها القبر أمنہ اللہ من عذاب القبر۔

صدھا کتب فقہہ و حدیث و تفاسیر و سیر میں یہ حدیث بتدریک بھی گئی مگر کہیں پتہ نہ چلا بعض لوگ خزانۃ الرواة کی طرف نسبت کرتے ہیں جناب کی رائے کیا ہے یہ فعل درست ہے یا کہ بدعت سیئہ اور یہ حدیث کہیں نظر فیض اثر سے گزری ہے یا نہیں اس کو موضوع کہیں یا کیا مینوا تو جروا
(۲) جمیع کتب فقہ میں لکھا ہے کہ خطبہ نکاح نہیں بلکہ استنکاح ہے مگر ہدایہ مولانا عبدالحی کی کتاب العدة میں قولہ ولا تخطب المعتدة کے نیچے بحوالہ عینی لکھا ہے۔

الخطبة التزوج و نکاح المعتدات لا یجوز۔ (۱)

اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے یہاں کے بعض مولوی اسی عبارت سے خطبہ کو نکاح سمجھ کر طرح طرح کے مباحث اور جدال برپا کر رہے ہیں اور بنت کے خطبہ کو نکاح جان کر اس کی والدہ کو حرام کہہ رہے ہیں جناب اس میں کوئی کافی تحریر بحوالہ کتب عنایت فرمائیں یہ عبارت ساری کتب معتبر سے مخالف ہے۔

الجواب: یہ حدیث کہیں نظر سے نہیں گزری جو اس سے احتجاج کرتے ہیں ان کے ذمہ اس کی سند ہے (۲) آپ اس عبارت کو خود دیکھ کر پوری لکھئے میرے پاس کتاب نہیں ہے اس لئے عبارت معلوم نہیں کر سکا لیکن مطلب یہ ہے کہ خطبہ حکم تزوج میں ہے اور تزوج معتدہ کا جائز نہیں لہذا خطبہ اس کا جائز نہیں (۲) اور جو من کل الوجوہ اس کو نکاح کہتے ہیں ان سے پوچھئے کہ نکاح کی کیا تعریف ہے اور آیا وہ خطبہ پر صادق ہے یا نہیں۔

ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ، امداد الفتاویٰ، تتمہ خلسہ ص ۷۱

← الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الحیل، الفصل الثانی فی مسائل الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند

قدیم ۳۹۲/۶، جدید ۳۹۵/۶۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) البناۃ شرح الہدایۃ، کتاب الطلاق، باب العدة، مکتبۃ اشرفیۃ دیوبند ۶۲۳/۵۔

(۲) ولا تخطب المعتدة۔ (ملتقی الأبحر علی مجمع الأنہر، کتاب الطلاق، باب العدة،

دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۵۳/۲) ←

وباء میں مرنے والے کے شہید ہونے سے متعلق تحقیق

سوال (۷۶۳): قدیم ۱/۸۲- یہاں سال گزشتہ میں جو وبا ہوئی تھی جو کہ دنیا میں وبا ہوئی تھی اس میں ایک لڑکا جس کی عمر اکیس سال کی تھی مر گیا اور متوفی وصیت کر مرا کہ میری قبر کی بنوانا اس کے والد نے بعد مرنے دو ماہ اور دو دن کے اس قبر کو پکی بنوایا جب واسطے پکی کرنے کے وہ قبر کھودی گئی تو اس کے اندر مردہ بدستور صحیح اور سالم دیکھا گیا بلکہ یہاں قبضہ کے اکثر مرد اور عورتیں بھی واسطے دیکھنے کے قبرستان گئے اور جا کر دیکھا اب یہاں اکثر کا یہ خیال ہو گیا ہے کہ وہ لڑکا چونکہ وباء میں مرا تھا اور کفن بھی میلا نہیں ہوا اور بدن کے بھی ٹکڑے نہیں ہوئے شہید ہوا اور شہید کے ہی بدن کے ٹکڑے نہیں ہوتے ہیں حالانکہ متوفی کچھ نمازی یا پرہیزگار نہ تھا اس کا خیال کرنا چاہئے یا ایسا عقیدہ جو کہ تحریر کیا گیا رکھنا درست ہے یا نادرست؟

الجواب: ممکن ہے کہ یہی سبب ہو بخار کا بھی شہادت ہو نا وارد ہوا ہے (۱) اور ممکن ہے کہ اس کے بدن میں رطوبات مرنے سے پہلے فنا ہو گئی ہوں ایسا مردہ بھی نہیں لگتا باقی رہا پہلے احتمال پر اس وصیت غیر مشروع کے منافی شہادت ہونے کا شبہ و شہادت سے اس کا بھی کفارہ ہو گیا ہو اور وہ ناواقف ہو۔ اور اس کی ناواقفی معاف فرمادی ہو۔ (۲)

۲۴ شوال ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۹۹)

← ولا تخطب معتدة أي تحرم خطبتها. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الإحداد، مكتبة زكريا ديوبند ۴/۲۵۵، کوئٹہ ۴/۱۵۱)

ولايجوز للأجنبي خطبة المعتدة صريحاً. (الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الرابع عشر في الحداد، مكتبة زكريا ديوبند جديد ۱/۵۸۶، قدیم ۱/۵۳۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) وقد عدددهم السيوطي نحو الثلاثين (در مختار) وفي الشامية وفي الغربية أوبالصرع أو بالحمي. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الشهيد، مطلب في تعداد الشهداء، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۶۵، کراچی ۲/۲۵۲)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ. [سورة النساء: ۴۸]

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کسی مصلحت کی وجہ سے شیعہ کے جنازہ میں شریک ہونا

سوال (۷۶۴): قدیم ۱/۸۲- کسی شیعہ مذہب والے کے جنازہ میں شریک ہونا خواہ کسی دنیاوی مصلحت کی وجہ سے یا اس بناء پر کہ وہ یا اس کے گھر والے ہمارے یہاں کے جنازہ میں شریک ہوتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: فی نفسہ منہی عنہ ہے (۱) لیکن اگر کوئی ضرورت ہو تو جائز ہے (۲) اور ضرورت کی حقیقت دفع مضرت ہے (۳) نہ کہ جلب مصلحت۔

۱۸/ محرم ۱۳۲۲ھ تہمہ خامسہ ص ۲۲۸

(۱) قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ. [سورة توبة: ۸۴]

والمراد من الصلاة المنهي عنها صلاة الميت المعروفة وهي متضمنة للدعاء

والاستغفار والاستشفاع. (روح المعاني، سورة توبة، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۲۲۴)

عن ابن عباس رضي الله عنهما عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أنه قال: لما مات عبد الله بن أبي بن سلول دعى له رسول الله صلى الله عليه وسلم ليصلي عليه، فلما قام رسول الله صلى الله عليه وسلم وثبت إليه فقلت يا رسول الله..... قال فصلى عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم انصرف، فلم يملكث إلا يسيراً حتى نزلت الآيتان من براءه، ولا تصل على أحد الآيتة. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من الصلاة على المنافقين، النسخة الهندية ۱/۱۸۲، رقم: ۱۳۵۰، ف: ۱۳۶۰)

والحق حرمة الدعاء بالمغفرة للكافر. (الدر المختار، كتاب الصلاة، صفة الصلاة،

مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۳۶، كراچی ۱/۵۳۳)

(۲) الضرورات تبیح المحظورات. (الأشباه والنظائر، الفن الأول القاعدة الخامسة،

قديم ص: ۱۴۰)

قواعد الفقه، قاعدة نمبر: ۱۷۰، ص: ۸۹-

(۳) فالضرورة بلوغه حداً إن لم يتناول الممنوع هلك أو قارب وهذا يبيح تناول الحرام.

(حاشية الحموي على الأشباه والنظائر، الفن الأول القاعدة الخامسة، قديم ص: ۱۴۰)

الضرورة مشتقة من الضرر وهو النازل مما لا مدفع له. (قواعد الفقه ص: ۳۵۸)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

میت کا کھانا کھانے سے دل مرجاتا ہے اس قول کی تحقیق

سوال (۷۶۵): تدریم/۸۲-۷- طعام الميت یمیت القلب میت عام ہے خواہ اولیاء انبیاء ہوں یا عامہ مؤمنین لیکن طعام اموات عامہ سے جو کراہت و تکدر قلب میں محسوس ہوتا ہے وہ طعام اولیاء و انبیاء سے نہیں ہوتا اس کی کیا وجہ ہے اگرچہ انبیاء و اولیاء حقیقہً مثل اموات عامہ کے میت نہیں ہیں لیکن بظاہر اموات ہیں اور طعام اموات عامہ و اولیاء و انبیاء صدقہ ہونے میں برابر ہے؟

الجواب: یہ قول خدا جانے کس کا ہے اگر کوئی شخص اس کو نہ مانے اس پر تو کوئی اشکال نہیں اور اگر کوئی شخص زکوٰۃ کے سخ ہونے سے استنباط کر لے کہ جب صدقہ واجبہ میں دخیث ہے (۱) تو صدقہ نافلہ میں بوجہ اشتراک معنی صدقہ کے شاید کوئی کیفیت قریب و سخ کے ہو اسی کے اثر موت قلب تعبیر کیا گیا ہو اس صورت میں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ فرق خیالی ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ عرفاً عام اموات کا طعام کا کھانا تذلیل سمجھا جاتا ہے وہ کدورت اسی تذلل کی ہے جو ایک طبعی امر ہے نہ کوئی امر ذوقی اور باطنی اور بعض کے لئے یہ وجہ ہے کہ عام اموات چونکہ اکثر نزدیک کے مرے ہوئے ہوتے ہیں ان کے طعام سے ان کی موت کا اور ان کے معاصی کا استحضار ہو جاتا ہے یہ سب ہوتا ہے دلگیری اور انقباض کا بخلاف اولیاء و انبیاء کے کہ اکثر کی موت کا ان میں سے مشاہدہ بھی نہیں ہوا اور خیال میں ظاہر اور نیز مثل دیگر احیاء کے معلوم ہوتے ہیں اس لئے انقباض نہیں ہوتا آگے اللہ کو معلوم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴ محرم ۱۳۱۲ھ (امداد ص ۱۴۳ ج ۳)

(۱) عن عبد المطلب بن ربيعة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن هذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس وإنها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد. (مشكوة، كتاب الزكاة، باب من لا تحل له الصدقة، الفصل الأول، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۶۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

متعدد اموات کو ثواب بخشنے سے سب کو پورا ثواب ملے گا

یا تقسیم ہو کر حصہ رسد ملے گا

سوال (۷۶۱): قدیم ۱/۸۳- ایصال ثواب جو چند مردگان کو کیا جاتا ہے وہ سب کو برابر پہنچتا ہے یا تجزی سے پہنچتا ہے؟

الجواب: (۱) سب کو برابر پہنچے گا کیونکہ رحمت اللہ تعالیٰ کی واسع ہے۔

سئل ابن حجر المکی عما لوقرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل قسم الثواب بینهم أویصل لكل منهم مثل ثواب ذلک كما ملا فأجاب بأنه أفتی جمع بالثانی وهو اللائق بسعة الفضل شامی ج ۱ ص ۶۰۵ وعن علیؑ عنه (۱) قال من مر علی المقابر وقرء قل هو اللہ أحد إحدى عشرة مرة ثم وهب أجرها للأموات أعطی من الأجر بعدد الأموات طبرانی فتح القدير . واللہ أعلم (۲) حرره عنايت إلهی عفی عنه

الجواب: (۲) یہ مسئلہ مختلف فیہا بین العلماء ہے بعض تجزی کے قائل ہیں وہوالا قیس اور بعض عدم تجزی فرماتے ہیں وہوالاوسع۔ (۳) واللہ تعالیٰ اعلم، حرره خلیل احمد عفی عنه

الجواب: (۳) اصل مذہب وموافق قواعد شرعیہ یہ ہے کہ ثواب تجزی ہوتا ہے۔

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له،

مکتبۂ زکریا دیوبند ۳/۱۵۳، کراچی ۲/۲۴۴۔

(۲) إعلاء السنن، کتاب الجنائز، باب استحباب زيارة القبور. (عموماً الخ، مکتبۂ

دارالکتب العلمیۃ بیروت ۸/۳۳۰، مکتبۂ اشرفیۃ دیوبند ۸/۳۴۳)

(۳) سئل ابن حجر المکی عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل قسم الثواب بینهم

أویصل لكل منهم مثل ثواب ذلک كاملاً فأجاب بأنه أفتی جمع بالثانی وهو اللائق بسعة الفضل. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له،

مکتبۂ زکریا دیوبند ۳/۱۵۳، کراچی ۲/۲۴۴)

کما فی الشامی: ویوضحہ ولو أهدى الكل إلى أربعة يحصل لكل منهم ربعه
فكذا لو أهدى الربع لواحد وأبقى الباقي لنفسه. (۱)

البتہ اگر حق تعالیٰ اپنی وسعت رحمت سے ہر ایک کو پورا ثواب دیوے تو یہ اس کا فضل ہے
ولا مانع منه کما أفتی به جمیع اور اس میں بحث کرنے کی ضرورت بھی نہیں جس قدر حق تعالیٰ
کو منظور ہے ثواب پہنچ جاوے گا بعض اجر بسبب اخلاص نیت کے اگرچہ قلیل ہو کثیر سے بھی زیادہ
ہو جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ عزیز الرحمن دیوبندی غفری عنہ

الجواب: (۲) (*) جس امر میں نص ہوا اگر وہ احکام فقہیہ جواز و عدم جواز میں سے ہو تو اس
میں قیاس کرنا فاعتبر وایا اولی الابصار وغیرہ نصوص سے مامور بہ ہے اور اگر وہ احکام فقہیہ سے نہ
ہو تو اس میں قیاس کرنا لا تقف ما لیس لک به علم وغیرہ نصوص سے منہی عنہ ہے اور امر مسئول عنہ
احکام فقہیہ سے نہیں اور نص موجود نہیں لہذا قیاس سے کلام کرنا منہی عنہ ہوگا اور جن علماء سے کلام منقول ہے
مقصود ان کا حکم لگانا نہیں بلکہ محض بعض احتمالات کی اقریت بیان کرنا۔ واللہ اعلم بخصیات اسرارہ۔

کتبہ اشرف علی۔ ۱۶ محرم ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۴۶ ج ۳)

کفن پر لکھنے کی روایت کی تحقیق

سوال (۷۶۷): قدیم ۸۴/۱- یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں وہ یہ ہے۔

عن طاؤس أنه أمر بهذه الكلمات فكتب في كفنه.

یہ حدیث صحیح ترمذی میں ہے یا کس کتاب میں۔ صفحہ اور نام کتاب وغیرہ ارقام فرماویں؟

(*) اس سوال کے تحت تین جواب لکھے ہوئے آئے تھے، چوتھا جواب اخیر احقر کا ہے۔

سعید احمد پالن پوری

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له،

مکتبہ زکریا دیوبند ۱۵۲/۳، کراچی ۲۴۳-۲

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: ترمذی میں تو یقیناً نہیں اور کسی جگہ بھی نظر سے نہیں گزری۔ (۱)

۱۴/ ذیقعدہ (امداد ص ۱۴۷ ج ۳)

(۱) وفي فتاوى المحقق ابن حجر المكي الشافعي، سئل عن كتابة العهد على الكفن وهو لا إله إلا الله هل يجوز ولذلك أصل؟ فأجاب بقوله: نقل بعضهم عن نوادر الأصول للترمذي ما يقتضي أن هذا الدعاء له أصل وقد أفتى ابن صلاح بأنه لا يجوز فالمنع هنا بالأولى ما لم يشبث عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت. (شامسي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فيما يكتب على كفن الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۱۵۶-۱۵۷، كراچی ۲/ ۲۴۶-۲۴۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



۳/ کتاب الزکوۃ والصدقات

۱/ باب زکوۃ المال

نوٹ پر زکوۃ ہے یا نہیں؟

سوال (۷۶۸): قدیم ۲/۲- نوٹ پر زکوۃ ہے یا نہیں؟ جمع نوٹوں پر جمع احکام دراہم ودنانیر کے جاری ہوں گے یا نہیں؟

الجواب: نوٹ حقیقت میں سند ہے روپیہ کی اور اس روپے پر ہر وقت اس کو قدرت ہے جب چاہے حاصل کر لے، پس نوٹ خود گو مال نہیں مگر جس روپیہ کی وہ سند ہے وہ مال ہے اور بوجہ مقدور التحصیل ہونے کے شمار میں داخل نہیں؛ لہذا اس پر واجب ہوگی اور احکام مختلف ہیں بعض جاری ہوں گے بعض نہیں بالیقین سوال ہو تو جواب دیا جائے مثلاً دس روپے کی کوئی چیز خریدی اور مشتری نوٹ دینے لگے تو بائع پر جبر نہ ہوگا (۱) کہ ضرور اسکو لے، اس میں مثل دراہم ودنانیر کے نہیں ہے اور وجوب زکوۃ میں ہے جیسا گزرا۔

فقط ۱۵ شعبان ۱۳۲۱ھ

(۱) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ بائع کو نوٹ لینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے؛ اس لئے کہ نوٹ فی نفسہ مال نہیں ہے؛ بلکہ مال کا بدل ہے، یہ حکم حضرت کے زمانہ کا ہے، مگر آج کل کے زمانہ میں نوٹ اور کرنسی فی نفسہ شے عری ہے اور ہر ملک اور ہر حکومت میں اس کی کرنسی فی نفسہ مال ہے؛ اس لئے آج کے زمانہ میں بائع کو نوٹ لینے پر مجبور کیا جائے گا اور اس پر اسی طرح زکوۃ لازم ہے جس طرح سونا، چاندی پر لازم ہوتی ہے۔

جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

إن الأوراق النقدية ثمن عرفي ليست ثمنًا حقيقيًا والربا يجري في الثمن الخلفي الذاتي إذا في الأوراق النقدية من مختلف الدولة ينفي القدر والجنس، أما الجنس فظاهر لاختلاف الدولة وأما القدر لأنها ليست من جنس الأثمان الخلقية بل عرفية فيجوز التفاضل والنسيئة إلا أن القبض على أحد البدلين ضروري لتلايقع في بيع الكالي بالكالي الخ.

(التبيان في زکوۃ الأثمان بحوالہ مجلۃ فقہ اکیڈمی ۵۹/۴) ←

سوال (۷۶۹): قدیم ۲/۲ - الامداد ماہ صفر المظفر ۱۳۳۳ھ نوٹ کے متعلق ایک مضمون

چھپا ہوا ہے جس میں یہ ہے کہ نوٹ مال نہیں ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی؟

(۱) ثواب یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جس کے پاس سوائے نوٹ کے کچھ نقد نہیں ہے اس کے اوپر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب نہیں ہونی چاہئے۔

(۲) اسی طریقہ سے یہ بھی خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر زکوٰۃ میں نقد روپیہ بذریعہ ڈاک روانہ کیا اور مرسل علیہ کو روپیہ کی عوض نوٹ ملے تو زکوٰۃ اداء ہوگی یا نہیں.....؟

(۳) بہشتی زیور میں یاد پڑتا ہے کہ جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ نوٹ کو کمی یا زیادتی میں نہیں بچ سکتے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوٹ اور روپیہ ایک چیز ہے۔

(۴) تو اس صورت میں نوٹ زکوٰۃ میں بھی اداء ہو سکتا ہے اور زکوٰۃ بھی نوٹ پر واجب ہو سکتی ہے۔

(۵) آج کل چونکہ رمضان میں زکوٰۃ دینے کا وقت آیا ہے اور یہاں لوگوں کے پاس اکثر نوٹ ہیں نقد روپیہ نہیں ہے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے۔

الجواب: (۱) یہ شبہ غلط ہے اس لیے کہ یہ نوٹ جس روپے کی سند ہے وہ تو مال ہے (۱) جو بذمہ گورنمنٹ قرض ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

← تکملة فتح الملہم میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے:

وبالجملة، صارت هذه الأوراق اليوم كالنقد ويطلق عليها اسم النقد والعملية في العربية، والإنكليزية، والأردية في حين أن هذه الأسماء لا تطلق على الشيكات المصرفية مع شيوع التعامل بها أيضًا ولا يوجد اليوم أحد يجمع فيما وراءها من ذهب أو فضة لا لأنه لا يحتاج إليهما بعد شيوع التعامل بها فحسب؛ بل لأن معظم الممالك اليوم تصدرها كالأثمان العرفية، ولا يكون وراءها شيء من الذهب أو الفضة، فالذي أرى أن القبول بشمئيتها أصبح قويا منذ أن جعلتها الحكومات أثمانا قانونية وجبرت الناس بقبولها عند اقتضاء ديونهم.

(تكملة فتح الملہم، مكتبة اشرفية دیوبند ۱/۵۱۹-۵۲۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) حضرت والا تھانویؒ نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے نوٹ کو مال تسلیم کرنے سے انکار فرمایا ہے؛ بلکہ نوٹ کو مال کی سند قرار دے کر فرمایا کہ زکوٰۃ مال ہی پر واجب ہوتی ہے سند پر نہیں، نوٹ مال کی سند ہے اور بذمہ حکومت بطور قرض ہے، اس پر زکوٰۃ کو واجب قرار دیا۔ ←

(۲) جب وہ اس نوٹ کو نقد بنا کر قبضہ کر لے گا اس وقت زکوٰۃ اداء ہوگی۔ (۱)

(۳) یہ معلوم ہونا غلط ہے کہ بیشی کے ناجائز ہونے کی بنا یہ نہیں ہے کہ دونوں ایک حکم میں ہیں بلکہ اسکی بناء یہ ہے کہ بیشی حوالہ میں بھی درست نہیں (۲) اور نوٹ کا معاملہ حوالہ ہے۔

(۴) یہ تفریع غلط ہے، جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ (۳)

(۵) یہ کرنا چاہیے کہ خود اگردیں تو اول اس نوٹ کو نقد بناویں اور وہ نقد مساکین کو دیں یا یہ کریں کہ اس نوٹ کا کپڑا یا غلہ خریدیں اور وہ کپڑا یا غلہ زکوٰۃ میں دیں یا ایسا کریں کہ جس مسکین کو مثلاً دس روپے کا نوٹ دینا چاہیں اس سے کہیں کہ تو کہیں سے دس روپے نقد لے آ، جب وہ لاوے تو اس سے کہیں کہ تو اس روپے کے عوض ہمارا یہ نوٹ خرید لے، جب اس خرید کی رو سے اس زکوٰۃ دینے والے کے پاس نقد روپے آ جاوے تو وہ نقد روپے اس مسکین کو دیدیں پھر وہ اپنا قرض خواہ نوٹ سے ادا کر دے خواہ نقد سے اداء کر دے، دوسرے شخص کے ذریعہ سے اداء کریں تو ایسے شخص کو وکیل بناویں جو ان طریقوں کو سمجھتا ہو اور ان کے ذریعہ سے اداء کر دے۔

نوٹ: یہ میں نے بہت واضح کر کے لکھا ہے، مگر میرا گمان یہ ہے تا وقتے کہ آپ کسی عالم سے اس خط کو زبانی نہ سمجھ لیں سمجھنے میں غلطی ہوگی۔

۶/ رمضان ۱۳۳۵ھ (حوادث خامس ص ۲۷)

← اور حضرتؒ نے فرمایا کہ نوٹ چونکہ مال نہیں ہے؛ اس لئے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی اور سائل کے شبہ کو غلط قرار دیا ہے؛ لیکن آج کے زمانہ میں ہر ملک میں اس کی کرنسی جو شکل نوٹ ہے فی نفسہ مال اور ثمن عرفی ہے، خرید و فروخت میں بائع کو نوٹ لینے پر مجبور کیا جائے گا اور جس کے پاس صرف نوٹ ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے؛ لہذا کسی قسم کی تاویلات کی ضرورت نہیں اور نوٹ کو براہ راست مال قرار دے کر اس پر زکوٰۃ کو لازم قرار دیا جائے گا؛ جیسا کہ تکملہ فتح الملہم ۵۱۹/۱، التبیان ۵۹/۴، کی عبارت مسئلہ نمبر ۶۸/۷ میں گزری ہے۔

(۱) نوٹ کو نقد کی شرط اس زمانہ کے اعتبار سے ہے اور آج کے زمانہ نقد یعنی (چاندی کاروپیہ) بنانے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ آج کے زمانہ میں چاندی کاروپیہ نہ دیکھنے میں آتا ہے اور نہ بازار میں چلتا ہے۔

(۲) آج کے زمانہ میں نوٹ کو صرف حوالہ قرار دینا درست نہیں؛ بلکہ فی نفسہ ثمن اور مال قرار دیا گیا ہے؛

اس لئے حکم بدل گیا ہے۔

(۳) حضرتؒ نے یہ حکم بھی اپنے زمانہ کے لحاظ سے فرمایا ہے؛ کیونکہ آج کے زمانہ میں نوٹ کو نقد (چاندی کاروپیہ) ←

سوال (۷۷۰): قدیم ۳/۲-۳ جکل نوٹوں کا اس شدت سے رواج ہو گیا ہے کہ بعض مرتبہ

مہینوں بھی روپیہ کی صورت دیکھنے کو نہیں ملتی، تنخواہ وغیرہ میں نوٹ ہی ملتے ہیں اور وہی صرف میں آتے ہیں۔
(۱) بنیوں فی نوٹ ایک پیسہ لیکر ریزگاری دیتے ہیں، یہ بڑے دینا جائز ہے یا نہیں؟ بصورت اثبات کیا اس کے لیے بھی کسی شرعی حیلہ کی ضرورت ہے، جیسا کہ روپیہ کی صورت میں کیا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ ایک پیسہ شامل کر کے دیدیا جاوے۔

(۲) اگر کسی کے پاس بقدر نصاب کے نوٹ جمع ہو جاویں تو حوالان حول کے بعد زکوٰۃ نوٹوں پر واجب ہوگی یا نہیں شبہ کا منشاء یہ ہے کہ نوٹ حقیقتاً چاندی یا سونا نہیں، اگر یہ کہا جاوے کہ اجرائے نوٹوں میں گورنمنٹ مقروض ہے، اور قرض میں زکوٰۃ واجب ہے تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ گورنمنٹ قرضدار بیشک ہے؛ لیکن گورنمنٹ نے نہ اس کا وعدہ کیا ہے نہ اس کے ذمہ ہے کہ ایک روپیہ کے نوٹ کے عوض میں روپیہ ہی دے؛ بلکہ وہ چونٹھ پیسے یا سولہ اکٹی یا آٹھ دوئی جو چاندی کی نہیں ہوتیں دیدے تو لینے والا انکار نہیں کر سکتا اسی طرح بڑی رقم کے نوٹوں کے معاوضہ میں گورنمنٹ چھوٹی رقم کے نوٹ دے سکتی ہے اور چھوٹی رقم کے نوٹوں میں وہی پیسہ یا اکٹی یا دوئی والی صورت پیش آ سکتی ہے تو ایسی صورت میں اسکی ایسی مثال ہوگی، جیسے کوئی شخص مثلاً کسی شخص کا ایک لاکھ پیسوں کا مقروض ہو یا پچاس ہزار کانسی کی اکٹی یا دوئی کا مقروض ہو تو کیا ایسی صورت میں قرضخواہ کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۳) قیاساً علی ذالک یہ جو اسی ہزار تکہ کا مہر بندھتا ہے اُن میں وقت ادائیگی مہر زجہ کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا فرق ہوا؟ اُمید ہے کہ جواب سے عزت بخشی جاوے؟ دلیل کی ضرورت نہیں، صرف جناب کی تحقیق مطلوب ہے؟

الجواب: اول مقدمہ سمجھ لینا چاہیے، وہ یہ کہ حقیقت نوٹ کی کیا ہے، سو حقیقت نوٹ کی یہ ہے کہ جس وقت اول میں روپیہ دے کر گورنمنٹ سے نوٹ لیا تھا گورنمنٹ اس روپیہ کی مقروض ہوگی اور نوٹ اس قرض کی سند ہے، پس اصل حق مالک کا وہ روپیہ ہے اور آئندہ کسی کو نوٹ دینا اپنے اسی قرضے کا بذمہ گورنمنٹ حوالہ کر دینا ہے، اس سے سب سوالوں کا جواب ہو گیا؛ چنانچہ تصریحاً بھی لکھا جاتا ہے۔

← بنانے کی ضرورت نہیں اور بغیر تبدیلی کے زکوٰۃ کی ادائے کی بلاشبہ جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ نوٹ خود فی نفسہ

مال ہے جیسا کہ مسئلہ نمبر: ۲۸/۷ میں مکملہ فتح الہام اور التہیان کی واضح عبارت گزر چکی ہے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) یہ بٹہ دینا اور اسی طرح سے لینا جائز نہیں؛ کیونکہ حوالہ میں کمی بیشی جائز نہیں اور اس حیلہ کا محل

حوالہ نہیں بلکہ بیع ابدی تقاضا ہے جو یہاں نہیں۔ (۱)

(۲) زکوٰۃ واجب ہوگی؛ کیونکہ اسکا اصل حق مال ہے اور یہ مثال اس لیے غلط ہے کہ اسمیں اصل حق مال زکوٰۃ نہیں عروض ہے اور دوسری جنس سے اداء ہو جانے سے جو اشتباہ ہو گیا ہے سو وہ قرضہ کا غیر جنس سے بتراضی طرفین اداء کر دینا صحیح ہے۔ (۲)

(۱) عن عبادة بن صامت قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ..... مثلاً بمثل سواء بسواء يَدًا بِيَدٍ، فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم، إذا كان يَدًا بِيَدٍ. (الصحيح لمسلم، النسخة الهندية، باب الربا ۲/۲۵، رقم: ۱۵۸۷)

فإن باع فضة بفضة أو ذهباً بذهب لا يجوز إلا مثلاً بمثل (إلى قوله) ولا بد من قبض العوضين قبل الافتراق. (هداية، كتاب الصرف، اشرفي بکڈپو دیوبند ۳/۱۰۴)

اس کو البحر الرائق میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے:

فلو تجانسا شرط التماثل والتقابض أي النقدان بأن يبيع أحدهما بجنس الآخر فلا بد لصحته من التساوي وزناً ومن قبض البدلين قبل الافتراق. (البحر الرائق، كتاب الصرف، مكتبة زكريا دیوبند ۶/۳۲۲، كوئٹہ ۶/۱۹۲)

اس کو تنویر الابصار میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے:

ويشترط التماثل والتقابض قبل الافتراق إن اتحد اجنسا وإن اختلفا جودة وصياغة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب الصرف، مكتبة زكريا دیوبند ۷/۵۲۱-۵۲۲، کراچی ۵/۲۵۷-۲۵۸)

(۲) نوٹوں ہی پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے؛ اس لئے کہ ہر ملک اور حکومت میں قانونی حیثیت سے اس ملک کی کرنسی (نوٹ) فی نفسہ مال اور ثمن ہے؛ لہذا خود نوٹوں کی زکوٰۃ دینا لازم اور واجب ہے اور مستحقین زکوٰۃ کو نوٹ ہی دیا جاسکتا ہے۔

فهذا هي بداية ”بنك نوت“ وكانت في مبدأ الأمر يصدرها التجار مكتوبة بخطهم وكانت الثقة موقوفة على الثقة بمن يصدرها، ثم لما كثر التعامل بها منعت الحكومات أن يصدرها الأشخاص واقتصر إصدارها على البنوك ثم ازداد شيوعها جعلتها ←

(۳) اور اسی تقریر بالا سے نکلے کے مہر میں اور نوٹ کے بدل میں فرق ظاہر ہو گیا کہ مہر میں اصل سے ہی واجب نکلے ہیں۔ (۱) اور یہاں ایسا نہیں جیسا مذکور ہوا۔

(حوادث خاص ص ۳۰)

سوال (۷۷۱): قدیم ۲/۲ - زکوٰۃ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں عموماً مرسل علیہ کو ڈاک خانہ سے نوٹ دیئے جاتے ہیں نوٹ سے زکوٰۃ اداء نہیں ہوتی۔ اس دشواری سے بچنے کیلئے کیا صورت اختیار کی جاوے؟

الجواب: میں ایسا کرتا ہوں کہ اس مقام میں کسی کو وکیل بنا دیا کہ اس نوٹ کو نقد کر کے فلاں مستحق کو دیدو۔ (۲) ۱۳۳۸ھ

← الحكومات ثمنًا قانونيًا وجبرت كل دائن أن يقبلها في أداء دينه كما يجبر بقبول النقود وحينئذٍ منعت البنوك الشخصية أيضًا من إصدارها ولم يحز لبنك من البنوك أن يصدرها إلا البنك الرئيسي الحكومي وحينئذٍ صارت هذه الأوراق في حكم النقود سواء بسواء الخ. (تكملة فتح الملهم ۵۱۹/۱)

(۱) نکلے بنگلہ زبان میں نوٹ والے روپیہ کو کہا جاتا ہے، جب مہر میں اسی ہزار (۸۰۰۰۰) نکلے طے ہوئے تو یہی نکلے ہی اداء کرنا واجب ہے اور بتراضی طرفین اس کے عوض جوشی طے ہو جائے اس کو اداء کرنا بھی جائز ہو جائے گا۔

وان حقوق هذا الورق تنتقل إلى رجل آخر بتسليمه إليه فيصير حامله دائنًا للبنك بطريقة تلقائية ولهذا صار أداء الحقوق المالية بهذه الأوراق كأداءها بالنقود الخ. (تكملة فتح الملهم ۵۱۹/۱)

إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي ما كان الخ. (شامسي، كتاب السرقة زكريا ۱۵۸/۶، كراچی ۹۵/۴، كتاب الحجر شامي زكريا ۲۲۱/۹، كراچی ۱۵۱/۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) حضرت والا تھانویؒ کے زمانہ میں نوٹ کی حیثیت ثمن اور مال کی نہیں تھی؛ چنانچہ اس زمانہ میں نوٹ سے سونا، چاندی کا خریدنا بھی جائز نہیں تھا؛ اس لئے اس زمانہ میں نوٹ کے ذریعہ کے سے زکوٰۃ اداء نہیں ہوتی تھی۔ ←

سوال (۷۷۲): قدیم ۵/۲ - زکوٰۃ کے منی آرڈر میں ڈاک خانہ کو نوٹ دیئے جاسکتے ہیں

یا روپیہ ہی دینا ضروری ہے؟

الجواب: دونوں یکساں ہیں زکوٰۃ اداء ہونے کی شرطیں دونوں صورتوں میں مشترک ہیں۔ (۱)

← ومن هذه الناحية قد أفتى معظم علماء الهند وباكستان بأن أوراق العملة هذه ليست اثماننا، وإنما هي سندات ديون فلا يجوز اشتراء الذهب والفضة ولا يتأدى بها الزكاة وقولي بل وقد أفتى بعضهم أن زكاتها لا يجب أدائها حتى تنقد لأنها في حكم الدين القوي والدين القوي وإن كانت الزكاة تجب عليه عند الحنفية غير أنه لا يجب أدائها حتى يقبض منه أربعون درهما كما هو المعروف. (تكملة فتح الملهم ۱/۵۱۶)

اور آج کل کے زمانہ میں ہر ملک میں نوٹ کی حیثیت ٹمن اور مال کی ہو گئی ہے؛ اس لئے بلاشبہ اس کے ذریعہ سے زکوٰۃ اداء ہو جاتی ہے۔

بالجملة فهذا يدل على أن أوراق العملة هذه قد فاقت على العملة المسكوكة بكثير في شيوع التعامل بها في اعتماد الناس عليها وثقتهم بها حتى أخذت العملة المسكوكة في سائر بلاد العالم ولا يخطر ببال أحد عند التعامل بها أنه يتعامل بدين وإنما يعتبرها الناس ثمنًا فوق ما يعتبرون العملة المسكوكة من هذه الجهة جعلها الشيخ فتح محمد اللكنوي في حكم الثمن العرفي المبتذل وأفتى بأداء الزكاة بها ويجوز اشتراء الذهب والفضة بها، وبقوله أفتى ابنه الفاضل المفتي سعيد أحمد اللكنوي أيضا. (تكملة فتح الملهم ۱/۵۱۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) نوٹ ٹمن عرفی ہونے کی وجہ سے اس سے زکوٰۃ ادا کی ہو جاتی ہے۔

إن الأوراق النقدية ثمن عرفي ليست ثمنًا حقيقيًا والربا يجري في الثمن الخلقي الذاتي إذا في الأوراق النقدية من مختلف الدولة ينفي القدر والجنس، أما الجنس فظاهر لاختلاف الدولة وأما القدر؛ لأنها ليست من جنس الأثمان الخلقية بل عرفية فيجوز الخ. (التبيان في زكاة الأثمان بحواله مجلة فقه اكيڈمي ۴/۵۹)

وقد بحث فقهاء العصر حكم زكاة هذه النقود الورقية فقرروه او جوب الزكاة فيها عند جمهور الفقهاء. (الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة ۲/۶۸۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۷۷۳): قدیم ۵/۲۔ جب مرسل علیہ کو عموماً ڈاک خانہ سے نوٹ ہی دیئے جاتے ہیں تو پھر بیرہ کیوں نہ کیا جائے کہ اسمیں فیس کی بھی کفایت ہے؟

الجواب: ایسا ہی کیا جاوے مگر زکوٰۃ اداء ہونے کے لیے نوٹ کا قبض کافی نہیں۔ (۱)

(۱۳۳۸ھ (حوادث خامس، ص ۳۵)

سوال (۷۷۴): قدیم ۵/۲۔ نوٹ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: زکوٰۃ ہے۔ (۲)

(تمتہ اولی، ص ۵۸، حوادث، ص ۵۴، ج ۱)

(۱) حضرت والا تھانویؒ کے زمانہ میں نوٹ کو ثمن اور مال تسلیم نہیں کیا جاتا تھا، اس لئے اس سے زکوٰۃ اداء نہیں ہوتی تھی، مگر آج کل کے زمانہ میں عالمی سطح پر ہر ملک میں نوٹ کو ثمن عرفی اور مال تسلیم کیا جاتا ہے؛ اس لئے اب زکوٰۃ کی ادائے گی کے لئے نوٹ کا قبضہ کافی ہے اور اس سے بلاشبہ زکوٰۃ اداء ہو جائے گی۔

وبالجملة، صارت هذه الأوراق اليوم كالنقود ويطلق عليها اسم النقد والعملة (إلى قوله) مع شيوع التعامل بها (إلى قوله) بل لأن معظم الممالك اليوم تصدرها كالأثمان العرفية، ولا يكون وراءها شيء من الذهب أو الفضة، فالذي أرى أن القبول بشئيتها أصبح قويا منذ أن جعلتها الحكومات أثمانا قانونية وجبرت الناس بقبولها عند اقتضاء ديونهم. (تكملة فتح الملهم، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۵۲۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) جب نوٹ کی مقدار نصاب کو پہنچ جائے اور حوالان حول ہو جائے اور قرض اور حوائج اصلہ سے فارغ ہو تو اس کی زکوٰۃ اداء کرنا واجب اور لازم ہو جاتا ہے۔

ولا تجب الزكاة على الأوراق النقدية إلا ببلوغها النصاب الشرعي وبحولان الحول وبالفراغ من الدين وهو الحق والعدل وزاد الحنفية، وبأن يكون النصاب فاضلا عن الحاجات الأصلية لمالكه من نفقة وكسوة وسكنى وآلة حرب الخ. (الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة ۲/ ۶۸۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نوٹ کے ذریعہ زکوٰۃ صرف اس وقت ادا ہوگی جب کہ مسکین

اس نوٹ کو نقد کر لے یا اس کی کوئی چیز خرید لے

سوال (۷۷۵): قدیم ۵/۲ - زکوٰۃ میں نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

اسی طرح دوسری رقوم واجب التملیک مثل فدیہ صوم و صلوة وغیرہ؟

الجواب: چونکہ وہ مال نہیں محض سند مال ہے اس لیے نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

اور یہی حکم ہے دوسری رقوم واجب التملیک کا بلکہ ان صورتوں سے زکوٰۃ وغیرہ ادا ہو جاتی ہے۔

(الف) یا تو خود مسکین کو نقد دے یا کوئی چیز از قسم مال اتنی قیمت کی دے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک

زکوٰۃ غیر جنس سے بھی ادا ہو جاتی ہے۔

(ب) یا مسکین کو نوٹ دیا اور اس مسکین نے اُس کو نقد یا کسی جنس کے بدلے فروخت کر کے اُس نقد یا

جنس پر قبضہ کر لیا اب قبضہ کے وقت زکوٰۃ وغیرہ ادا ہوگئی۔ (۱)

اور اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں مثلاً اس مسکین کے پاس سے وہ نوٹ ضائع ہو گیا یا اس نے اپنے

قرض میں کسی کو دیدیا ان صورتوں میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

۵ صفر ۱۳۳۷ھ (حوادث، ص ۲۳، ج ۵)

(۱) یہ حکم حضرتؒ کے زمانہ کا ہے اب یہ حکم بدل گیا ہے اب براہ راست نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا

ہو جاتی ہے؛ اس لئے کہ اب نوٹ بذات خود دشمن اور مال بن گیا ہے۔

أن معظم الحكومات اليوم قد جعلت الفلوس المسكوكة عملة قانونية

محدودة في حين إن جعلت هذه الأوراق عملة قانونية غير محدودة ونتيجة

ذلك أن المشتري يستطيع أن يجبر البائع بقبول هذه الأوراق الخ. (تكملة

فتح الملهم ۱/ ۵۱۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مسکین کو زکوٰۃ میں نوٹ دیا گیا پھر مسکین کو اس نوٹ کی قیمت کچھ کم ملی اس کا حکم

سوال (۷۷۶): قدیم ۶/۲ - اگر کسی مسکین کو زکوٰۃ وغیرہ میں نوٹ دیدیا اور اس نے اس کا نقد یا جنس لیکر قبضہ کر لیا مگر نوٹ لینے والے نے اس نوٹ پر بٹہ لیا، مثلاً فی روپیہ ایک پیسہ اور اسی طرح اگر کسی مدرسہ میں دیا اور مہتمم نے اس کو نقد کر کے کسی مستحق طالب علم کو دیا اور نقد کرنے کے وقت اسی طرح بٹہ لگا تو آیا زکوٰۃ میں پورا روپیہ ادا ہوا یا پیسہ کم روپیہ اور اگر اپنے رو برو ایسا نہ ہوا مگر معلوم ہے کہ جہاں نوٹ بھیجا ہے وہاں ایسا ہوا ہوگا تو احتیاط کی بات ہے۔

الجواب: اس صورت میں پیسہ کم روپیہ ادا ہوگا، ایک پیسہ مثلاً اس شخص کو اور زکوٰۃ میں کسی مسکین کو دیدینا چاہیے، اسی طرح جب قرائن سے اپنے غیبت سے بٹہ لگنا معلوم ہو تب بھی فی روپیہ مثلاً ایک پیسہ اور بھی مسکین کو دیدے، (۱)

۵/ صفر المظفر ۱۳۳۷ھ (حوادث، ص ۲۵، ج ۵)

(۱) زکوٰۃ میں مسکین کو اتنا پورا ملنا ضروری ہے جتنا زکوٰۃ کا حصہ بنتا ہے، جو کم رہ جائے اس کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

يعتبر أن يكون المؤدّي قدر الوجوب وزناً عند الإمام والثاني: وقال زفرٌ تعتبر القيمة واعتبر محمدٌ الأنفع للفقراء ولو أدى عن خمسة جيدة خمسة زيوفاً قيمتها أربعة جيدة جاز عندهما وكره وقال محمدٌ، وزفرٌ: لا يجوز حتى يؤدي الفضل الخ. (شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ۲۲۷/۳)

ثم أن المعتبر عند محمد الأنفع للفقير من القدر والقيمة وعندهما القدر فإذا أدى خمسة اقفر رديئة عن خمسة جيده لم يجز عنده حتى يؤدي تمام قيمة الواجب وجاز عندهما، وهذا إذا كان المال جيدهم وأدى من جنسه رديئة الخ. (شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مكتبة زكريا ديوبند ۲۱۱/۳، كراچی ۲۸۵/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

گوٹہ وغیرہ کی خرید و فروخت بیع صرف ہے یا نہیں؟ اور اس میں زکوٰۃ کا حکم

سوال (۷۷۷): قدیم ۶/۲ - گوٹہ، کھواب، کلا بتون، سلور کی چاندی، سچے بناری، دوپٹے، تاش وغیرہ وغیرہ ان تمام پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟ اور ان کی خرید و فروخت میں احکام بیع صرف کے ملحوظ ہوں گے یا نہیں؟

الجواب: تاش معلوم نہیں کیا چیز ہے؟ باقی سب چیزوں پر زکوٰۃ ہے (۱) اور ان کی بیع میں احکام بیع صرف کے جاری ہوں گے (۲) یعنی جتنی چاندی ہے اس قدر میں نسیہ و تفاضل جائز نہ ہوگا اور یہ اس تقدیر پر ہے جبکہ سلور چاندی ہو، گودانی درجہ کی سہی اور اگر کوئی اور چیز ہے (بعد میں معلوم ہوا کہ یہ چاندی نہیں ہے ۱۲ منہ) تو حکم بدل جاوے گا۔ فقط

۱۵ شعبان ۱۳۳۱ھ امداد، ص ۱۵۴، ج ۱

(۱) أخرج عبد الرزاق عن ابن جريج قال: كان عطاء يقول: لازكوة في عرض لايدار إلا الذهب والفضة، فإنه إذا كان تبراً موضوعاً وإن كان لايدار زكي. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الزكاة، باب الزكاة من العروض ۹۷/۴، رقم: ۷۱۰۲)

الزكاة واجبة في الذهب والفضة مضروبة كانت أو غير مضروبة..... حلياً كان للرجال أو للنساء عندنا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في زكاة المال زكريا ۱۵۴/۳، رقم: ۳۹۷۷)

اور درمختار میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

واللازم في مضروب كل منهما ومعموله ولو تبراً أو حلياً مطلقاً (الدر المختار) وفي الشامية: (و معموله) أي ما يعمل من نحو حلية سيف أو منطقته أو لجام أو سرج أو الكواكب في المصاحب والأواني وغيرها إذا كانت تخلص بالإذابة الخ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ۲۲۷/۳، كراچی ۲۹۷/۲-۲۹۸)

(۲) فإن باع فضة بفضة أو ذهباً بذهب لا يجوز إلا مثلاً بمثل (إلى قوله) ولا بد من

قبض العوضين قبل الافتراق. (هداية، كتاب الصرف، اشرفي بکڈپو دیوبند ۱۰۴/۳) ←

سون چاندی میں کھوٹ کا حکم

سوال (۷۷۸): قدیم ۶/۲ - فقہاء جو تحریر فرماتے ہیں کہ اگر غش غالب ہو تو غش ہوگا اور اگر ذہب و فضہ غالب ہو تو اس کے کیا معنی ہیں، بعض غش ایسا ہوتا ہے کہ بغیر گلّائے علیحدہ نہیں ہوتا اور بعض ہو سکتا ہے، دونوں مراد ہیں یا ایک، دوسرے یہ امر کہ غش کا لحاظ و اعتبار اس زیور کے لحاظ سے ہے کہ جس میں وہ موجود ہے یا نصاب کے لحاظ سے بھی، مثلاً ایک زیور میں غش غالب ہے اور زیور خالص ہیں اگر وہ زیور بوجہ غلبہ غش ساقط الاعتبار کیا جائے تو باقی ماندہ زیوروں کی مقدار زکوٰۃ کی نصاب کو نہیں پہنچتی، یا یہ صورت کہ اس ناقص زیور میں جس قدر خالص چاندی اندازہ کی جاوے اور دیگر زیور مقدار نصاب کو پہنچتے ہیں یا خالص زیور بقدر نصاب ہے اور یہ غالب الغش مقدار سے زائد ہے تو ان سب صورتوں میں کیا کیا جاوے گا آیا جس زیور میں غش ہے اسکی غلبیت اور مغلوبیت کے احکام اسی زیور کے اعتبار سے ہوں گے یا دیگر زیوروں کے لحاظ سے؟

الجواب: ذہب و فضہ کے ساتھ غیر ذہب و فضہ کے مخلوط ہونے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ دونوں متمیز ہوں اور گلا کر نہ ملائی گئی ہوں، اس میں تو مجموعہ کا ایک حکم نہ ہوگا، ذہب و فضہ کی مقدار میں ذہب و فضہ کے احکام جاری ہوں گے اور غیر ذہب و فضہ میں اس کے احکام جاری ہوں گے، مثلاً بیع صرف زکوٰۃ صرف مقدار ذہب و فضہ معتبر ہوگی مجموعہ میں نہ ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک دوسرے سے متمیز نہ ہوں اور گلا کر دونوں کو ایک کر دیا ہو، اس میں فقہاء نے کہا ہے کہ غالب کا اعتبار ہے۔ یعنی اگر غالب ذہب یا فضہ ہو تو مجموعہ کو سب احکام میں ذہب و فضہ کہا جائے گا (۱)

← اس کو بحر الرائق میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

فلو تجانسا شرط التماثل والتقابض أي النقدان بان بيع أحدهما بجنس الآخر فلا بد لصحته من التساوي وزنا ومن قبض البدلين قبل الافتراق. (البحر الرائق، كتاب الصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۳۲۲، كونه ۶/۱۹۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) إذا كان الغالب على الورق المضروب الفضة فهو في حكم الفضة فتجب فيه

الزكاة كأنه كله فضة ولا تزكي زكاة العروض، ولو كان قد أعدّها للتجارة أما كان ←

اور اگر غالب دوسری چیز ہے تو مجموعہ کو دوسری چیز کے حکم میں کہیں گے اس میں جس قدر ذہب و فضہ ہیں اس میں بھی احکام ذہب و فضہ کے جاری نہ ہوں گے۔ نہ اس پر زکوٰۃ ہوگی، نہ احکام بیع صرف اس میں معتبر ہوں گے۔ (۱) اس سے سب سوالوں کا جواب نکل آیا، اگر کسی حکم میں شبہ رہے پھر دریافت کر لیا جاوے۔ فقط

۱۵/شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد، ص ۱۵۵، ج ۱)

← الغش غالباً فلا يكون لها حكم الفضة بل حكم العروض فلا زكاة فيها إلا إن نواها للتجارة وبلغت نصاباً بالقيمة فإن لم ينوها للتجارة فإن كانت بحيث يخلص منها فضة تبلغ نصاباً وجبت زكاتها وإلا فلا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳/۲۶۵)

قال الحنفية: غالب الفضة فضة وغالب الذهب ذهب وإن كان الغالب عليهما الغش فهي في حكم العروض التجارية ولا بد من أن تبلغ قيمتها نصاباً ولا بد فيها من نية التجارة كسائر العروض، إلا إذا كان يخلص منها فضة تبلغ نصاباً لأنه لا يعتبر في عين الفضة القيمة ولانية التجارة. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، زكاة النقود، المكتبة الأشرفية ديوبند ۲/۶۷۲)

إذا كان الغالب على الورق الفضة فهو في حكم الفضة، وإذا كان الغالب عليها الغش فهو في حكم العروض يعتبر أن تبلغ قيمته نصاباً لأن الدرهم لا تخلو عن قليل غش لأنها لا تنطبع إلا به وتخلو عن الكثير فجعلنا الغلبة فاصلة وهو أن يزيد على النصف اعتباراً للحقيقة، إلا أن في غالب الغش لا بد من نية التجارة كما في سائر العروض إلا إذا كان يخلص منها فضة تبلغ نصاباً لأنه لا يعتبر في عين الفضة القيمة ولانية التجارة. (هداية، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، أشرفي بکڈپو دیوبند ۱/۱۹۵)

(۱) إذا كان الغالب على الدرهم الفضة فهي فضة وإذا كان الغالب على الدينارين الذهب فهي ذهب ويعتبر فيهما من تحريم التفاضل ما يعتبر في الجياد حتى لا يجوز بيع الخالصة بها ولا يبيع بعضها ببعض الامتساوياً في الوزن وكذا لا يجوز الاستقراض بها إلا وزناً..... وإن كان الغالب عليهما الغش فليسافي حكم الدرهم والدينارين اعتباراً للغالب..... وإن بيعت بجنسها متفاضلاً جاز صرفاً لجنس إلى خلاف الجنس فهي في حكم شيئين فضة وصفرة ولكنه صرف حتى يشترط القبض في المجلس لوجود الفضة من الجنابين.

(هداية، كتاب الصرف، أشرفي بکڈپو دیوبند ۱/۱۰۸-۱۰۹) ←

زکوٰۃ کی ادائیگی میں کھوٹ والا سکھ دینا

سوال (۷۷۹): قدیم ۲/۷- گلٹ کے سکے درحقیقت اس قیمت کے نہیں ہیں جو ان پر درج ہے اور نہ وہ شرعاً مال ہیں اس لیے یہ کسی قدر نوٹ کے مشابہ ہیں اور یہ بھی خبر ہے کہ روپیہ بھی گلٹ کا بنے گا اور یہ خبر میں نے خود اخبار میں دیکھی کہ چاندی کی گرانی کی وجہ سے پارلیمنٹ میں یہ طے ہو گیا کہ آئندہ اگر چاندی کے سکے بنائے جائیں تو ان میں صرف چھٹا حصہ چاندی کا شامل کیا جائے اس صورت میں بھی یہ سکے شرعاً مال نہ ہوں گے کیونکہ ان میں غش غالب ہوگا، پھر ادائے زکوٰۃ میں اور بھی دشواری ہوگی۔

براہ کرم تفصیلی جواب مرحمت فرمائے جائیں؛ کیونکہ مجھے ادائے زکوٰۃ میں ان امور سے بہت دشواری پیش آرہی ہے۔

الجواب: غلبہ غش سے ذہب یا فضہ ہونے کی نفی صحیح ہے، نہ کہ مال ہونے کی، مال کی تعریف اس پر صادق آتی ہے لہذا وہ مال ہے (۱) البتہ اگر زکوٰۃ غیر جنس سے اداء نہ ہوتی ہو تو اس کا ذہب و فضہ نہ ہونا بھی مضرت تھا

← وما غلب فضته وذهبہ وفضۃ ذہب حکماً فلا یصح بیع الخالص بہ ولا بیع بعضہ ببعض الامتساویا وزناً، وكذا لا یصح الاستقراض بہا إلا وزناً والغالب علیہ الغش منہما فی حکم عروض اعتباراً للغالب فصح بیعہ بالخالص، إن كان الخالص أكثر من المغشوش لیکون قدرہ بمثلہ والزائد بالغش و بجنسہ متفاضلاً وزناً وعدداً بصرف الجنس لخلافہ بشرط التقابض قبل الافتراق فی المجلس. (الدردار المختار علی رد المحتار، کتاب البیوع، باب الصرف، مکتبۃ زکریا دیوبند ۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳، کراچی ۵/۲۶۵-۲۶۶)

وغالب الفضۃ والذہب فضۃ وذهب حتی یصح بیع الخالصۃ بہما ولا بیع بعضہا ببعض الامتساویاً وزناً ولا یصح الاستقراض بہما إلا وزناً وغالب الغش لیس فی حکم الدراہم والدنانیر فیصح بیعہا بجنسہا متفاضلاً. (کنز الدقائق مع البحر الرائق، کتاب الصرف، مکتبۃ زکریا دیوبند ۶/۳۳۴-۳۳۵) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) إذا كان الغالب على الورق الفضۃ فهو في حکم الفضۃ، وإذا كان الغالب علیہا الغش فهو في حکم العروض يعتبر أن تبلغ قيمته نصاباً لأن الدراہم لا تخلو عن قليل غش لأنها لا تنطبع إلا به وتخلو عن الكثير فجعلنا الغلبة فاصلة وهو أن يزيد على النصف اعتباراً ←

مگر غیر جنس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، جب بازار میں اس کی قیمت حق واجب کی برابر ہو اور یہ تساوی اس میں حاصل ہے۔ (۱) لہذا زکوٰۃ میں کوئی دشواری نہیں، جیسے پیسوں سے نقدین کی زکوٰۃ اداء ہو جاتی ہے اور اگر ایسی ہی احتیاط ہو تو اور کوئی متقوم چیز خرید کر جیسے کپڑا یا غلہ زکوٰۃ کی نیت سے دیدے۔ (۲)

۱۳۳۸ھ (حوادث، ص ۳۵، ج ۵)

← للتحقیقة، إلا أن في غالب الغش لابد من نية التجارة كما في سائر العروض إلا إذا كان تخلص منها فضة تبلغ نصاباً لأنه لا يعتبر في عين الفضة القيمة ولا نية التجارة. (هداية، كتاب الزكوة، باب زكوة المال، أشرفي بكڈپو دیوبند ۱۹۵/۱)

(۱) المراد بالمال ما يميل إليه الطبع ويمكن ادخاره لوقت الحاجة والمالية تثبت بتمول الناس كافةً أو بعضهم. (شامي، كتاب البيوع، مطلب: في تعريف المال والملك والمتقوم، مكتبة زكريا دیوبند ۱۰/۷، وکراچی ۵۰۱/۴) الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۶/۳۱۔

(۲) عن طائوس قال: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم معاذاً إلى اليمن فأمره أن يأخذ الصدقة من الحنطة والشعير فأخذ العروض والثياب من الحنطة والشعير. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، ما قالوا في أخذ العروض في الصدقة، مؤسسة علوم القرآن ۵۲۱/۶-۵۲۲، رقم: ۱۰۵۳۸)

عن عطاء: أن عمر كان يأخذ العروض في الصدقة من الورق وغيرها. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، ما قالوا في أخذ العروض في الصدقة، مؤسسة علوم القرآن ۵۲۲/۶، رقم: ۱۰۵۳۹)

لو عال يتيمًا فجعل يكسوه ويطعمه وجعله من زكاة ماله فالكسوة تجوز لوجود ركنه وهو التمليك، وأما الإطعام إن دفع الطعام إليه بيده يجوز أيضًا لهذه العلة. (البحر الرائق، كتاب الزكوة، مكتبة زكريا دیوبند ۳۵۳/۲، كوئٹہ ۲۰۱/۲)

هي تمليك خرج الإباحة فلو أطعم يتيمًا نأويًا الزكوة لا يجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم، كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكوة، مكتبة زكريا دیوبند ۱۷۱/۳، وکراچی ۲۵۶/۲-۲۵۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کا نصاب تولہ کے حساب سے

سوال (۸۰): قدیم ۸/۲ - مقدار نصاب تولہ اور سکہ انگریزی کے وزن سے کس قدر ہوگا چاندی سونا دونوں؟

الجواب: مشہور قول ۵۲ تولہ چاندی اور ۷ تولہ سونا لکھنؤ کے تولہ سے جس کے حساب سے روپیہ ۱۱ ماشہ کا ہوتا ہے۔ (۱) فقط

۱۵ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ

(۱) حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ جو امداد الفتاویٰ کے مرتب ہیں اور حضرت والا تھانویؒ کے خاص تربیت یافتہ ہیں، انہوں نے ایک مستقل رسالہ اوزان شرعیہ کے نام سے تحریر فرمایا ہے، جس کو جواہر الفقہ کا ایک جزو بنادیا ہے، اس میں بڑی تحقیق کے ساتھ چاندی اور سونا کا نصاب تحریر فرمایا ہے اور آج کل کے زمانہ میں اسی کو علماء و مفتیان کرام نے معیار بنایا ہے حضرت مفتی صاحب کی عبارت ذیل میں درج ہے۔

جبکہ یہ متفق علیہ ہے کہ چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے اور تحقیق مذکور سے حمایت ہو گیا کہ ایک درہم کا وزن تین ماشہ ایک رتی اور ایک پانچواں حصہ رتی کا ہے تو حساب نکالنے سے واضح ہو گئی کہ چاندی کا نصاب باون تولہ چھ ماشہ ہے یعنی ۱۲/۱۲ ماشہ کے تولہ سے ساڑھے باون تولہ ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۴۰۹/۳)

اور ۱۲/۱۲ ماشہ کا ایک تولہ چھیا نوری رتی کا ہوتا ہے، جواہر الفقہ ۴۰۷/۳، ایضاح الطحاوی ۱۹۳/۳، میں کافی لمبی تحقیقی بحث موجود ہے۔

اور موجود زمانہ کے گراموں کے حساب سے دس گرام کے تولہ سے ۶۱/۲ تولہ ۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام یعنی ۶۱۲/۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام چاندی کا نصاب ہے، ایضاح الطحاوی ۱۹۳/۳ کا نقشہ ملاحظہ ہو:

اور سونے کا نصاب ۱۲/۱۲ ماشہ کے تولہ سے ساڑھے سات تولہ ہے، جواہر الفقہ ۴۱۰/۳، اور موجودہ گراموں کے حساب سے ۸۷/۸ گرام ۴۸۰ ملی گرام ہے یعنی دس گرام کے تولہ سے ۸/۸ تولہ ۷/۸ گرام ۴۸۰ ملی گرام سونا کا نصاب ہے۔ (مستفاد: ایضاح الطحاوی ۱۹۳/۳)

چاندی اور سونا کا یہ نصاب نئص حدیث پانچ اوقیہ اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہے یعنی ۲۰۰ درہم چاندی کا نصاب ہے اس سے کم میں چاندی کی زکوٰۃ واجب نہیں، اور ۲۰۰ مثقال سے کم میں سونا کی زکوٰۃ واجب نہیں اور بیس کا وزن ۱۲/۱۲ ماشہ کے تولہ سے ساڑھے سات تولہ ہے جو اوپر مذکور ہوا ہے۔ ←

دین مہر مانع زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

سوال (۷۸۱): قدیم ۸/۲ - مہر مؤجل جس کے دینے کا بالفعل ارادہ نہ ہو مانع زکوٰۃ ہے یا نہیں؟
الجواب: اس میں اختلاف ہے علامہ شامیؒ نے اسکو نقل کر کے لکھا ہے:

زاد القہستانی عن الجواهر والصحيح أنه غير مانع -

پس صحیح یہی ہوا کہ مانع وجوب نہیں۔ (۱)

۱۵ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد، ص ۱۵۵، ج ۱)

← روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي سعيد الخدري قال أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ليس فيما دون خمسة ذود صدقة، وليس فيما دون خمس أواق صدقة، وليس فيما دون خمس أوسق صدقة الحديث - وتحتة - قال أبو عيسى: ليس فيما دون خمسة أواق صدقة والوقية أربعون درهما وخمس أواق مائتا درهم الخ. (ترمذي شريف، كتاب الزكاة، باب ما جاء في صدقة الزرع والتمر، النسخة الهندية ۱/۱۳۶، رقم: ۶۲۶)

عن علي عن النبي صلى الله عليه وسلم ببعض أول الحديث قال فإذا كانت لك مائتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم ليس عليك شيء يعني في الذهب حتى تكون لك عشرون ديناراً، فإذا كانت لك عشرون ديناراً وحال عليها الحول ففيها نصف دينار فما زاد فبحساب ذلك. الحديث (أبوداؤد شريف، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، النسخة الهندية ۱/۲۲۱، دار السلام رقم: ۱۵۷۳)

عن الشعبي قال في عشرين مثقالاً نصف مثقال وفي أربعين مثقالاً مثقال. (مصنف ابن أبي شيبة ۶/۳۹۱، رقم: ۹۹۶۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) شامی، کتاب الزکاۃ، مطلب: الفرق بین السبب والشرط والعلة، مکتبہ زکریا دیوبند

۱۷۷/۳، کراچی ۲۶۱/۳ -

قال مشايخنا رحمهم الله تعالى: في رجل عليه مهر مؤجل لامرأته وهو لا يريد أداءه لا يجعل مانعاً من الزكاة لعدم المطالبة في العادة وأنه حسن أيضاً. (هندية، كتاب الزكاة،

الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، مکتبہ زکریا دیوبند قدیم ۱/۸۳، جدید ۱/۲۳۴) ←

سوال (۷۸۲): قدیم ۸/۲ - دین مہر بشرط نیت ادا مانع و وجوب زکوٰۃ واضحیہ ہے یا نہیں؟

الجواب: (*) دین مہر کے مانع زکوٰۃ ہونے میں اختلاف ہے۔ درمختار میں تو مانع کہا ہے۔

(*) في هذا الجواب رجوع عن الجواب السابق كما لا يخفى ثم اعلم أن مولانا طال بقائهم رجحوا القول الثاني في الجواب السابق والقول الثالث في هذا الجواب وفي كلا الرجحتين نظر لأن العلة التي جعلوا الدين مانعاً من الزكاة لأجلها موجودة في المهر مطلقاً سواء كان مؤجلاً أو معجلاً كان له نية الأداء أم لا لأنهم قالوا إن حاجة المديون إلى هذا المال حاجة أصلية لأن قضاء الدين من الحوائج الأصلية والمال المحتاج إليه حاجة أصلية لا يكون مال الزكاة. اه شامي.

والمهر مطلقاً دين له مطالب من جهة العباد والمديون مأمور من جهة الشرع بأدائها فيكون هو محتاجاً إلى المال في فراغ الذمة ويكون المال مشغولاً بحاجة أصلية فلا يكون مال الزكاة ذنية الأداء وعدمها لا مدخل له في المنع وعدمه لأنه غير مؤثر في العلة كما أن الدين الذي هو بدل مال التجارة أو غيرها لا داخل في اسقاطه الزكاة وعدمه لنية الأداء وعدمها وما يقال من أنه لا يعد ديناً فهو أيضاً غير نافع لأنه لا مدخل للعدد عدمه في كون المديون محتاجاً إلى فراغ الذمة وعدمه وكون المال مشغولاً بالحاجة الأصلية وعدمه لأنه لا براء ذمته من عدم عدده ديناً كما لا يخفى فالأظهر عندي القول الأول ولا عبرة لنقل القهستاني عن الجواهر تصحيح الثاني فليتأمل. (بیت تغییر تصحیح الاغلاط ص: ۳۰ سے کیا گیا ہے)

← ولو كان على الرجل مهر مؤجل لامرأته وهو لا يريد أداءه لا يجعل مانعاً من الزكاة.

(خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الزکوٰۃ، الفصل السادس في الديون ومسائها، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۲۴۰)

وقيل: المهر المؤجل لا يمنع لأنه غير مطالب به عادة بخلاف المعجل، وقيل: إن كان الزوج على عزم الأداء منع وإلا فلا لأنه لا يعد ديناً. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۵۷، كوئٹہ ۲/ ۲۰۴)

وقيل: المهر المؤجل لا يمنع لأنه غير مطالب به عادة بخلاف المعجل، وقيل: إن كان الزوج عزم على الأداء منع وإلا فلا لأنه لا يعد ديناً وفي القهستاني: والصحيح أن المؤجل غير مانع كما في الجواهر. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكاة، كوئٹہ ۱/ ۳۹۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مؤجل ومُجل ہر دو کو (۱) اور طحاوی نے دو قول بیان کئے ہیں مُجل مانع ہے مؤجل مانع نہیں، اگر مہر ادا ہو مانع ہے ورنہ نہیں لائنہ لا یعد دینا (۲) پس کل تین قول ہیں اور طحاوی نے تہستانی سے قول ثانی کی ترجیح تصحیح نقل کی ہے (۳) مگر میرے نزدیک قول ثالث قابل ترجیح ہے۔ واللہ اعلم (امداد، ص ۱۶۸، ج ۱)

(۱) سبب افتراضہا ملک نصاب حولی..... تام..... فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد سواء كان لله كزكاة وخراج أو للعبد ولو كفالة أو مؤجلاً ولو صداق زوجته المؤجل للفراق الخ. (الدر المختار علی رد المحتار، کتاب الزکوة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۷۴/۳-۱۷۷) وکذا المہر یمنع مؤجلاً کان أو معجلاً لأنه مطالب به، کذا فی محیط السرخسی وهو الصحیح علی ظاہر المذہب. (الہندی، کتاب الزکوة، الباب الأول فی تفسیرہا وصفہا وشرائطہا، مکتبہ زکریا قدیم ۱۷۳/۱، مکتبہ زکریا جدید ۲۳۴/۱) وقیل فی دین المہر: أنه یمنع وجوب الزکاة کسائر الدیون وفي الفتاوی العنایة: معجلاً کان أو مؤجلاً. (الفتاوی التارخانیة، کتاب الزکاة، باب ما یمنع وجوب الزکاة، زکریا ۲۳۵/۳، رقم: ۴۲۲۶)

(۲) وقیل: المہر المؤجل لا یمنع لأنه غیر مطالب به عادة بخلاف المعجل، وقیل: إن کان الزوج عزم علی الأداء منع وإلا فلا لأنه لا یعد دیناً. (البحر الرائق، کتاب الزکوة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۵۷/۲، کوئٹہ ۲۰۴/۲)

وقیل: المہر المؤجل لا یمنع لأنه غیر مطالب به عادة بخلاف المعجل، وقیل: إن کان الزوج عزم علی الأداء منع وإلا فلا لأنه لا یعد دیناً وفي القہستانی: والصحیح ان المؤجل غیر مانع کما فی الجواهر. (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الزکاة، کوئٹہ ۱/۱/۳۹۱)

وقیل: المؤجل لا یمنع، وقیل: إن کان الزوج علی عدم قضائہ یمنع وإلا فلا، إذ لا یعد دیناً فی زعمہ. (البنایة شرح الہدایة، کتاب الزکاة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۳۰۱/۳) ولو کان علیہ مہر لامراتہ وهو لا یرید أداء ہ لا یجعل مانعاً من الزکوة، ذکرہ فی التحفة عن بعضهم لأنه لا یعدہ دیناً..... وقال بعضهم: إن کان مؤجلاً لا یمنع لأنه غیر مطالب به عادة. (فتح القدیر، کتاب الزکاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۷۳/۲)

(۳) قال الطحطاوی: وفي القہستانی: والصحیح أن المؤجل غیر مانع کما فی الجواهر. (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الزکاة کوئٹہ ۱/۱/۳۹۱) ←

سوال (۷۸۳): قدیم ۲/- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید کے ذمہ چار ہزار روپیہ دین مہر مؤجل ہے آیا یہ دین صدقہ فطر و اضحیہ و ایفاء نذر و زکوٰۃ و حج کو مانع ہے یا نہیں؟ در صورت اول امور خمسہ کو مانع ہے یا بعض کو؟

الجواب: شامی نے کتاب الزکوٰۃ میں اختلاف نقل کر کے جواہر سے بحوالہ قہستانی نقل کیا ہے۔

والصحيح أنه غير مانع. جلد ۲ صفحہ ۸. (۱)

اور جب یہ زکوٰۃ کو مانع نہیں تو واجبات کو بھی مانع نہیں کہ زکوٰۃ کی شرائط سب سے اشد ہیں۔ (۲)

۸/محرم الحرام ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ، ص ۱۱۱)

سوال (۷۸۴): قدیم ۲/۹- دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میری والدہ مرحومہ کا کچھ زیور ہے جس کے ۵۰ روپیہ سال زکوٰۃ کے ہیں جو کہ میرے اوپر واجب الاداء ہیں، مگر مجھ کو مہر بھی اداء کرنا ہے جس میں کہ ایک ہزار تو معجل تھا جو کہ اداء کر دیا گیا اور باقی نو ہزار کا اداء کرنا باقی ہے، تو ایسی حالت میں میرے اوپر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ والد صاحب فرماتے ہیں کہ عالمگیری میں ہے کہ نہیں ہوگی، جس کی عبارت یہ ہے:

و كذا لك المهر يمنع مؤجلاً كان أو معجلاً لأنه مطالب به كذا في المحيط السر خسي وهو صحيح على ظاهر المذهب آه. عالمگیری ۱/۶۸۳، مطبوعه مصر كتاب الزکوٰۃ. (۳)

← وهكذا في رد المحتار على الدر المختار، كتاب الزكاة، مطلب: الفرق بين السبب والشرط والعلة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۷۷/۳، كراچی ۲/۲۶۱- شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
(۱) شامی، كتاب الزكاة، مطلب: الفرق بين السبب والشرط والعلة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۷۷/۳، كراچی ۲/۲۶۱-

و هكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكاة، كوئٹہ ۱/۳۹۱-
(۲) و صدقة الفطر كالزكاة في المصارف وفي كل حال (الدر المختار) وفي الشامية: ليس المراد تعميم الأحوال مطلقاً من كل وجه فإن لكل شروطاً ليست للأخرى لأنه يشترط في الزكاة الحول والنصاب النامي والعقل والبلوغ وليس شيئاً من ذلك شرطاً هنا. (شامی، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في مقدار الفطرة بالمد الشامي، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۳۲۵، كراچی ۲/۳۶۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۳) الہندیہ، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشروطها زكريا قدیم ۱/۱۷۳، جدید ۱/۲۳۴-

الجواب: اس میں دوسری روایت عدم مانعیت مہر لوجوب الزکوٰۃ کی بھی ہے، پس تطبیق دونوں میں یہ ہے کہ اگر اس شخص کی نیت ادائے مہر کی ہو تو یہ دین مانع وجوب زکوٰۃ ہوگا اور اگر نیت نہیں ہے تو نہ ہوگا۔ (۱) لیکن اگر مہر بعد میں واجب ہوا ہے اور زیور آپ کی ملک میں پہلے داخل ہو چکا تو وجوب مہر کے قبل کی زکوٰۃ بلا اختلاف واجب ہوگی۔ (۲)

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالثہ، ص ۳۱)

(۱) وقیل: إن كان من نية الزوج أنها متى طالبتة تلقاها بلطف وبعدها أنه متى صادف مالا لا يسطر حقها يمنع وجوب الزكاة، وإن كان من نيته متى طالبتة تلقاها بالإنكار ويضربها لا يمنع وجوب الزكاة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل العاشر في بيان ما يمنع وجوب الزكاة، زكريا ۳/۲۳۵، رقم: ۴۲۲۶)

وقیل: إن كان الزوج على عزم الأداء منع وإلا فلا لأنه لا يعد ديناً. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۵۷، كوئٹہ ۲/۲۰۴)

و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكاة، كوئٹہ ۱/۳۹۱۔

ومجمع الأنهر، كتاب الزكاة، عباس أحمد الباز ۱/۲۸۶۔

(۲) وسببه أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي تام..... فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد (الدر المختار) وفي الشامية: وهذا إذا كان الدين في ذمته قبل وجوب الزكاة، فلو لحقه بعده لم تسقط الزكاة لأنها ثبتت في ذمته فلا يسقطها ما لحق من الدين بعد ثبوتها. (شامي، كتاب الزكاة، مطلب: الفرق بين السبب والشرط والعلة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۷۴-۱۷۶، وكراچی ۲/۲۵۹-۲۶۰)

وأما الدين المعترض في خلال الحول فإنه يمنع وجوب الزكاة بمنزلة هلاكه عند محمد، وعند أبي يوسف لا يمنع بمنزلة نقصانه..... وأما الحادث بعد الحول فلا يسقط الزكاة اتفاقاً. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۳۵۸-۳۵۹، كوئٹہ ۲/۲۰۵)

و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكاة، كوئٹہ ۱/۳۹۰۔

وهذا كله إذا كان الدين في ذمته قبل وجوب الزكاة أما إذا لحقه الدين بعد وجوب ←

سوال (۷۸۵): قدیم ۹/۲ - دین مہر مستطز کو لکھا ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدر المختار باب الزكاة فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد الى قوله ولو صدق زوجته المؤجل للفراق. وفي رد المحتار: عزاه في المعراج إلي شرح الطحاوي. وقال عن أبي حنيفة: لا يمنع وقال صدر الشهيد لارواية فيه ولكل من المنع وعدمه وجه زاد القهستاني عن الجواهر والصحيح أنه غير مانع جلد ۲ صفحہ ۸۰، ۷۸ (۱)

اس سے مسئلہ کا مختلف فیہ ہونا اور مانع عن وجوب الزکوٰۃ نہ ہونے کا صحیح ہونا ثابت ہوا۔

۱۸ محرم ۱۳۴۲ھ (تمہ خامسہ، ص ۲۴۹)

← الزكاة لم تسقط الزكاة؛ لأنها قد ثبتت في ذمته واستقرت فلا يسقطها مال حق من الدين بعد ثبوتها. (الجوهر النيرة، كتاب الزكاة، دار الكتاب ديوبند ۱/۳۸)

والدين اللاحق بعد الحول لا يسقط الزكاة. (خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة، الفصل السادس في الديون ومسائلها، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۲۴۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۷۶/۳-۱۷۷، وكراچی ۲/۲۶۰-۲۶۱۔

فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد سواء كان لله كزكاة وخراج أو للمعبد ولو كفالة أو مؤجلاً ولو صدق زوجته المؤجل للفراق (الدر المختار) وفي هامش الطحاوي: قوله المؤجل وقيل: المهر المؤجل لا يمنع لأنه غير مطالب به عادة بخلاف المعجل. وقيل: إن كان الزوج عزم على الأداء منع وإلا فلا لأنه لا يعد ديناً. وفي القهستاني: والصحيح أن المؤجل غير مانع. (طحاوي على الدر، كتاب الزكاة كونه ۱/۳۹)

قال مشايخنا رحمهم الله تعالى: في رجل عليه مهر مؤجل لامرأته وهو لا يريد أداءه لا يجعل منعاً من الزكاة لعدم المطالبة في العادة وأنه حسن أيضاً. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، مكتبة زكريا قديم ۱/۱۷۳، زكريا جديد ۱/۲۳۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تنخواہ اور رشوت ملے ہوئے مال میں زکوٰۃ کا حکم

سوال (۷۸۶): قدیم ۱۰/۲- تنخواہ اور رشوت دونوں مخلوط ہیں ان پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟
الجواب: مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (*)

في الدر المختار: لو خلط السلطان المال المغصوب بما له ملكه فتجب الزكاة إلى قوله لأن الخلط استهلاك آ۵. (۱) فقط.

۱۵ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ (امداد ص: ۱۵۶ ج ۱)

امداد الفتاویٰ جلد اول ص ۱۵۶

خلاصہ سوال: زکوٰۃ در مال مخلوط از رشوت و تنخواہ۔

خلاصہ جواب: وجوب زکوٰۃ۔

(*) یعنی بشرط معلومہ زکوٰۃ جن میں فراغ عن الدین بھی ہے، پس چونکہ مال حرام غلط سے مستہلک ہو جاتا ہے اور استہلاک سے مستہلک کے ذمہ دین ہو جاتا ہے؛ اس لئے دیکھا جائے گا کہ اگر مال مخلوط میں سے بقدر مال حرام کے نکال کر بقدر نصاب بچتا ہے تو باقی پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔
 حضرت مولانا کے جواب پر بعض علمائے نے کلام کیا ہے جو کہ ملحقات تتمہ اولیٰ میں مذکور ہے اور احقر نے اصلاحات ملحقات میں اس پر کلام کیا۔ تصحیح الاغلاط ص: ۲۶- سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲۹۰/۲، وکراچی ۲۱۷/۳۔

ولذا قالوا: لو أن سلطاناً غصب مالا و خلطه صار ملكاً له حتى وجبت عليه الزكاة وورث عنه على قول أبي حنيفة لأن خلط درهمه بدراهم غيره عنده استهلاك. (البحر الرائق، کتاب الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳۵۹/۲، کوئٹہ ۲۰۵/۲)

ولذا قالوا: لو أن سلطاناً غصب مالا و خلطه صار ملكاً له حتى وجبت عليه الزكاة وورث عنه ولا يخفى أن هذا بناء على قول الإمام من أن خلط درهمه بدراهم غيره استهلاك. (النهر الفائق، کتاب الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۴۱۳/۱)

تسامح: قید ضروری در جواب متروک نمودن و آں واجب الذکر بود۔

وهذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفى دينه الخ
در المختار .

اصلاح تسامح: واجب بود که تمام شرائط که در وجوب زکوٰۃ مال مخلوط حلال به حرام در کتاب
الدر المختار و رد المحتار بود از آن روایت مأخوذه امداد الفتاویٰ درج فرموده باشند تا که سائل در غلطی نہ افتد، تمام
عبارت هر دو کتاب تحریر کرده می شود بعدہ مقصود بوضوح خواهد آنجامید۔

ولو خلط السلطان المال المغصوب بما له ملكه فتجب الزكوة فيه ويورث عنه
لأن الخلط استهلاك إذا لم يمكن تميزه عند أبي حنيفة: وقوله: ارفق إذ قلما يخلو
مال عن غصب. وهذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفى دينه
وإلا فلا زكوة كما لو كان الكل خبيثاً. كما في النهر ١٢، الدر المختار ص: ٣٩. (١)
قوله كما (٢) في النهر: أي أول كتاب الزكوة عند قول الكنز وملك النصاب
حولى ومثله في الشر بنالاية (٣) وذكره في شرح الوهبانية بحثاً وفي فصل العاشر من
التاتارخانية عن فتاوى الحجة من ملك أموال غير طيبة أو غصب أموالاً وخلطها
ملكها بالخلط ويصير ضامناً وإن لم يكن له سواها نصاباً فلا زكوة عليه فيها، وإن بلغت
نصاباً؛ لأنه مديون ومال المديون لا ينعقد سبباً لوجوب الزكوة عندنا. اهـ (٤)

(١) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكوة الغنم مكتبة زكريا ديوبند

۲۱۷/۳-۲۱۸، کراچی ۲/۲۹۰-۲۹۱۔

(٢) النهر الفائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۱۳-۴۱۴۔

(٣) مالک لنصاب دخل فيه ما ملكه بسبب خبيث كمغصوب خلطه لا إذا كان

له غيره منفصل عنه يوفى دينه. (طحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، دار الكتاب
ديوبند ص: ۷۱۴)

(٤) الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل العاشر في بيان ما يمنع وجوب الزكاة،

مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۳۳، رقم: ۴۲۱۸۔

فافاد بقوله: وإن لم يكن سواها نصاب الخ. إن وجوب الزكوة مقيد بما إذا كان له نصاب سواها وبه يندفع ما استشكله في البحر من أنه ملكه بالخلط فهو مشغول بالدين فينبغي أن لا تجب الزكوة. اه (۱) لكن لا يخفى أن الزكوة حينئذ إنما تجب فيما زاد عليها لا فيها لا يقال يمكن أن يكون له المال سواها مما لا زكوة فيه كدور السكنى وثياب البذلة مما يبلغ المقدار ماعليه أو يزيد فتجب الزكوة فيهما من غير أن يكون له نصاب آخر سواها لأننا نقول أنه لما خلطها ملكها وصار مثلها دينا في ذمته لا عينها وقدمنا ان الدين يصرف أولاً إلى مال الزكوة دون غيره حتى لو زوج على خادماً بغير عينه وله مائتا درهم وخادم صرف دين المهر إلى المائتين دون الخادم أي فلو حال الحول على المائتين لا زكوة عليه لاشتغالها بدين مع وجود ما يبقى به من جنسه وهو الخادم وهنا كذلك ما لم يملك نصاباً زائداً نعم تظهر الثمرة فيما إذا أبرأه المغضوب منهم كما نقله في البحر عن المبتغى بالغين المعجزة وقال هو قيد حسن يجب حفظه انتهى وإذا صالح غير ماءه على عقار مثلاً فيبقى ما غصبه سالماً عن الدين فتجب زكاته الى آخر ۲ ا رد المحتار ص: ۴۰، (۲) باب زكوة هكذا في الكتاب والله تعالى اعلم بالصواب.

حرره: فقير محمد بخش ساکن چوٹی

تکملہ اطلاع نمبر ۵: وہ حواشی لکھے جا چکے ہیں عنقریب انشاء اللہ شائع ہو جائیں گے۔

اشرف علی ۷ ارجب ۱۳۳۲ھ تہ تہ اولیٰ، ص ۳۴۰

گوٹہ اور کلابتون کی زکوٰۃ اندازہ سے ادا کرنا

سوال (۷۸۷): قدیم ۲/۱۱ - اگر گوٹا و کلابتون وغیرہ پر زکوٰۃ ہو اور وہ کپڑوں پر ٹکے ہوئے ہوں تو اندازہ کیا جائے گا یا نہیں؟

(۱) البحر الرائق، کتاب الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۳۵۹، کوئٹہ ۲/۲۰۵۔

(۲) شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۲۱۸، کراچی

الجواب: اندازہ کیا جاوے گا اور احتیاط یہ ہے کہ اندازہ سے کچھ زائد سمجھا جاوے۔ (۱) فقط

۱۵ شعبان (امداد، ص ۱۵۶، ج ۱)

زرین اور ریشمی کپڑے کی زکوٰۃ

سوال (۷۸۸): قدیم ۱۱/۲ - خواب میں غالب پارچہ ہوتا ہے اس کا علیحدہ اعتبار ہوگا یا

دیگر اشیاء کے لحاظ سے؟

الجواب: غالب کے یہ معنی نہیں جیسا (۲) کہ اس سوال سے چار سوال پہلے مذکور ہوا؛ اس لئے

(۱) اندازہ سے زائد اس لئے دیا جائے کہ عبادت میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنا لازم ہوتا ہے۔

لأن الإحتياط في العبادة واجب كما صرحوا به في كثير من المسائل الخ. (شامي،

كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۳۱، كراچی ۲/۳۰۰)

الثاني له إبلٌ، وبقرةٌ، وغنم سائمة وشك في أن عليه زكاة كلها أو بعضها ينبغي أن

تلتزمه زكاة الكل الخ. (الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة قديم ۱/۱۰۸، جديد مكتبة زكريا

۱/۱۹۷) شبير احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) إذا كان الغالب على الورق المضروب الفضة، فهو في حكم الفضة فتجب فيه

الزكاة كأنه كله فضة ولا تزكى زكاة العروض، ولو كان قد أعدها للتجارة أما إن كان

الغش غالباً فلا يكون لها حكم الفضة بل حكم العروض فلا زكاة فيها إلا أن نواها للتجارة

وبلغت نصاباً بالقيمة فإن لم ينوها للتجارة فإن كانت بحيث يخلص منها فضة تبلغ نصاباً

وجبت زكاتها وإلا فلا. (الموسوعة الفقهية الكويتية، كتاب الزكاة ۲۳/۲۶۵)

إذا كان الغالب على الورق الفضة فهو في حكم الفضة وإذا كان الغالب عليها

الغش فهو في حكم العروض يعتبر أن تبلغ قيمته نصاباً لأن الدراهم لا تخلو عن قليل غش

لأنها لا تنطبع إلا به وتخلو عن الكثير فجعلنا الغلبة فاصلة وهو أن يزيد على النصف

اعتباراً للحقيقة إلا أن في غالب الغش لابد من نية التجارة كما في سائر العروض إلا إذا

كان يخلص منها فضة تبلغ نصاباً لأنه لا يعتبر في عين الفضة القيمة ولا نية التجارة.

(هداية، كتاب الزكاة، اشرفي بكڈپو ۱/۱۹۵) ←

اس میں جس قدر چاندی ہوگی اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم

۱۵/شعبان ۱۴۲۱ھ (امداد، ص ۱۵۶، ج ۱)

نصاب پر حوالانِ حول کا مطلب

سوال (۷۸۹): قدیم ۱۱/۲ - ایک شخص کی آمدنی روزمرہ کی ہے وہ روپیہ بینک میں بھدانت بلا سودی جمع کرتا جاتا ہے مثلاً ماہ جنوری سے دسمبر تک آمدنی معتد بہ قابل زکوٰۃ ہوگئی آخر ماہ دسمبر تک اس کا حساب زکوٰۃ کیوں کر دیا جاوے؟ کسی آمدنی پر گیارہ ماہ گزرے، کسی پر دس کسی پر دو چار؛ بلکہ کسی پر دو چار دن اسی آمدنی سے خرچ ہوتا رہا، مگر اختتام سال پر باوجود خرچ کے وہ قابل زکوٰۃ ہے؛ لیکن کسی آمدنی پر سال پورا نہیں گزرا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا؟

← كذا في موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، زكاة النقود، المكتبة الأشرافية ديوبند ۲/۶۷۲ -

(۱) لا يعتبر في نصاب الذهب أيضاً صفة زائدة على كونه ذهباً، فتجب الزكاة في المضروب والتبر والمصوغ والحلي (إلى قوله) فيعتبر قدر ما فيها من الذهب والفضة وزناً لأن كل واحد يخلص بالإذابة. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، صفة الذهب، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۱۰۵-۱۰۶)

واللازم في مضروب كل منهما ومعموله ولو تبراً أو حلياً مطلقاً (الدر المختار) وفي الشامية: ومعموله أي ما يعمل من نحو حلية سيف أو منطقة أو لجام أو سرج أو الكواكب في المصاحف والأواني وغيرها، إذا كانت تخلص بالإذابة. (الدر المختار مع رد المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۹۷-۲۹۸)

تجب الزكاة في الذهب والفضة مضروباً أو تبراً أو حلياً مصوغاً أو حلية سيف أو منطقة أو لجام أو سرج أو الكواكب في المصاحف والأواني وغيرها إذا كانت تخلص عن الإذابة سواء كان يمسكها للتجارة أو للنفقة أو للتجمل أو لم ينو شيئاً. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۹۴، كوثه ۲/۲۲۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: جس وقت سے وہ ذخیرہ بقدر نصاب ہو گیا ہو اس تاریخ سے سال شروع ہوگا اور اس سال کے ختم پر جس قدر اس وقت موجود ہوگا بشرطیکہ نصاب سے کم نہ ہو سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی، گوہر جز و پر سال نہ گزرا ہو، اور گودر میان سال کے نصاب سے کم رہ گیا ہو۔

وفي الدر المختار: و شرط كمال النصاب ولو سائمةً في طرفي الحول فلا يضر نقصانه بينهما. ٥٠. (١)

۳ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امداد، ص ۱۵۷، ج ۱)

(۱) الدر المختار علی رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۳۳، کراچی ۲/۳۰۲۔

فكمال النصاب مشروط وجوب الزكاة..... ولكن هذا الشرط يعتبر في أول الحول وفي آخره لا في خلاله حتى لو انتقص النصاب في اثناء الحول، ثم كمل في آخره تعجب الزكاة سواء كان من السوائم أو من الذهب والفضة أو مال التجارة. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، بيان ما يقطع حكم الحول وما لا يقطع، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۹۹)

ذهب الحنفية إلى أن المعتبر طرفا الحول فإن تم النصاب في اوله و آخره وجبت الزكاة ولو نقص المال عن النصاب في اثنائه ما لم ينعدم المال كلية فإن انعدم لم يعقد الحول إلا عند تمام النصاب وسواء انعدم لتلفه أو لخروجه عن أن يكون محلا للزكاة كما لو كان له نصاب سائمة فجعلها في الحول علوفة. (الموسوعة الفقهية الكويتية، كتاب الزكاة ۲۳/۲۴۵)

ومنها أي شروط وجوب الزكاة حولان الحول على المال العبرة في الزكاة للحول القمري وإذا كان النصاب كاملاً في طرفي الحول فنقصانه فيما بين ذلك لا يسقط الزكاة. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفاتها وشرائطها، مکتبہ زکریا قدیم ۱/۱۷۵، جدید ۱/۲۳۶)

يشترط كون النصاب كاملاً في طرفي الحول سواء بقي في اثنائه كاملاً أم لا فإذا ملك إنسان نصاباً في بدء الحول ثم استمر كاملاً لنهاية الحول من غير أن ينقطع تماماً في الأثناء، أويذهب كله في أثناء العام، وجبت الزكاة وتجب أيضاً إن نقص في أثناء الحول ثم تم في آخره، فنقصان النصاب في الحول لا يضر إن كمل في طرفيه. (موسوعة الفقه)

الإسلامي والقضايا المعاصرة، كتاب الزكاة، سبب الزكاة وشروطها وركناتها، مكتبة اشرفية ديوبند
۶۵۵/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بعض رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا

سوال (۷۹۰): قدیم ۱۳/۲ - اپنے حقیقی یا علاقائی یا خیانی یا رضاعی بھائی بہن یا بھانجے یا بھانجی یا بھتیجی یا بھتیجی یا ماموں یا خالہ یا پھوپھی یا سالہ یا سالی یا ساس کو خواہ بالغ ہوں یا نابالغ زکوٰۃ و فطرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے (۱) اگر وہ نابالغ ہے تو اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اس کا باپ غنی نہ ہو، اگرچہ ماں غنی ہو۔

(۱) عن سلمان بن عامر يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا افطر أحدكم فليفطر على تمر فإنه به بركة، فإن لم يجد تمرًا فالماء فإنه طهور فقال: الصدقة على المسكين صدقة وهي على ذي الرحم ثنتان صدقة وصلة. الحديث (ترمذي شريف، كتاب الزكاة، باب ما جاء في الصدقة على ذي القرباة، النسخة الهندية ۱/ ۴۲، دار السلام رقم: ۶۵۸)

ولا يصح دفعها لكافر وغني يملك نصيباً أو ما يساوي قيمته من أي مال كان فاضل عن حوائجه الأصلية وطفل غني وأصل المزكي وفرعه الخ (مراقي الفلاح) قال الطحطاوي: ومن سوى ما ذكر يجوز الدفع إليهم كالأخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات الفقراء؛ بل هم أولى لما فيه من الصلة مع الصدقة، ثم بعدهم الأقارب ثم الجيران. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، باب المصرف، دار الكتاب ديوبند ص: ۷۲۰-۷۲۱)

ذكر الزند ويستي: الأفضل صرف الزكاتين، يعني صدقة الفطر وزكاة المال إلى أحد هؤلاء السبعة، الأول إخوته الفقراء وأخواته، ثم إلى أولادهم، ثم إلى أعمامهم الفقراء، ثم إلى أخواله وخالاته، ثم ذوي الأرحام الفقراء، ثم إلى جيرانه الخ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، من توضع فيه الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۲۰۵-۲۰۶، رقم: ۴۱۳۶)

وأصله وإن علا وفرعه وإن سفل أي لا يجوز الدفع إلى أبيه وجده وإن علا ولا إلى ولده وولد ولده وإن سفل (إلى قوله) وقيد بأصله وفرعه لأن من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم وهو أولى لما فيه من الصلة مع الصدقة كالإخوة والأخوات والأعمام والعَمَمَات ← في الدرالمختار: ولا إلى طفله بخلاف ولده الكبير وأبيه وامرأته الفقراء وطفل الغنية فيجوز لإنتفاء المانع. ۱۵ (۱)

قلت الضمائر في طفله وولده وأبيه وامرأته راجعة إلى الغنى كما في الشامية.

۲۶ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ (امداد، ص ۱۵۸ ج ۱)

مقام مال کے فقراء کا زیادہ حقدار ہونا

سوال (۷۹۱): قدیم ۱۲/۲ - ایک شخص وطن اصلی میں کم رہتا ہے وطن اقامت میں زیادہ رہتا ہے تو زکوٰۃ کہاں کے لوگوں کو دینا چاہیے؟

← والأحوال والخالات الفقراء. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۵، و كوئٹہ ۲/۴۳)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۹۸، كراچی ۲/۳۴۹-۳۵۰

و(لا أبي) غني يملك نصاباً وعبد وطفله (كنز) وفي البحر: وإنما منع من الدفع لطفل الغني لأنه يعد غنياً بغناء أبيه وهو يفيد أن الدفع لولد الغنية جائز إذ لا يعد غنياً بغناء أمه ولو لم يكن له أب. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۹، و كوئٹہ ۲/۴۶)

ولا أمي (طفله) أي الغني أيضاً ذكرًا كان أو أنثى في عياله أو لا على الأصح لما أنه يعد غنياً بغناءه وأفاد كلامه أن طفل الغنية يجوز الدفع إليه ولو كان أبوه ميتاً لإنتفاء المانع الخ. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۶۵)

(وعبد وطفله) أي لا يجوز دفعها إلى عبد الغني وولده الصغير (إلى قوله) وأما ولده

الصغير فلأنه يعد غنياً بيسار أبيه بخلاف ما إذا كان كبيراً لأنه لا يعد غنياً بمال أبيه وإن كانت نفقته عليه ولا فرق في ذلك بين الذكر والأنثى وبين أن يكون في عيال الأب أو لم يكن في الصحيح (تبيين) وفي حاشية الجلابي، إن لم يكن للصغير أب وله أم غنية يجوز الدفع إليه . (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۱۲۵/۲) شبير احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في رد المحتار: ويعتبر في الزكاة مكان المال في الروايات كلها واختلف في صدقة الفطر كما يأتي. آه (۱)

اس روایت پر جس مال کی زکوٰۃ دی ہے وہ مال جس جگہ موجود ہو وہاں کے لوگ احق ہیں۔
 ”إلا بعارض فصلوه“ اور اگر پھر بھی دوسری جگہ بھیج دے تو بھی اداء ہو جائے گی۔ (۲) فقط واللہ اعلم
 ۲۶ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ (امداد، ص ۱۵۸، ج ۱)

(۱) شامی، کتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۴، ۳۰۴ و کراچی ۲/۳۵۳۔

وكذا في النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۶۹، ۴۔
 (۲) عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث معاذاً إلى اليمن فقال: أدعهم إلى شهادة أن لا إله إلا الله وأني رسول الله، فإن هم أطاعوا لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة، فإن هم أطاعوا لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة في أموالهم تؤخذ من أغنيائهم وترد في فقرائهم. (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة، النسخة الهندية ۱/۱۸۷، رقم: ۱۳۷۹، ف: ۱۳۹۵)

والصحيح لمسلم، كتاب الأيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام، النسخة الهندية ۱/۳۶، بيت الأفكار الدولية رقم: ۱۹۔

ويكره نقل الزكاة من بلد إلى بلد، وإنما تفرق صدقة كل فريق فيهم لما روينا من حديث معاذ وهو قوله فردها في فقرائهم هذا والمعتبر في الزكاة مكان المال، وفي الهداية: إلا أن ينقلها الإنسان إلى قرابته أو إلى قوم هم أحوج من أهل بلده لما فيه من الصلة أو زيادة دفع الحاجة، ولو نقل إلى غيرهم أجزأه وإن كان مكروهاً لأن المصرف مطلق الفقهاء بالنص.

(فتح القدیر، کتاب الزکاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۸۴)
 وإنما تفرق صدقة كل أهل بلد فيهم لقول النبي صلى الله عليه وسلم: تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم؛ ولأن فيه رعاية حق الجوار، والمعتبر بلد المال لا بلد المزكي، واستثنى الحنفية أن ينقلها المزكي إلى قرابته لمن في إيصال الزكاة إليهم من صلة الرحم، قالوا: ويقدم الأقرب فالأقرب، واستثنوا أيضًا أن ينقلها إلى قوم هم أحوج إليها من أهل بلده، ←

غیر جنس سے زکوٰۃ ادا کرنا

سوال (۷۹۲): قدیم ۱۲/۲ - اگر کسی شخص نے زکوٰۃ میں کچھ روپیہ نکالا، مگر وہ روپیہ مصارف میں صرف نہیں کیا؛ بلکہ اس روپیہ کا کپڑا یا غلہ یا اور کوئی چیز لیکر مصارف کو دیدی، تو کیا زکوٰۃ اداء نہ ہوگی اور دوبارہ زکوٰۃ دینا پڑے گی؟

الجواب: ادا ہو جاوے گی۔ (۱)

← وكذا لأصلح أو أوسع أو أنفع للمسلمين أو من دار العرب إلى دار السلام أو إلى طالب علم. (الموسوعة الفقهية الكويتية، كتاب الزكاة، نقل الزكاة ۳۳۱/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 (۱) عن طاوُس قال: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم معاذًا إلى اليمن فأمره أن يأخذ الصدقة من الحنطة والشعير فأخذ العروض والثياب من الحنطة والشعير. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، ما قالوا في أخذ العروض في الصدقة، مؤسسه علوم القرآن ۶/ ۵۲۱-۵۲۲، رقم: ۱۰۵۳۸)

عن عطاء: أن عمر كان يأخذ العروض في الصدقة من الورق وغيرها. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، ما قالوا في أخذ العروض في الصدقة، مؤسسه علوم القرآن ۶/ ۵۵۲، رقم: ۱۰۵۳۹)

لو عال يتيماً فجعل يكسوه ويطعمه وجعله من زكاة ماله فالكسوة تجوز لوجود ركنه وهو التملك، وأما الإطعام إن دفع الطعام إليه بيده يجوز أيضاً لهذه العلة. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۵۳، كوئٹہ ۲/ ۲۰۱)

هي تملك خرج الإباحة فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكاة لا يجزيه إلا إذا دفع إليه

المطعوم، كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض. (الدر المختار على رد المختار، كتاب الزكوة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۷۱/۳، وكراچی ۲۰۵۶-۲۰۵۷)

ولا تتأدى بالإباحة حتى لو كفل يتيما فأنفق عليه ناويا للزكاة لا يجزيه بخلاف الكفارة ولو كساه تجزيه لوجود التمليك (تبين) وفي حاشية الشلبي: لو أنفق على اليتيم ناويا للزكاة لا يجزيه إلا أن يدفع النفقة إليه يأخذها اليتيم بيده. (تبين الحقائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۸/۲-۱۹)

لأن البدل في حكم الأصل عند الحنفية. (۱)

بشرطیکہ مال خرید شدہ اتنی قیمت کا ہو کہ مشتری کو کسی نے ٹھگ نہ لیا ہو، ورنہ بقدر قیمت بازار زکوٰۃ ادا ہوگی۔ (۲)

۲۷ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۵۸، ج ۱)

خلاف جنس سے زکوٰۃ ادا کرنا

سوال (۷۹۳): قدیم ۱۲/۲- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی مال میں زکوٰۃ واجب ہو، تو آیا اسی میں سے ادا کرنا اس کا ضروری ہے یا خلاف جنس میں سے بھی ادا کر دے تو ادا ہو جاتا ہے جیسے کسی کے ذمہ سونے یا چاندی کی زکوٰۃ میں ایک روپیہ واجب ہوا اور وہ اس روپیہ کا کپڑا خرید کر کسی کو دیدے تو زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی یا نہیں؟

الجواب: زکوٰۃ خلاف جنس سے بھی ادا ہو جاتی ہے اور خلاف جنس قیمت میں واجب کی برابر ہونا چاہیے۔

واجبوا أنه لو أدى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة. (شامي ۳۰/۲) (۳)
پس صورت مسئلہ میں زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی؛ کیونکہ رکن زکوٰۃ کا تملیک ہے وہ پایا گیا۔

(۱) لأن حكم البدل حكم الأصل. (شامي، كتاب الزكاة، قبيل باب السائمة، مكتبة

زكريا ديوبند ۱۹۴/۳، كراچی ۲۷۳/۲)

وخانية على الهندية، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۳۵۰/۱، جدید ۱۵۴/۱ -

للبدل حكم المبدل. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱۷۶/۳، رقم: ۴۰۴۱)

(۲) أو في عرض تجارة قيمته نصاب (إلى قوله) أن التقويم إنما يكون بالمسكوك

عملاً بالعرف الخ. (الدر المختار مع الشامى، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ٢٢٨/٣، كراچي ٢٩٨/٢) شبير احمد قاسمى عفا الله عنه

(٣) شامى، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ٢٢٧/٣، كراچي ٢٩٧/٢ -

النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ٤٣٨/١ -

فلو أدى من خلاف جنسه تعتبر القيمة بالإجماع. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب

زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ٣٩٦/٢، وكوئته ٢٢٧/٢) ←

في الدر المختار: فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكاة لا يجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم

كما لو كساه أي كما يجزئه لو كساه. ح شامى ج: ٢، بشرط أن يعقل القبض ٣/٢. (١)

وقال الشامى: بعد اسطر ففي الكسوة لا شك في الجواز لوجود الركن وهو

التملك. (٢) فقط

جملة آخره رمضان ١٣٢٠هـ (امداد، ص ١٦٢، ج ١)

← تبين الحقائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال زكريا ديوبند ٧٤/٢ -

مجمع الأنهر، كتاب لزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، مكتبة عباس أحمد الباز ٣٠٥/١ -

(١) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، زكريا ١٧١/٣، كراچي

٢٥٦/٢ - ٢٥٧ -

كذا في حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الزكاة، دار الكتاب

ديوبند ص: ٧١٤ -

النهر الفائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ٤١٢/١ -

(٢) شامى، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ١٧٢/٣، كراچي ٢٥٧/٢ -

عن طاؤس قال: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم معاذاً إلى اليمن فأمره أن

يأخذ الصدقة من الحنطة والشعير فأخذ العروض والثياب من الحنطة والشعير.

(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، ما قالوا في أخذ العروض في الصدقة، مؤسسة

علوم القرآن ٥٢١-٥٢٢، رقم: ١٠٥٣٨)

إذا كان يعول يتيماً وهو يعقل فجعل يكسوه ويطعم ويجعل مايكسوه ويأكل عنده من

زكاة ماله فالكسوة لا شك أنه يجوز لوجود الركن وهو التملك فيها وعليه الفتوى.

(الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٢١٤/٣، رقم: ٤١٥٩)

لو رجل یعول یتیمًا فجعل یکسوه ویطعمه وجعل ما یکسو أو ما یأکل عنده من زکاة ماله فالکسوة تجوز لوجود رکنه وهو التملیک. (الفتاویٰ السؤلوالجیة، کتاب الزکاة، الفصل الأول فیمن تحل له الزکاة وفیمن لا تحل له، زکریا دیوبند ۱/ ۱۷۷)

وکذا فی البحر الرائق، کتاب الزکاة، مکتبة زکریا دیوبند ۲/ ۳۵۳، کوئٹہ ۲/ ۲۰۱۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تحقیق حیلہ تملیک

سوال (۷۹۴): قدیم ۱۳/۲۔ تملیک کرانے کا حیلہ جو اکثر مدارس اسلامیہ وغیرہ میں کیا جاتا ہے اس میں نیت یقیناً اچھی نہیں ہوتی، گوازر وئے فقہ صورتہ جائز ہی کیوں نہ ہو کیا اللہ تعالیٰ جو نیت اور دلوں کے ارادہ کو دیکھتا ہے، ایسا کرنے سے راضی ہوگا اور حیلہ کرنے والا مواخذہ آخرت سے بری سمجھا جاوے گا؟

الجواب: قطع نظر وروع سے میرے نزدیک قاعدہ فقہیہ کی رو سے بھی یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی؛ کیونکہ تملیک رکن زکوٰۃ ہے اور تملیک میں جب عاقدین ہازل ہوں تملیک نہیں ہوتی اور صورت متعارفہ میں دونوں بشہادت قرآن تو یہ معترف ہیں کہ تملیک مقصود نہیں۔

فی الدر المختار: وقد منا ان الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء وهل له أن يخالف أمره لم أره والظاهر نعم وفي رد المحتار: وفي التعبير بثم إشارة إلى أنه لو أمره أولاً لا يجزى لأنه يكون وكيلاً عنه في ذلك. (۱) آه، ثم نظر فيه (*) ونظرت في ذلك النظر فيبقى الحكم سالماً. فقط

۲۷ محرم الحرام (امداد، ص ۱۵۹، ج ۱)

(*) تقریر نظر الشامی أن المعتبر نية الدافع ولذا جازت وإن سماها قرصاً أو هبة في الأصح كما قدمناه فافهم وتقرير هو النافي ذلك النظر على ما رأيته مكتوباً بهامش الشامي بخطه طال بقائه على رؤس المستفيدين أن التملیک رکن الزکوٰۃ ولم يوجد في التوكيل بخلاف القرض والهبة فإنما تملیک وإن اختلف الجهة وعسى أن يكون قوله فافهم إشارة إلى ذلك. آه

وعندي أن نظر مولنا غير مُتَّجِه؛ لأن قول العلامة المعتبر نية الدافع منع لقول المستدل أنه يكون وكيلاً عنه في ذلك والحاصل إننا لا نسلم أن يكون وكيلاً عنه لأن المعتبر نية الدافع والمفروض ←

(۱) شامی، کتاب الزکاة، باب المصروف، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲۹۳/۳، کراچی ۳۴۵/۲
والحلیۃ أن یتصدق علی الفقیر، ثم یأمره بفعل هذه الأشياء فتكون لرب المال ثواب
الزکاة وللفقیر ثواب هذا التقرب وهل له أن یخالف أمره لم أره، والظاهر نعم. (الدر المنتقى علی
هامش مجمع الأنهر، کتاب الزکاة، باب المصروف، مکتبۃ عباس أحمد الباز ۱/۳۲۸-۳۲۹) ←

مال حرام میں زکوٰۃ کا حکم

سوال (۷۹۵): قدیم ۲/۲۱۴ - رشوت سے حاصل کیے ہوئے روپیہ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟
آج کل عام مسلمان جیسے رشوت و کسب حرام پر جری ہیں زکوٰۃ دینے سے بھی اس بناء پر مستغنی ہیں کہ ناجائز
مال پر زکوٰۃ ہی نہیں حالانکہ خود استعمال کرنے میں تا مل نہیں کرتے اور نہ وہ قریبی رشتہ دار جو مفلس
و مصروف زکوٰۃ ہیں اور اتفاقاً یہ روپیہ اُن کو ملے، پس اگر زکوٰۃ کی نیت پر اُن کو دیا جاوے تو کیا مضائقہ ہے؟
الجواب: (*) في الدر المختار: ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه

← أنه نوى الاعطاء وإن لم يظهر بالأخذ فلا يرد عليه أن التملك ركن الزكاة ولم يوجد
في التوكيل الخ لأن الظاهر من هذه العبارة أنه طال بقائه فهم من عبارة الشامي أن العلامة سلم
كونه توكيلا وليس كذلك كما لا يخفى والحق في النظر أن يقال إن التملك الذي هو
فعل المعطى غير كاف في أداء الزكاة بل يشترط التملك وهو اختياري ههنا فيتوقف على
قبول الآخذ ولم يوجد ههنا لأنه لم يعلم التملك أصلا فلا يكفي هذا التملك في أداء
الزكاة نعم ان علم الآخذ أنه تملك بالشرط وقبل يتأدى الزكاة بلا شبهة أن الهبة والصدقة
لا تفسدان بشرط الفساد ومن ههنا علم ما في قوله طال بقائه.

قطع نظر ورع سے میرے نزدیک اِلٰی قولہ صورت متعارفہ میں دونوں بشہادت قرآن قویہ معترف ہیں
کہ تملیک مقصود نہیں۔ لٰن فی الصورة المتعارفة تملیکا بالشرط لا ہنولا وبینہما فرق فیدبر۔
(یہ عبارت تصحیح الاغلاط سے ص: ۲۷۷ سے نقل کی گئی)

(*) اگر اصل سوال میں بظاہر خلط کی قید نہیں اور اس لئے وہ عام ہے اور شامل ہے خالص و مخلوط کو،
مگر حضرت مولانا نے بناء بر عرف اس سے مال مخلوط سمجھا، اور اس بناء پر اس کا جواب دیا ہے؛ لیکن تفصیل مال
حرام میں یہ ہے کہ اگر وہ مال حرام خالص ہو تب تو اس میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی؛ کیونکہ اس کے مالک معلوم ہیں،
تب تو وہ واجب الرد ہے اور اگر معلوم نہیں تو کل واجب التصدق ہے اور اگر مخلوط ہے تب دیکھا جاوے گا ←

«والحیلولة فی هذا أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذا الأشياء وهل له أن یمخالف أمره؟ مقتضی صححة تملیکہ أن له ذلک ولم أره. (النهر الفائق، کتاب الزکاة، باب المصرف، مکتبة زکریا دیوبند ۱/۴۶۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فتجب الزکوة فیہ ویورث عنہ لأن الخلط استهلاك إذا لم یکن تمیزه الخ. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس مال پر زکوة واجب ہوگی۔ واللہ اعلم

۲۷ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۱۶۰، ج ۱)

خلاصہ سوال: قدیم ۱۴/۲ - زکوة در مال رشوت و کسب حرام؟

خلاصہ جواب: وجوب زکوة۔

تسامح: سوال از مال رشوت و کسب حرام خالص بود و نہ از مال مخلوط حلال بحرام بود جواب از ثانی ست و مطابق سوال نیست۔

اصلاح تسامح: لازم ست کہ جواب بایں طور داده آید اگر مال تمام حرام و خبیث ست چنانچہ رشوت و کسب حرام در اس زکوة واجب نیست بلکہ کل واجب التصدق ست۔

فی القنیة: لو کان الخبیث نصاباً لا یلزمه الزکوة لأن الکمل واجب التصدق علیہ

«کہ اگر مال حرام کی مقدار اس میں سے نکال لی جاوے تو بقدر نصاب بچتا ہے یا نہیں؟ اگر بچتا ہے تو اس مقدار باقی میں زکوة واجب ہوگی اور اگر نہیں بچتا تو زکوة واجب نہ ہوگی۔

حضرت مولانا کے اس جواب پر بعض علماء نے کلام کیا ہے جو کہ ملحقات تتمہ اولیٰ میں درج ہے اور احقر نے اس پر اصلاحات ملحقات میں کلام کیا ہے۔ (یہ عبارت تصحیح الاغلاط ص: ۲۸ سے نقل کی گئی)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، مکتبة زکریا دیوبند

۲۱۷/۳، کراچی ۲۹۰/۲۔

لو أن سلطاناً غصب مالاً و خلطه صار ملکاً له حتی وجبت علیہ الزکاة وورث عنہ علی قول أبي حنیفة لأن خلط دراهمه بدرهم غیره عنده استهلاك. (البحر الرائق، کتاب الزکاة، مکتبة زکریا دیوبند ۲/۳۵۹، کوئٹہ ۲/۲۰۵)

لو أن سلطاناً غصب مالاً و خلطه صار ملکاً له حتی وجبت علیہ الزکاة وورث عنہ

ولا يخفى أن هذا على قول أبي حنيفة لأن خلط دراهمه بدراهم غيره عنده استهلاك.
(فتح القدير، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ١٦٤/٢)

النهر الفائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ١٣/١ - شبير احمد قاسم عفا الله عنه

فلا يفيد إيجاب التصديق ببعضه آه. ومثله في البزازية ١٢. ردالمحتار ص ٢٩. (١)
باب زكاة، قوله بماله متعلق بخلط واما لو خلط بمغصوب آخر فلا زكاة فيه كما
يذكره في قوله كما لو كان الكل خبيثاً ١٢. ردالمحتار ص: ٢٩. (٢)
هكذا في الكتاب. والله تعالى جل جلاله اعلم بالصواب. هو المصوب جل جلاله
(تتمه اولي، ص ٣٣٩)

حرره: فقير محمد بخش عفى عنه ساكن چوٹی

(١) شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مكتبة زكريا ديوبند ٢١٨/٣،
كراچی ٢٩١/٢ -

منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند
٣٥٩/٢، كوئٹہ ٢٠٥/٢ -

لو بلغ المال الخبيث نصاباً لا يجب فيه الزكاة لأنه الكحل واجب التصديق. (بزازية على
هامش الهندية، كتاب الزكاة، نوع آخر رجلان دفع كل منهما زكاة ماله إلى واحد الخ زكريا قديم
٨٦/٤، جديد ٥٨/١ -

(٢) شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، زكريا ديوبند ٢١٧/٣، كراچی ٢٩٠/٢ -
قوله بماله أما إذا لم يكن له مال وغصب أموال الناس وخلطها ببعضها فلا زكاة عليه
ويجب عليه تفرغ ذمته برده إلى أربابه ان علموا وإلا إلى الفقراء. (طحطاوي على الدر المختار،
كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، كوئٹہ ٤٠٤/١)

ومن ملك أموالاً غير طيبة أو غصب أموالاً وخلطها ملكها بالخلط ويصير ضامناً
وإن لم يكن له سواها نصاب فلا زكاة عليه في تلك الأموال وإن بلغت نصاباً لأنه مديون
ومال المديون لا يتعقد سبباً لوجوب الزكاة عنده. (الفتاوى التاتارخانية، مكتبة زكريا ديوبند
٢٣٣/٣، رقم: ٤٢١٨)

وکذا فی منحة الخالق علی هامش البحر الرائق، کتاب الزکاة، مکتبہ زکریا دیوبند

۳۶۰/۲، کوئٹہ ۲۰/۵ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کاشتکار کے ذمہ جو رقم بطور قرض ہے اس کی زکوٰۃ کا حکم

سوال (۷۹۶): قدیم ۱۵/۲ - کسی شخص کا کچھ روپیہ لگان کا کاشتکار کے ذمہ قرض ہے تین سو روپیہ سے زائد ہے، اس کی زکوٰۃ کس وقت دینی چاہئے، اور اس روپیہ میں حوالان حول کا ہونا شرط ہے یا نہیں؟

الجواب: فی الدر المختار: وأعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة. قوى ومتوسط وضعيف، فتجب زكوتها إذا تم نصابا وحال الحول الخ. وفي رد المحتار: قوله: حال الحول أي ولو قبل قبضه في القوى والمتوسط وبعده في الضعيف وفي الدر المختار: الدين القوى كقرض وبدل مال تجارة. (۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۳۷/۳ - ۲۳۶، وکراچی ۲۰/۵ -

أعلم أن الدين على ثلاثة أنواع دين قوي، ودين وسط، ودين ضعيف، فالدين القوي: هو الذي ملكه بدلا عما هو مال الزكاة كالدرهم والدنانير، وأموال التجارة، وكذا غلة مال التجارة من العبيد والدور ونحوها والحكم فيه عند الإمام أنه إذا كان نصاباً وتم الحول عليه تجب الزكاة، لكن لا يخاطب الأداء ما لم يقبض أربعين درهماً فإذا قبض أربعين درهماً زكى درهماً، فإن قبض أقل من ذلك لا. (مجمع الأنهر، کتاب الزکاة، مکتبہ عباس أحمد الباز ۱/۲۸۹)

الديون ثلاثة: دين قوي وهو بدل مال التجارة والقرض، ودين وسط: وهو بدل ما لم يكن للتجارة كثمان ثياب البذلة وعبد الخدمة ودار السكنى، ودين ضعيف: وهو بدل ما ليس بمال كالمهر والوصية وبدل الخلع والصلح عن دم العمدة والدية ففي الدين القوي تجب الزكاة إذا حال الحول ويتراخي الأداء إلى أن يقبض أربعين درهماً يلزمه درهم الخ. (خانية على هامش الهندية، کتاب الزکاة، فصل في مال التجارة، مکتبہ زکریا دیوبند قدیم ۲۵۲/۱، جدید ۱/۱۵۵)

وکذا فی البحر الرائق، کتاب الزکاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۶۳/۲، وکوئٹہ ۲۰۷/۲ -

وفي العالمگیریة: رجل آجر أرضه ثلث سنين كل سنة ثلث مائة درهم فحين مضى ثمانية أشهر ملك مائتي درهم فينقعد عليه الحول فإذا مضى حول بعد ذلك يزكى ثمان مائة إلا ما وجب عليه من زكوة خمس مائة الخ. (۱)

ان روایات کی بناء پر صورت مسئلہ میں زکوٰۃ فرض ہے اور حولان حول بھی شرط ہے رہی یہ بات کہ ابتداء حول کس وقت سے لی جائے گی؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر زمیندار ایسے نصاب کا مالک نہیں ہے جو کہ جنس دین سے ہے تب تو جس وقت وہ بقدر نصاب اجرت کا مالک ہو جائے اس وقت سے حساب ہوگا۔

كما في العالمگیریة: رجل آجر أرضه ثلث سنين كل سنة ثلث مائة درهم فحين مضى ثمانية أشهر ملك مائتي درهم فينقعد عليه الحول فإذا مضى حول بعد ذلك يزكى ثمان مائة إلا ما وجب عليه من زكوة خمس مائة. آه

اور اگر وہ مالک نصاب مذکور ہے تو یہ اجرت حولان حول اصل نصاب کے تابع ہوگی اور جس قدر اجرت کا مالک ہوتا جاوے گا وہ مقدار اصل کیساتھ ملتی جاوے گی، جب اصل نصاب پر حولان حول ہوگا تو اس وقت جس قدر مقدار اجرت کا مالک ہوگا اس پر بھی حولان حول ہو جاوے گا اور اصل نصاب اور اس مقدار دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

كما يقتضيه إطلاق قولهم والمستفاد في أثناء الحول يضم إلى نصاب من جنسه انتهى شامی. (۲)

مگر ادائے زکوٰۃ دین مذکور قبل از قبض واجب نہیں بلکہ اس وقت واجب ہے جبکہ دین مذکور میں سے دوسور ہم یعنی پڑن روپے بارہ آنہ تین رتی (کما قال المولوی احمد حسن فی حاشیہ بہشتی زیور) وصول ہو جاویں۔

(۱) ہندیہ، کتاب الزکاة، الفصل الثانی فی العروض، مسائل شتی، مکتبۃ زکریا دیوبند

قدیم ۱/۱۸۱، جدید ۱/۲۴۳۔

(۲) شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، مطلب فی وجوب الزکاة فی دین المرصد،

مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۲۳۹، کراچی ۲/۳۰۷۔

ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول مالا من جنسه ضمه إلى ماله وزكاه سواء

كان المستفاد من نمائه أو لا، وبأي وجه استفاد ضمه سواء كان بميراث أو هبة ←

لأنه دين متوسط وقال في الدر المختار وعند قبض مأتين منه لغيرها أي من بدل مال لغير تجارة وهو المتوسط (۱)۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

(امداد، ص ۱۶۲، ج ۱)

جو شخص مالک نصاب نہ ہو اس کا زکوٰۃ لینے کا حکم

سوال (۷۹۷): قدیم ۱۶/۲۔ ایک شخص کے پاس کچھ زیور ہے مگر نصاب سے کم ہے اس شخص کو اگر کوئی شخص زکوٰۃ دینا چاہے تو کس مقدار تک یہ شخص لے سکتا ہے؟

الجواب: في الدر المختار: وكره إعطاء فقير نصاباً وأكثر. (۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ شخص مذکور فی السؤال کو اس قدر لینا تو بلا کراہت جائز ہے جس کو لیکر وہ اب بھی صاحب نصاب نہ ہو جاوے، اور زیادہ لینا مکروہ ہے۔ (*) واللہ اعلم

ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (امداد، ص ۱۶۲، ج ۱)

(*) لیکن اگر یہ شخص مقروض ہو یا عیال زیادہ رکھتا ہو کہ قرض ادا کر کے یا عیال کی حوائج میں صرف کر کے نصاب نہ رہے گا، پھر مکروہ نہیں۔ کذا فی الدر المختار ۱۲ منہ

← أو غير ذلك. (هندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفاتها وشرائطها، مكتبة زكريا قديم ۱/۱۷۵، زكريا جديد ۱/۲۳۷)

هداية، كتاب الزكاة، فصل في الغنم، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۹۳۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مطلب في وجوب

الزكاة في دين المرصد، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۳۷، كراچی ۲/۳۰۵۔

ودين هو بدل مال ليس كذلك أي للتجارة كضمن السائمة وعبد الخدمة متوسط يزكيه عند قبض نصاب، ويعتبر ما مضى من الحول في الأصح. (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، عباس أحمد الباز ۱/۲۸۹)

وفي المتوسط: لا تجب ما لم يقبض نصاباً ويعتبر لما مضى من الحول في صحيح الرواية. الخ (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۶۳، كوئٹہ ۲/۲۰۷)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند

۳/۳۰۳، كراچی ۲/۳۵۳ ←

مدرسہ کی مذکوٰۃ کی رقم کو دیگر مدات میں خرچ کرنے کی اور ایک مد کو دوسرے مد میں خرچ کرنے کا حکم

سوال (۷۹۸): قدیم ۱۶/۲ - ایک مدرسہ میں دو مد قائم ہیں، ایک مد میں زکوٰۃ اور صدقات اور فدیہ وغیرہ کی آمدنی جمع ہوتی ہے، دوسرا مد عام اغراض کے لیے ہے جس میں یکمشت امدادی رقم اور دوا می چندہ اور تقریبات شادی وغیرہ کی رقومات آتی ہیں۔ مذکوٰۃ، صدقات، و فدیہ وغیرہ میں سے یتامیٰ اور مساکین کی خوراک اور پوشاک وغیرہ کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ اور عام اغراض میں سے تنخواہ مدرسین و دیگر ملازمین اور کرایہ مکان مدرسہ اور فرش و صفائی اور چھپائی اشتہارات و طبع کیفیت و ڈاک وغیرہ میں خرچ ہوتا ہے۔ مدرسہ کے ذمہ بابت خریداری زمین کچھ روپیہ قرض ہے، جس کا قرض ہے اس نے اپنا روپیہ طلب کیا، اور مدرسہ میں عام اغراض میں اس قدر روپیہ نہیں جو اس کے قرض کو پورا کرے اور جو روپیہ مذکوٰۃ میں موجود ہے وہ اس قدر ہے کہ قرضدار کا قرض دیکر کسی قدر روپیہ بھی بچتا ہے۔

← ویکره أن يدفع إلى رجل مأتى درهم فصاعداً وإن دفعه جاز هذا إذا لم يكن الفقير مديوناً فإن كان مديوناً فدفع إليه مقدار ما لو قضى به دينه لا يبقى له شيء أو يبقى دون المأتين لا بأس به، وكذا لو كان معيلاً جاز أن يعطي له مقدار ما لو وزع عياله بصيب كل واحد منهم دون المأتين. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، مكتبة زكريا قديم ۱/۱۸۸، جديد ۱/۲۵۰)

ویکړه أن يدفع إلى واحد مأتى درهم فصاعداً وإن دفع جاز. (الهداية) وفي الفتح: إلا أن يكون مديوناً لا يفضل له بعد قضاء دينه نصاب أو يكون معيلاً إذا وزع المأخوذ على عياله لم يصب كلا منهم نصاب. (فتح القدير، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۸۳-۲۸۲)

و كره الإغناء وندب عن السؤال أي كره أن يدفع إلى فقير ما يصير به غنياً وندب الإغناء عن سؤال الناس وإنما صح الإغناء لأن الغنى حكم الأداء فيتعقبه لكن يكره لقرب الغنى منه كمن صلى وبقربه نجاسة..... وإنما قيدنا بقولنا يصير به غنياً لأنه لو دفع مأتى درهم، فأكثر لمديون لا يفضل له بعد دينه نصاب لا يكره، وكذا لو كان معيلاً إذا وزع المأخوذ على عياله لم يصب كلا منهم نصاب الخ. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصروف،

صرف یہ دریافت طلب ہے کہ مدعام اغراض میں جس قدر روپیہ موجود ہے اول وہ روپیہ دیا جائے اور باقی جو کسر رہے اگر مدزکوٰۃ میں سے قرض لیکر دیا جاوے درست ہے یا نہیں اور تحویلدار نے بوجہ اس قدر معلوم ہونے کے کہ شاید مدزکوٰۃ میں سے لینا درست نہ ہو، زکوٰۃ میں سے روپیہ دینے میں تاویل کرنا چاہا؛ بلکہ اراکین کے سامنے یہ بھی کہا کہ یہ درست نہ ہوگا، مگر نہ مانا؛ بلکہ یہ کہا کہ درست ہے تم زکوٰۃ میں سے قرض دیدو ان کے اصرار کرنے سے تحویلدار نے روپیہ مدزکوٰۃ سے دیدیا یہ گناہ تحویلدار کے ذمہ ہوا یا نہیں؟ اور یہ امر درست ہے یا نہیں؟ یعنی زکوٰۃ میں سے قرض لینا درست یا نا درست لہذا براہ عنایت جواب عنایت فرمائیے؟

الجواب: باذن معطین درست ہے کیونکہ اموال مذکورہ ہنوز ان کے ملک سے خارج نہیں ہوئے رہی یہ بات کہ صورت مسئلہ میں اذن معطین دلائل ہے یا نہیں یہ ایک واقعہ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اذن ہے کیونکہ جب چندہ دینے والے چندہ دیتے ہیں تو عادت یہی ہے کہ وہ اس سے اپنا تعلق تصرف منقطع کر دیتے اور متولی کو ہر مناسب تصرف کا اختیار دیتے ہیں اس لیے صورت مسئلہ میں تصرف مذکور جائز ہے۔ (۱) واللہ اعلم

(امداد، ص ۱۲۳، ج ۱)

← ویکره لمن عليه الزكاة أن يعطي فقيراً مأتى درهم أو أكثر ولو أعطى جاز وسقط عنه الزكاة..... هذا إذا أعطى مأتى درهم وليس عليه دين ولا له عيال، فإن كان عليه دين فلا بأس بأن يتصدق عليه قدر دينه وزيادة مادون المائتين وكذا إذا كان له عيال يحتاج إلى نفقتهم وكسوتهم. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، دفع الزكاة لمالك نصاب يخاف الحاجة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۶۰/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع من هذه الأنواع بيتاً يخصه فلا يخلط بعبضه ببعض لأنه لكل نوع حكماً يختص به، فإن لم يكن في بعضها شيء فلا إمام أن يستقرض عليه من النوع الآخر ويصرفه إلى أهل ذلك ثم إذا حصل من ذلك النوع شيء رده إلى المستقرض منه إلا أن يكون المصروف من الصدقات أو من خمس الغنية على أهل الخراج وهم فقراء، فإنه لا يرد فيه شيئاً لأنهم مستحقون للصدقات بالفقر الخ. (البحر الرائق، كتاب السير، قبيل باب أحكام المرتدين، مكتبة زكريا ۲۰۰/۵-۲۰۱، كوئٹہ ۱۱۹/۵)

وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع بيتاً يخصه فإن خلى بعضه كان له الاستقراض من النوع الآخر ليصرفه إلى ذلك النوع، ثم إذا حصل منه شيء رده في المستقرض منه إلا أن يكون ما صرفه من الصدقات والخمس على أهل الخراج فلا يرد شيئاً لأنهم ←

***** سوال (۷۹۹): قدیم ۲/۱۷ - مدزکوٰۃ میں سے قرض لیکر دوسری مد میں خرچ کرنا اس طور پر

کہ بعد وصول چندہ یہ رقم مدزکوٰۃ میں شامل کر دی جاوے گی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ بھی باذن معطین درست ہے۔ (۱)

۱۲ صفر المظفر ۱۳۳۰ھ (تمتہ اولیٰ، ص ۵۸)

← مستحقون للصدقات بالفقر، وكذا في غيره إذا صرفه للمستحق، وعليه أن يتق الله ويصرف إلى كل مستحق قدر حاجته فإن قصر كان الله عليه حسيباً. (النهر الفائق، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج، فصل في الجزية، قبيل باب المرتدين، مكتبة زكريا ديوبند ۲۵۱/۳)

وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع بيتاً يخصه ولا يخلط بعضه ببعض فإن لم يوجد في بعضها شيء فللإمام أن يستقرض عليه من النوع الآخر ويصرفه إلى أهل ذلك، ثم إذا حصل من ذلك النوع شيء رده إلى المستقرض منه إلا أن يكون المصروف من الصدقات أو من خمس الغنائم على أهل الخراج، وهم فقراء فإنه لا يرد فيه شيئاً، وكذا في غيره إذا صرفه إلى المستحق، ويجب على الإمام أن يتق الله ويصرف إلى كل مستحق قدر حاجته من غير زيادة. (مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، قبيل باب المرتد، دار الكتب العلمية بيروت ۴۸۶/۲)

وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع بيتاً يخصه وله أن يستقرض من أحدها ليصرفه لآخر ويعطى بقدر الحاجة والفقه والفضل فإن قصر كان الله عليه حسيباً. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مكتبة زكريا ديوبند ۳۵۲/۶، كراچی ۲۱۹/۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) إذا دفع الرجلان إلى رجل كل واحد منهم دراهم ليتصدق بها عن زكاة ماله فخلط الدارهم قبل الدفع، ثم دفع فهو ضامن إلا إذا جدد الإذن أو أجاز المالكان فحينئذ يجوز أو وجدت دلالة الإذن بالخلط كما جرت العادة بالإذن من أرباب الحنطة بخلط ثمن الغلات. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطى الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲۲۹/۳، رقم: ۴۲۰۸)

وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع بيتاً يخصه وله أن يستقرض من أحدها ليصرفه لآخر ويعطى بقدر الحاجة والفقه والفضل فإن قصر كان الله عليه حسيباً. (الدر المختار مع رد المحتار،

كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مكتبة زكريا ديوبند ۳۵۲/۶، كراچی ۲۱۹/۴) ←

کرایہ کے مکانات پر زکوٰۃ کا حکم

سوال (۸۰۰): قدیم ۱۷۲/۱- چیمبر فرماید علماء دین اندرین مسئلہ کہ بر مکانات و دکانات کہ زائد از سکونت هست و براں کرایہ گرفته می شود، آیا زکوٰۃ واجب ست یا نہ؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: زکوٰۃ بر انہما واجب نیست زیرا کہ نامی شدن نصاب از شرائط زکوٰۃ است و مکانات (*) نامی نیستند و منہا کون النصاب نامیاً۔ عالمگیری جلد اول ص ۱۷۱-۱ (۱)

(*) البتہ اگر کوئی شخص یہی تجارت کیا کرے کہ مکان خرید لیا اور بیچ دیا تو مثل مال تجارت ان مکانات کی قیمت میں بھی زکوٰۃ لازم ہے۔ ۱۲ منہ

سوال کا ترجمہ: (۸۰۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ رہائشی مکان سے زائد مکانات و دکانات جو ہیں اور ان سے کرایہ وصول کیا جاتا ہے، تو کیا ان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب کا ترجمہ: ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے؛ اس لئے کہ وجوب زکوٰۃ کے شرائط میں سے مال نامی ہونا بھی ہے اور مکانات و دکانیں مال نامی نہیں ہیں جیسا کہ ہندیہ کی عبارت میں نصاب کے نامی ہونے کو شرط قرار دیا گیا ہے۔

← وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع بيتاً يخصه ولا يخلط بعضه ببعض، فإن لم يوجد في بعضها شيء فللإمام أن يستقرض عليه من النوع الآخر ويصرفه إلى أهل ذاك، ثم إذا حصل من ذلك النوع شيء رده إلى المستقرض منه إلا أن يكون المصروف من الصدقات أو من خمس الغنائم على أهل الخراج، وهم فقراء فإنه لا يرد فيه شيئاً، وكذا في غيره إذا صرفه إلى المستحق، ويجب على الإمام أن يتق الله ويصرف إلى كل مستحق قدر حاجته من غير زيادة. (مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، قبيل باب المرتد، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۸۶۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) ہندیہ، کتاب الزکاة، الباب الأول: فی تفسیرھا، وصفتها وشرائطھا، مکتبۃ زکریا قدیم ۱۷۴/۱، جدید ۲۳۵/۱۔

ومنہا کون المال نامیاً: لأن معنی الزکاة وهو النماء لا يحصل إلا من المال النامي. (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، الشرائط التي ترجع إلى المال، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/ ۹۱) ←

ولا في ثياب البدن وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها. درمختار قوله ونحوها كحوانيت وخانات يستغلها طحطاوي مصري جلد اول ص: ۳۹۲- (۱)
ذی قعدہ ۱۳۰۰ھ (امداد، ص ۱۶۴، ج ۱)

مسافر مال دار طالب علم کے لئے زکوٰۃ لینا

سوال (۸۰۱): قدیم ۱۷۲/۲ - اگر سفر میں کوئی مال دار طالب علم یا کوئی شخص صاحب نصاب ہو خواہ بقدر نصاب اُس کے ساتھ ہو یا نہ ہو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: ابن السبیل مالک نصاب خواہ طالب علم ہو یا غیر طالب علم جب اس کے پاس خرچ نہ رہے زکوٰۃ لینا بقدر حاجت جائز ہے، اگر فقیر ہو تو حاجت سے زیادہ بھی جائز ہے۔

ابن السبیل وهو كل من له مال لا معه درمختار في الشامي عن الفتح ولا يحل له أن يأخذ أكثر من حاجته. (۲)

← يشترط في المال الذي تجب فيه الزكاة من حيث الجملة شروط كونه مملوكاً لمعين وكونه نامياً الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية، كتاب الزكاة، شروط المال الذي تجب فيه الزكاة ۲۳/۲۳۶)

(۱) حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الزکاة، کوئٹہ ۱/۳۹۲۔
ولا في ثياب البدن وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها (تنوير) وفي الشامية: ونحوها أي كثياب البدن الغير المحتاج إليها و كالحوانيت والعقارات. (شامي، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۸۲، کراچی ۲/۲۶۴-۲۶۵)
ولو اشترى قدوراً من صفر يمسكها أو يؤجرها لا تجب فيها الزكاة كما لا تجب في بيوت الغلة. (خانية على الهندية، كتاب الزكاة، فصل في مال التجارة، مكتبة زكريا قديم ۱/۲۵۱، جديد ۱/۱۵۵)
الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثالث في بيان زكاة عروض التجارة، مكتبة زكريا قديم ۳/۱۶۹، رقم: ۴۰۱۷ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) شامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۹۰، کراچی ۲/۳۴۳۔

اور بعض فقہاء نے جو طالب علم کے لیے مطلقاً اخذ زکوٰۃ جائز رکھا ہے۔

كما في الدر المختار: ان طالب العلم يجوز له أخذ الزكاة ولو غنياً الخ. (۱)
وہ غیر معتمد ہے۔

كما في الطحطاوي: وهذا الفرع مخالف لاطلاقهم الحرمة في الغني ولم
يعتمده أحد آه. (۲)

پس قول مرجوح پر افتاء باطل ہے۔ کما بین فی رسم المفتی۔ واللہ اعلم

۲۹ محرم الحرام ۱۴۰۴ ہجری (امداد، ص ۱۶۵، ج ۱)

← وابن السبيل هو المنقطع عن ماله لبعده عنه وفي فتح القدير: ولا يحل له
أن يأخذ أكثر من حاجته. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند
۴/۲۲، كوئٹہ ۲/۲۴۲)

كذا في فتح القدير، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۶۹۔

وابن السبيل: هو المسافر الذي له مال في وطنه وهو في مكان آخر لا شيء له
فيه فيجوز له الأخذ قدر كفايته لا ما زاد لأنه فقير يداً. (النهر الفائق، كتاب الزكاة،
باب المصرف، زكريا ۱/۶۱۱)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند

۳/۲۸۵، کراچی ۲/۳۴۰۔

إن طالب العلم يجوز له أن يأخذ الزكاة، وإن كان غنياً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم
واستفادته لكونه عاجزاً عن الكسب والحاجة داعية إلى ما لا بد منه (إلى قوله) وفي
المبسوط لا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصاباً إلا إلى طالب العلم والغازي والمنقطع الخ.
(منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند
۴/۲۲، كوئٹہ ۲/۲۴۲)

(۲) حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف كوئٹہ ۱/۴۲۴۔

وكذا في الشامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۸۶،

کراچی ۲/۳۴۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

شیرز کی اصل اور نفع دونوں پر زکوٰۃ کا حکم

سوال (۸۰۲): قدیم ۱۸/۲- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک کمپنی قائم ہوئی ہے جو کہ ایک معین سرمایہ سے کاروبار کرنا چاہتی ہے اور سرمایہ کو معین حصوں (مثلاً سو یا ہزار) پر تقسیم کر کے ان حصوں کو معین قیمت پر فروخت کرتی ہے کوئی ایک حصہ خریدتا ہے کوئی دو کوئی چار کوئی دس الی غیر ذلک اور اسی طرح وہ سرمایہ کی معینہ رقم وصول کر کے کاروبار کرتی ہے اور کاروبار کی نوعیت بھی مقرر نہیں ہے؛ بلکہ وہ کمپنی کی رائے پر ہے، اگر وہ سود پر روپیہ دینا مصلحت سمجھتی ہے تو سود پر دیتی ہے اور اگر وہ کسی قسم کا کارخانہ قائم کرنے میں فائدہ سمجھتی ہے تو کارخانہ قائم کرتی ہے اور اگر کوئی دوکان کھولنا مفید سمجھتی ہے تو دوکان کھولتی ہے۔

غرض جس کام میں وہ فائدہ سمجھتی ہے وہ کرتی ہے، شیرز خریدنے والوں کو اس کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں نہ وہ مال تقسیم کر سکتے ہیں نہ روپیہ واپس لے سکتے ہیں اور نہ انفرادی حیثیت سے کسی قسم کی مداخلت کر سکتے ہیں اور اجتماعی حیثیت سے بھی صرف اس حد تک مداخلت کر سکتے ہیں جس حد تک کہ ان کو کمپنی کے قواعد و ضوابط کی رو سے حق حاصل ہے، انفرادی حیثیت سے ہر حصہ دار کو دو حق حاصل ہیں ایک یہ کہ نفع جس قدر ان کے حصہ میں آئے وہ لے لیں اور دوسرا یہ کہ اگر وہ اپنا حصہ کسی کے ہاتھ فروخت کرنا چاہیں تو فروخت کر دیں اس سے زیادہ ان کو حق نہیں اس کے متعلق دریافت طلب یہ امر ہے کہ وہ روپیہ جو کمپنی نے خریداران شیرز سے وصول کیا ہے اور اس سے جو اشیاء منقولہ یا غیر منقولہ خریدی ہیں یا اس کو کسی دوسرے کام میں لگایا ہے کس کی ملک ہے؟ آیا خریداران شیرز کی یا کمپنی کی؟ اگر کمپنی کو مالک کہا جاوے اور خریداران شیرز کمپنی کو سودی قرض دینے والے قرار دیئے جائیں تو خریداران شیرز اصل اور سود دونوں کی زکوٰۃ ادا کریں گے یا صرف سود کی اس کا جواب اس امر کو پیش نظر رکھ کر دیا جاوے کہ خریداران شیرز اصل رقم کمپنی سے وصول نہیں کر سکتے ہیں؛ البتہ اگر کمپنی کسی وقت ٹوٹ جائے تو اس کا سرمایہ حصہ داران میں بمقدار حصہ تقسیم ہو جاوے گا اور اگر خریداران شیرز کو مالک کہا جاوے اور کمپنی کارکن، تو اس صورت میں خریداران شیرز اپنے مال کی زکوٰۃ کس قاعدہ سے دیں گے۔ اس کے جواب میں بھی اس امر کو ملحوظ رکھا جاوے کہ خریداران شیرز کمپنی کے مقبوضات میں سوائے متذکرہ بالا حقوق کے اور کسی تصرف کا حق نہیں۔ نیز یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ مالکوں کے مالکانہ تصرفات سے اس درجہ مجبوری اور کمپنی کا اختیار کامل کمپنی کو غنا صب کی حد میں تو داخل نہ کرے گا۔ بیوقوف جروا؟

الجواب: قواعد کا مقتضا ظاہراً یہ ہے کہ کمپنی میں رقم داخل کرنے کے بعد بھی حصّہ دار ہی مالک رہیں (۱) اور کارکن وکیل اور عدم واپسی کی شرط فاسد جس کا اثر حصّہ داروں کے رنج پر نہ پڑے گا وکیل کی اجرت پر پڑے گا کہ اجر مثل سے زائد کا وہ مستحق نہ ہوگا (۲) اور چونکہ یہ شرط مالک کی رضا سے ہے اس لیے غضب میں داخل نہیں ہو سکتا (۳) اور جب حصّہ دار رقم کا مالک ہے تو زکوٰۃ بھی اس پر واجب ہوگی (۴)

(۱) فإن هلك المبيع في يده (الوكيل) قبل حبسه هلك من مال المؤكل ولم يسقط الثمن لأن يده كيد المؤكل فإذا لم يحبسه يصير المؤكل قابضاً بيده. (الهداية، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، مكتبة اشرفية ديوبند ۱۸۳/۳)

هلك المبيع من يده (الوكيل) قبل حبسه هلك من مال مؤكله ولم يسقط الثمن لأن يده كيده. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، مكتبة زكريا ديوبند ۲۵۰/۸، کراچی ۵/۱۶۵)

(۲) وإذا فسد العقد وجب أجر المثل بعد الفراغ من العمل على ما جرى فيه العرف من أهل تلك الصناعة. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الإجارة، نوع منه في الاستيجار على الأفعال الخ زكريا ۱۵/۱۳۶، رقم: ۲۲۴۵۷)

الإجارة تفسدها الشروط كما تفسد البيع؛ لأنه بمنزلة ألا ترى أنه عقد يقال ويفسخ والواجب في الإجارة الفاسدة أجر المثل لا يجاوز به المسمى. (الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبة اشرفية ديوبند ۳۰۱/۳)

(۳) الغصب في الشريعة أخذ مال متقوم محترم بغير إذن المالك على وجه يزيل يده. (الهداية، كتاب الغصب، مكتبة اشرفية ديوبند ۳۷۲/۳)

أما تفسيره (الغصب) شرعاً فهو أخذ مال متقوم محترم بغير إذن المالك على وجه يزيل يده المالك إن كان في يده أو يقصر يده إن لم يكن في يده. (الهندية، كتاب الغصب، الباب الأول في تفسير الغصب الخ مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱۱۹/۵، جدید ۱۳۹/۵)

وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الغصب، نفس الغصب، مكتبة زكريا ديوبند ۴۲۶/۱۶، رقم: ۲۵۵۴۷-

(۴) الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصيباً ملكاً تاماً وحال عليه الحول الخ. (الهداية، كتاب الزكاة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱۸۵/۱) ←

باقی اگر یہ تحقیق نہ ہو سکے کہ وہ رقم کس مقدار اور کس صورت میں ہے تب بھی اس بناء پر کہ اصل رقم کا محل وجوب زکوٰۃ ہونا یقینی ہے اور کوئی امر جو زکوٰۃ کا مسقط و مانع ہو مشکوک ہے اور الیقین لا یزول بالشک (۱) اس پوری رقم پر زکوٰۃ واجب کہیں گے۔ اور نفع جو وصول ہوا ہے اس میں کوئی وجہ شک کی ہے ہی نہیں، جب تک اس کے خلاف کوئی امر ظاہر نہ ہو استصحاباً یہی حکم باقی رہے گا۔ (۲) واللہ اعلم اور واقفین سے معلوم ہوا کہ ان امور کی تحقیق بھی سہولت سے ہو سکتی ہے، اس صورت میں حکم زکوٰۃ سہولت سے متعین ہو جائے گا۔

نوٹ: بہتر یہ ہے کہ علماء سے بھی مشورہ کر لیا جاوے۔

۲۳/ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ (النور ذیقعدہ ۵۲ھ)

← الفتاویٰ التاتارخانیہ، کتاب الزکاۃ، وجوب الزکاۃ و سببها و حکمها، مکتبۃ زکریا دیوبند

۱۳۳/۳، رقم: ۳۹۳۴۔

الزکاۃ فرض علی المخاطب إذا ملک نصاباً نامياً حولاً كاملاً. (خانیۃ علی ہامش

الہندیۃ، کتاب الزکاۃ، مکتبۃ زکریا دیوبند قدیم ۱/ ۲۴۵، جدید ۱/ ۱۵۲)

(۱) الأشباه والنظائر: القاعدة الثالثة: اليقين لا يزول بالشك. (الأشباه والنظائر،

مکتبۃ دارالعلوم دیوبند ص: ۱۰۰، زکریا ۱/ ۱۸۳)

قواعد الفقہ، مکتبۃ رشید دیوبند ص: ۱۴۳، رقم القاعدة: ۴۲۱۔

شرح المجملۃ لسلم رستم باز ۱/ ۲۰، رقم: ۴۔

(۲) ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول من جنسه ضمه إليه وزكاه به.

(الهدایۃ، کتاب الزکاۃ، فصل في الغنم، مکتبۃ اشرفیۃ دیوبند ۱/ ۱۹۳)

ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول مالا من جنسه ضمه إلى ماله وزكاه سواء كان

المستفاد من نمائه أولاً وبأي وجه استفاد ضمه سواء كان بميراث أو هبة أو غير ذلك. (الہندیۃ،

کتاب الزکاۃ، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، مکتبۃ زکریا قدیم ۱/ ۱۷۵، جدید ۱/ ۲۳۷)

ولو كان الزيادة والنقصان في العين قبل الحول، ثم حال الحول وهي كذلك ففي

الزيادة تجب الزکاۃ زائدة؛ لأن تلك الزيادة مستفاد في خلال الحول فيضم إلى الأصل.

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ، کتاب الزکاۃ، زکاۃ عروض التجارة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/ ۱۷۲،

رقم: ۴۰۲۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۸۰۳): قدیم ۱۹/۲- کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل میں اول کسی شخص نے ایک انجمن تجارت متفقہ میں کچھ زر داخل کر کے شرکت حاصل کی، شریک کو انجمن کے کاروبار تجارت خرید و فروخت مال و انتظام و اہتمام میں کسی قسم کی مداخلت نہیں، مہتمم و سربراہ کارشماہی خواہ سال تمام پر حسب قاعدہ معینہ زر منافع شرکاء کے پاس بھیج دیتا ہے، ایسی صورت میں زر منافع پر جو شریک کو وصول ہو زر کوۃ واجب ہے یا زر اصل و منافع دونوں پر۔

دوم: زر زر کوۃ تعلیم اطفال مسلمانان میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟

عام اس سے کہ تعلیم علوم دینی ہو یا دنیوی مثلاً زر کوۃ دینے والے کو محض ہمدردی قومی اور حُب اسلامی سے یہ مقصود ہے کہ مسلمان جو بوجہ عام عدم حصول اُن علوم کے کہ فی زمانہ آلہ کسب معاش سمجھے جاتے ہیں افلاس میں بسر کرتے ہیں، ان علوم سے ماہر ہو جائیں اور ان پر نوکری گورنمنٹ اور معاش کا دروازہ کھل جائے اور اس ذریعہ سے اُن کی فلاکت و تنگدستی دُور ہو پھر حاجات دنیوی سے فارغ البال ہو کر اگر توفیق ایزدی رفیق ہو تو اُن سے دینی امور کی امداد کی بھی اُمید ہے، پس زر زر کوۃ بے مایہ اطفال کے خور و نوش یا کتابوں کی خرید یا معلموں، مدرسوں و ماسٹروں کی تنخواہ یا مدرسہ کی تعمیر یا ضروری سامان نشست و برخاست و اسباب استراحت اطفال و اہل مدرسہ میں صرف کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جواب سوال اول صورت مسئلہ میں آخر سال میں جس قیمت کا سرمایہ اُس کے حصہ کا اور جس قدر اس پر منافع ہو دونوں میں زر کوۃ واجب ہے۔

في الدر المختار: نام ولو تقدیرا بالقدرة على الاستمناء ولو بنائبه (۱)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۱۷۹/۳،

کراچی ۲/۲۶۳۔

نام ولو تقدیراً (کنز) وفي البحر: وفي الشرع هو نوعان: حقيقي وتقديرى. فالحقيقي الزيادة بالتوالد والتناسل والتجارات والتقديري تمكنه من الزيادة بكون المال في يده أو يد نائبه الخ. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، زكريا ۲/۳۵۵-۳۶۲، و كوئٹہ ۲/۲۰۲-۲۰۶)

نام أي: زائد ولو كان النماء تقدیراً بأن يكون المال في يده أو يد نائب وهو متمكن من الزيادة الخ. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، زكريا ۱/۴۱۶)

والمستفاد وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه فيزكاه بحول الأصل ۱۲. (۱)

وفي عرض تجارة قيمة نصاب. ۱۲ (۲) واللہ اعلم

جواب سوال دوم: اداء زکوٰۃ میں چونکہ تملیک شرط ہے؛ لہذا مصارف مذکورہ میں صرف کرنے سے زکوٰۃ اداء نہیں ہو سکتی البتہ جواز کا یہ حیلہ ہے (*) کہ اولاً کسی مستحق کی تملیک کردی جاوے پھر وہ اپنی طرف سے ان مصارف میں صرف کر دے؛ لیکن اس مستحق کو صرف نہ کرنیکا بھی اختیار ہے۔

يصرف إلى كلهم أو بعضهم تملیکاً لا إلى بناء مسجد و کفن میت وقضاء دينه و ثمن

(*) لیکن یہ حیلہ اگر محض ضابطہ ہی پورا کرنے کو کیا ہے، تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اگر تملیک واقعی ہوتی ہے،

تو اس کو حیلہ کہنا مجاز ہے اور زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، زکریا ۳/۲۱۴،

کراچی ۲/۲۸۸۔

ويضم مستفاد من جنس نصاب إليه..... والمراد بالضم أن تجب الزکاة في

الفائدة عند تمام الحول على الأصل. (البحر الرائق، کتاب الزکاة، فصل في الغنم، زکریا

۳۸۸/۲، کوئٹہ ۲/۲۲۲)

ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول من جنسه ضمه إليه وزكاه به.

(الهداية، کتاب الزکاة، فصل في الغنم، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۹۳)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، مكتبة زکریا

ديوبند ۳/۲۲۸، کراچی ۲/۲۹۸۔

وفي عروض تجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب. (كنز الدقائق مع البحر الرائق،

کتاب الزکاة، باب زکاة المال، مكتبة زکریا ديوبند ۲/۳۹۷-۳۹۸، کوئٹہ ۲/۲۲۸)

الزکاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصاباً من

الورق والذهب. (الهندية، کتاب الزکاة، الفصل الثاني في العروض، مكتبة زکریا ديوبند

قديم ۱/۱۷۹، جديد ۱/۲۴۱)

كذا في الهداية، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، فصل في العروض، مكتبة اشرفية

ديوبند ۱/۱۹۵۔

ما یعتقد لعدم التملیک وهو الرکن وقدمنا ان الحيلة ان یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذه الاشیاء وهل له أن یخالف أمره لم أره والظاهر نعم. ۱۲ (۱)

واللہ اعلم (امداد ص ۱۶۵، ج ۱)

کمپنی میں جو روپیہ لگائے اصل و نفع پر زکوٰۃ کا حکم

سوال (۸۰۴): قدیم ۲۰/۲ - زید نے ایک میل کمپنی کے حصے خریدے، ایک حصہ ۷۰۰ سو میں خریدا آج وہ حصہ ۴۰۰ میں بکتا ہے، اصل حصہ سو روپے کا ہے اس کی آمد سالانہ کبھی سو کبھی زیادہ ہے زید زکوٰۃ کس طرح دے اور مفصل گزارش یہ ہے کہ کمپنی کی جائیداد یعنی عمارت اور اسکی مشینیں سانچے وغیرہ یہ کل ۲۵ لاکھ روپیہ کی ہیں اور روپیہ جمع ۲۵ لاکھ ہیں، زید کے حصہ میں اگر یہ جائیداد اور روپیہ جمع ہوا تقسیم ہوئے تو دو سو روپے آنے کی اُمید ہے یہ تو جواب ہے۔

اب بندہ پھر تفصیل سے عرض کرتا ہے، شروع کمپنی جب ہوئی تو ایک حصہ ایک سو روپے کا تھا ایسے دس ہزار حصے کے خریدار لوگ ہوئے جس سے دس لاکھ روپیہ جمع ہو گیا، اسکی ایک عمارت بنائی اور کچھ مشینیں لاکر

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف، زکریا ۳/۲۹۱ تا ۲۹۴،

کراچی ۲/۳۴۴-۳۴۵۔

فی دفع إلى کلهم أو إلى صنف لا إلى ذمی و صح غیرها و بناء مسجد و تکفین میت و قضاء دینہ و شراء قن یعتقد (کنز) و فی النهر: و الحلیة فی هذا أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذه الاشیاء وهل له أن یخالف أمره؟ مقتضی صححة تملیکه أن له ذلک و لم أره.

(النهر الفائق، کتاب الزکاة، باب المصرف، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۶۲۲)

و یجوز دفعها إلى کلهم و إلى بعضهم ولو واحدًا من أي صنف کان خلافاً للشافعی و لا تدفع لبناء مسجد أو تکفین میت أو قضاء دینہ أي المیت الفقیر ولو بأمره لعدم التملیک و هو الرکن. قالوا: و الحيلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذه الاشیاء فتكون لرب المال ثواب الزکاة و للفقیر ثواب هذا التقرب ذکره فی البحر و هل له أن یخالف أمره لم أره و الظاهر نعم. (الدر المتقی علی هامش مجمع الأنهر، کتاب الزکاة، باب المصرف، مکتبہ عباس أحمد الباز ۱/۳۲۸-۳۲۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس میں نصب کردی گئیں، پہلے سال سو روپے پر اس کمپنی نے نفع دس روپیہ تقسیم کیا تو ایک حصہ جو سو کا تھا دوسو روپے میں پہلے خریدار سے عمر نے خرید لیا۔

دوسرے سال بیس روپے ایک حصہ جو کہ سو کا تھا اس پر تقسیم کئے جس کی وجہ سے حصہ کی قیمت ۳۰۰ کی ہو گئی، عمرو سے ایک حصہ بکر نے ۳۰۰ میں خریدا ایسے ہی زیادہ نفع ہونے سے قیمت بڑھ گئی اور بکر سے خالد نے ۴۰۰ میں خریدا پھر خالد سے زاہد نے ۶۰۰ میں پھر زاہد سے اب زید نے ۷۰۰ میں خریدا، اب اس سال وہی حصہ ۴۰۰ میں بکتا ہے سرمایہ اور عمارت وغیرہ جمع کی جاوے تو زید کو ۲۰۰ روپے حصہ میں آسکتے ہیں اور سالانہ نفع کبھی سو روپے کبھی دوسو روپے کبھی ڈیڑھ سو روپے۔

اب سوال یہ ہے کہ آمدنی سالانہ پر زکوٰۃ دے یا سرمایہ و جائیداد کی قیمت کر کے جو حصہ جس قدر زید کے حصہ میں آوے اس مقدار پر زکوٰۃ دے، یا اصل حصہ سو کا تھا اس مقدار پر زکوٰۃ دے، یا آج کل اس کی قیمت ۴۰۰ کی ہو گئی ہے اس مقدار پر زکوٰۃ دے۔ تحریر فرمادیں؟

الجواب: جواب سے پہلے یہ مقدمات سن لینا چاہئیں۔

(۱) تجارت کی اصل اور نفع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (۱)

(۱) فی عرض تجارة قيمته نصاب من ذهب أو ورق. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ۲۲۸/۳، كراچی ۲۹۸/۲)

الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصاباً من الورق والذهب.

(الهندية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱۷۹/۱، جديد ۲۴۱/۱)

كذا في الهداية، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، فصل في العروض، مكتبة اشرفية ديوبند ۱۹۵/۱۔

وفي عروض التجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب يعني في عروض التجارة يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً. (تبیین الحقائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ۷۷/۲)

وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه فيزيه بحول الأصل. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مكتبة زكريا ديوبند ۲۱۴/۳، كراچی ۲۸۸/۲)

والمراد بالضم أن تجب الزكاة في الفائدة عند تمام الحول على الأصل. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، فصل في الغنم، مكتبة زكريا ديوبند ۳۸۸/۲، كوئٹہ ۲۲۲/۲) ←

(۲) عمارات وآلات حرفہ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ (۱)

(۳) مال حرام پر اگر وہ اپنی ملک میں مخلوط ہو جاوے زکوٰۃ ہے مگر بقدر حق غیر دین ہونے کے سبب زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہو جاوے گا۔ (۲)

← ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول من جنته ضمه إليه وزكاه به.

(الهداية، كتاب الزكاة، فصل في الغنم، مكتبة اشرافية ديوبند ۱/۱۹۳)

(۱) ولا في ثياب البدن وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها وكذلك آلات المحترفين. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۸۲-۱۸۳، کراچی ۲/۲۶۴-۲۶۵)

وأما كونه فارغا عن الدين وعن حاجته الأصلية كدور السكنى، وثياب البذلة، وأثاث المنزل وآلات المحترفين. (تبين الحقائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۳)

(۲) لو أن سلطانا غصب مالا وخلطه صار ملكاً له حتى وجبت عليه الزكاة وورث عنه على قول أبي حنيفة؛ لأن خلط دراهمه بدراهم غيره عنده استهلاك. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۵۹، کوئٹہ ۲/۲۰۵)

لو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكاة فيه ويورث عنه لأن الخلط استهلاك، إذا لم يكن تمييزه عند أبي حنيفة وهذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفي دينه وإلا فلا زكاة كما لو كان الكل خبيثاً. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۱۷-۲۱۸، کراچی ۲/۲۹۰-۲۹۱)

من ملك أموالاً غير طيبة أو غصب أموالاً وخلطها ملكها بالخلط ويصير ضامناً، وإن لم يكن له سواها نصاب فلا زكاة عليه في تلك الأموال وإن بلغت نصاباً لأنه مديون ومال المديون لا ينعقد سبباً لوجوب الزكاة عندنا لا بد أن يكون معه نصاب زائد على ما يوفي دينه؛ لأن ما كان مشغولاً بالدين لا زكاة فيه وإنما يزكى ما زاد عليه إذا بلغ نصاباً وعلى هذا فلم تجب عليه زكاة ما غصبه بل زكاة ماله الزائد عليه. (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۶۰، کوئٹہ ۲/۲۰۵)

وإذا لم تمييز الأموال المغصوبة عن النصاب المملوك له لا تجب عليه بمقدار المغصوب وتجب في الزائد. (تقريرات رافعي، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۳۲، کراچی ۲/۱۳۳)

ان مقدمات کے بعد اب سمجھنا چاہئے کہ ابتدائی شرکت میں اصل شریک کا جو مثلاً سو روپے کا تھا اس میں سے کچھ حصہ تو عمارت و آلات میں لگ گیا اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی اور کچھ حصہ تجارت میں لگا اس پر مع نفع کے زکوٰۃ واجب ہوئی، خواہ وہ نفع پورا اس شریک کو مل گیا ہو خواہ کچھ تقسیم ہو کر بقیہ سرمایہ میں شامل ہو گیا، مثلاً سو روپے میں بیس تو عمارت و آلات میں لگ جاویں اور اسی تجارت میں لگ جاویں اور اس اسی پر پندرہ روپیہ نفع ہو جس میں سے دس تو شریک کو ملے اور پانچ سرمایہ میں داخل کر دیئے گئے۔

اب زکوٰۃ ۹۵ روپے پر واجب ہوگی۔ (۱) پھر جب یہ حصہ مثلاً کسی نے خریدا تو حقیقت عقد کی یہ ہوگی کہ ۸۵ روپے تو ۸۵ روپیہ کے عوض میں ہو گئے اور ایک سو پندرہ روپے حصہ آلات و عمارات کے عوض میں؛ کیونکہ بدون اس تاویل کے یہ بیع جائز نہ ہوگی۔

اب شبہ رہا تقابض کا سو آلات و عمارات کے حصہ میں تو تقابض شرط ہی نہیں، اب حصہ بچاسی کارہاسو بیع صرف کی بناء پر تو تقابض فی المجلس ضرورت تھا (۲) جو یہاں ممکن نہیں؛ اس لیے اس کی صحت کا یہ حیلہ ہو سکتا ہے

(۱) وفي عروض تجارة بلغت قيمتها نصاباً من أحدهما تقوم بما هو انفع للفقراء ويضم مستفاد ولو بهبة أو إرث من جنس نصاب إليه أي النصاب في حوله وحكمه أي النصاب فيزيكيه بحول الأصل. (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، مكتبة عباس أحمد الباز ۱/ ۳۰۶-۳۰۷)

(۲) ومن باع جارية قيمتها ألف مثقال فضة وفي عنقها طوق فضة قيمته ألف مثقال بألفي مثقال فضة ونقد من الثمن ألف مثقال ثم افترقا فالذي نقد ثمن الفضة لأن قبض حصه الطوق واجب في المجلس لكونه بدل الصرف (الهداية) وفي الفتح صرف المنقود إلى الطرق وإن لم ينص الدافع عليه، وكذا لو قال خذه منهما صرف أيضاً إلى الطرق وصح البيع فيهما تحرياً للجواز بتحكيم ظاهر حالهما إذا الظاهر قصدهما إلى الوجه المصحح الخ. (فتح القدير، كتاب الصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۷/ ۱۳۴، كوئٹہ ۶/ ۲۶۵)

ولو اشترى أمة تساوي ألفاً مع طوق قيمته ألف بألفين ونقد ألفاً فهو ثمن الطوق. (ملتي الأبحر) وفي مجمع الأنهر: لأن قبض ثمن الصرف واجب حقاً للشرع وقبض ثمن الأمة ليس بواجب فالظاهر هو الاتيان بالواجب. وفي الدر المنتقى: تحرياً للجواز وإنما بين قيمتهما ليفيد انقسام الثمن على الثمن أو انه غير جنس الطوق وإلا فالعبرة لوزن الطوق لا لقيمتة فقد دره مقابل به والباقي بالجارية. (مجمع الأنهر، كتاب الصرف، مكتبة عباس أحمد الباز ۳/ ۱۶۳)

کہ جو شخص صورتاً و عرفاً بائع ہے وہ مشتری حصّہ سے پچاسی روپے قرض لے لے، پھر اس پچاسی روپے کا حوالہ اس پچاسی روپے پر کر دے جو کہ کارخانہ میں اسکے امین یعنی منیجر کے قبضہ میں ہے اور اب اس کو یہ مشتری اپنی طرف سے وکیل و امین بناتا ہے، پس حوالہ مع قبض الا مین سے وہ ۸۵ روپے اس مشتری کے حصّے کی ملک میں آگیا اور معاملہ مکمل ہو گیا، اب یوم ملک سے حوالانِ حول ہونے پر حساب کرنے سے دیکھا جائے گا کہ علاوہ آلات و عمارات کے کل سرمایہ کتنا ہے اور اس ۸۵ روپے والے کا اس میں اصل اور نفع ملا کر کتنا ہے اس مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس قیمت کا اعتبار نہ ہوگا جس کے عوض میں یہ حصّہ خریدا ہے، اسی طرح اگر یہ حصّہ کسی اور نے خریدا یہی تفصیل تاویل اور احکام کی اس میں ہوگی اور اگر بلا اس تاویل کے خریداری ہوئی تو اگر قیمت کی مقدار حصّہ سے زائد ہے تو گو یہ عقد ناجائز ہے مگر اس حصّہ میں کسی کا حق نہیں اس لیے زکوٰۃ صرف اس حصّہ میں ہوگی اور اگر قیمت کی مقدار حصّہ سے کم ہے تو عقد بھی ناجائز ہے اور زائد حصّہ دوسرے شخص یعنی بائع کا حق ہے مگر چونکہ اس مشتری کے قبضہ میں اور اس کی ملک میں مخلوط ہے اس لیے زکوٰۃ مجموعہ میں ہوگی، مگر بقدر حق مذکور کے یہ شخص مدیون ہے اس لیے اس حیثیت سے یہ مقدار زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوگی؛ البتہ صاحب حق معاف کر دے تو پھر باوجود خبث مال کے بوجہ دین نہ ہونے کے پھر مجموعہ پر زکوٰۃ ہوگی اور یہ بائع حربی ہے تو بناء برروایت اباحت زیادة من الحربی یہ زائد حصّہ حق غیر بھی نہ ہوگا اُمید ہے (۱) کہ اس تقریر سے سوال کے سب اجزاء کا جواب ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

دوسرے علماء کو بھی دکھلایا خود غور کر لینا ضروری ہے۔

۳۹ شوال المکرم ۱۳۳۹ھ (حوادث، ص ۴۱، ج ۵)

(۱) حربی سے سودا و مال خبیث حاصل کرنے کے لئے شرط یہ ہے وہ مسلمان خود دارا الحرب کا رہنے والا نہ ہو؛ بلکہ عارضی طور پر ویزا وغیرہ لے کر آیا ہوا ہو، اور خود دارا الحرب کے رہنے والے مسلمان کے لئے جائز نہیں؛ اس لئے فقہاء نے مسلم متناً من کی قید لگائی ہے ملاحظہ فرمائیے:

ولا (ربا) بین حربی و مسلم مستأمن ولو بعقد فاسد أو قمار ثمة الخ. (الدر

المختار مع رد المختار، کتاب البیوع، باب الربا، مکتبۃ زکریا دیوبند ۷/ ۲۲ - ۴۲۳،

کراچی ۵/ ۸۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۸۰۵): قدیم ۲/۲۳ - مذکورہ بالا کمپنی (*) کے دو ہزار روپیہ کے اگر حصص خریدے تو اس کی آمدنی کے اوپر زکوٰۃ دینا واجب ہے یا دو ہزار روپیہ مذکورہ کے اوپر بھی زکوٰۃ دینا واجب ہے یا آمدنی اور مذکورہ دو ہزار روپیہ دونوں پر زکوٰۃ لازم آئے گی؟

الجواب: زکوٰۃ اصل و نفع دونوں پر واجب ہوتی ہے۔ (۱)

(تمہ اولی ص ۱۵۵)

(*) یعنی کپڑے اور روئی بنانے کی ملوں کے حصص جن کا تذکرہ کتاب کی اصل ترتیب میں اس سے پہلے سوال کے اندر آیا ہوا ہے۔ ۲۰ محمد شفیع احمد غفرلہ

(۱) الزکاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصاباً من الورق والذهب. (الهندية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۱۷۹، جديد ۱/۲۳۱)

كذا في الهداية، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، فصل في العروض، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۹۵۔

وفي عروض تجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب يعني في عروض التجارة يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۷۷)

وفي عروض تجارة بلغت قيمتها نصاباً من أحدهما تقوم بما هو أنفع للفقراء ويضم مستفاد ولو بهية أو إرث من جنس نصاب إليه أي النصاب في حوله وحكمه أي النصاب فيزكيه بحول الأصل. (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، مكتبة عباس أحمد الباز ۱/۳۰۶-۳۰۷)

ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول من جنسه ضمه إليه وزكاه به. (الهداية، كتاب الزكاة، فصل في الغنم، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۹۳)

ويضم مستفاد من جنس نصاب إليه والمراد بالضم أن تجب الزكاة في الفائدة عند تمام الحول على الأصل. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، فصل في الغنم، زكريا ۲/۳۸۸، كوئٹہ ۲/۲۲۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مال مفقود کی زکوٰۃ کا حکم

سوال (۸۰۶): قدیم ۲/۲۳ - اگر کوئی زیور برس دو برس آدمی کے پاس رہے اور وہ پاس سے جاتا رہے، یعنی کھویا جاوے تو اس کی زکوٰۃ دینا لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر خود کھو دیا یعنی خرچ کر دیا تب تو سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ واجب رہے گی۔

بخلاف المستهلك بعد الحول لوجود التعدي. (۱)

اور اگر خود گم ہو گیا تو سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ ساقط ہو گئی۔

ولا في هالك بعد وجوبها. (۲)

اور اگر بعد گم ہونے کے مل گیا تو دیکھنا چاہیے اگر اس سال زکوٰۃ پورا ہونے کے بعد ملا اُن ایام گم گشتی کی زکوٰۃ لازم نہ آئے گی۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، مکتبہ زکریا دیوبند

۲۰۸/۳، کراچی ۲/۲۸۴۔

وقيد بالهلاك لأنه لو استهلكه بعد الحول لا تسقط عنه لوجود التعدي. (البحر الرائق،

کتاب الزکاة، فصل في الغنم، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۳۸۲، کوئٹہ ۲/۲۱۹)

ولا الهالك بعد الوجوب قيد بالهلاك لأنه لما استهلك النصاب ضمن

الواجب. (النهر الفائق، کتاب الزکاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۴۲۹)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، مکتبہ زکریا دیوبند

۲۰۷/۳، کراچی ۲/۲۸۳۔

وإن هلك المال بعد وجوب الزكاة سقطت الزكاة. (الهداية، کتاب الزکاة، فصل في

الغنم، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/۱۹۳)

إذا هلك مال الزكاة بعد حولان الحول من غير تعدي منه بالاستهلاك سقطت عنه

الزكاة سواء هلك بعد التمكن من الأداء أو قبل التمكن منه. (الفتاویٰ التاتارخانية، کتاب الزکاة،

الفصل الحادي عشر في الأسباب المسقطه للزكاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۲۳۷، رقم: ۴۲۳۱)

المسقط لها بعد الوجوب أحد الأشياء الثلاثة منها: هلاك النصاب بعد الحول قبل التمكن

من الأداء وبعده عندنا. (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، باب ما يسقطها، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۱۶۷)

ولا في مال مفقود وجده بعد سنين . (۱)

رہا آئندہ کے لیے زکوٰۃ کا آنا اس کا یہ حکم ہے کہ اگر سوائے اس کے اس شخص کے پاس پہلے سے اس قسم کا نصاب ہے تو اُس کے ساتھ اس کی زکوٰۃ بھی دی جائے گی اور اگر نصاب سے کم ہے تب پانے کے وقت سے سال کامل گزرنا شرط ہوگا۔

والمستفاد وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه فيزك به حول الأصل قوله إلى نصاب قيد به لأنه لو كان النصاب ناقصاً وكمل بالمستفاد فإن الحول يعقد عليه عند الكمال. (۲) شامی۔
اور اگر سال کے اندر مل گیا سو بھی دیکھنا چاہئے اُس کے پاس سوائے اس کے اور مال بھی اس قسم کا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو وقت پانے سے جب ایک سال گزر جاوے تب زکوٰۃ لازم آوے گی اور اگر اور مال بھی ہے کہ دونوں مل کر نصاب زکوٰۃ یا زائد ہو جاوے، تو اس کی زکوٰۃ بھی مال باقی کے ساتھ دی جاوے گی۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۱۸۳،

کراچی ۲/۲۶۶۔

ولا في مال ضمّار وهو المفقود (ملتقى الأبحر) وفي هامش مجمع الأنهر أي كعبد مفقود وأبق وضال وجده بعد مضى الحول. (مجمع الأنهر، کتاب الزکاة، مکتبۃ عباس أحمد الباز ۱/۲۸۷)

وإذا قبض مال الضمار لا تجب زكاة السنين الماضية وهو كأبق ومفقود ومغصوب ليس عليه بينة. (مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الزکاة، دارالکتاب دیوبند ص: ۷۱۶)

(۲) شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۲۱۴، کراچی ۲/۲۸۸۔

ویضم مستفاد من جنس نصاب إليه والمراد بالضم أن تجب الزكاة في الفائدة عند تمام الحول علی الأصل قيد بالنصاب لأنه لو كان النصاب ناقصاً وكمل مع المستفاد فإن الحول یعقد علیه عند الكمال. (البحر الرائق، کتاب الزکاة، فصل فی الغنم، زکریا ۲/۳۸۸)

ثم إنما يضم المستفاد عندنا إلى أصل المال إذا كان الأصل نصاباً فأما إذا كان أقل من النصاب فإنه لا يضم إليه، وإن كان يتكامل به النصاب وينعقد الحول عليهما حال وجود المستفاد الخ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، بیان ما یقطع حکم الحول وما لا یقطع، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۹۷)

وشرط کمال النصاب في طرفي الحول فلا يضر نقصانه بينهما فلو هلك كله بطل الحول. (۱) درمختار واللہ اعلم

۱۲/ ذیقعدہ ۱۳۰۲ھ (امداد، ص ۱۶۶، ج ۱)

زیور، برتن اور غیر منقولہ جائیداد کی زکوٰۃ کا حکم

سوال (۸۰۷): قدیم ۲/۲۳ - کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زکوٰۃ مفروضہ کا مسئلہ زیور مستورات پر جاری ہو سکتا ہے یا کیا مواضع و دیہات کے منافع سالانہ پر زکوٰۃ ہے یا کہ قیمت مواضع پر زکوٰۃ دینا چاہئے، جو ظروف مثل دیگ ہائے و لگن وغیرہ کلاں ہو اور سال بھر میں اُن میں کبھی کبھی استعمال ہوتا ہو اور ہمیشہ وزمرہ مستعمل نہ ہوتے ہوں تو ایسے ظروف، ظروف مستعملہ میں شامل ہیں یا نہیں؟ مینو اتو جروا

الجواب: جواب سوال اول جو زیور پہننے کے لیے نہ ہوں؛ بلکہ اجارہ یا تجارت یا اتفاق وقت حاجت کے لیے ہوں یا ممنوع الاستعمال ہوں اُس میں تو باتفاق مجتہدین زکوٰۃ فرض ہے، زیور مستعمل مباح الاستعمال میں ائمہ مختلف ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں بھی فرض ہے۔

لعموم قوله تعالى: 'والذين يكتزون الذهب والفضة ولا ينفقونها في سبيل الله فبشرهم بعذاب أليم. الآية-(۲)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۳۳/۳، کراچی ۲/۳۰۲۔

کمال النصاب شرط وجوب الزکاة ولكن هذا الشرط يعتبر في أول الحول وفي آخره لا في خلاله حتى لو انتقص النصاب في أثناء الحول، ثم كمل في آخر تجب الزکاة سواء كان من السوائم أو من الذهب والفضة أو مال التجارة. (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، بیان ما یقطع حکم الحول الخ، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۹۹)

ومنها أي شروط وجوب الزکاة حولان الحول على المال وإذا كان النصاب كاملاً في طرفي الحول فنقصانه فيما بين ذلك لا يسقط الزکاة. (الهندية، کتاب الزکاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، مکتبہ زکریا دیوبند قدیم ۱/۱۷۵، جدید ۱/۲۳۶)

(۲) سورة التوبة: ۳۴ - شمیم احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وقوله عليه السلام في الرقة: ربع العشر (۱) ولخصوص ماورد فيه وهو ما روى الترمذی عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن امرأتين أتيا رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي أيديهما سواران من ذهب فقال لهما أتؤديان زكوته فقالتا لا فقال لهما رسول الله ﷺ أتجبان أن يسوركما الله بسوارين من نار قالتا لا قال فأديا زكوته. (۲) وما روي مالك وأبو داود عن أم سلمة قالت: كنت ألبس أوصاحاً من ذهب فقلت يا رسول الله ﷺ أكنز هو فقال ما بلغ أن تؤدى زكوته فزكى فليس بكنز. (۳) والله أعلم۔

جواب سوال ثانی: قاعدہ کلیہ ہے کہ اگر نصاب نقد دین سے ہے، اس میں زکوٰۃ مطلقاً واجب ہے اور اگر دو اب میں سے ہے اور سائمہ ہے تب بھی زکوٰۃ لازم ہے اور اگر غیر نقد و سوائم ہو تو نیت تجارت سے زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، النسخة الهندية ۱/۹۵، رقم: ۱۴۳۴، ف: ۱۴۵۴۔
سنن أبي داود، کتاب الزکاة، باب في زکاة السائمة، النسخة الهندية ۱/۲۱۹، مكتبة دار السلام رقم: ۱۵۶۷۔
سنن النسائي، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، النسخة الهندية ۱/۲۶۴، مكتبة دار السلام رقم: ۲۴۵۷۔

(۲) جامع الترمذی، کتاب الزکاة، باب ما جاء في زکاة الحلي، النسخة الهندية ۱/۱۳۸، مكتبة دار السلام رقم: ۶۳۷۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أنه قال: إن امرأتين من أهل اليمن أتتا رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليهما سواران من ذهب فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أتجبان أن يسوركما الله سوارين من نار قالتا لا والله يا رسول الله قال: فأديا حق الله عليكما في هذه. (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مكتبة عباس أحمد الباز ۲/۲۰۴، رقم: ۶۹۰۱، بيت الأفكار الدولية)

(۳) سنن أبي داود، کتاب الزکاة، باب الكنز ما هو وزکاة الحلي، النسخة الهندية ۱/۲۱۸، مكتبة دار السلام رقم: ۱۵۶۴۔

عن أم سلمة أنها كانت تلبس أوضاعاً من ذهب فسألت عن ذلك النبي صلى الله عليه وسلم ←
بل لا بد مع الحول من شيء آخر وهو الثمنية كما في الثمنين أي الذهب والفضة
أو السوم كما في الأنعام أو نية التجارة في غير ما ذكرنا. شرح وقاية. (۱)

پس مواضع اگر واسطے تجارت کے ہیں تو بعد حولان حول ان کی قیمت و منافع پر زکوٰۃ لازم ہوگی اور اگر
اجارہ کے لیے ہیں یا اپنے مصارف کے لیے ہیں پس خود ان میں تو زکوٰۃ واجب نہیں۔

و كالحوانیت والعقارات. شامی۔ (۲)

اور ایسے ہی اگر منافع یا کرایہ جس غلات سے ہو؛ البتہ اگر زر کرایہ یا منافع نقد میں سے ہوں اور اس
پر سال بھر گزر جاوے اسمیں زکوٰۃ واجب ہے۔

لما مر من وجوب الزكاة في النقدين مطلقاً. (۳) واللہ اعلم

جواب سوال ثالث: ظروف مستعملہ حاجت اصلیه میں داخل ہیں ان میں زکوٰۃ نہیں۔

← فقالت: أكنز هو؟ فقال: إذا أدیت زكاته فليس بكنز. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب

الزكاة، باب تفسير الكنز الذي ورد الوعيد فيه، دار الفكر بيروت ۵/ ۴۷۲، رقم: ۷۳۳۵)

(۱) شرح الوقاية، كتاب الزكاة، مكتبة بلال ديوبند ۱/ ۲۱۷۔

و شرطه أي شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو في ملكه و ثمنية المال
كالدراهم والدنانير لتعينهما للتجارة بأصل الخلقة فتلزم الزكاة كيفما أمسكهما ولو
للفنقة أو السوم أو نية التجارة في العروض الخ. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة،
مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۱۸۶، كراچی ۲/ ۲۶۷)

(۲) شامی، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، مكتبة زكريا ديوبند

۳/ ۱۸۲، كراچی ۲/ ۲۶۵۔

و أما كونه فارغاً عن الدين وعن حاجته الأصلية كدور السكنى و ثياب البذلة و أثاث
المنزل و آلات المحترفين (تبيين) وفي حاشية الشلبي: وكذا الدور والحوانیت والجمال
يؤجرها لا زكاة فيها. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۳)

(۳) إن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة. (شامی، كتاب الزكاة،

مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۱۷۹، كراچی ۲/ ۲۶۲)

ولا بد أن يكون فاضلا من حاجته الأصلية كالأطعمة والثياب وأثاث المنزل.

شرح وقایة. (۱) واللہ اعلم

(امداد، ص ۱۶۷، ج ۱)

ادائے زکوٰۃ بذریعہ منی آڈر

سوال (۸۰۸): قدیم ۲/۲۳ - منی آڈر کے ذریعہ سے کسی فقیر کو زکوٰۃ بھیجنے سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ وجہ شک یہ ہے کہ فقہاء نے تو یہ تصریح کی ہے کہ کافر کو وکیل بنانا ادائے زکوٰۃ میں جائز ہے، مگر یہاں اہل ڈاک خانہ صرف وکیل ہی نہیں؛ بلکہ یہ عقد داخل قرض ہو کر یہ صورت قرار پائی کہ کافر دیون سے یوں کہا کہ ہمارا یہ قرض زید کو دیدینا اور دل میں یوں نیت کی کہ ہم زکوٰۃ میں دلاتے ہیں؛ لہذا مسئلہ دو وجہ سے مشکوک ہوا، ایک تو یہ کہ حوالہ سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

دوم: کافر کے اس طرح دینے سے زکوٰۃ جائز ہوگی یا نہ، آج کل مدارس میں اس کا بہت دستور ہے؟

الجواب: فی الدر المختار: مسائل متفرقة من کتاب الهبة تمليک الدين ممن ليس عليه الدين باطل إلا في ثلث حوالة ووصية وإذا سلطه أي سلط المملك

(۱) شرح الوقایة، کتاب الزکاة، مکتبہ بلال دیوبند ۱/۲۱۷

فارغ عن الدين وعن حاجته الأصلية (مراقی الفلاح) وفي حاشية الطحطاوي: كشيابه المحتاج إليها لدفع الحر والبرد وكالفقة ودور السكنى وآلات الحرب والحرقة وأساس المنزل ودواب الركوب وكتب العلم لأهلها. (حاشية الطحطاوي على مراقی الفلاح ص: ۷۱۴) وأما كونه فارغاً عن الدين وعن حاجته الأصلية كدور السكنى وثياب البدلة وأثاث المنزل وآلات المحترفين، وكتب الفقه لأهلها (تبيين) وفي حاشية الشلبي: وكذا طعام أهله. (تبيين الحقائق، کتاب الزکاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۳)

ومن هنا فراغ المال عن حاجته الأصلية فليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنزل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة وكذا طعام أهله. (الهندية، کتاب الزکاة، الباب الأول في تفسيرها وصفقتها وشرائطها، مکتبہ زکریا قدیم ۱/۱۷۲،

جدید ۱/۲۳۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

غیر الممیدون علی قبضہ ائی الدین فیصح حینئذ ومنه ما لو وهبت من ابنها ما علی أبیه
فالمعتمد الصحة للتسلیط. (۱)

اس جزئیہ ومنه ما لو وهبت الخ سے معلوم ہوا کہ صورت تسلیط میں بالفعل تملیک ہوتی ہے ورنہ صحت کو
تسلیط سے معلل نہ کیا جاتا کیونکہ قبض حسی کے وقت تو صحتِ ہبہ میں کوئی تردد ہی نہیں۔ پھر اُس میں ترجیح صحت
کے کوئی معنی نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ خود تسلیط تملیک ہے، گو قبل القبض اس تسلیط سے عزل جائز ہو۔ (۲)
لعدم تمام العقد کما لو قال وهبت ولم يقل الآخر قبلت یصح رجوعه ومع ذالک
هو تملیک ویصح نية الزکوة عنده وإن لم ینو وقت قبول الموهوب له۔
پس جب تسلیط تملیک ہے اور تملیک کے وقت نیت اداء زکوة کافی ہے (۳) اور منی آڈر بھیجنے میں
یقیناً تسلیط ہے؛ لہذا روانگی منی آڈر کے وقت نیت کافی ہے۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الہبۃ، فصل فی مسائل متفرقة، مکتبۃ زکریا

دیوبند ۸/ ۵۱۸-۵۱۹، کراچی ۵/ ۷۰۸۔

امراة لهما مهر علی زوجها ووهبت المهر لابنها الصغير الذي من هذا الزوج الصحيح
أنه لا تصح هذه الہبۃ؛ لأن هبة الدين من غير من عليه الدين لا تجوز إلا إذا وهبت وسلطت
ولدها علی القبض فیجوز ویصیر ملکا للولد إذا قبض. (خانية علی الهندية، کتاب الہبۃ، فصل
فی هبة الوالد لولده والہبۃ للصغير، مکتبۃ زکریا دیوبند قدیم ۳/ ۲۸۰، جدید ۳/ ۱۹۴)

کذا فی الهندية، کتاب الہبۃ، الباب السادس فی الہبۃ للصغير، مکتبۃ زکریا دیوبند قدیم

۴/ ۳۹۲، جدید ۴/ ۱۷۔

(۲) یرى الحنفية والشافعية ورواية مرجوحة عند الحنابلة أن الہبۃ لا تثبت إلا
بالقبض فلا یثبت المملک للموهوب له قبل قبض الشئ الموهوب وليس فی الايجاب
والقبول فقط قوة إلزام للواهب لإقباض الشئ الموهوب للموهوب له؛ بل له الخيار بالإذن
بالقبض أو الرجوع عن الہبۃ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۲/ ۱۳۰)

(۳) وشروط صحة أدائها نية مقارنة له أي للأداء. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب

الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/ ۱۸۷، کراچی ۲/ ۲۶۸)

مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الزکاة، دارالکتاب دیوبند ص: ۷۱۵۔ ←

اب دونوں وجہ شک کی جاتی رہیں کیونکہ یہاں حوالہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور نہ کافر کے دینے سے بلکہ مزکی کی تسلیط سے۔ کمادکرہ مفصلاً فقط۔ واللہ اعلم

۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد، ص ۱۶۹، ج ۱)

تحقیق ادائے زکوٰۃ بذریعہ منی آڈر و جواب شبہ بریں مسئلہ

سوال (۸۰۹): قدیم ۲/۲۵ - صفحہ ۲۵، فتاویٰ اشرفیہ حصہ دوم میں مسئلہ منی آڈر کے متعلق قصور فہم سے کچھ غلجان ہے؛ اس لئے کہ تسلیط کو تملیک کہا گیا اگر اسی مسئلہ میں براہ راست کسی فقیر کو منی آڈر نہ کیا جاوے؛ بلکہ کسی غنی کے ذریعہ سے تو لامحالہ یہ تسلیط تملیک نہیں بلکہ توکیل بالقبض ہے، پھر اقتران نیت بوقت منی آڈر کرنے کے مفقود ہے۔

و نیز فقہاء قاطبہ تسلیط کو توکیل بالقبض کہتے ہیں کہ جس کے بعد مسلط اصیل فی القبض لنفسہ ہوتا ہے؛ چنانچہ شامی قولہ علی قبضہ بر سائحانی سے نقل کرتے ہیں۔

وَحِ يَصِيرُ وَ كَيْلَا فِي الْقَبْضِ عَنِ الْأَمْرِ ثُمَّ اصِيلًا فِي الْقَبْضِ لِنَفْسِهِ الْخ. (۱)
اور جس عبارت کو صاحب درمختار نے الا اذا سلط سے تعبیر کیا ہے۔

ہدایہ ص: ۱۷۰ / کتاب الوکالۃ بالبیع والشراء من تملیک الدین من غیر من علیہ الدین من غیر أن یوکلہ بقبضہ و ذلک لا یجوز الی قولہ بخلاف ما إذا عین البائع لآئہ یصیر و کیلا عنه فی القبض ثم بتملکہ الخ (۲) سے تعبیر کیا ہے، جس سے تسلیط اور توکیل کا متحد ہونا ثابت ہے

← ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الأول فی تفسیرہا وصففتها و شرائطها، مکتبہ زکریا دیوبند

قدیم ۱/۱۷۰، جدید ۱/۲۳۲۔

قال الحنفیة: لا یجوز أداء الزکاۃ إلا بنية مقارنة للأداء إلى الفقير ولو حکما الخ.

(موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، کتاب الزکاۃ، المبحث الثاني سبب الزکاۃ و شروطها و رکعها، شروط صحة أداء الزکاۃ، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۲/۶۶۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) شامی، کتاب الہبۃ، فصل فی مسائل متفرقة، مکتبہ زکریا دیوبند ۸/۵۱۸، کراچی ۵/۷۰۔

(۲) الہدایۃ، کتاب الوکالۃ، باب الوکالۃ بالبیع والشراء، مکتبہ اشرفیہ دیوبند

اور صاحب درمختار نے بھی کتاب الوكالة بالبيع والشراء میں مسئلہ مذکورہ کو وجعل البائع وکیلاً بالقبض دلالة الخ (۱) سے ذکر کیا ہے۔

اور اگر تسلیط سے ما نحن فيه من تمليك مراد لیا بھی جاوے، تو معنیٰ إلا إذا سلطه علی قبضه کا إلا إذا ملكه علی قبضه ہوا، اور تمليك علی القبض تو کیل علی القبض ہے نہ تمليك العین، پس اقرار ان بوقت تمليك کیونکر مستحق ہوا؟

الجواب: تسلیط وکیل کا اتحاد اس وقت مضر ہوتا کہ یہاں صرف تسلیط ہوتی اور جبکہ یہاں تمليك بھی ہے۔

کما هو مذکور صریحاً في قوله تمليك الدين الخ اور اس کی شرط میں کہا ہے کہ إذا سلطه الخ (۲) تو تمليك مع التوكيل بالقبض متحقق ہوگئی اور تمليك کے وقت نیت مقارن ہے پس محل تردد نہیں ہے؛ چنانچہ بعد عبارت سائحانی منقولہ فی السؤال مصرح ہے۔

وإذا نوى في ذلك التصديق بالزكوة أجزأه كما في الأشباه. (۳)

اس تقریر سے محذور اخیر جوئی ہے تسلیط اور تمليك کے اتحاد پر نیز دفع ہو گیا؛ کیونکہ اتحاد کا دعویٰ نہیں کیا گیا اور اگر اس جملہ سے ایہام ہو کہ ”خود تمليك تسلیط“ ہے تو اس سے اصل مقصود یہ دعویٰ کرنا ہے کہ تمليك وقت قبض تک مؤخر نہیں بلکہ بالفعل ہے البتہ تعبیر میں تسامح ہے مقصود تسلیط و تمليك کی مفارقت کا دعویٰ ہے۔ فافہم

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، مكتبة زكريا

دیوبند ۲۵۴/۳، کراچی ۵۱۹/۵۔

(۲) تمليك الدين ممن ليس عليه الدين باطل إلا في ثلاث: حوالة، وصية

وإذا سلطه أي سلط المملك غير المديون على قبضه أي الدين فيصح حينئذ.

(الدر المختار على رد المحتار، كتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة، مكتبة زكريا دیوبند

۵۱۸/۸، کراچی ۷۰۸/۵)

(۳) شامی، کتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة، مكتبة زكريا دیوبند ۵۱۸/۸-۵۱۹،

کراچی ۷۰۸/۵ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

البتہ غیر فقیر کی معرفت بھیجنے میں یہ تقریر جاری نہ ہوگی جس سے اصل سائل نے بھی سوال نہیں کیا جیسا اس کی ظاہر عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔ گو مدارس کا ذکر قرینہٴ عموم تھا مگر اس کی طرف التفات نہ ہوا تھا، بہر حال اس صورت میں وکیل کی نیت کو شرط کہا جاوے گا، واقعی اصل جواب میں اس کی تصریح ہونا مناسب بلکہ ضروری تھا۔ واللہ اعلم

۲۵/ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امداد، ص ۵۶، ج ۳)

توکیل زکوٰۃ میں غلطی

سوال (۸۱۰): قدیم ۲/۲۶ - زید نے عمرو سے کہا کہ میں کچھ کتابیں زکوٰۃ میں دینا چاہتا ہوں۔ اس میں سے دس کتابیں مسماۃ ہندہ کو دینے کا ارادہ ہے۔ تم کسی طرح اس سے پوچھ لو کہ آیا اس کے پاس بھیج دی جاویں یا تم اسکی جانب سے وکالتہ قبضہ کر لو ہندہ اس شہر میں تھی اتفاق سے بکرا آیا تو عمرو نے یہ ذکر کر کے کہا کہ ہندہ سے پوچھ کر مجھ کو اطلاع دینا۔ غلطی سے بکر نے بجائے ہندہ کے زینب سے پوچھ کر عمرو کو لکھ بھیجا کہ میں فروخت نہیں کر سکتی تم قبضہ کر کے فروخت کر دو۔ خط میں بکر نے ہندہ زینب کسی کا نام نہیں لکھا۔ عمرو یہ سمجھا کہ میں ہندہ کا وکیل ہوں اور کتابیں لے کر بیچ ڈالیں۔ جب قیمت بکر کے پاس بھیج کر لکھا کہ یہ ہندہ کو دید تو بکر نے اطلاع دی کہ میں نے تو زینب سے پوچھا تھا اور تم نے زینب ہی کے بارہ میں مجھ سے کہا تھا۔ غرض زید نے اپنے خیال میں کتابیں ہندہ کو دیں اور عمرو نے اپنے نزدیک بھی اسی کی جانب سے قبضہ کیا۔ بکر سے اتفاقاً غلطی ہوگئی تو اب زکوٰۃ اداء ہوئی یا نہیں اور قیمت کتب کس کو دینا چاہیے۔ اس مسئلہ میں بڑا تردد ہے؟

الجواب: یہاں جب واقع میں عمرو کسی کا وکیل نہیں ہے اس لیے یہ بیع کتب حق زید میں تصرف فضولی ہے۔ پس اگر زید نافذ رکھے گا نافذ ہو جاوے گی اور قیمت ملک زید ہوگی (۱)

(۱) من باع ملک غیرہ بغیرہ أمرہ فالملک بالخیار إن شاء أجاز البيع وإن شاء ففسخ وإذا أجاز المالك كان الثمن مملوكاً له أمانة في يده بمنزلة الوكيل. (الهداية، كتاب البيوع، فصل في بيع الفضولي، مكتبة اشرفية دیوبند ۳/۸۹)

کذا فی الفتاویٰ التاتاریخانیۃ، کتاب البیوع، الفصل العاشر، شراء الفضولي، مكتبة زکریا

اور بجائے کتب اب زکوٰۃ روپیہ کے متعلق سمجھی جاوے گی، پس اگر وہ روپیہ ہنوز قبض زینب میں نہیں پہنچا تو زید کو اختیار ہے جس کو چاہے دیدے (۱) اگر قبض زینب میں پہنچ گیا ہے اور بعینہ باقی ہے تو اب زید کی نیت کرنے سے زکوٰۃ اداء ہو جاوے گی (۲) اور اگر باقی نہیں رہا تو زید عمرو سے رجوع کرے اور عمرو بکر سے اور بکر زینب سے کیونکہ یہ سب تصرفات حق غیر میں ہوئے؛ اس لیے یہ تصرفات فسخ کیے جاویں گے، اور ہر شخص اپنے عاقد سے رجوع کرے گا۔ (۳) اگر زید نے بیع مذکورہ کو نافذ نہیں کیا تو ان رجوعات مذکورہ کے بعد عمرو وہ کتابیں مشتری سے واپس لے کر اس کو روپیہ شمن کا واپس کر دے اور کتابیں لا کر زید کو دے (۴) پھر زید کتابیں زکوٰۃ میں جس کو چاہے دے۔ فقط (امداد، ص ۱۶۹، ج ۱)

(۱) وإذا دفع الزكاة إلى الفقير لا يتم الدفع ما لم يقبض الفقير أو يقبضها للفقير من له ولاية على الفقير نحو الأب والوصي يقبضان للصبي والمجنون الخ. (خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في أداء الزكاة، المكتبة الاشرفية ديوبند ۱/۲۴۲) كذا في الهندية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۱۹۰، زكريا جديد ۱/۲۵۲

(۲) المزكي إذا دفع المال إلى الفقير ولم ينو شيئاً ثم حضرته النية عن الزكاة، ينظر إن كان قائماً في يد الفقير جاز عن الزكاة، وإن تلف لم يجز. (خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة، جنس آخر في هبة الدين، مكتبة أشرفية ديوبند ۱/۲۴۴)

وإذا دفع إلى الفقير بلا نية ثم نواه عن الزكاة فإن كان المال قائماً في يد الفقير أجزأه وإلا فلا. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفاتها وشروطها، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۱۷۱، جديد ۱/۲۳۲)

(۳) لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (در المختار مع رد المحتار، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير، زكريا ديوبند ۹/۲۹۱، كراچی ۶/۲۰۰)

عن أبي حميد الساعدي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لمسلم أن يأخذ مال أخيه بغير حق. (مجمع الزوائد، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۱۷۱، مسند أحمد بن حنبل ۵/۴۲۵، رقم: ۲۴۰۰۳)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه اشرفي ديوبند ص: ۱۱۰، رقم القاعده: ۲۷۰)

(۴) أن بيع الفضولي ينعقد موقوفاً على إجازة المالك فإن أجازته نفذ وإن رده بطل. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۲/۱۷۲) ←

وکیل زکوٰۃ کا زکوٰۃ کے روپیہ کو نوٹوں سے بدلنا

سوال (۸۱۱): قدیم ۲/۲۷ - ایک شخص نے کچھ روپیہ بھڑ زکوٰۃ ایک اپنے دوست کو دیا کہ یہ رقم ایک مدرسے میں بھیج دو چنانچہ اس دوست نے وہ روپیہ نوٹوں میں ایک لفافہ میں بند کر کے اپنے نابالغ لڑکے کو جو بظاہر کچھ نہ کچھ سمجھدار ہے دیا کہ اس کی رجسٹری کروادو۔ اس لڑکے نے بھول سے بجائے رجسٹری کرانے کے ویسے ہی خط بند کر کے ڈاک میں چھوڑ دیا۔ اس خط کے اندر وہی نوٹ تھے جو مدرسہ میں جانے کو تھے وہ خطر راستہ میں گم ہو گیا اور مدرسہ تک نہیں پہنچا اب یہ فرمائیے کہ وہ روپیہ کس کے ذمہ پڑے گا تاکہ مدرسہ کو اداء کیا جاوے۔ بینواتو جروا؟

الجواب: في الدر المختار: كتاب الإيداع فلو دفعها لولد المميز إلى قوله لم يضمن. (۱)

← البيع الباطل لا يفيد المالك وإن اتصل به القبض. (خانية على الهندية، كتاب البيوع، فصل في البيع الباطل، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۲/۱۳۳، جدید ۲/۸۱) مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۳/۹۴ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع تكملة رد المحتار، كتاب الإيداع، مكتبة زكريا ديوبند ۱۲/۴۴۹، کراچی ۸/۳۳۶ -

لو دفعت المرأة إلى زوجها لا يضمن وإن لم يكن هو في عيالها، والولد الصغير. كذلك لكن يشترط في حقه أن يكون قادراً على الحفظ. (خلاصة الفتاوى، كتاب الوديعة، الفصل الثالث في الدفع إلى الغير، مكتبة اشرفية ديوبند ۴/۲۸۷)

والعبرة في هذا الباب للمساكنة إلا في حق الزوجة والإبن الصغير والعبد، فالإبن الصغير إذا لم يكن في عياله فدفع إليه لا يضمن ولكن يشترط أن يكون الصغير قادراً على الحفظ. (هندية، كتاب الوديعة، الباب الثاني في حفظ الوديعة بيد الغير، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۴/۳۳۹، جدید ۴/۳۵۰)

خلاصہ بناء براس روایت کے اپنے سمجھدار لڑکے کو دینا تو موجب ضمان نہیں ہے لیکن جب روپیوں کو نوٹوں سے بدلاتو اس سے یہ دوست ضامن ہوگا اور روپیہ اسی کے ذمہ پڑیں گے۔ (۱) فقط
۲۸/ رجب ۱۳۲۹ھ (تتمہ، ص ۵۷، ج ۱)

سادات کے لیے زکوٰۃ حرام ہے

سوال (۸۱۲): قدیم ۲/ ۲۷ - سید صاحب نصاب ہو اور اس کے اعزہ میں غریب و محتاج ہوں اور کوئی ذریعہ ان کی امداد کا بجز زکوٰۃ کے نہ ہو ایسی حالت میں سید صاحب نصاب کو اپنے اعزہ غریب کو زکوٰۃ میں سے دینا درست ہے یا نہیں تاکہ ان کی حاجت روا ہو جاوے۔

(۱) لا يتعين الثمن بالتعيين في العقد..... يراد بالعقد هنا عقد المعاوضة كالبيع والإجارة أما غيرهما من العقود كالإيداع والشركة فتعين فيه النقود بالتعيين فلو أودع رجلا عشرين ذهما عثمانياً لزم الوديع أن يرد هذه الذهبات عيناً. (شرح المحجله لسليم رستم باز ۱/ ۱۲۴، رقم المادة: ۲۴۳)

لا يتعين (النقد) في المعاوضات..... ولا يتعين في النذر والوكالة قبل التسليم وأما بعده فالعامة كذلك ويتعين في الأمانات والهبة والصدقة والشركة والمضاربة والغصب. (الأشباه والنظائر، الفن الثالث الجمع والفرق أحكام النقد وما يتعين فيه وما لا يتعين، مكتبة زكريا ديوبند جديد ۳/ ۵۱-۵۲)

كذا في الشامسي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مكتبة زكريا ديوبند ۷/ ۲۹۸،
کراچی ۵/ ۹۶۔

الوديعة لا تودع ولا تعار ولا توجر ولا ترهن وإن فعل شيئاً منها ضمن الخ. (الفتاوى العالمگیریة، كتاب الوديعة، الباب الأول في تفسير الايداع الخ مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۴/ ۳۳۸، جدید ۴/ ۳۴۹)

كذا في البحر الرائق، كتاب الوديعة، كونه ۷/ ۲۷۵، زكريا ۷/ ۶۷ -
وليس للمودع حق التصرف والاسترباح في الوديعة الخ. (المبسوط للسرخسي،
كتاب الوديعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱۱/ ۱۲۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اسی طرح دیگر اقوام، شیخ، مغل، پٹھان صاحب نصاب اگر کسی غریب سید کو زکوٰۃ میں سے دیدیں تو درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ آجکل سیدوں کی حالت بوجہ نہ ہونے ذریعہ معاش کے بہت سقیم ہو رہی ہے اور بیت المال بھی نہیں ہے کہ جس سے امداد کی جاوے۔ مفصل بدلائل حدیث وفقہ ارقام فرمایا جاوے۔

الجواب: بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، خواہ دینے والے بھی بنی ہاشم سے ہو یا اور کوئی ہو۔

لقوله عليه السلام لأبي رافع مولى القوم من أنفسهم وإننا لاتحل لنا (۱) الصدقة. قلت: ولا تفتقر بما يذكر ومن جوازها لهم لسقوط عوضها وهو الخمس لانه قياس في مقابلة النص أولاً. ثم هذا القياس نفسه لا يتم لأنه عليه السلام علل حرمتها بكونها (۲)

(۱) أبو داؤد شريف، كتاب الزكاة، باب الصدقة على بني هاشم، النسخة الهندية ۱/۲۳۳،

دار السلام رقم: ۱۶۵۰۔

وعن أبي رافع أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث رجلاً من بني مخزوم على الصدقة، فقال لأبي رافع: إصحبني كما تصيب منها فقال لا حتى آتي رسول الله صلى الله عليه وسلم فأسأله فانطلق إلى النبي صلى الله عليه وسلم فسأله فقال: إن الصدقة لا تحل لنا وإن موالي القوم من أنفسهم. (ترمذي شريف، كتاب الزكاة، باب ما جاء في كراهية الصدقة للنبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ۱/۱۴۲، دار السلام رقم: ۶۵۷)

(۲) عن علي بن أبي طالب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في حديث طويل (إلى قوله) فقال: إن الصدقة لا تنبغي لأل محمد إنما هي أوساخ الناس الحديث (طحطاوي شريف، كتاب الزكاة، باب الصدقة على بني هاشم، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۵۴، رقم: ۲۸۹۶)

كذا في الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة، باب تحريم الزكاة على رسول الله صلى الله عليه وسلم وآله. (النسخة الهندية ۱/۳۴۴، بيت الأفكار الدولية رقم: ۱۰۷۲)

وفي مسلم في حديث طويل قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لنا إن هذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس وأنها لا تحل لمحمد ولا لأل محمد صلى الله عليه وسلم الحديث. (الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة، باب تحريم الزكاة على رسول الله صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ۱/۳۴۵، رقم: ۱۰۷۲) ←

أوساخ الناس لا بتعويض الخمس ههنا وانما هي حكمة مستقلة في مشروعية حكم الخمس فلما لم يكن علة لم يلزم من ارتفاع الخمس ارتفاع حرمة الزكاة فتأمل حق التأمل.

اور خدمت سادات کی ہدایا و صدقات نافلہ سے ممکن ہے اور وہ اُن کے لیے حلال ہے۔

في الهداية: بعد الرواية المذكورة بخلاف التطوع. (۱) فقط (امداد، ص ۱۷۰، ج ۱)

جوسید مشہور ہو اس کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال (۸۱۳): قدیم ۲/۲۸ - جو شخص کہ سید کہا جاتا ہے، مگر اس کے نسب کا کہیں پتہ نہیں؛ بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ چونکہ اس کے یہاں تعزیر داری وغیرہ ہوتی ہے، اس کے سبب سے سید کہلاتا ہے اور اس کی قراتیں بھی عام طور سے جو لوگ شیخ کہلاتے ہیں ان میں ہوتی ہے، تو ایسے شخص کو زکوٰۃ کا مال دے سکتے ہیں یا نہیں؟ یا صرف تسماع سے اس کو سید مانیں گے گو کہ سید نہ ہو؟

الجواب: نسب میں تسماع کافی ہے جبکہ مکذب بین نہ ہو۔ (۲) فقط

ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (تمتہ اولیٰ ص ۵۸)

← وفي النووي: قوله صلى الله عليه وسلم: إنما هي أوساخ الناس تنبيه على العلة في تحريمها على بني هاشم وبني المطلب وأنه لكرامتهم وتنزيههم عن الأوساخ ومعنى أوساخ الناس أنها تطهير لإموالهم ونفوسهم. (حاشية النووي على المسلم، النسخة الهندية ۱/ ۳۴۴)

(۱) الهداية، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز، المكتبة الأشرفية ديوبند ۱/ ۲۰۶۔

وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الأوقاف لهم أي لبني هاشم الخ. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۳۰۰، كراچی ۲/ ۳۵۱)

بخلاف التطوع (ملتقى الأبحر) وفي مجمع الأنهر: وأما التطوعات فيجوز صرفها إليهم. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۳۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) الشهادة بالشهرة في النسب وغيره بطريقتين الحقيقة والحكمة، فالحقيقة أن تشتهر وتسمع من قوم كثير لا يتصور تواطئهم على الكذب ولا تشترط في هذه العدالة ولا لفظ ←

نابالغ پر زکوٰۃ نہیں

سوال (۸۱۴): قدیم ۲۸/۲ - (۱) ولی و سرپرست یتیم پر مال یتیم سے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

(۲) اور یتیم صاحب نصاب پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: نمبر ۱، نمبر ۲ - نہیں (۱)۔ بلکہ جائز بھی نہیں (۲)۔ فقط

← **الشهادة:** بل يشترط التواتر، والحكمة أن يشهد عنده رجلان أو رجل وامرأتان عدول بلفظ الشهادة كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية، كتاب الشهادات، الباب الثاني في بيان تحمل الشهادة الخ، مكتبة زكريا قديم ۳/ ۴۵۸، جديد ۳/ ۳۹۴) وكذا في الموسوعة الفقهية بيروت ۴۰/ ۲۴۹ - ۲۵۰ - كذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الشهادات، الفصل الأول في المقدمة، مكتبة اشرفية ديوبند ۴/ ۵۵ -

تجوز الشهادة بالشهرة والتسامع في أربعة أشياء: (۱) النسب (۲) النكاح (۳) والقضاء (۴) والموت، والإشهار يكون بطريقتين أحدهما: أن يسمع من جماعة كثيرة لا يتصور اجتماعهم على الكذب وفي هذا لا تشترط العدالة ولا لفظ الشهادة والثاني: أن يشهد عنده عدلان بلفظة الشهادة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الشهادة، الفصل الأول حل تحمل الشهادة، مكتبة زكريا ۱۱/ ۴۱۱ - ۴۱۳، رقم: ۱۶۴۶۸ - ۱۶۴۷۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) أخرج الدار قطني عن ابن عباس[ؓ] قال: لا يجب على مال الصغير زكاة حتى تجب عليه الصلاة. (سنن الدار قطني، كتاب الزكاة، باب استقراض الوصي من مال اليتيم، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۹۷، رقم: ۱۹۶۲)

وأخرج الترمذي عن علي[ؓ] أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يشب وعن المعتوه حتى يعقل. (سنن الترمذي، باب ما جاء فيمن لا يجب عليه الحد، النسخة الهندية ۱/ ۲۶۳، مكتبة دار السلام رقم: ۱۴۲۳)

← ومن جملة الموانع الصباء والجنون حتي لا تجب الزكاة في مال الصبي والمجنون عندنا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل العاشر ما يمنع وجوب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ٢٣٦/٣، رقم: ٤٢٣٠)

كذا في المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل العاشر بيان منع وجوب الزكاة، المجلس العلمي ٢٣٣/٣، رقم: ٢٨٤٠-

وشروط افتراضها: عقل، وبلوغ (الدر المختار) وفي الشامية: فلا تجب على مجنون وصبي. (شامي، كتاب الزكاة، مطلب في أحكام المعنوي، مكتبة زكريا ديوبند ١٧٣/٣، كراچی ٢٥٨/٢)

ومنها البلوغ عندنا فلا تجب على الصبي، وهو قول علي وابن عباسؓ، فانهما قالوا: لا تجب الزكاة على الصبي حتى تجب عليه الصلاة. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، شرائط فرضية الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ٧٩/٢)

(٢) أن مالا حظ للمحجور فيه كالهبة بغير عوض والوصية والصدقة والعق والمحاباة في المعاوضة لا يملكه الولي ويلزمه ضمان ما تبرع به من هبة أو صدقة أو عتق أو حابي به أو مازاد في النفقة على المعروف أو دفعه بغير أمين لأنه إزالة ملكه من غير عوض فكان ضرراً محضاً. (الموسوعة الفقهية الكويتية ولاية ١٦٢/٤)

رعاية مصلحة المولى عليه في التصرفات. لقوله تعالى: "ولا تقربوا مال اليتيم الا بالتي هي أحسن". [الاسراء: ٣٤]

فليس للولي سلطة في مباشرة التصرفات الضار به بالمولى عليه ضرراً محضاً كال تبرع من مال القاصد بالهبة أو القاصر أو البيع أو الشراء بغبن فاحش أو الطلاق، فإن أمكن تنفيذها على الولي نفسه نفذت والا كانت باطلة. (موسوعة الفقه الإسلامية والقضايا المعاصرة، المبحث الثاني تكوين العقد، مكتبة اشرفية ديوبند ١٤٨/١٠)

كما لا تصح صدقة التطوع من الصبي والمجنون والمحجور عليه لا تصح الصدقة من أموالهم من قبل أوليائهم نيابة عنهم لأنهم لا يملكون التبرع من أموال من تحت ولايتهم. (الموسوعة الفقهية الكويتية بيروت ٣٢٧/٢٦) شبير احمد قاسم عفا الله عنه

نابالغ کے مال میں زکوٰۃ نہیں مگر عشر لازم ہے

سوال (۸۱۵): قدیم ۲/۲۸ - آیا نابالغ کی چیز میں سے زکوٰۃ نکالنی چاہئے یا نہیں اُمید کہ حسب الحکم شرع مبین کے جواب سے بواپسی مطلع فرمائیں گے؟

الجواب: في الدر المختار: وشرط افتراضها (أي الزكاة) عقل وبلوغ الخ (۱) وفيه ويجب (أي العشر) مع الدين وفي أرض صغير الخ. (۲)
ان روایات سے دو امر معلوم ہوئے ایک یہ کہ زکوٰۃ نابالغ کے مال میں واجب نہیں، دوسرا یہ کہ عشر نابالغ کی زمین کی پیداوار میں واجب ہے۔ چونکہ بعض لوگ عشر کو بھی زکوٰۃ بولتے ہیں؛ اس لئے جواب میں دونوں کا حکم لکھ دیا۔ (تمتہ ثالثہ، ص ۷۲)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۱۷۳/۳، کراچی ۲/۲۵۸۔
أخرج الدار قطني عن ابن عباس[ؓ] قال: لا يجب على مال الصغير زكاة حتى يجب عليه الصلاة. (سنن الدار قطني، کتاب الزکاة، باب استقراض الوصي من مال اليتيم، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۹۷، رقم: ۱۹۶۲)

عن علي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يشب وعن المعتوه حتى يعقل. (سنن الترمذي، باب ما جاء فيمن لا يجب عليه الحد، النسخة الهندية ۱/۲۶۳، مکتبۃ دار السلام رقم: ۱۴۲۳)

ومن جملة الموانع الصباء والجنون حتى لا تجب الزكاة في مال الصبي والمجنون عندنا. (الفتاوى التاتارخانية، کتاب الزکاة، الفصل العاشر ما يمنع وجوب الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۲۳۶، رقم: ۴۲۳۰)

كذا في المحيط البرهاني، کتاب الزکاة، الفصل العاشر بيان منع وجوب الزکاة، المجلس العلمي ۳/۲۳۳، رقم: ۲۸۴۰۔

ومنها البلوغ عندنا فلا تجب على الصبي، وهو قول علي[ؓ] وابن عباس[ؓ]، فانهما قالوا: لا تجب الزكاة على الصبي حتى تجب عليه الصلاة. (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، شرائط فرضية الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۷۹)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب العشر، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۲۶۶،

عاریت کے مکان میں رہنے والے مالکِ نصاب پر زکوٰۃ واجب ہے

سوال (۸۱۶): قدیم ۲/۲۹ - مثلاً ایک شخص اگر چہ مکان غیر میں بلا کرایہ سکونت پذیر ہے مگر اپنی ملکیت میں کوئی مکان سکونت نہیں رکھتا اور روزانہ اخراجات میں سے بمشکل کچھ بچا کر کسی قدر جو کہ قدر نصاب کو پہنچ چکا ہو زیور بنوا کر بطور عاریت پہننے کو اہل خانہ کو سپرد کیا زیور مذکور حوائجِ اصلیہ سے فارغ سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: رد المحتار جلد ثانی، ص ۹ سے اس مسئلہ کا مختلف فیہ ہونا (۱) ظاہر ہوتا ہے کہ اگر نقدین اس غرض سے رکھے ہوں کہ حاجتِ اصلیہ ممکن وغیرہ میں صرف کیے جاویں تو زکوٰۃ اُن کی واجب ہوگی

← وأما العقل والبلوغ فليس من شرائط الوجوب حتى يجب العشر في أرض الصبي والمجنون لأن فيه معنى المؤنة. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۱۳، كوئٹہ ۲/۲۳۶)

بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في الخراج والعشر، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۱۷۳ -

ويؤخذ العشر من الأراضي العشرية إذا كان المالك مسلماً، صغيراً كان أو كبيراً، عاقلاً كان أو مجنوناً. (المحيط البرهاني، كتاب العشر، الفصل الثالث، من يجب عليه العشر، المجلس العلمي ۳/۲۷۹)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب العشر، الفصل الثالث، فيمن يجب عليه العشر وفيمن لا يجب، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۸۱، رقم: ۴۳۷۸ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) فإذا كان معه دراهم أمسكها بنية صرفها إلى حاجته الأصلية لا تجب الزكاة فيها إذا حال الحول وهي عنده لكن اعترضه في البحر. بقوله: ويخالفه ما في المعراج في فصل زكاة العروض أن الزكاة تجب في النقْد كيْفما أمسكه للنماء أو للنفقة، وكذا في البدائع في بحث النماء التقديري. (رد المحتار، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۷۸-۱۷۹، كراچی ۲/۲۶۲)

پس احوط اس صورت میں وجوب ہے۔ (۱) بالخصوص اس وجہ سے کہ زیور بنانا قرینہ اس کا ہے کہ گھر بنانے یا خریدنے کا ارادہ بھی نہیں ہے۔ فقط

۵/ محرم الحرام ۱۳۲۶ھ (تمتہ، ص ۵۰)

سوال (۸۱۷): قدیم ۲۹/۲ - ایک شخص کے پاس دو سو روپیہ نقد ہیں جن پر سال بھر بھی گزر گیا، مگر اس خیال سے جمع کر رکھے ہیں کہ اپنے رہنے کے واسطے مکان خریدے یعنی اس کے پاس رہنے کے واسطے مکان نہیں ہے؛ بلکہ اپنی ہمشیرہ کے مکان میں سکونت پذیر ہے نیز اس پر قرض بھی نہیں ہے؛ لہذا اس صورت میں زکوٰۃ دینی ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اس میں اختلاف ہے مگر رائج وجوب زکوٰۃ ہے۔

والتفصیل فی رد المحتار جلد ۲ ص ۹ - (۲)

۵/ رجب ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ، ص ۵۷)

(۱) عن علي عن النبي صلى الله عليه وسلم ببعض أول هذا الحديث قال: فإذا كانت لك مائتا درهم و حال عليها الحول ففيها خمسة دراهم وليس عليك شيء يعني في الذهب حتى تكون لك عشرون ديناراً، فإذا كانت لك عشرون ديناراً، و حال عليها الحول ففيها نصف دينار فما زاد فبحساب على ذلك. (سنن أبي داود، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۱، دار السلام رقم: ۱۵۷۳)

إذا أمسكه ليسفك منه كل ما يحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه نصاب فإنه يزكي ذلك الباقي، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول الخ. (شامي، كتاب الزكاة، مطلب: في زكاة ثمن المبيع وفاءً، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۱۷۹، کراچی ۲/ ۲۶۲)

تجب الزكاة في النقد كيف ما أمسكه للماء أو للنفقة. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۴۱۵)

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزكاة، دارالکتاب دیوبند ص: ۷۱۵

لأن الاحتياط في العبادة واجب كما صرحوا به في كثير من المسائل الخ. (شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۲۳۱، کراچی ۲/ ۳۰۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) والتقيد بالحوائج الأصلية احترازاً عن أثمانها، فإذا كان معه دراهم أمسكها ←

جائداد غیر منقولہ میں مقدار غناء کی تحقیق

سوال (۸۱۸): قدیم ۲۹/۲ - وجوب فطر و اضحیہ و حرمت اخذ زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ کے لیے عتقار کی غناء کس طرح پر ہے، بہت جزئیہ دیکھے مگر تسکین نہ ہوئی برہنہ میں ہے کہ زمین کی قیمت اگر نصاب کو پہونچے تو غنی ہے۔

شامی میں ایک مقام پر کہا: (کتاب الأضحیۃ) قوله والیسار الخ ولوله العتقار يستغله

← بنية صرفها إلى حاجته الأصلية لا تجب الزكاة فيها إذا حال الحول وهي عنده؛ لكن اعترضه في البحر بقوله: ويخالفه ما في المعراج في فصل زكاة العروض أن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة، وكذا في البدائع في بحث النماء التقدير (إلى قوله) إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه نصاب فإنه يزكى ذلك الباقي، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول الخ. (شامی، کتاب الزکاة، مطلب فی زکاة ثمن المبیع وفاء، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/ ۱۷۸-۱۷۹، کراچی ۲/ ۲۶۲)

شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو في ملكه وثمانية المال كالدراهم والدنانير لتعينهما للتجارة بأصل الخلقة فتلزم الزكاة أمسكهما ولو للنفقة. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/ ۱۸۶، کراچی ۲/ ۲۶۷)

تجب الزكاة في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۱/ ۷۱۵)

في معراج الدراية في فصل زكاة العروض: إن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة الخ. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/ ۳۶۱، کوئٹہ ۲/ ۲۰۶)

أن الإعداد للتجارة في الأثمان المطلقة من الذهب والفضة ثابت بأصل الخلقة لأنها لا تصلح للانتفاع بأعيانها في دفع الحوائج الأصلية فلا حاجة إلى الإعداد من العبد للتجارة بالنية إذا النية للتعيين وهي متعينة للتجارة بأصل الخلقة فلا حاجة إلى التعيين بالنية فتجب الزكاة فيها نوى التجارة أو لم ينو أصلاً أو نوى النفقة الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل وأما الشرائط التي ترجع إلى المال، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/ ۹۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فقيل تلزم لو قيمته نصاباً وقيل لو يدخل منه قوت سنة تلزم وقيل قوت شهر فمتى
فضل نصاب تلزمه آء (۱)

اور کتاب الزکوٰۃ میں ہے: علی قوله فارغ عن حاجته الأصلية وفيها سئل محمد عمن
له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاثة آلاف ولا تكفي لنفقة عياله
سنة يحل له أخذ الزکوٰۃ وإن كان تبلغ قيمتها الو فأعليه الفتوى وعندهما لا يحل (۲)
اسی قسم کا اختلاف بر جندی ابوالکارم و بزازیہ و جامع الرموز و اشباہ میں بھی ہے۔ کہیں تو زمین کو حاجت
اصلیہ میں داخل کر لیا ہے اور کہیں خارج۔ جیسے شامی میں ہے کہیں قیمت زمین کے بعد اخراج قوت سال
یا ماہ کے معتبر کی، کہیں اعتبار غلہ کا، کہیں ابتداء، کہیں بعد اخراج دخل سال یا ماہ کے، اگرچہ شامی کا فتویٰ موجود ہے
مگر مقابلہ حل و حرمت کا اور کلمہ عند کا عندہما میں مذہب پر دلالت کرتا ہے شامی جلد اول میں ہے۔
يعمل بما صح من المذهب لا بفتوى المشائخ (۳) المذهب ما قال الإمام.

دوسری جگہ اس کے خلاف کہا: الرواية المختار للفتوى مرجع على ظاهر الرواية.
جلد ثانی میں ہے: ترک ظاهر الرواية بقول المشائخ اس مسئلہ میں متح حکم فرمایا جاوے۔ فقط
الجواب: روایات مذکورہ سوال سے زیادہ تو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن حضرت استاذی علیہ
الرحمۃ کو امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے دیکھا ہے اور خود بھی احقر کا اسی پر عمل ہے مگر اس میں
قدرے تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر اس عقار سے یہ شخص استغلال نہیں کرتا تب تو خود اس کی قیمت کا اعتبار ہے
پس اگر وہ فاضل از حاجت اصلیہ قیمت بقدر نصاب ہے تو مانع اخذ زکوٰۃ و موجب فطر و اضحیہ ہے (۴)
اور اگر اس سے استغلال کرتا ہے تو اس کے غلہ کا اعتبار ہے اگر اس کا غلہ سال بھر کے خرچ سے بمقدار

(۱) شامی، کتاب الأضحیة، مکتبہ زکریا دیوبند ۹/۵۳، کراچی ۶/۳۱۲۔

(۲) شامی، کتاب الزکاة، قبیل مطلب فی جهاز المرأة هل تصیر به غنیة، مکتبہ زکریا

دیوبند ۳/۲۹۶، کراچی ۲/۳۴۸۔

(۳) شامی، کتاب الطهارة، باب المیاء، مطلب: لو ادخل الماء من أعلى الحوض الخ۔

مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۳۴۱، کراچی ۱/۱۹۲۔

(۴) يجب أن يعلم بأن الغني محرم للصدقة لا خلاف فيه لأحد، إنما الخلاف في حده، ←

نصاب نہیں بچتا تو مانع اخذ زکوٰۃ و موجب فطر و اضحیہ نہیں (۱) اور امام صاحبؒ کے قول کا تقدم علی الاطلاق نہیں ہے۔ کما فصل فی رسم المفتی واللہ اعلم۔

۱۱ جمادی الاولیٰ، ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولیٰ، ص ۵۰)

← والصحيح أنه مقدر بملك مأتي درهم أو ما بلغ قيمته مائتي درهم فاضلا عن مسكنه وأثاثه وخادمه ومركبه وسلاحه وثيابه بدنه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، من توضع فيه الزكاة، زكريا ديوبند ۳/ ۲۱۴، رقم: ۴۱۶۰)

ذكر ابن سماعة عن محمد إذا كان لرجل دار تساوي عشرة آلاف درهم لاجودة موضعه وقربه من السوق، وليس فيها فضل عن سكنه ما يساوي مائتي درهم، قال: تحل له الزكاة، وإنما لا تحل له الزكاة إذا كان في فضل عن سكنه ما يساوي مائتي درهم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، من توضع فيه الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۲۱۵، رقم: ۴۱۶۱)

والحاصل أن ما يكون مشغولا بحاجته الحالية نحو الخادم، والمسكن، وثيابه التي يلبسها في الحال، لا يعتبر في تحريم الصدقة بالإجماع وما يكون فاضلاً عن حاجته الحالية يعتبر في تحريم الصدقة إذا ثبت هذا فنقول: الضيقة فارغة عن الحاجة الحالية حقيقة، فاعتبرناها في تحريم الصدقة اعتباراً بالحقيقة. (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، من يوضع فيه الزكاة، المجلس العلمي ۳/ ۲۱۷)

ولا تحل لمن له دار تساوي نصاباً والفاضل عن سكنه يبلغ نصاباً. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، كوثنه ۲/ ۲۴۵، زكريا ۲/ ۴۲۷)

(۱) وسئل محمد بن الحسن رحمه الله تعالى عن له أراضٍ يزرعها أو حوانيت يستغلها، قال إن غلتها تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة لا يحل له أخذ الزكاة، وهو قول أبي حنيفة، وأبي يوسف، وإن كان غلتها لا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة، قال محمد: يحل له أخذ الزكاة، وإن كان يبلغ قيمتها الوفاء. (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثاني من يوضع فيه الزكاة، المجلس العلمي ۳/ ۲۱۶)

ولو كان له ضيعة تساوي ثلاثة آلاف ولا يخرج منها ما يكفي له ولعياله اختلفوا فيه ←

ختم ماہ وجوب زکوٰۃ پر حساب دشوار ہو تو زکوٰۃ اداء کرنے کا طریق

سوال (۸۱۹): قدیم ۳۰/۲ - زید ایک کارخانہ میں حصّہ دار ہے کارخانہ کا سالانہ گوشوارہ نفع و نقصان بحساب شمسی مہینوں کے ۳۰ جون کو ہوا کرتا ہے، ۳۰ جون کو جو منافع اس کے حساب میں جمع ہوتا ہے اس منافع میں سے سال بھر تک اپنے مصارف پورے کرتا رہتا ہے۔ زید پر زکوٰۃ بماء رمضان المبارک واجب ہوتی ہے اور یہ ہمیشہ رمضان المبارک میں زکوٰۃ علیحدہ کیا کرتا ہے وہ اس طرح کہ جو رقم اس کارخانہ میں بماء رمضان المبارک باقی ہوتی ہے وہ اپنی ملکیت شمار کرتا ہے مثلاً ۳۰ جون کو جب کہ گوشوارہ تیار ہوا تھا تو زید کا سرمایہ مع منافع ایک ہزار روپیہ تھا اور ماہ ستمبر یعنی رمضان المبارک میں اسپر زکوٰۃ واجب ہوئی اس وقت تک ایک سو روپیہ خرچ ہو چکے تھے اور نو سو روپیہ باقی تھے چنانچہ اس نے ۹۰۰ روپیہ شمار کر کے زکوٰۃ علیحدہ کر دی جو نفع یا نقصان اس کارخانہ میں درمیانی تین ماہ میں ہوا اس کا شمار نہیں کرتا کیونکہ کارخانہ کا حساب سالانہ بحساب شمسی مہینوں کے ہوا کرتا ہے درمیان میں نہ ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے کیا یہ صورت جائز ہے یا زید اپنے تخمینہ سے اُس درمیانی تین ماہ کا نفع نقصان شمار کر کے زکوٰۃ دیدے؟

الجواب: یہ تو ٹھیک ہے کہ رمضان تک جتنا روپیہ صرف ہو چکا ہے اُس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی لیکن اس نو سو روپیہ کے ساتھ اصل سرمایہ کی اور نیز اس تین ماہ میں جس قدر اور نفع ہوا ہو اس مجموعہ کی تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (۱) باقی یہ کہ درمیان سال میں حساب نہیں ہو سکتا سو اگر واقعی یہ حساب دشوار ہے تو تخمینہ احتیاط کے ساتھ کافی ہے اور احقر کے خیال میں تخمینہ کے لیے سال گزشتہ کی نسبت سال آئندہ کا اعتبار اقرب ہے

← قال محمد بن مقاتل: يجوز له أخذ الزكاة وفي الحاوي: قال نصير كتبت إلى أبي عبد الله البلخي هذه المسئلة فكتب إلى أنه لا يعطى الزكاة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، من توضع فيه الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۱۷، رقم: ۴۱۶۹)

الخانية على الهندية، كتاب الزكاة، فصل فيمن توضع فيه الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۱/۲۶۶، جدید ۱/۱۶۳ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصاباً من الورق والمذهب. (الهندية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض، مكتبة زكريا قدیم ۱/۱۷۹،

یعنی آئندہ جون میں جب پھر گوشوارہ سے سرمایہ و نفع کی مقدار معلوم ہو تو اس مجموعہ کو اُن چڑھے ہوئے تین ماہ قمری پر تقسیم کر دے جو حاصل قسمت ہو اس کو اداء کر کے زکوٰۃ گزشتہ کی تکمیل کر دے، اسی طرح ہمیشہ سلسلہ جاری رکھے۔ اس میں اتنا کرنا پڑے گا کہ زکوٰۃ ہمیشہ دوبار کر کے اداء کرنا ہوگی اور احتیاط کے لیے کچھ زیادہ دیدے امید ہے کہ کمی بیشی غفو ہو جاوے گی اور اگر اس سے سہل اور اقرب الی التحقیق کوئی صورت نکل سکے اس کو ترجیح ہوگی۔

۱۸ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ (تمتہ اولیٰ، ص ۵۱)

زکوٰۃ کا حساب قمری سال سے ہونا چاہیے شمسی سے نہیں

سوال (۸۲۰): قدیم ۳۱/۲ - عمر و تجارت کرتا ہے اور سالانہ گوشوارہ ۳۰ جون کو بحساب شمسی تیار کرتا ہے، اور ۳۰ جون ہی کو زکوٰۃ علیحدہ کرتا ہے سالانہ منافع مثلاً ۶۵ روپیہ یا اوسط ایک ہزار روپیہ اور ہوا؛

← الهدایة، کتاب الزکاة، باب زکاة المال فصل فی العروض، مکتبۃ اشرافیۃ دیوبند ۱۹۵/۱۔

وفي عروض تجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب یعنی فی عروض التجارة يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً. (تبيين الحقائق، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، مکتبۃ زکریا دیوبند ۷۷/۲)

وفي عروض تجارة بلغت قيمتها نصاباً من أحدهما تقوم بما هو أنفع للفقراء ويضم مستفاد ولو بهبة أو إرث من جنس نصاب إليه أي النصاب في حوله وحكمه أي النصاب فيزيكيه بحول الأصل. (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، کتاب الزکاة، باب زکاة الذهب والفضة والعروض، دار الكتب العلمية بيروت ۳۰۶-۳۰۷)

ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول من جنسه ضمه إليه وزكاه. (الهداية، کتاب الزکاة، فصل فی الغنم، مکتبۃ اشرافیۃ دیوبند ۱۹۳/۱)

ويضم مستفاد من جنس نصاب إليه والمراد بالضم أن تجب الزکاة في الفائدة عند تمام الحول على الأصل. (البحر الرائق، کتاب الزکاة، فصل فی الغنم زکریا ۳۸۸/۲،

کوئٹہ ۲/۲۲۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

لہذا بابت فرق شمسی و قمری مہینوں کے دس روپیہ زائد شمار کر کے ان دس روپیوں پر بھی زکوٰۃ دیتا ہے کیا یہ صورت جائز ہے؟

الجواب: اُمید ہے کہ اداء ہو جائے گی۔ (۱) اگر قدر زائد دیدے تو احتیاط کی بات ہے۔ (۲)

۱۸/رجب المرجب ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ، ص ۵۲)

سوال (۸۲۱): قدیم ۳۱/۲ - زید کو اس کے خرچ روزمرہ سے زائد یکم جنوری ۱۹۱۳ء کو سو روپے مل گئے جس کو اس نے بطور پس انداز کے رکھ چھوڑا اور ۲۵ دسمبر ۱۹۱۳ء کو یعنی گیارہ ماہ بعد اس کے پاس مبلغ پانچ ہزار روپے اور آگئے جس کو بھی پس انداز رکھنے کی غرض سے اسی رقم سو روپے کے ساتھ رکھ دیا۔ اب یکم جنوری ۱۹۱۴ء کو جو ختم سال کے بعد کا پہلا دن ہوگا اُس پر صرف رقم سو روپے کی بابت زکوٰۃ واجب ہوگی یا مبلغ پانچ ہزار ایک سو روپے کی بابت؛ کیونکہ پانچ ہزار کو ابھی صرف پانچ ہی دن گزرے ہیں؟

(۱) وحولها أي الزكاة قمری بحر عن القنية لا شمسی. (الدر المختار مع رد المحتار،

كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۲۳، كراچی ۲/۲۹۴-۲۹۵)

والعبرة بالحوال القمري كذا في القنية. (النهر السائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا

ديوبند ۱/۴۱۴)

والعبرة في الزكاة بالحوال القمري، كذا في القنية. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب الأول

في تفسيرها وصفاتها وشرائطها، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۱۷۵، جديد ۱/۲۳۶)

سئل الحسن بن علي رضي الله تعالى عنهما عن الحول في الزكاة أقمري أم شمسي؟

فقال: قمری. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، وجوب الزكاة وسببها وحكمها مكتبة زكريا

ديوبند ۳/۱۳۴، رقم: ۳۹۳۷)

(۲) مبسوط السرخسي: أن الأخذ بالأحتمال في باب العبادات واجب. (شامي،

كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في مقدار الفطرة بالمد الشامي، مكتبة زكريا ديوبند

۳/۳۲۱، كراچی ۲/۳۶۶)

الجواب: چونکہ زکوٰۃ میں سال قمری کا حساب ہے (۱) اور شمسی سال بڑا ہوتا ہے قمری سے پس ۲۵ دسمبر کو جو اس کے پاس پانچ ہزار روپے آئے وہ سال قمری کے گزرنے کے بعد آئے؛ اس لیے ان کی زکوٰۃ بابت سال کے واجب نہ ہوگی۔ (۲)

۷/رمضان المبارک ۳۲ھ (حوادث ص: ۱۴۵، ج: ۱-۲)

(۱) وحولها أي الزكاة قمري بحر عن القنية لا شمسي. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مكتبة زكريا ديوبند ۲۲۳/۳، كراچی ۲۹۴/۲-۲۹۵) والعبارة للحول القمري كذا في القنية. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۴۱۴/۱)

والعبارة في الزكاة للحول القمري، كذا في القنية. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱۷۵/۱، جديد ۲۳۶/۱) سئل الحسن بن علي رضي الله تعالى عنهما عن الحول في الزكاة أقمري أم شمسي؟ فقال: قمري. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، وجوب الزكاة وسببها وحكمها مكتبة زكريا ديوبند ۱۳۴/۳، رقم: ۳۹۳۷)

(۲) ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول مالا من جنسه ضمه إلى ماله وزكاه فإن استفاد بعد حولان الحول فإنه لا يضم ويستأنف له حول آخر بالاتفاق. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، مكتبة زكريا قديم ۱۷۵/۱، جديد ۲۳۷/۱) وأما المستفاد بعد الحول: فلا يضم إلى الأصل في حق الحول الماضي بلا خلاف وإنما يضم إليه في حق الحول الذي استفيد فيه لأن النصاب بعد مضى الحول عليه يجعل متجدداً حكماً كأنه انعدم الأول وحدث آخر الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، ما استفاد بعد الحول، مكتبة زكريا ديوبند ۹۷/۲)

موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، كتاب الزكاة، حكم ضم الربح والنماء الخ، مكتبة اشرفية ديوبند ۷۱۴/۲-

معادن میں خمس واجب اور اسلامی بیت المال نہ ہونے کی

صورت میں تصدق بر فقراء لازم ہے

سوال (۸۲۲): قدیم ۲/۳۲ - ما قولکم اندرینکہ در کتب فقہاء نوشتہ اند کہ بر عمل و مرجان خمس لازم و واجب نہ گردد زیرا کہ بر فقہر بحر قہر سلطان نمی رسد بچنان در معدن جبال و صحرا خمس لازم نیاید دریں صورت مراد فقہاء کدام جبال و صحراست مطلق ست یا مقید ست کہ قہر سلطان در آن جبال نرسد۔ ہر شقے اختیار فرمائند موجہ بیان فرمودہ جواب ارشاد فرمائند۔ و معنی قہر سلطان نرسیدن اگر واضح فرمودہ شود تا حکم مسئلہ حل گردد الغرض در اطراف و نواحی ایں دیار جبال کثیرہ است کہ در بعض کوہ چنان ست کہ مسکن مردمان است و بعض کوہ چنان ست کہ چراگاہ مرعی اہل قریہ است و بعض چنان است کہ اہل قریہ ہیزم و حطب ازاں کوہ می آرند بعض کوہ بیکار افتادہ است۔ لیکن ہمہ جبال در ماتحت سلطنت انگریز است و مراد فقہاء کدام کوہ است و بر تقدیر وجوب خمس بر فقراء خمس را تقسیم کردن جائز گردد یا نہ زیرا کہ سلطان اسلام یافتہ نمی شود الحاصل بر تقدیر خمس بر کدام جبال و صحرا لازم آید۔ و بر تقدیر عدم لزوم خمس کدام جبال و صحرا مراد فقہاء ست و قہر سلطان در جبال مذکورہ رسیدن طلاق است یا نہ؟ فقط

سوال کا ترجمہ: کیا فرماتے ہیں اس سلسلے میں کہ فقہاء کی کتابوں میں لکھا ہے کہ موتی اور مونگے پر خمس واجب نہیں؛ اس لئے کہ سمندر کے تہہ پر بادشاہ کا تسلط نہیں ہوتا، اسی طرح پہاڑوں اور جنگلات کے کان میں خمس لازم نہیں ہوتا، اس صورت میں فقہاء کی مراد کیا ہے؟ پہاڑ اور جنگلات مطلق ہیں یا مقید کہ جس پہاڑ پر بادشاہ کا تسلط نہ ہو، جو شق بھی اختیار فرمائیں وجہ بیان فرما کر جواب ارشاد فرمائیں اور بادشاہ کا تسلط نہ ہونے کا مطلب اگر واضح فرما دیا جائے، تو مسئلہ کا حکم حل ہو جائے گا۔

الغرض اس علاقے کے اطراف و جوانب میں بہت پہاڑ ہیں، بعض پہاڑ ایسے ہیں کہ لوگوں کی رہائش گاہ ہیں اور بعض پہاڑ ایسے ہیں کہ گاؤں والوں کی چراگاہ ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ گاؤں والے اس پہاڑ سے جلاوطن اور کلڑی لاتے ہیں اور بعض بیکار پڑے ہیں؛ لیکن تمام پہاڑ انگریزی حکومت کے ماتحت ہے، تو فقہاء کی مراد کونسا پہاڑ ہے؟ اور وجوب خمس کی صورت میں فقراء کے درمیان خمس کو تقسیم کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اس لئے کہ اسلامی حکومت نہیں ہے الحاصل لزوم خمس کی صورت میں کون سے پہاڑ اور جنگل پر خمس لازم ہوگا؟ اور خمس لازم نہ ہونے کی صورت میں کون سے پہاڑ اور جنگل فقہاء کے نزدیک مراد ہیں؟ اور مذکورہ پہاڑ تک حاکم کا تسلط ہونا مطلق ہے یا نہیں؟

الجواب: في الهداية والبنایة: ثم إن وجد ه في أرض مباحة كالجبال والمفاوز

فأربعة أخماسه للواجد. (۱) وكذا في الدر المختار وغيره من كتب الفقه. (۲)

ازیں روایت معلوم شد کہ مضمون سوال کہ بچیاں در معدن جبال و صحراء خمس لازم نیاید صحیح نیست۔ پس سوالات متفرعہ بریں ہم ضروری الجواب نمائند البتہ در یاقوت و زمرہ و فیروزہ عدم وجوب خمس نوشتہ اند لیکن نہ بدیں سبب کہ برآں قہر وار دندہ زریا کہ وقت فتح ہمہ جبال و صحارای داخل قہر می شوند۔

كما في الهداية والبنایة: لأنها أي أراضى المعدن كانت في أيدي الكفرة وحوتها أيدينا غلبة فكانت غنيمة وفي الغنائم الخمس ٥. (۳)

ترجمہ: اس فقہی روایت سے معلوم ہوا کہ سوال کا مضمون ”کہ اس طرح کے پہاڑ اور جنگل کے کان میں خمس لازم نہیں ہوتا“ صحیح نہیں ہے؛ لہذا اس پر متفرع سوالات کا جواب دینا بھی ضروری نہیں رہتا؛ البتہ فقہاء نے یاقوت (سرخ نیلا قیمتی پتھر) زمرہ (سبز قیمتی پتھر) اور فیروزہ (سبز نیل گول پتھر) میں وجوب خمس لکھا ہے؛ لیکن اس وجہ سے نہیں کہ اس پر بادشاہ کا تسلط نہیں ہوا ہے؛ اس لئے کہ فتح کے وقت تمام پہاڑ اور جنگلات تسلط میں داخل ہو جاتے ہیں۔

(۱) البنایة شرح الهدایة، کتاب الزکاة، باب فی المعادن والركاز، مكتبة اشرفية دیوبند ۴۰۹/۳۔

(۲) إن ملک أرضه وإلا فلولواحد (الدر المختار) وفي الشامیة: أي وإن لم تكن مملوكة كالجبال والمفاوز فهو كالمعدن يجب خمسه وباقيه للواجد مطلقاً. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاة، باب الركاز، مكتبة زكريا دیوبند ۲۶۱/۳، کراچی ۳۲۳/۲) لو وجد ه في أرض غير مملوكة الجبال والمفاوز فهو كالمعدن يجب خمسه وباقيه للواجد مطلقاً حرًا كان أو عبدًا الخ. (البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب الركاز، مكتبة زكريا دیوبند ۴۱۱/۲، کوئٹہ ۲۳۵/۲)

وإن وجد في أرض غير مملوكة لأحد فهو للواجد (تبیین) وفي حاشیة الشلبي: أي الباقي وهو أربعة أخماس منه للواجد، قوله: غير مملوكة لأحد أي كالجبال والمفاوز ونحوهما الخ. (تبیین الحقائق، کتاب الزکاة، باب الركاز، مكتبة زكريا دیوبند ۹۷/۲)

(۳) البنایة شرح الهدایة، کتاب الزکاة، باب فی المعادن والركاز، مكتبة اشرفية

بلکہ بناء برآنکہ اجار کہ از معدن یافتہ شود و محل خمس نیست چنانکہ روا پیش در ہدایہ مذکور است و اس خمس را خود بر فقراء تقسیم نمودن جائز است اگرچہ فروغ و اصول اس کس باشند۔

في رد المحتار: عن كافي الحاكم ومن أصاب ركاز أو سعه أن يتصدق بخمسه على المساكين، فإذا أطلع الإمام على ذلك أمضى له ما صنع وإن كان محتاجاً إلى جميع ذلك وسعه أن يمسكه لنفسه وإن تصدق على أهل الحاجة من آبائه وأولاده جاز ذلك وليس هذا بمنزلة عشر الخارج من الأرض ۲/ ۷۷. آه (۱)

ترجمہ: بلکہ اس بنا پر کہ پتھر جو کہ کان سے حاصل ہوتے ہیں وہ محل خمس نہیں ہیں جیسا کہ اس کی عبارت ہدایہ میں مذکور ہے اور اس خمس کو فقراء پر تقسیم کرنا جائز ہے، اگرچہ وہ اسی (تقسیم کرنے والے) کے اصول و فروغ ہوں۔
← لأنها كانت في أيدي الكفرة فحوتها أيدينا غلبة فكانت غنيمة وفي الغنائم الخمس. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب الركاز، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۹۵)

لأن هذا الموضع كانت في أيدي الكفرة ثم وقعت في أيدينا بحكم القهر فكانت غنيمة فيجب فيها الخمس الخ. (المحيط البرهاني، كتاب المعادن والركاز والكنوز، المجلس العلمي ۳/ ۳۲۷)
(۱) رد المحتار، كتاب الزكاة، باب الركاز، قبيل باب العشر، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۲۶۴،
کراچی ۲/ ۳۲۴

ومن أصاب ركازاً وسعه أن يتصدق بخمسه على المساكين فإذا أطلع الإمام على ذلك أمضى له ما صنع لأن الخمس حق الفقراء وقد أوصله إلى مستحقه وهو في إصابته الركاز غير محتاج إلى الحماية فهو كزكاة الأموال الباطنة. وفي البدائع: ويجوز دفع الخمس إلى الوالدين والمولودين الفقراء كما في الغنائم ويجوز للواجد أن يصرفه إلى نفسه إذا كان محتاجاً ولا تغنيه الأربعة الأخماس الخ. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب الركاز، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۴۰۹، كوئٹہ ۲/ ۲۳۴)

ومن أصاب ركازاً أو معدناً فأعطى خمسه إلى المساكين أجزاءه، وإن علم الإمام به لم يتعرض له، ولو كان صاحبه محتاجاً وسعه أن يعبس كله ولا يعطيه للمساكين، وكذا لو أعطى أباه وولده وهو محتاج جاز ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب المعادن، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۳۴۶، رقم: ۴۵۳۱)

ہر گاہ باوجود امام جائز است بوقت فقدان امام بدرجہ اولیٰ خواہد بود آری در ارض غیر مملوکہ در دار الحرب باشد ہمہ رکاز ملک واجداست۔ کما صرحوا بہ واللہ اعلم۔

۲۷ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ ہجری (تمتہ اولیٰ، ص ۵۲)

جس دین کے وصول ہونے کی امید نہ ہو اس پر وجوبِ زکوٰۃ کی تحقیق

سوال (۸۲۳): قدیم ۳۳/۲۔ زید کے مبلغ پانچ سو روپے ایک شخص کے ذمہ قرض ہے اور وہ شخص بہت دنوں سے یہ روپیہ دینے میں لیت و لعل کرتا ہے اور یوں ہی ٹال بتاتا رہتا ہے۔ اب زید ان پانچ سو روپیوں کی جو اس شخص کے ذمہ قرض ہے زکوٰۃ ہر سال برابر ادا کرتا رہے یا نہیں کیا زید ایسے روپیوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے ذمہ دار ہے جو روپے کہ کسی کے ذمہ قرض ہوں اور ان کے آنے کی اُمید کم ہو یا بالکل نہیں ہو اگر زید ہر سال ایسے روپیوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کا ذمہ دار نہیں ہو تو جب یہ روپے قرض کے وصول ہو جاویں تب گزشتہ برسوں کی زکوٰۃ کھٹی ادا کرنا اس پر لازم ہوگا یا اسی وقت سے جبکہ وہ روپیہ وصول ہو کر اُس کے پاس آیا ہے۔

الجواب: اس میں احوال مختلفہ ہیں اور ہر جانب تصحیح بھی کی گئی ہے جس کی تفصیل رد المحتار ج ۲، ص ۱۲ اوص ۹۹، مطبوعہ مصر میں موجود ہے۔ (۱)

ترجمہ عبارت بالا: جب یہ امام المسلمین کی موجودگی میں تو امام کے نہ ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا؛ ہاں البتہ جو دار الحرب میں غیر مملوکہ زمین میں ہوگا، وہ سب رکاز اور پانے والے کی ملک ہوگا۔ (۱) ولو کان الدین علی مقر ملیء أو علی معسر أو مفلس أي محکوم یا فلاسہ أو علی جاحد علیہ بینة وعن محمد لا زکاة وهو الصحيح، ذکرہ ابن مالک وغیرہ؛ لأن البینة قد لاتقبل (الدر المختار) وفي الشامیة: وهو الصحيح صححه في التحفة كما في غاية البيان وصححه في الخانية: أيضًا وعزاه إلى السرخسي وفي باب المصروف من النهر عن عقد الفرائد ينبغي أن يحول عليه قلت: ونقل الباقراني تصحيح الوجوب عن الكافي. قال: وهو المعتمد وإليه مال فخر الإسلام ولذا جزم به في الهداية والغرر والمقتني وتبعهم المصنف والحاصل أن فيه اختلاف التصحيح الخ (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۱۸۴-۱۸۵، کراچی ۲/ ۲۶۶-۲۶۷)

بندہ کے نزدیک ان اقوال میں سے قول مختاریہ ہے کہ جس قرض کے وصول ہونے کی امید ضعیف ہو یا بالکل نہ ہو قبل وصول اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور وصول کے بعد جس قدر وصول ہوگا بعد حوالان حول آئندہ صرف اسی قدر پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

و متمسکی فیہ وما فی رد المحتار بعد نقل عبارة النهر عن الخانية قوله قلت وقدمنا أول الزكاة اختلاف التصحيح فيه ومال الرحمتی إلى هذا وقال بل في زماننا يقر المديون بالدين وبملا تہ ولا يقدر الدائن على تخليصه منه فهو بمنزلة العدم ۹۹/۲- (۱) واللہ اعلم
کیم محرم ۱۲۸۸ھ (تمتہ اولی، ص ۵۳)

قیمت جائداد نصاب سے زائد ہو اور آمدنی بقدر گزر ہو تو اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

سوال (۸۲۴): قدیم ۳۳/۲۔ جس کے پاس زمین ہے جس کی قیمت دو سو درہم سے بہت زیادہ ہے مگر اس میں جو زراعت پیدا ہوتی ہے وہ سال بھر کی خوراک کو پورے طور پر کافی نہیں یا کافی ہے مگر فاضل نہیں ایسے شخص پر صدقہ فطر و قربانی واجب ہے یا نہیں؟ فقط

(۱) شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۳، ۹۱/۲، کراچی ۳۴۴۔
ہشام عن محمد قال: قلت لمحمد: رجل له مال على وال من الولاية وهو مقرب به إلا أنه لا يعطيه ولا يعدي عليه. قال: يطلبه بباب الخليفة، وإذا طلب ولم يصل إليه في سنته فلا زكاة عليه فيه. (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثالث عشر، زكاة الديون، المجلس العلمي ۳/۲۹، رقم: ۲۸۶۵)

الفتاویٰ التاتارخانیہ، کتاب الزکاة، الفصل الثالث عشر فی زکاة الديون، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۲۵۰، رقم: ۲۷۲۲۔

وأما دين الوسط فما وجب له بدلا عن مال ليس للتجارة (إلى قوله) وفيه روايتان عنه وروي ابن سماعة عن أبي يوسف عن أبي حنيفة أنه لا زكاة فيه حتى يقبض المأتين ويحول عليه الحول من وقت القبض وهو أصح الروايتين عنه الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، الشرائط التي ترجع إلى المال، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۹۰)

الجواب: امام محمدؒ کے نزدیک یہ شخص غنی نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کہ زانی رد المحتار ج ۲، ص ۱۰۴،

عن التتارخانیة. (۱) اس لیے اس پر صدقہ فطر و قربانی واجب نہیں۔

۱۰ صفر المظفر ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولیٰ، ص ۵۳)

سوال (۸۲۵): قدیم ۳۳/۲ - کسی شخص کی دو سو تین سو روپے کی جائداد ہے اس کی پیداوار سے دو تین ماہ کی معاش و گزران کر سکتا ہے اور باقی مہینے مشقت و مزدوری سے اپنے اوقات بسر کرتا ہے سوائے اس کے کوئی طریقہ نہیں آیا اس پر صدقہ فطر واجب ہے یا نہیں اور اگر اس پر واجب نہ ہو تو جس کی جائداد اتنی ہے کہ اسکی پیداوار سے پورے سال کی معاش ہو سکتی ہے لیکن اس میں سے کچھ بچتا نہیں اس پر بھی واجب نہ ہونا چاہیے کیونکہ ان کے لیے یہ جائداد حوائج ضروریہ میں سے ہے حالانکہ اکثر علماء ان لوگوں کے لیے صدقہ فطر واجب فرماتے ہیں اور حوائج اصلیہ میں سے کون کون چیز ہے؟

(۱) وفيها سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاثة آلاف ولا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة؟ يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ ألفاً وعليه الفتوى وعندهما لا يحل. (شامي، كتاب الزكاة، قبيل مطلب في جهاز المرأة هل تصير به غنية، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۹۶، كراچی ۲/۳۴۸)

سئل محمد بن الحسن عمن له أراضي يزرعها أو حوانيت يستغلها. قال: إن غلتها تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة لا يحل له أخذ الزكاة وهو قول أبي حنيفة، وأبي يوسف وإن كان غلتها لا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة قال محمد: يحل له أخذ الزكاة، وإن كان يبلغ قيمتها ألفاً. (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، من يوضع فيه الزكاة، المجلس العلمي ۳/۲۱۶، رقم: ۲۷۹۷)

لو كان له ضيعة تساوي ثلاثة آلاف ولا يخرج منها ما يكفي له ولعياله اختلفوا فيه قال محمد بن مقاتل: يجوز له أخذ الزكاة. (حاشية على الهندية، كتاب الزكاة، فصل فيمن توضع فيه الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۲۶۶، جديد ۱/۱۶۳)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن من توضع فيه الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند

۲۱۷/۳، رقم: ۴۱۶۹ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: وفي رد المحتار وذكر في الفتاوى فيمن له حوانيت ودور للغلة لكن

غلتها لا تكفيه وعياله أنه فقير ويحل له أخذ الصدقة عند محمد[ؒ] وعند أبي يوسف[ؒ] لا يحل وكذا لوله كرم لا تكفيه غلته ولو عنده طعام للقوت يساوي مائتي درهم فإن كان كفاية شهر يحل أو كفاية سنة قليل لا يحل وقليل يحل لأنه مستحق الصرف إلى الكفاية فيلحق بالعدم وقد اذخر عليه السلام لنسائه قوت سنة (إلى قوله) وفيها سئل محمد[ؒ] عن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاثة آلاف ولا تكفي لنفقتها ونفقة عياله سنة يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ الوفاء وعليه الفتوى وعندهما لا يحل اه ج ۲، ص ۱۰۳، أو ۱۰۴ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے ایک سال کے خرچ کے لیے جائداد کی آمدنی کافی نہ ہو اس کے لیے حل زکوٰۃ میں اختلاف ہے اور امام محمد[ؒ] کے قول جواز پر فتویٰ ہے۔ پس حل زکوٰۃ دلیل ہے اُس کے فقیر ہونے کی اس لیے اس پر صدقہ فطر بھی واجب نہ ہوگا اور جس کے لیے سال بھر کے خرچ کو کافی ہو جاوے اس میں جزیہ نہیں دیکھا مگر قوت دلیل سے اُس کا بھی حکم مثل مذکور معلوم ہوتا ہے وهو قوله لأنه مستحق الصرف الخ۔
(یک محرر ۳۴ھ و تتمہ رابعہ، ص ۶)

(۱) شامی، کتاب الزکاة، باب المصروف، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۲۹۶، کراچی ۲/۳۴۸۔
وسئل محمد بن الحسن[ؒ] عن له أراضي يزرعها أو حوانيت يستغلها. قال: إن غلتها تكفي لنفقتها ونفقة عياله سنة لا يحل له أخذ الزكاة وهو قول أبي حنيفة[ؒ]، وأبي يوسف[ؒ] وإن كان غلتها لا تكفي لنفقتها ونفقة عياله سنة قال محمد[ؒ]: يحل له أخذ الزكاة، وإن كان يبلغ قيمتها الوفاء. (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، من يوضع فيه الزكاة، المجلس العلمي ۳/۲۱۶، رقم: ۲۷۹۷)

لو كان له حوانيت أو دار غلة يساوي ثلاثة آلاف درهم وغلتها لا يكتفي لقوته وقوت عياله يجوز صرف الزكاة إليه عند محمد ولو كان له ضيعة تساوي آلاف درهم ولا يخرج منها ما يكفي له ولعياله اختلفوا فيه قال محمد بن مقاتل: يجوز له أخذ الزكاة.
(خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في أداء الزكاة، مکتبۃ اشرافیہ ۱۱/۲۴۲)

حاشیہ علی الہندیہ، کتاب الزکاة، فصل فیمن توضع فیہ الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند

سنین گزشتہ کی زکوٰۃ میں قدر واجب ہر سال منہا کرنے کا حکم

وجوب حج مانع زکوٰۃ نہیں

سوال (۸۲۶): قدیم ۲/۳۴ - ایک شخص کے ذمہ چند سال کی زکوٰۃ واجب ہے وقت کی ادائیگی کے ہر پورے سال کی زکوٰۃ جو واجب ہے ادا کی جاوے گی یا کچھ منہا واجب سے ہر سال میں ہوگی؟

(۲) اور اگر سال کے اندر ترکہ وغیرہ سے کچھ نقد و مال کا مالک آ کر سال ہوا جس سے کہ حج فرض اس پر ہو گیا اور اس مال پر حولانِ حل ہوا نہیں تو زکوٰۃ اس مال میں سے اداء کرنی واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اوّل پورے مال کی زکوٰۃ واجب ہے اور دوسرے سال اُس قدر واجب کے منہا کرنے کے بعد بقیہ کی واجب ہے و علیٰ ہذا (۱)

← الفتاویٰ التاتارخانیۃ، کتاب الزکاة، الفصل الثامن من توضیح فیہ الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۳، ۲۱۷، رقم: ۱۶۹۶ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) قال فی التنبیہ: وسببہ ملک نصاب حول تام فارغ عن دین لہ مطالب من جهة العباد وقال فی الشرح: سواء كان لله كزكاة وخراج. وفي الشامية: (قوله كزكاة) فلو كان له نصاب حال عليه حولان فلم يزك فيهما لا زكاة عليه في الحول الثاني. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الزكاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۱۷۶-۱۷۴، وکراچی ۲/۲۵۹-۲۶۰)

إذا كان لرجل مائتا درهم أو عشرون مثقال ذهب، فلم يؤد زكاته سنتين يزكي السنة الأولى وليس عليه للسنة الثانية شيء عند أصحابنا الثلاثة وعند زفر: يؤدي زكاة سنتين الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، دين الزكاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۸۶)

رجل له مائتا درهم حال عليها ثلاثة أحوال إلا يوماً ثم استفاد خمسة دراهم يجب عليه الزكاة للسنة الأولى لا غير، ويستقبل الحول حين استفاد الخمسة. (خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة، الفصل الخامس في زكاة المال، مکتبۃ اشرفیۃ دیوبند ۱/۲۳۸)

(۲) وجوب حج مانع زکوٰۃ نہیں ہے پس اگر ابتداء سال میں اُس کے پاس نصاب ہے تو سال کے گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی گو ہر جزو پر حولانِ حول نہ ہو اور گوج واجب ہو گیا ہو۔ (۱)
 ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ (تہذیبی، ص ۵۴)

بھیڑ اور بکری برابر ہونے کی صورت میں ہر ایک قسم سے زکوٰۃ

ادا کر سکتا ہے؟ مگر جو زیادہ ہو اس سے ادا کرنا چاہیے

سوال (۸۲۷): قدیم ۳۵/۲ - سوال اول: فی غایۃ الاوطار بھڑ اور بکری دونوں برابر ہیں نصاب کے پورا کرنے اور قربانی اور سود میں نہ ادائے واجب میں اور قسموں میں۔ حضرت! اس سے معلوم ہوا کہ چالیس بکریوں میں سے ایک بھڑ زکوٰۃ میں نہ لی جاوے گی یا عکس آں۔ پس بندہ کے پاس ایک سو اکیس نصفاً نصف یعنی ہر دو قسم کا نصاب موجود ہے بھڑیں و بکریوں کی زکوٰۃ میں دو بھڑیں دیدی ہیں اور گزشتہ سال میں دو بکریاں دے چکا تھا ابھی اوپر کے مسائل دیکھ کر بالکل آپ کو قصور مند بنایا گیا ہے۔

(۱) إذا أمسكہ لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول، وقد بقي معه منه نصاب فإنہ يزكى ذاك الباقي، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول. (شامي، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، مكتبة زكريا ديوبند ۱۷۹/۳، كراچی ۲۶۲/۲)

قال محمد في الجامع: رجل له مائتا درهم فقيل الحول وجبت عليه حجة الإسلام أو حجة أو جبها أو كفارة أو صدقة من طعام أو عتق أو هدى متعة أو أضحية، ثم تم الحول على المائتين وجبت عليه الزكاة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل العاشر، ما يمنع وجوب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲۳۳/۳، رقم: ۴۲۱۹)

المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل العاشر، بيان منع وجوب الزكاة، المجلس العلمي ۲۲۹/۳، رقم: ۲۸۳۰۔

كل دين لا مطالب له من جهة العباد كالنذر والكفارات والحج لا يمنع وجوب الزكاة. (خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة، الفصل السادس في الديون، مكتبة اشرفية ديوبند

سوال دوم: اگر تیس بکریاں ہوں اور دس بھیڑیں ہوں تو زکوٰۃ میں جو زیادہ قسم ہے اس سے دیا

جاوے یا جو چاہے۔

سوال سوم: اور اگر نصف نصف ہوں تو کیا حکم ہے۔

سوال چہارم: پچاس گائیں ہیں یہ غیر مشترک ہیں اور بیس گائیں مشترک ہیں یعنی اس بیس سے ہر ایک میں آدھا ہے پس دس گائیں یہ بھی ہوئیں یہ دس پچاس میں شمار کی جاویں گی یا نہ۔

سوال پنجم: اور علیحدہ علیحدہ (*) آدمی سے ساٹھ گائیں میں نصف نصف ہے یہ تیس ہوئیں اس صورت میں زکوٰۃ ہوگی یا نہ؟

الجواب: جواب سوال اول: في الدر المختار: باب زكاة الغنم لا في أداء الواجب. وفي رد المحتار؛ لأن النصاب إذا كان ضأنًا يؤخذ الواجب من الضأن ولو معزًا فمن المعز ولو منهما فمن الغالب ولو سواء فمن أيهما شاء جوهره أي فيعطى أدنى الأعلى أو أعلى الأدنى اهـ (۱)

(*) اس کا مطلب یہ سمجھا گیا تھا کہ ساٹھ گائے دو آدمیوں میں مشترک ہیں۔ جواب اسی پر مبنی ہے اور اگر یہ مطلب ہو کہ ساٹھ آدمی آدھی آدھی گائے کے مالک ہیں اور ایک آدمی بقیہ آدھی آدھی کا تو جواب یہ ہے کہ کسی پر زکوٰۃ نہیں۔ ۱۲

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲۰۴/۳، کراچی ۲/۲۸۱۔

إن النصاب إذا كان ضأنًا يؤخذ من الضأن، وإن كان معزًا فمن المعز وإن كان منهما فمن الغالب، وإن كانا سواء فمن أيهما شاء. (الجوهره النيرة، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، دار الكتاب ديوبند ۱/۴۳)

ويؤخذ الزكاة من أغلبها وعند الاستواء يؤخذ أعلى الأدنى وفي أدنى الأعلى الخ. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب صدقة البقر، مکتبۃ زکریا دیوبند ۱/۴۲)

وفي التبيين وعلى هذا البخت والعرب والضأن والمعز الخ. (تبیین الحقائق، کتاب الزکاة، باب صدقة البقر، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۴۲)

كل جنس من الإبل، والبقر، والغنم ينقسم إلى نوعين والغنم أما ضأن وأما معز (إلى قوله) فقد قال الحنفية وإسحاق: إذا اختلف النوعان تجب الزكاة من أكثرهما ←

بناءً بر روایت ہذا کے جب صورت مسئول عنہا میں حسب بیان سائل کے بھیڑیں اور بکر پٹیں دونوں عدد میں برابر ہیں تو اختیار ہے خواہ بکری دیدیں خواہ بھیڑ دیدیں لیکن اگر ادنیٰ قسم دیں تو وہ اپنی صنف میں اعلیٰ ہونا چاہئے، مثلاً اگر بجائے بکری کے بھیڑ دی تو وہ بھیڑ سب بھیڑوں میں اعلیٰ و افضل ہونا چاہئے، اگر افضل نہیں دی گئی تو اس افضل کی قیمت میں جس قدر اس غیر افضل سے بیشی ہوگی اتنی قیمت اب دی جاوے (۱) مثلاً جو بھیڑ دی تھی وہ ایک روپے کی تھی اور ان بھیڑوں میں جو سب سے افضل ہے وہ ڈیڑھ روپیہ کی ہے تو آٹھ آنہ اور مساکین کو بہ نیت زکوٰۃ دیدینا چاہئے۔

جواب سوال دوم: اوپر کی روایت سے اس کا جواب بھی معلوم ہوا کہ اس صورت میں بکری واجب ہے۔ (۲)

← فإن استويا فعند الحنفية يجب الوسط أي أعلى الأدنى أو أدنى الأعلى الخ.
(الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳۰/۲۵۹-۲۶۰)

(۱) والمصدق لا يأخذ إلا الوسط وهو أعلى الأدنى وأدنى الأعلى ولو كله جيداً فحيد وإن لم يجد المصدق وكذا إن وجد فالقيده اتفاقي ما وجب من ذات سن دفع المالك الأدنى مع الفضل وفي الشامية: قوله (مع الفضل) أي ما يزيد من قيمة الواجب على المدفوع الخ.
(الدر المختار مع رد المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مكتبة زكريا ديوبند ۲۱۲/۳-۲۱۳، كراچی ۲/۲۸۶-۲۸۷)

ومن وجب عليه مسن فلم توجد أخذ المصدق أعلى منها ورد الفضل أو أخذ دونها وأخذ الفضل وفي البناية: مثلاً إذا كانت قيمة المسن ثلاثين وقيمة الذي أخذه عشرون يأخذ من رب المال عشرة دراهم الخ. (البناية شرح الهداية، كتاب الزكاة، فصل وليس في الفصلاں والحملان الخ، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۳۴۷)

(۲) إن النصاب إذا كان ضاهاً يؤخذ من الضأن، وإن كان معزاً فمن المعز وإن كان منهما فمن الغالب، وإن كان كانا سواء فمن أيهما شاء. (الجوهرة النيرة، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، دار الكتاب ديوبند ۱/۱۴۳)

ويؤخذ الزكاة من أغلبها وعند الاستواء يؤخذ أعلى الأدنى وفي أدنى الأعلى الخ.
(النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب صدقة البقر، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۲۴۴)

جواب سوال سوم: اور نصفاً نصف میں اختیار ہے مگر اُسی قید سے کہ اعلیٰ کا ادنیٰ یا ادنیٰ کا اعلیٰ جیسا روایت بالا میں گزرا۔

جواب سوال چہارم: چونکہ غیر مشترک بھی بقدر نصاب ہے اس لیے اُن دس کو بھی اُن کے ساتھ شامل کیا جاوے گا۔

في الدر المختار: باب زكوة المال ولا تجب الزكوة عندنا في نصاب مشترك (إلى قوله) ولو بينه وبين ثمانين رجلاً ثمانون شاة لا شيء عليه؛ لأنه مما لا يقسم خلافاً للثاني. وفي رد المحتار قوله في نصاب مشترك المراد أن يكون بلوغه النصاب بسبب الاشتراك وضم أحد المالكين إلى الآخر بحيث لا يبلغ مال كل منهما بإنفاده نصاباً قوله ولو بينه في التجنيس ثمانون شاة بين أربعين رجلاً لرجل واحد من كل شاة نصفها والنصف الآخر للباقيين ليس على صاحب الأربعين صدقة عند أبي حنيفة وهو قول محمد ولو كانت بين رجلين تجب على كل واحد منهما شاة لأنه مما يقسم في هذه الحالة وفي الأولى لا يقسم آه أي؛ لأن قسمة كل شاة بينه وبين من شاركه فيهما لا يمكن إلا بإتلافها بخلاف قسمة الثمانين نصفين. (۱)

جواب سوال پنجم: ہوگی۔ لما مر من الرواية آنفاً.

۲۷/۲ ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولی، ص ۵۴)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲۳۶-۲۳۵/۳، کراچی ۲/۲-۳۰۴-۳۰۵۔

ولو كانت السوائم بين اثنين فبلغ نصيب واحد نصاباً دون الآخر تجب عليه دون صاحبه وفي شرح الطحاوي: فإن كان نصيب كل واحد منهما على الإنفراد يبلغ نصاباً كاملاً تجب الزكاة وإلا فلا وفي الخانية: ولو كان الثمانون بين أربعين رجلاً لرجل منهم من كل شاة نصفها ونصف الباقي بين تسعة وثلاثين رجلاً ليس على الأربعين صدقة وهو قول محمد هكذا روي عن أبي يوسف في الكتاب وفي شرح الطحاوي: وهو قول أبي حنيفة وزفر؛ لأنه لا يقسم ولا كذلك إذا كان بينه وبين رجل واحد؛ لأن ذلك مما يقسم، وكذلك إذا كانت بينه وبين شيء نفراً ستون بقرة الخ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة،

زکوٰۃ سوائم میں تکمیل نصاب کے معنی اور بہشتی گوہر کی عبارت

کی تحقیق جو اس کے خلاف معلوم ہوتی ہے

سوال (۸۲۸): قدیم ۲/۳۶ - آپ نے جو پہلے تحریر مسئلہ متنازع فیہا میں کی تھی وہ یہ ہے؟

الجواب: (*) تکمیل نصاب میں برابر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اگر ہر واحد کم ہو تو تب بھی یوں نہ کہیں گے کہ نصاب پورا نہیں ہوا۔ نصاب کو کامل کہیں گے اور یہ عام ہے نصاب سے زائد کو بھی پس جب ہر شریک کے ۸۰-۸۰ ہیں تو ۸۰ کو دو نصاب نہ کہیں گے۔ لہذا ہر شریک پر ایک شاة لازم ہے ادنیٰ سے اعلیٰ یا اعلیٰ سے ادنیٰ۔ دوم مشترک کا تو اعتبار ہی نہیں ہر شریک کی (۴۰×۴۰) دونوں چیزیں ہیں۔ پس ۸۰ ہوئے پس ایک جانور ایک شریک پر واجب ہوا۔ کتبہ اشرف علی ۱۸ محرم ۱۳۲۹ھ

اور بہشتی گوہر میں اس طرح مرقوم ہے:۔ زکوٰۃ کے بارے میں بکری بھیڑ سب یکساں ہیں خواہ بھیڑ دُم دار ہو جس کو دُنبہ کہتے ہیں یا معمولی ہو۔ اگر دونوں کا نصاب پورا ہو تو دونوں کی زکوٰۃ علیحدہ دی جائے گی اور اگر ہر ایک کا نصاب تو پورا نہ ہو مگر دونوں کے ملا لینے سے نصاب پورا ہو جاتا ہے تو دونوں کو ملا لیں گے اور جو زیادہ ہوگا تو زکوٰۃ میں وہی دیا جائے گا۔ پس بندہ کی فہم اور اس طرف کے علماء کے دھیان میں دونوں میں اختلاف واقع ہے یعنی پہلی تحریر سے ۴۰ بکری اور ۴۰ بھیڑ پر ایک شاة ثابت ہوتی ہے اور عبارت ”بہشتی گوہر“ سے دو شاة ثابت ہوتی ہیں، پس اگر عبارت ”بہشتی گوہر“ کے یہ معنی مقصود ہے۔

(*) اس جواب کی نقل نہ رکھی گئی تھی: اس لئے مستقلاً اس مجموعہ میں پہلے یہ جواب منقول نہیں ہوا۔ ۱۲ منہ

← خانیۃ علی الہندیۃ، کتاب الزکاة، فصل فی صدقة الحمالان والفصلان الخ، مکتبۃ زکریا

دیوبند قدیم ۱/۲۴۸، جدید ۱/۱۵۳۔

وفي نوادر هشام في ثمانين شاة بين أربعين رجلاً لرجل واحد من كل شاة نصفها والنصف الآخر من الشاة لهؤلاء الباقيين. قال أبو حنيفة ليس على صاحب الأربعين صدقة وهو قول محمد، ولو كان بين رجلين يجب على كل واحد منهما شاة؛ لأنه مما يقسم في هذه المسألة وفي المسألة لا يقسم الخ. (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثاني عشر في صدقات الشركاء، المجلس العلمي ۳/۲۴۳، رقم: ۲۸۵۵) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یعنی اگر زید کے پاس صرف بکریوں کا نصاب ہوگا تو اس کی زکوٰۃ دی جائے گی اور اگر بھیڑ کا نصاب پورا ہوگا تو اس کی زکوٰۃ دی جائے گی، یعنی انفرادی حالت میں۔ پس پہلی تحریر اور اس عبارت ”بہشتی گوہر“ کی میں اور تحریر مولانا عزیز الرحمن صاحب اور مولانا خلیل احمد صاحب کی میں کچھ اختلاف نہیں ہے اور اگر اس عبارت رسالہ سے دو شاة لازم مقصود ہے تو اختلاف ہوا۔ پس معروض ہے کہ آن صاحب اپنے دستخطی الفاظوں سے عودا رقم فرمادیں کہ بندہ کا یہی باعث تصدیق دینے کا ہے۔

الجواب: ظاہر عبارت بہشتی زیور سے جو مطلب مفہوم ہوتا ہے واقع میں وہ میری تحریر کے خلاف ہے؛ چونکہ تلخیص علم الفقہ کے وقت اس پر مفصل نظر نہیں کی گئی اس لیے ایسا ہوا۔ اب میری اس تحریر کو میری تحقیق سمجھی جاوے، بہشتی گوہر کو میری تحقیق نہ سمجھی جاوے۔ فقط

۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ، ص ۵۵)

طلباء علم دین پر زکوٰۃ خرچ کرنے کی افضلیت اگرچہ وہ دُور ہوں

سوال (۸۲۹): قدیم ۲/۳۷۔ مال زکوٰۃ و صدقہ فطر و قیمت چرم قربانی اپنے قرب و جوار کے فقراء اور مساکین کو دینے میں افضلیت ہے یا دوسری جگہ کے اسلامی مدارس میں زیادہ مستحق کون ہے اور زیادہ ثواب کس کے دینے میں ہے۔ اگر اپنے قرب و جوار کے فقراء و مساکین کو نہ دے اور اسلامی مدارس میں بھیجے تو کسی قسم کا گناہ حق تلفی ہے یا جائز؟

الجواب: في الدر المختار باب المصروف و كره نقلها إلا إلى قرابته أو أحوج أو أصلح أو أروع أو أنفع للمسلمين أو من دار الحرب إلى دار الاسلام أو إلى طالب علم. وفي المعراج التصديق على العالم الفقير أفضل وفي رد المحتار أي من الجاهل الفقير قهستانی ج ۲، ص ۱۱۰ (۱)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ طالب علموں کو دینا زیادہ افضل ہے اگرچہ وہ دُور ہوں۔

۵/محرم الحرام ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ، ص ۵۶)

اشرفیوں کی زکوٰۃ وزن کر کے دی جاوے یا اُن کو روپیہ

سمجھ کر روپیہ کی زکوٰۃ دی جاوے

سوال (۸۳۰): قدیم ۲/۳۸ - (۱) اگر کسی کے پاس اشرفیاں ہوں تو اُن کی زکوٰۃ اس

طرح ادا کی جائے کہ اُن کو وزن کر کے اُن کا چالیسواں حصہ جس قدر نکلے اُس کی قیمت دی جائے (۱)

← لو نقلها إلى فقير في بلد آخر أو روع وأصلح كما فعل معاذ لا يكره؛ ولهذا قيل: التصديق على العالم الفقير أفضل الخ. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصروف، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۳۶، كوئٹہ ۲/۲۵۰)

النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب المصروف، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۶۹ -

وكره نقلها بعد تمام الحول إلى بلد آخر إلا إلى قريبه أو أحوج أو أصلح أو أروع وأنفع للمسلمين من أهل بلده أو إلى طالب علم الخ. (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب المصروف، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۳۳۳)

وكره نقلها بعد تمام الحول لبلد آخر لغير قريب وأحوج وأروع وأنفع للمسلمين بتعليم (مراقبي الفلاح) وفي هامشه: قال في المعراج: التصديق على العالم الفقير أفضل أي من الجاهل الفقير. (طحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الزكاة، باب المصروف، دار الكتاب ديوبند ص: ۷۲۲)

التصدق على الفقير العالم أفضل من التصديق على الجاهل كذا في الزاهدي. (هندية، كتاب الزكاة، باب المصروف، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۱/۸۷، جدید ۱/۲۴۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) جاز دفع القيمة في زكاة، وتحتة في الشامية: ثم إن هذا مقيد بغير المثلي فلا تعتبر القيمة في نصاب كيلی أو وزنی..... وهذا إذا أدى من جنسه وإلا فالمعتبر هو القيمة اتفاقاً. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم قبيل مطلب محمد إمام في اللغة، ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، فصل إذا كانت الخيل الخ، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۳۰۰)

المال الذي تجب فيه الزكاة إن أدى زكاته من خلاف جنسه أدي قدر قيمة الواجب ←

اور قیمت بھی کھرے سونے کی لگائی جاوے یا جیسا کہ اس کا ناقص سونا ہے اور بازار میں اس کے دام ملتے ہیں یا اس طرح کہ فی اشرفی پندرہ روپے قائم کر کے جس قدر حساب سے نکلے اس کے موافق دی جاوے؟ (۱)

(۲) مدارس میں زکوٰۃ کاروبار دوسری مدت کے ساتھ خلط کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟

(۳) اور ایک مد کا دوسرے مد کے ساتھ مطلقاً بھی خلط جائز ہے یا نہیں۔ قاضی خان میں فی باب اداء الزکوٰۃ ناجائز لکھا ہے (۲) اکثر مدارس میں اسی طرح ہوتا ہے۔ مد زکوٰۃ کے سوا اور مدت کا تو خلط ہوتا ہی ہے اور بعض جگہ مد زکوٰۃ کا بھی خلط۔

← إجماعاً (وقوله) ويجوز دفع القيم في الزكاة عندنا الخ. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب الخ، ومسائل شتى، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۸۰-۱۸۱، جديد ۱/ ۲۴۲-۲۴۳)

(۱) فی اشرفی پندرہ روپے زکوٰۃ میں نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرتؑ کے زمانہ میں ایک اشرفی کی قیمت چھ سو روپے تھی اور زکوٰۃ دینے میں ہزار میں ۲۵/۲۵ روپے کا حساب ہوتا ہے، تو چھ سو روپے کی زکوٰۃ پندرہ روپے ہوتے ہیں، جو فقہاء کے اس طرح کے جزئیات سے ثابت ہوتا ہے:

عن عليؑ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا عليؑ! إني عفوت عن صدقة الخيل ولكن هاتوا ربع العشر من كل مائتي درهم خمسة درهم ومن كل عشرين ديناراً نصف دينار وليس في مائتي درهم شيء حتى يحول عليها الحول، فإذا حال عليها الحول ففيها خمسة دراهم، فما زاد ففي كل أربعين درهماً درهم. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الزكاة، باب صدقة العين، دار الكتب العلمية بيروت ۴/ ۸۹، رقم: ۷۰۷۷)

عن ابن عمرؓ وعائشةؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يأخذ من كل عشرين ديناراً فصاعداً نصف دينار ومن الأربعين ديناراً. (سنن ابن ماجة، أبواب الزكاة، باب زكاة الورق والذهب، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۸، دار السلام رقم: ۱۷۹۱)

لیس فیما دون عشرين مثقالاً من ذهب صدقة فإذا كانت عشرون مثقالاً ففيها نصف مثقال الخ. (هدایہ، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، فصل فی الذهب، مکتبۃ اشرفیہ دیوبند ۱/ ۱۹۵)

(۲) رجلان دفع کل واحد منهما زكاة ماله إلى رجل لیؤدی عنه فخلط مالهما ثم تصدق ضمن الوکیل مال الدافعين وكانت الصدقة عنه. (حانیۃ علی الہندیۃ، کتاب الزکاۃ، فصل فی اداء الزکاۃ، مکتبۃ زکریا قديم ۱/ ۲۶۱، جديد ۱/ ۱۶۰)

الجواب: دونوں طرح درست ہے۔ (۳۲) باذن معطین درست ہے۔ (۱)

۱۴ صفر المظفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولی، ص ۵۸)

تبدیل حول زکوٰۃ میں ایک اشکال

سوال (۷۳۶): قدیم ۲/۳۸ - ایک شخص کے پاس یکم جمادی الاولیٰ کو تین سو روپے تھے آٹھ مہینے میں ۳۰/ ذی الحجہ تک بذریعہ تجارت ایک سو روپے اس کو نفع ہوا اب اس کے پاس چار سو روپے ہیں چاہتا ہے کہ یکم محرم سے اپنے کاغذات سالانہ ترتیب وار کرے اب اس آٹھ مہینے کی زکوٰۃ وہ کتنے روپے اداء کرے براہ کرم جواب سے ممتاز فرمادیں؟

الجواب: اس میں ایک خرابی ہوگی وہ یہ کہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اُس مقدار پر جو وقت حولانِ حول کے موجود (۱) ہو تو صورت مسئلہ میں فرض کیجیے حولانِ حول ہوا۔ ۳۰ ربیع الثانی کو اور فرض کیجیے کہ

(۱) ولو خلط زکاة مو کلیہ ضمن و کان متبرعاً (الدر المختار) وفي الشامية: إذا وجد الإذن أو أجاز المالکان أي أجاز قبل الدفع إلى الفقير أو وجدت دلالة الإذن بالخلط كما جرت العادة بالإذن من أرباب الحنطة بخلط ثمن الغلات ويتصل بهذا العالم إذا سأل للفقراء شيئاً و خلط يضمن، قلت و مقتضاه أنه لو وجد العرف فلا ضمان لوجود الإذن حينئذٍ دلالة والظاهر أنه لا بد من علم المالک بهذا العرف ليكون إذنا منه دلالة. (شامي، کتاب الزکاة، مطلب في زکاة ثمن المبيع وفاءً، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۸۸، کراچی ۲/۲۶۹)

إذا دفع الرجلان إلى رجل كل واحد منهما دراهم ليتصدق بها عن زکاة ماله فخلط الدراهم قبل الدفع ثم دفع فهو ضامن إلا إذا جدد الإذن أو أجاز المالکان فحينئذٍ يجوز أو وجدت دلالة الإذن بالخلط كما جرت العادة بالإذن من أرباب الحنطة يغلط ثمن الغلات. (الفتاوى التاتارخانية، کتاب الزکاة، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطي الزکاة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۲۹، رقم: ۴۲۰۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) ذهب الحنفية إلى أنه يضم كل ما يأتي في الحول إلى النصاب الذي عنده فيزكيهما

جميعاً عند تمام حول الأول الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية، كتاب الزکاة ۲۳/۲۴۴) ←

اس وقت روپیہ زائد ہوا اور جب اس نے یکم محرم سے حساب رکھا تو ۳۰ ذی الحجہ کو جتنا روپیہ ہوگا زکوٰۃ اُس کی دے گا تو اگر اس وقت کم ہوا تو زکوٰۃ میں کمی رہے گی اور ہر سال ایسا ہی احتمال رہے گا۔

۲۵ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ، ص ۱۰۱)

ادائے زکوٰۃ میں کوئی شرط فاسد لگا دی تو زکوٰۃ میں خلل نہیں وہ شرط لغو ہے

سوال (۷۳۷): قدیم ۳۹/۲ - السلام علیکم - زکوٰۃ دہندہ اپنے ہی غریم کو بایں شرط مال زکوٰۃ دے کر غریم اس مال کو زکوٰۃ دہندہ کو فوراً واپس دیدے اس صورت میں زکوٰۃ اداء ہوگی یا نہیں کیونکہ اول تو شرط واپسی مال ہے دوسرے غریم اس صورت میں مالک کامل نہیں ہو سکتا۔ تیسرے بالواسطہ بھی نہیں اور غریم کا ذرا بھی اعتبار نہیں کیا جاتا اور یہ معاملہ شرط بالموجہ ہوتا ہے؟

الجواب: وعلیکم السلام۔ ایسی شرط بوجہ اس کے کہ تصدیق تبرعات سے ہے خود باطل ہو جاوے گی اُس سے ادائے زکوٰۃ میں کوئی فساد لازم نہ آوے گا (۱)

← ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول ما لا من جنسه ضمه إلى ماله وزكاه سواء كان المستفاد من نمائه أو لا وبأي وجه استفاده ضمه سواء كان بميراث أو هبة أو غير ذلك . (الجوهرة النيرة، كتاب الزكاة، باب زكاة الخيل، دار الكتاب ديوبند ۱/۴۵)

الفتاوى الهندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفاتها وشرائطها، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۱۷۵، جديد ۱/۲۳۷ -

ويضم مستفاد من جنس نصاب إليه والمراد بالضم أن تجب الزكاة في الفائدة عند تمام على الأصل. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، فصل في الغنم، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۸۸، كوئٹہ ۲/۲۲۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) وما لا يبطل بالشروط الفاسدة ستة وعشرون، الطلاق، والخلع بمال وبغير مال والرهن والقرض والهبة والصدقة والوصاية والوصية (وقوله) وكذا الهبة والصدقة والكتابة بشرط متعارف وغير متعارف يصح ويبطل الشرط. (الفتاوى الهندية، كتاب الهبة، الباب الثامن

في حكم الشرط في الهبة، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۴/۳۹۶، جديد ۴/۴۲۲) ←

اور یہ شبہ کہ غریم مالک کامل نہ ہو گا غلط ہے۔ مالک تو کامل ہو اگر اُس تملیک میں ایک شرط کر لی ہے جس کا اثر اُس تملیک میں کچھ نہیں۔ بخلاف حیلہ متعارفہ کے کہ اُس میں فی الواقع محض صورتِ ملک ہے حقیقت ملک نہیں۔ لیکن تاہم اولیٰ یہ ہے کہ ایسی شرط بالکل نہ کی جاوے کیونکہ شرط تو خود فاسد ہی ہے بلکہ بلا شرط اُس کو مالک بنا دیا جاوے جب وہ مالک ہو جاوے اُس سے اپنا قرض مانگے اگر وہ نہ دے جبراً اس سے وصول کر لینا جائز ہے (۱) اور اگر شبہ ہو کہ شاید اُس پر اتنی قدرت نہ ہو جواب یہ ہے کہ جب قدرت ہی نہیں تو اگر شرط لگانے کے بعد بھی وہ نہ دے گا تو اس صورت میں کیا کیا جاوے گا۔ پس اشتراط اور عدم اشتراط دونوں حالتیں یکساں ہوں گی۔

۲۸/ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ، ص ۱۳۲)

← الشانی: أي ما لا يفسد بالشروط الفاسد القرض والهبة والصدقة والرهن والإيضاء والوصية. (شرح المحلة لسليم رستم باز، مكتبة اتحاد ديوبند ۱/۵۵، رقم: ۸۳)

والقاعدة المقررة: أن الشروط الفاسد لا يبطل عقود التبرعات والتوثيقات والزواج؛ بل العقد صحيح والشروط لغو باطل فالحيلة إذن لا تبطل بالشروط الفاسدة. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، كتاب الهبة، مسألة استثناء ما في البطن، المكتبة الأشرفية ديوبند ۴/۶۸۹)

الفقه الإسلامي وأدلته، الهبة، شروط الهبة، مكتبة اشرفية ديوبند ۴/۶۸۹۔

(۱) وأداء الدين عن العين وعن دين سيقبض لا يجوز وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه، ولو امتنع المديون مديده وأخذها لكونه ظفر بجنس حقه. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۹۰-۱۹۱، كراچی ۲/۲۷۰-۲۷۱)

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاة، دارالکتاب دیوبند
ص: ۷۱۵-۷۱۶۔

ومن له على فقير دين وأراد جعله عن زكاة العين فالحيلة أن يتصدق عليه، ثم يأخذها منه عن دينه وهو أفضل من غيره ولو امتنع المديون من دفعه له مديده وأخذها؛ لكونه ظفر بجنس حقه الخ. (الأشباه والنظائر، الفن الخامس، الحيل، الفصل الثالث في الزكاة، مكتبة زكريا

کرایہ یا تجارت کی کشتی پر زکوٰۃ کا حکم

(۱) سوال (۸۳۳): قدیم ۲/۳۹ - ہر سفینہ کہ برائے کرایہ است یا برائے تجارت ست

آں راز زکوٰۃ واجب است یا نہ۔ بینواتو جروا؟

(۲) الجواب: دریں دو صورت است یکے آنکہ ازیں سفینہ کرایہ حاصل کردہ شود و این مثل حانوت

کرایہ است کہ زکوٰۃ بر آں حانوت واجب نیست۔ (۳) دوم آنکہ ہر گاہ ایں سفینہ خریدہ بود نیت کردہ بود

← لا يتأدى بالدين زكاة العين ولا زكاة دين آخر والحيلة في ذلك أن يتصدق صاحب المال على الغريم بمثل ماله عليه من المال العين ناويا عن زكاة ماله ويدفعه إليه فإذا قبضه الغريم ودفعه إلى صاحب المال قضاء بما عليه من الدين يجوز فإن خاف الطالب أنه لو دفع مقدار الدين إلى الغريم يمتنع عن قضاء الدين فلا ينبغي له أن يخاف من ذلك؛ لأنه يمكنه أن يمدّده ويأخذ ذلك منه؛ لأنه قد ظفر بجنس حقه الخ. (هندية، كتاب الحيل، الفصل الثالث في مسائل الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۶/۳۹۱، جدید ۶/۳۹۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) ترجمہ سوال: ہر وہ کشتی جو کرایہ کے واسطے ہے یا ہر وہ کشتی جو تجارت کے واسطے ہے اس پر زکوٰۃ

واجب ہے یا نہیں؟

(۲) ترجمہ جواب: اس میں دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ کشتی کرایہ حاصل کرنے کے واسطے ہے،

تو ایسی کشتی کرایہ کی دوکان کی طرح ہے کہ جس طرح کرایہ کے دوکان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے، اس پر بھی نہیں۔ دوسرا یہ کہ ہر وہ کشتی جو خریدتے وقت کسی خریدار کے ہاتھ فروخت کرنے کے ارادے سے خریدا تھا تو وہ کشتی مال تجارت کے حکم میں ہے اور مال تجارت پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۳) ولا في ثياب البدن وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها (الدر المختار) وفي

حاشية الطحطاوي: قوله: ونحوها كحوانيت وخانات يستغلها الخ. (حاشية الطحطاوي على

الدر المختار، كتاب الزكاة، كونه ۱/۳۹۲)

ولو اشترى قدوراً من صفر يمسكها أو يواجرها لا تجب فيها الزكاة كما لا تجب ←

کہ بدست خریدارے فروخت خواہم کرو پس اس مال تجارت است و بر مال تجارت زکوٰۃ واجب است۔ (۱)
۱۰/ رمضان ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ، ص ۱۶۲)

← فی بیوت الغلة. (خانیة علی الہندیة، کتاب الزکاة، فصل فی مال التجارة، مکتبۃ زکریا دیوبند قدیم ۱/ ۲۵۱، جدید ۱/ ۱۵۵)

الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الزکاة، الفصل الثالث فی بیان زکاة عروض التجارة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/ ۱۶۹، رقم: ۴۰۱۷۔

لا تجب الزکاة فی أعیان العمائر الاستغلا لية والمصانع والسفن والطائرات وما أشبهها؛ بل تجب فی صافی غلتها عند توافر شروط النصاب وحولان الحول. (موسوعة الفقه الإسلامی والقضايا المعاصرة، المبحث الخامس: الزکاة فی العمارات والمصانع، مکتبۃ اشرفیة دیوبند ۲/ ۷۷۵، الفقه الإسلامی وأدلته، المبحث الخامس، کتاب الزکاة، فی العمارات والمصانع، مکتبۃ اشرفیة دیوبند ۲/ ۷۷۵)

(۱) عن سمرة بن جندب قال: أما بعد! فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي نعد للبيع. (سنن أبي داود، کتاب الزکاة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها من زکاة، النسخة الہندیة ۱/ ۲۱۸، دار السلام رقم: ۱۵۶۲)

الزکاة واجبة فی عروض التجارة کائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصاباً من الورق والذهب. (الہندیة، کتاب الزکاة، الباب الثالث فی زکاة الذهب، الفصل الثاني فی العروض، مکتبۃ زکریا دیوبند قدیم ۱/ ۱۷۹، جدید ۱/ ۲۴۱)

الزکاة واجبة فی عروض التجارة، وفي المضمرات يريد بالعروض ما خلا الذهب والفضة والسوائيم. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الزکاة، الفصل الثالث فی بیان زکاة عروض التجارة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/ ۱۶۴، رقم: ۳۹۹۹)

والأصل أن ما عدا الحجرين والسوائيم إنما يزکی بنية التجارة. (الدر المختار علی رد المختار، کتاب الزکاة، قبیل باب السائيم، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/ ۱۹۴، کراچی ۲/ ۲۷۳)

سونے چاندی کو حساب زکوٰۃ میں باہم ملانے کی صورت

(۱) سوال (۸۳۴): قدیم ۲/۳۹ - اگر نزد کسے بعد حولان حول دو صد پنچ درہم و ہفت مثقال ذہب موجود باشد برآں کس بہ حسب مذہب امام یا حکیم ہی باشد کہ بجز پنچ درہم کہ زکوٰۃ دو صد درہم است چیزے دیگر واجب نباشد زیرا کہ پنچ درہم کہ از نصاب فضہ افزودہ باشد خمس نصاب نمی رسد و ہفت مثقال ذہب ناقص از نصاب ست یا قیت ذہب با کسر فضہ یعنی باقی من نصاب الفضہ منضم شدہ بحساب خمس درآں ہم زکوٰۃ واجب باشد؟

الجواب: في الدر المختار من ذهب أو ورق مقوماً بأحد هما فلو أحدهما أروج تعين التقويم به ولو بلغ بأحد هما نصاباً دون الآخر تعين ما يبلغ به الخ وفي رد المحتار عن البحر والنهر عن المحيط من أنه لا تضم أحد الزياتين إلى الأخرى (إلى قوله) وعندهما تضم لوجوبها في الكسور وبعد باسطر ان السروجي نقل عن المحيط الخلاف بالعكس ۲/ ۲۸ - ۴۹. (۲)

(۱) خلاصہ ترجمہ سوال: اگر کسی کے پاس حولان حول کے بعد دو سو پنچ درہم چاندی اور سات مثقال سونا موجود ہو، تو ایسے شخص پر امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق زکوٰۃ واجب ہے نیز یہی حکم ہے کہ پنچ درہم کے علاوہ دو سو درہم چاندی پر زکوٰۃ واجب ہے۔

دوسری کوئی چیز واجب نہیں؛ اس لئے کہ جو پنچ درہم ہیں وہ چاندی کے نصاب سے زائد ہے جو کہ نصاب کے پانچویں حصہ تک نہیں پہنچتا اور سات مثقال سونا نصاب سے کم ہے یا سونے کی قیمت کو چاندی کے کسر کے ساتھ ملا جائے یعنی چاندی کے نصاب سے مابقیہ جو کسر ہے یعنی بچا ہوا ہے، اس میں پانچویں حصہ کے حساب سے ملا لیا جائے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے (اور یہاں پانچواں حصہ نہیں)

جواب کا ترجمہ: ان روایات کی بناء پر سونے کو چاندی کے ساتھ ملا کر قیمت لگائی جائے، پھر اس کے مجموعہ میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور زیادتی کی معافی کے بارے میں اختلاف ہے اور احتیاط قول وجوب پر ہے۔

(۲) الدر المختار مع رد المختار، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ المال، مکتبہ زکریا دیوبند

۲۲۸/۳ - ۲۲۹ - ۲۳۰، کراچی ۲/ ۲۹۸ - ۲۹۹ - ۳۰۰۔

وفي عروض تجارة بلغت قيمتها نصاب ورق أو ذهب (كنز) وفي البحر: وأشار بقوله ورق أو ذهب إلى أنه مخير إن شاء قومها بالفضة وإن شاء بالذهب وفي النهاية: لو كان ←

وفي رد المحتار: عن البدائع أن ما ذكر من وجوب الضم إذا لم يكن كل واحد منهما نصاباً بأن كان أقل الخ ٢/ ٥٣. (١)

بناء بریں روایات ذہب را بقضہ مقوم کردہ در مجموعہ زکوٰۃ واجب خواہد شد و در غنوزیادت اختلاف است واحوط وجوب ست۔

۱۶/ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ (تمہ ثانیہ، ص ۱۶۵)

← تقويمه بأحد النقيدين يتم النصاب وبالأخر لا فإنه يقوم به بما يتم به النصاب بالاتفاق. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ٢/ ٣٩٨-٣٩٩، كوثته ٢/ ٢٢٨-٢٢٩) وذكر في المحيط: ولا يضم إحدى الزياتين إلى الأخرى لیتم أربعين درهما أو أربعة مثاقيل عند أبي حنيفة؛ لأنه لا تجب الزكاة في الكسور عنده وعندهما يضم لأنها تجب في الكسور (البحر) وفي منحة الخالق: ذكر بعض المحشين عن حاشية الزيلعي لمير غني إن المذکور في غاية السروجي عن المحيط أنه تضم إحدى الزياتين إلى الأخرى عنده ولا تضم عندهما عكس ما نقله هنا من ذكر الخلاف. (البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ٢/ ٣٩٥، كوثته ٢/ ٢٢٧)

ثم في تقويم عروض التجارة التخيير يقوم بأيهما شاء من الدراهم والدنانير إلا إذا كانت لا تبلغ بأحدهما نصاباً فحينئذ تعين التقويم بما يبلغ نصاباً. (هندية، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب، الفصل الثاني في العروض، مكتبة زكريا ديوبند قديم ١/ ١٧٩، جديد ١/ ٢٤١) وفي المحيط: ولا يضم إحدى الزياتين إلى الأخرى يتم أربعين درهما أو أربعة مثاقيل عند الإمام؛ لأنه لا زكاة في الكسور وقال: يضم. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ١/ ٤٣٧)

(١) شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ٣/ ٢٣٤، كراچي

٢/ ٣٠٣۔

بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، مقدار الواجب فيه، مكتبة زكريا ديوبند ٢/ ١٠٨۔

إن وجوب الضم إذا لم يكن كل واحد منهما نصاباً بأن كان أقل فأما إذا كان كل واحد منهما نصاباً ولم يكن زائداً عليه لا يجب الضم. (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ٢/ ٤٠١، كوثته ٢/ ٢٣٠) شبير احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

چندہ وصول کرنے والوں کو رقم زکوٰۃ دیدینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی

سوال (۸۳۵): قدیم ۲/۴۰ - کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مدارس کی طرف سے جو لوگ مصلین چندہ ہیں ان کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جاتی ہے۔؟

الجواب: نہیں۔ (۱)

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (حوادث اولیٰ، ص ۱۹)

(۱) ولا یخرج عن العہدۃ بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار علی رد المختار، کتاب الزکاۃ، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۱۸۹، کراچی ۲/۲۷۰)
لا یخرج بالعزل عن العہدۃ بل لابد من التصدق بہ الخ. (النہر الفائق، کتاب الزکاۃ، مکتبۃ زکریا دیوبند ۱/۴۱۹)

أنہ لا یخرج بعزل ما وجب عن العہدۃ بل لابد من الأداء إلى الفقیر. (البحر الرائق، کتاب الزکاۃ، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۳۶۹، کوئٹہ ۲/۲۱۱)

یہ جزئیات حضرت والا تھانویؒ کے جواب کے مطابق نقل کر دیئے گئے ہیں۔ اب اس مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے کہ مہتمم اور سفراء بالاتفاق معطین زکوٰۃ دہندگان کے وکیل ہیں، سوال یہ ہے کہ طلبہ اور فقراء کے بھی وکیل ہیں یا نہیں؟ تو اگر طلبہ و فقراء کے وکیل تسلیم نہ کئے جائیں اور صرف معطین ہی کے وکیل تسلیم کئے جائیں تو حسب ذیل مشکلات پیش آجائیں گے:

(۱) مال زکوٰۃ جب تک مصرف میں خرچ نہ ہوگا، اس وقت تک معطین کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور ان پر فریضہ زکوٰۃ بدستور باقی رہے گا۔

(۲) اگر بلا تعدی ہلاک ہو جائے تو تاوان بھی لازم نہ ہوگا۔

(۳) جن مدارس میں زکوٰۃ کئی کئی سال خرچ ہوئے بغیر جمع رہتی ہے، اگر بقدر نصاب ہے تو ان کے معطین پر دوبارہ ان سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن ۱۶۹/۴، تحت سورۃ توبہ: ۶۰ میں یہی مسئلہ لکھا تھا کہ مہتمم و سفراء طلبہ اور فقراء کے وکیل نہیں ہیں؛ لیکن بعد میں ۵/۵ ذی قعدہ ۱۳۹۵ھ کو امین اشرف متعلم شعبۂ افتاء دارالعلوم کراچی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے صاف الفاظ میں اپنے سابق فتویٰ سے رجوع کا اعلان فرمایا ہے اور تمام اکابر کے اس فتویٰ کو تسلیم کر لیا ہے، جس میں مہتمم اور اس کے مامور کردہ افراد کو فقراء اور مستحقین کا وکیل ثابت کیا گیا ہے کہ مال زکوٰۃ ان کے قبضہ میں آنے کے بعد معطین کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۳۸۸/۴) ←

← نیز ہمارے اکثر اکابر اہل فتاویٰ نے مہتمم اور ذمہ داران مدرسہ اور ان کے مامور افراد کو معطیین اور طلبہ دونوں کا وکیل تسلیم کیا ہے، طلبہ کے وکیل ہونے کی وجہ سے معطیین اور دہندگان کی زکوٰۃ، مہتمم اور اس کے ماتحتی لوگوں کے قبضہ کرنے پر اسی وقت ادا ہو جاتی ہے؛ لہذا اگر طلبہ پر خرچ ہونے سے قبل بلا تعدی ہلاک ہو جائے تو معطیین کے وکیل اور امین ہونے کی وجہ سے تاوان لازم نہ ہوگا اور طلبہ کے وکیل کی وجہ سے معطیین کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اور اگر کسی مدرسہ میں کئی سال کی رقم جمع شدہ ہے تو ان پر دوبارہ زکوٰۃ بھی لازم نہ ہوگی؛ کیونکہ شخص حقیقی کی ملکیت تامہ نہیں ہے۔

حضرت اقدس فقیہ العصر مولانا خلیل احمد محدث سہارن پوری فرماتے ہیں کہ اہل مدرسہ بیت المال کے عمال کے مثل ہیں اور طلبہ کی طرف سے کلاء ہیں؛ لہذا نہ ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور نہ ہی معطیین زکوٰۃ واپس لے سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ خلیلیہ ۱/۳۱۹)

یہی مضمون فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے فتاویٰ محمودیہ میں نقل فرمایا ہے کہ جب طلبہ نے مہتمم کے اہتمام اور قوانین اور انتظام کو تسلیم کر کے داخلہ لیا ہے تو گویا یوں کہلایا کہ آپ ہمارے وکیل ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈبھیل ۹/۵۱۳، قدیم ۱۲/۲۱۸)

حضرت گنگوہیؒ نے بھی صاف الفاظ میں مہتمم کو طلبہ کا وکیل قرار دیا ہے، تذکرۃ الرشید ۱/۱۶۴، حاشیہ فتاویٰ خلیلیہ ۱/۳۲۰۔

اور حضرت تھانویؒ نے بھی امداد ترتیب قدیم مطبوعہ رحیمیہ میں حضرت مولانا خلیل احمد کے مذکورہ جواب تحریر فرمایا جس سے شبہ باقی نہیں رہتا۔ (مستفاد: امداد قدیم ۴/۲۱۸)

اور امداد الفتاویٰ جدید ۳/۳۱۵-۳۱۶ میں بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے، فتاویٰ قاسمیہ ۱۱/۱۸۳، رقم: ۴۵۱۳ میں تفصیل ہے۔

ان وجوہات سے واضح ہوتا ہے کہ صحیح یہی ہے مہتمم اور سفراء معطیین اور طلبہ دونوں کے وکیل ہیں۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

